سیرتِ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ظہورِ قدسی سے مسجدِ قباء تک

الرحمٰن پرنٹرز و پبلشرز۔ کلکتہ-۷۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرِ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ظہورِ قدسی سے مسجدِ قبا تک

(حیاتِ طیبہ کا مکی دور)

سیرت نگار

شاہ مصباح الدین شکیل

ترتیب و تزئین :۔ عطاء الرحمٰن

مطبوعہ

دی اعجاز پرنٹرز

۱۸، زکریا اسٹریٹ ۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۲۳۲۳ ۔ کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۷۳

فون :۔ ۲۵-۴۰۷۹ ٭ ۲۵-۴۲۸۱

RekhtaDownload.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نذرانۂ عقیدت

اِن نلتَ یاریحَ الصَّبا یوماً اِلیٰ ارضِ الحَرَم — بلّغ سلامی روضةً فیھا النّبیُّ المُحترم

اے بادِ صبا! اگر تیرا گزر سرزمینِ حرم تک ہو — تو میرا سلام اس روضہ کو پہنچا جس میں نبی محترم آرام فرما ہیں

یارحمةً للعالمین انت شفیعُ المذنبین — اکرم لنا یوم الحزین فضلاً وجوداً والکرم

اے رحمتِ عالم! آپ گنہگاروں کے شفیع ہیں — ہمیں قیامت کے دن فضل وسخاوت اور کرم سے عزت بخشئے

نام کتاب ——— سیرت احمد مجتبیٰ۔ ظہور قدسی سے مسجد قبا تک

مصنف ——— شاہ مصباح الدین شکیل۔ بی کام۔ ایم اے۔ ایل ایل بی

طبع اول ——— ستمبر ۱۹۸۸ء

سرِورق ——— مُہر۔ جو رسول اللہؐ اپنے مراسلات و احکامات پر ثبت فرمایا کرتے تھے۔

تصاویر اور نقشہ جات بہ تعاون: محمد شاہد رحمٰن و محمد ساجد رحمٰن۔

طباعت: دی اعجاز پرنٹرز: ۱۸۔ زکریا اسٹریٹ۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۲۳۲۳۔ کلکتہ ۷۰۰۰۷۳

ٹیلی فون:۔ ۹-۷۰-۴۰-۲۵ / ۴۲۸۱-۲۵

اس کتاب کا کوئی ھدیہ نہیں ھے۔ ناشرین کی جانب سے عازمینِ حج کو بلاقیمت دی جاتی ہے۔

اللّٰھم صلّ علی محمد وّعلی آل محمد کما
صلّیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انّک
حمید مجید ۰ اللّٰھم بارک علی محمد وعلی آل محمد
کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انّک حمید مجید

مسجد نبویؐ

ترتیب

پیش لفظ

بابِ اوّل
ولادت سے غارِ حرا تک

اسلام سے قبل عرب کی عام حالت ۱۱
رسولِ اکرمؐ کے آباو اجداد ۴۳
ولادت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ۵۳
خیر البشرؐ کا دورِ رضاعت ۶۳
رحمۃ للعالمینؐ والدہ ماجدہ کے ساتھ ۷۷
حضورؐ حضرت عبدالمطلب کے زیرِ سایہ ۸۱
سرورِ کونینؐ کا بچپن ۸۷
احمد مجتبیٰؐ کا عہدِ جوانی ۹۵
صاحبِ خُلقِ عظیمؐ کی ازدواجی زندگی ۹۹
تاجدارِ حرمؐ کے اہلِ مکہ سے تعلقات ۱۱۳
سرورِ کشورِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ۱۱۹

بابِ دوم
غارِ حرا سے ہجرتِ حبشہ تک

بعثت کی شہادتیں ۱۲۷
منصبِ نبوّت ۱۴۳
خفیہ بتدریج دعوت وتبلیغ کے تین سال ۱۵۱
سابقین اوّلین ۱۶۱
نبوّت کا چوتھا سال ۱۸۵
نبوّت کا پانچواں سال ۱۹۳

بابِ سوم
ہجرتِ حبشہ سے مسجدِ قبا تک

نبوّت کا چھٹا سال ۲۲۷
نبوّت کا ساتواں سال ۲۶۳
نبوّت کا آٹھواں سال ۲۷۵
نبوّت کا نواں سال ۲۸۳
نبوّت کا دسواں سال ۲۸۹
نبوّت کا گیارھواں سال ۳۰۹
نبوّت کا بارھواں سال ۳۱۵
نبوّت کا تیرھواں سال ۳۳۱
کتابیات و حوالہ جات ۳۸۰

Rekhtadownload.com

فہرست ـــــ نقشہ جات و تصاویر

مسجدِ نبویؐ	۳
حضور اکرمؐ سے پہلے عرب قبیلوں کی بستیاں	۱۰
بعثتِ نبویؐ کے وقت دنیا کی حالت ۶۱۰ ء اور اس کے قریب	۱۳
نقشہ شہر مکہ	۱۷
حضرت ابراہیمؑ کی مہاجرت	۲۰
ساتویں صدی کی تجارتی شاہراہیں / سلسلۂ جبال السراۃ	۲۳
عاد بحالتِ اجتماع و قوم واحد / عاد بحالتِ انتشار وافتراق	۲۵
خانۂ کعبہ ـــ زمانہ قدیم میں	۲۹
جزیرۃ العرب ـــ بعثت کے وقت مذہبی حالت	۳۳
قبائل اور ان کے جائے قیام	۳۵
فارس اور روم کی سلطنتیں ۶۳۰ء میں	۳۹
شجرۂ قریش	۴۲
عربوں کے بازار اور تجارتی راستے	۴۵
خانۂ کعبہ ـــ ترکی تعمیر	۵۰
حضورؐ پاک کی جائے پیدائش / مکہ معظمہ کے راستے میں حجاج کا پڑاؤ	۵۲
تعدادِ ایام قیام نبویؐ	۵۹
آنحضرت صلعم کا شجرۂ طیبہ والدہ مطہرہ کی طرف سے	۶۰
ابو قبیس کی پہاڑی پر مسجدِ بلالؓ	۷۲
نقشہ مکہ معظمہ	۷۵
خانۂ کعبہ	۷۶
منیٰ کا ایک منظر	۸۰
حجرِ اسود	۸۴
مکہ و مدینہ کے مابین راستے اور ان کے مقامات	۹۴
منیٰ کے راستے میں جبلِ نور	۹۸

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کا شجرہ ۱۱۱
سوق اللیل نامی گلی اور جنت المعلیٰ کا قبرستان ۱۱۲
جبلِ نور اور جبلِ ثور کا محل وقوع ۱۱۸
مکہ معظمہ کا ایک فضائی منظر ۱۲۶
اقراء کا طغریٰ ۱۴۲
مسجدِ علیؓ ۱۵۰
رسول اکرمؐ اور چار صحابہ کرامؓ کا تعلق نسبی ۱۶۰
جنت البقیع ۱۷۱
حج کے بعد قربانی کے لئے اونٹ ـــــ بدر کے میدان سے گزرتے ہوئے ۱۸۴
مقامِ ابراہیمؑ ۱۹۲
میدانِ بدر ـــــ ایک اسکیچ ۱۹۸
مسجد الحرام ـــــ مکہ مکرمہ ۲۰۰
میدانِ بدر میں شہدائے بدر کی قبریں ۲۱۹
حدودِ حرم اور میقات ۲۲۴
نقل نامہ نبی کریمؐ بنام مقوقس شاہِ حبش ۲۲۶
غسلِ کعبہ ۲۵۶
حجاج کرام صفا و مروہ کی سعی کرتے ہوئے ۲۶۸
شارع بنی ہاشم ۲۷۰
ریاض الجنۃ میں ممبرِ رسولؐ ۲۸۸
طائف میں مسجدِ علیؓ ۲۹۸
طائف میں باغِ حبشی ۳۰۰
مسجدِ نبویؐ میں مصلیٰ رسولؐ ۳۰۸
قبۃ الصخرہ بیت المقدس میں ۳۱۶
بیت المقدس میں احاطۂ حرم ۳۲۴
مدینۂ طیبہ بزمانۂ ہجرت ۳۵۶
نقشہ سفرِ ہجرت نبویؐ ۳۶۸
روضۂ مبارک ۳۷۴
عروس البلاد المدینۃ المنورہ ۳۷۶
مسجدِ قباء ـــــ نئی تعمیر ۳۷۹

پیش لفظ

یہ میری زندگی کی سب سے بڑی خوش قسمتی ہے کہ محسنِ انسانیت ہادیٔ برحق خاتم النبیین نبیٔ کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر زیرِ نظر کتاب شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ اُس ہستی کے اوصافِ حمیدہ کو کون بیان کر سکتا ہے جس کا خود خالقِ کائنات مدّاح ہو۔ اُن کی عظمتیں تو ابھی تک تشنۂ قلم ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور دنیائے انسانیت پر خالقِ کائنات کا احسان بے پایاں ہے۔ خود مالکِ ارض وسماء نے جو رب العالمین ہے، اُس ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین فرمایا ہے۔ آپؐ کی ذاتِ بابرکات اِس دنیا ہی کے لئے رحمت نہیں، بلکہ تمام جہانوں کے لیئے رحمت ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عام ہے اسی طرح آپ کی رحمت بھی عام ہے۔ وہ الرحمٰن الرحیم ہے اور آپؐ بالمومنین رؤف والرحیم" ہیں۔

ہوا پانی اور روشنی کی طرح آپؐ کا فیضان بھی عام ہے۔ زندگی کی کوئی جہت ہو یا حیاتِ انسانی کا کوئی مرحلہ ہو' یہ آفتابِ رشد و ہدایت اکتسابِ فیض کے لیئے روشنی کا مینار ہے۔ مایوس اور ٹوٹے ہوئے دلوں کی آس ہے۔ حیاتِ طیبہ جوئے رواں کی طرح ہر وقت تشنہ روحوں کو دعوتِ عمل دے رہی ہے۔ یہ سلسلہ ۱۴ سو سال سے جاری ہے اور قیامت تک برقرار رہے گا۔

آج کے دَور میں جب کہ انسانیت سسک رہی ہے اور ہوسِ اقتدار نے شرافت اور تہذیب کا دامن تار تار کر دیا ہے۔ مہلک ہتھیاروں کی دوڑ نے انسانی خون کو ارزاں کر دیا ہے۔ انسان جس نے سائنس کی ترقی کے بل بوتے پر سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا، اپنے افکار کی دنیا میں سفر کرنے کے قابل نہیں، ہر طرف بے چینی اور بے سکونی کی کیفیت ہے۔ ایسے میں دنیا ہر طرح کے سیاسی نظریات سے مایوس ہو کر اسلام کی طرف پُر اُمید نظریں لگائے ہوئی ہے۔

اللہ کے آخری نبیؐ کا پیغامِ رحمت مایوس انسانیت کے لئے آبِ حیات ہے۔ اس لئے کہ اس کی بنیاد فکرِ انسانی کے ارتقا پر نہیں بلکہ الہامی ذریعۂ وحی پر ہے، جو

قرآن کی صورت میں قیامت تک کے لئے سرچشمۂ ہدایت ہے۔

قرآن مجید ہمیں ہمہ گیر انقلاب اور تسخیرِ کائنات کی دعوت دیتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوّت کی ۲۳ سالہ مختصر زندگی میں وہ انقلاب برپا کرکے بتایا جو انسان کی ہمہ جہتی صلاحیتوں کے لئے دعوتِ عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ حاضر کے مشہور مغربی دانشور اور ماہرِ تاریخ، عیسائی ہونے کے باوجود داعیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تصانیف میں سرِفہرست جگہ دے رہے ہیں۔ ان کتابوں میں تاریخ انسانی کی ان فکر انگیز شخصیتوں کا تذکرہ ہے جنھوں نے وقت کے دھارے کا رخ بدل دیا۔ جن کے کارناموں کے اثرات بیک وقت ماضی، حال اور مستقبل پر محیط ہیں۔

عازمینِ حج کے لئے "سوئے حرم" کی اشاعت کے بعد ہم نے سیرتِ طیبہؐ کی روشنی کو پھیلانا اپنا فرض تصور کیا۔ چنانچہ زیرِ نظر کتاب حاضر ہے، جو تین حصوں پر مشتمل ہے۔

بابِ اوّل :۔ ولادت سے غارِ حرا تک۔

بابِ دوم :۔ غارِ حرا سے ھجرتِ حبشہ تک۔

بابِ سوم :۔ ھجرتِ حبشہ سے مسجدِ قباء تک۔

اِن تین ابواب پر مشتمل مواد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۱۳ سالہ مکّی زندگی کا احاطہ کیا گیا ہے۔

حیاتِ طیبّہ کے مدنی دَور پر تحقیقی کام جاری ہے اور جب وہ مکمل ہوجائے گا تو انشاء اللہ اسے بھی شائع کر دیا جائے گا۔

مجھے امید ہے کہ اس تحقیقی کام کو اہلِ نظر، صحافی، اساتذہ، طلباء اور عام قاری فراخدلانہ انداز میں سراہیں گے۔

ربّ کریم کے حضور ہم دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری ان حقیر خدمات کو قبول فرمائے اور فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ کی برکات سے، متعلق افراد کو سرفراز فرمائے۔ خصوصاً شاہ مصباح الدین شکیل صاحب، پی۔ ایس۔ او کمپنی لمیٹڈ اور ہر وہ فرد جس نے اس کتاب کی اشاعت میں ذرا سا بھی تعاون کیا ہے، ہماری دعا ہے کہ پروردگارِ عالم انھیں جزائے خیر دے، ان کی اور ان کے بزرگوں کی مغفرت فرمائے۔ آمین!

دُعاؤں کے طالب : **ناشرین**

ولادت سے غارِ حرا تک

باب اوّل

حضور اکرم صلعم سے پہلے عرب قبیلوں کی بستیاں

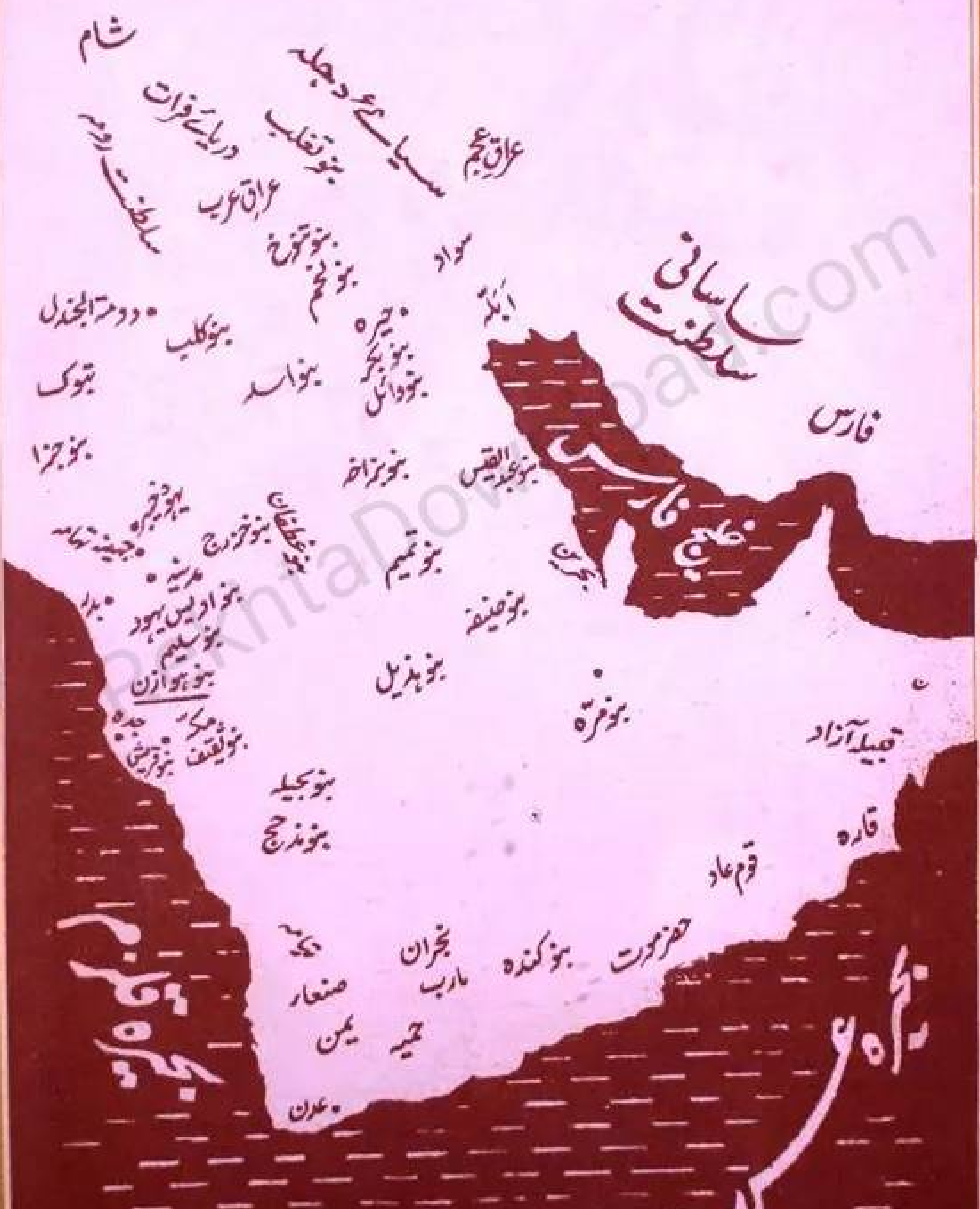

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام سے قبل عرب کی عام حالت

لفظ عرب کی تحقیق

اعراب عربی زبان میں زبان آور کو کہتے ہیں۔ یعنی وہ جس کی زبان فصیح و بلیغ ہو۔ اس لفظ سے عرب نکلا۔ اس ملک کے لوگوں کو اپنی زبان پر اس درجہ ناز تھا کہ خود کو عرب (زبان آور) اور اپنے مقابلے میں ساری دنیا کو عجم (ژولیدہ بیان) کہا کرتے تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ عرب عبرانی لفظ "عربا" سے مشتق ہے جس کے معنی ریگستان ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "عرابہ" اس کی اصل ہے۔ یعنی گندم گوں۔ یہ اہلِ ملک کی رنگت کی طرف اشارہ ہے۔ کسی نے عرب کہلائے جانے کی یہ بھی وجہ لکھی ہے کہ اس کا پہلا باشندہ یعرب بن قحطان تھا ملک اس کے نام سے موسوم ہوا۔ کچھ لوگ اس ملک کا پہلا نام ہی "عربۃ" بتلاتے ہیں جو بعد میں عرب ہوگیا۔

ناقابل کاشت وادی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی بیوی حضرت ہاجرہؑ اور شیر خوار بچے حضرت اسماعیل کو مکہ میں لاکر چھوڑا تو قرآن مجید نے اس علاقہ کو "وادٍ غیر ذی زرع" (ناقابلِ زراعت وادی) فرمایا۔ یہ اس سرزمین کی مجموعی طبعی کیفیت کی طرف اشارہ تھا۔ قدیم تاریخ میں سنہ ۱۰۰۰ ق م یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے ہی سے یہ ملک عرب کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔ ۵۲

حدودِ اربعہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب دنیا سے الگ تھلگ ایک جزیرہ نما تھا۔ حالانکہ قدرت نے تین بڑے براعظموں، ایشیا، یورپ، اور افریقہ میں اُسے مرکزی حیثیت دی ہے۔ اس کے جنوب میں بہت بڑا سمندر بحرِ ہند ہے۔ شمال میں عراق اور شام کا علاقہ ہے۔ جو اس وقت ایرانی اور رومی عملداری میں تھا۔ مشرق میں خلیج فارس اور دریائے دجلہ و فرات سے لگا ہوا ملک ایران، دولت کسریٰ کہلاتا تھا۔ مغرب میں بحیرہ قلزم کی لمبی کھاڑی ہے، جس کے بعد برّاعظم افریقہ واقع ہے۔

عرب کے تین طرف سمندر کے ساحلی علاقے سرسبز اور شاداب ہیں۔ شمال سے جنوب تک اور پھر جنوب سے مشرق تک ایک سلسلۂ کوہ پھیلا ہے، جسے جبل السّراۃ کہتے ہیں۔ شمال میں یہ شام و فلسطین کے پہاڑوں سے مل جاتا ہے۔ اس سلسلہ کو جگہ جگہ سے وادیاں (وسیع نالے) قطع کرتی ہیں۔ جن میں بارش کا پانی مغرب میں سمندر میں گرتا ہے اور مشرق میں ریگستانوں میں جذب ہوتا ہے۔ درمیان میں صحرا ہی صحرا ہے۔ لق و دق اور ناقابلِ عبور۔ ریت کے تودے اِدھر سے اُدھر ایسے لہراتے ہیں جیسے سمندر میں طوفانی موجیں۔ جنوب مشرق میں واقع بڑا صحرا "الربع الخالی" اور وسطی صحرائے نفوذ کہلاتا ہے۔

عرب کا کُل رقبہ ۱۲۱۹۷۴۸ مربع میل ہے۔ طول ۱۵۰۰ اور عرض ۸۰۰ میل ہے۔ جزیرہ نمائے عرب تقریباً ۳۴½ درجہ طول البلد مشرقی سے تقریباً ۶۰ درجہ مشرقی تک اور ۱۲½ درجہ عرض البلد شمالی سے ۳۲ درجہ شمالی تک پھیلا ہوا ہے۔ آج کل آبادی ۱½ کروڑ ہے۔ ۳؎

جغرافیائی تقسیم

قدیم زمانے میں جغرافیائی اور طبعی اعتبار سے ملک عرب (۴) حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ عرب عراق اور عرب شام اس میں شامل نہیں تھے۔

۱۔ تہامہ ۲۔ نجد ۳۔ حجاز اور ۴۔ یمن

عرب کا مغربی حصہ پست ہے اور یہاں گرمی زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لئے اسے تہامہ کہتے ہیں۔ مشرقی حصہ کی سطح بلند ہے۔ اسی لئے وہ نجد (بلند) کہلاتا ہے۔ تہامہ اور نجد کے وسط میں جس میں پہاڑ بھی شامل ہیں۔ حجاز یعنی درمیانی حصہ کہلاتا ہے۔ بعض

RekhtaDownload.com

بعثت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وقت دنیا کی حالت
۶۱۰ء اور اُس کے قریب

جغرافیہ دانوں نے تہامہ اور حجاز کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے۔ جزیرہ نما کی مغربی ساحلی پٹی کو تہامہ اور غور (پست زمین) اور پہاڑوں کو حجاز لکھا ہے۔ عروض کے ذیل میں تمام مشرقی حصہ شمار کیا ہے۔ عرب کے بڑے صحرا اور ریگستانوں میں صحرائے ربع الخالی، الدہنا، النفوذ، اور بادیۃ الشام شامل ہیں۔

(۱) عَروض

اس خطۂ ملک میں خلیج فارس پر واقع عمان۔ الاحساء (بحرین) حدودِ عراق تک اور نجد کے نیچے کا علاقہ یمامہ شامل ہیں۔ عمان کا ساحلی علاقہ سرسبز و شاداب اور آباد ہے۔ اس کے پہاڑ معدنیات سے مالا مال ہیں، خاص طور پر سیسہ اور تانبہ کثرت سے ہے۔ وادیاں زرخیز اور قابلِ کاشت ہیں۔ جنگلوں میں خوشبودار لکڑی پائی جاتی ہے۔ یہاں کے گھوڑے، گائے اور بکریاں مشہور ہیں۔

الاحساء جس کا دوسرا نام بحرین ہے۔ یہ بھی ساحلی علاقہ ہے۔ اس کے ساحل اور متصل جزیرے موتیوں کے مخزن ہیں۔ بیش قیمت موتی بڑی تعداد میں نکالے جاتے ہیں۔ اب یہاں تیل کے چشمے بھی نکل آئے ہیں۔ چھٹی صدی عیسوی میں یہ علاقہ سلطنتِ کسریٰ کے قبضے میں تھا۔ ایرانیوں کے نائب جو عراق (حیرہ) میں حکمران تھے ان کی طرف سے یہاں کی حکومت مناذرہ خاندان کو دی گئی۔ ۸ھ میں یہاں کا حاکم منذر بن ساوی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر اپنی تمام رعایا کے ساتھ ایمان لے آیا۔

یمامہ کے علاقے میں سخت دشوار گذار ٹیلے ہیں۔ اس کا وہ حصہ جو نجد سے ملا ہوا ہے ہرا بھرا اور آباد ہے۔ اس کے جنوب میں صحرائے ربع خالی ہے۔ شمال میں نجد ہے۔ قدیم عمارتوں اور قلعوں کے آثار زمانۂ اسلام تک باقی تھے۔ یہاں کے قبیلہ بنو حنیفہ نے ۸ ہجری میں خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ مسیلمہ کذاب دعویدارِ نبوت یہیں کا سردار تھا۔ عہدِ صدیقی میں زبردست جنگ ہوئی اور خالد بن ولیدؓ کے ہاتھوں شکست کھائی۔ حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی نے مسلمان ہونے کے بعد اسے جنگ میں قتل کیا اور اپنے پہلے عمل کی تلافی کی۔

(۲) نجد

یہ وسط عرب کا سرسبز شاداب، عمدہ زمین والا سطح مرتفع ہے۔ سطح سمندر سے

۱۲۰۰ میٹر بلند ہے۔ تین طرف سے بے آب و گیاہ صحراؤں سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے آزاد اور بیرونی اثرات سے محفوظ رہنے کی یہی وجہ ہے۔ یہاں کی زبان آج بھی محفوظ، بلا اختلاط اور قدیم عربی کا نمونہ ہے۔ عربی شاعری کا باوا آدم مہلہل اسی خاک سے اُٹھا تھا۔ وادیوں اور پہاڑوں کے دامن میں زراعت بھی ہوتی ہے۔ کثرت سے چراگاہیں ہیں۔ یہاں کے گھوڑے اور اُونٹ خوبصورت اور تیز رفتار ہوتے ہیں۔ پھولوں کے لئے بھی مشہور ہے۔ عہدِ قدیم میں کندہ خاندان کی حکومت تھی، جس کا آخری شہزادہ اِمرؤ القیس عرب کا ملک الشعراء بنا۔ قبیلہ ہوازن جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن میں پرورش پائی تھی اس کے مغرب میں آباد تھا۔ ظہورِ اسلام کے وقت یہاں قبیلہ غطفان آباد تھا جو شروع ہی سے اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہا۔ ۳ ہجری میں غزوۂ انمار اور ۴ ہجری میں غزوۂ ذات الرقاع ان ہی کی سرکوبی کے لئے پیش آئے۔

(۳) حجاز

اس کا نام حجاز اِس لئے بھی رکھا گیا ہے کہ یہ وہ پہاڑی سلسلہ ہے جو تہامہ کو نجد سے الگ کر دیتا ہے۔

حجاز بحیرۂ قلزم کے ساحل پر شمالاً جنوباً مستطیل شکل میں پہاڑوں سے گھرا علاقہ ہے۔ اس میں ایسے قطعے بھی ہیں جن کے پتھر سیاہ کھنجر کی طرح ہیں۔ ان کو عربی میں حرہ اور لابہ کہتے ہیں۔ یہ سطحِ سمندر سے کافی بلند ہیں۔ ان کی تعداد سو تک شمار کی گئی ہے۔

حرّہ ایسے بھُربھُرے پتھر ہوتے ہیں گویا انھیں آگ میں جلا دیا گیا ہے۔ یہ سیاہ سنگستان حوران کے مشرق سے ہو کر بڑھتے بڑھتے مدینہ تک پھیلتے چلے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ مدینہ خود دو حرّوں کے درمیان واقع ہے۔ یہ حرّے زیادہ تر تبوک اور مکّہ کے درمیان واقع ہیں۔

سلسلۂ جبال السراۃ کو توریت میں سلسلۂ کوہ فاران کا نام دیا گیا ہے۔ سرزمینِ حجاز میں جا بجا ریت کے انبار دکھائی دیتے ہیں۔ البتہ کہیں کہیں سرسبز ٹیلے بھی نظر آتے ہیں۔ یہی زیادہ تر عرب قبائل کے مسکن ہیں۔ بستیوں کے اِرد گرد ان کے کھیت ہوتے ہیں۔ ٹیلوں کی نشیبی زمین پر اناج، میوہ، گھاس اور چارہ پیدا ہوتا ہے۔ ریگستانی علاقہ میں قدرتی چشموں سے نخلستان آباد ہیں۔ ساحلی علاقہ سرسبز، شاداب اور بہت آباد ہے۔

دامنِ کوہ میں چشمے جاری ہیں۔ باغ، کھیتیاں اور کہیں کہیں جنگل بھی ہیں۔ حجاز کا بڑا ساحلی شہر اور بندرگاہ جدّہ ہے۔ ینبوع مدینہ کی گودی ہے۔ جدّہ کا قدیم نام شعیبہ ہے۔

مکّہ

حجاز کا زیادہ حصہ بنجر اور بے آب و گیاہ ہے جسے قرآن نے "وادٍ غیرِ ذی زرعٍ" کہا ہے۔ اس میں بکہ یا مکہ واقع ہے جو پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے۔ یہیں روئے زمین پر پہلی بار اللہ کا گھر تعمیر ہوا۔ اس گھر کا نہ چھت تھا نہ دہلیز نہ دروازہ۔ بس ایک چہار دیواری تھی جو طول میں ۳۲۔ عرض میں ۲۳ اور بلندی میں ۹ گز تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے لوگ اس کے حج کے لئے دُور دراز سے آنے لگے۔ قدیم زمانے میں یمن کے حمیری بادشاہ اسد تُبّع نے سب سے پہلے اس پر غلاف چڑھایا۔ ہر دور میں اس کا تقدّس برقرار رہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ڈھائی ہزار سال پہلے ہی سے یہ شام اور یمن کی تجارتی شاہراہ پر ایک منزل تھی۔ کعبۃ اللہ کی تعمیر کے بعد کچھ عرب قبائل یہیں بس گئے اور حج و زیارت کا رواج پڑنے لگا تو آہستہ آہستہ مکہ ایک بڑا شہر اور تجارتی مرکز بن گیا۔ بنو اسمٰعیل میں سے یہاں قصی نے اپنی ریاست قائم کی وہی قریش کے جدّ اعلیٰ ہیں۔ مکّہ میں سب سے پہلی عمارت تعمیر کرنے والے کا نام سعید بن عمر تھا۔ قدیم عربی میں قریش کے معنیٰ "تاجر" کے ہیں۔ بنی قریش کے بڑے تجارتی کارواں جو پانچ سو سے ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ موسم گرما میں ملک شام اور مصر کی طرف اور سردیوں میں ملک یمن مالِ تجارت لے جاتے۔ صنعاء اور مآرب کے بازاروں، عدن اور عمان کی بندرگاہوں میں حبشہ، جنوبی ہند اور جزائرِ ہند سے درآمد شدہ قیمتی اور خوشبودار مصالحہ کی کھیپیں قریش کے ذریعہ ہی سے تمام عرب میں پہنچتی تھیں۔ وہ بصرہ اور دمشق کے تجارتی میلوں سے اناج، کپڑے، برتن، ہتھیار، اسلحہ، عطر، تیل، زیور، خشک و تر میوے اور دیگر ضروریات کا سامان خرید کر لاتے اور اس کے بدلے جانوروں کی کھالیں، اُون، روغن بلسان، لوبان، گوند، قیمتی پتھر اور گھوڑے فروخت کرتے اور بے حد منافع کماتے۔

متاعِ سخن

مکّہ میں جبلِ عرفات کے پیچھے عکاظ میں ہر سال تجارتی میلہ لگتا تھا۔ قبائل کے سردار

نقشہ شہر مکہ

راستہ مدینہ منورہ
براہ وادی فاطمہ
(مر الظہران)
پہاڑ
پہاڑ
راستہ نجد و طائف
براہِ منیٰ
معلاۃ
کدی
جبل قیقعان
قلعہ
جبل ابو قبیس
جبل خندمہ
شمال
پہاڑ
اجیاد
مسفلہ
راستہ یمن

بھی جمع ہوتے اور آپس میں معاہدات کی شرائط طے کرتے۔ دُور دُور سے تاجر مال لاتے، میلے کے دنوں میں بڑی چہل پہل ہو جاتی۔ تجارت کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری، خطابت اور فنونِ حرب کے مقابلے بھی ہوتے۔ سخن فہمی اور شاعری گویا ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ ان کی شاعری ان کے صحراؤں کی طرح وسیع، پہاڑوں کی مانند عظیم، بدویانہ زندگی کی طرح سادہ اور بے تکلف تھی۔ انھوں نے اپنے اونٹوں کی رفتار سے اپنے اشعار کے اوزان بنائے تھے۔ اپنی بادیہ پیمائی کے تذکروں، قبائلی تفاخر، وادیوں اور صحراؤں کے قصوں، شجاعت کے تذکروں سے شعروں میں رنگ بھرتے۔ اہلِ قبیلہ اپنے شعراء کی شہسواروں اور جنگجو دلیروں سے بھی زیادہ قدر کرتے۔ انھیں قبیلہ کی عزت و آبرو کا نگہبان، حسب و نسب کا محافظ اور آبا و اجداد کے کارناموں کا زندہ رکھنے والا سمجھتے۔ جب کسی قبیلہ میں کوئی اچھا شاعر پیدا ہوتا تو دوسرے قبائل کے لوگ آکر مبارکباد دیتے۔ اس زمانے میں شعراء کا وہی مقام تھا جو ہماری سوسائٹی میں اخبارات کا ہے۔ عکاظ کے اجتماع میں مختلف قبائل کے شاعر اور خطیب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ شاعروں میں جس کا کلام شرفِ قبولیت حاصل کرتا اس کے فن کا اعتراف اس طرح کیا جاتا کہ ریشمی کپڑے پر قصیدہ لکھ کر خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا جاتا۔ دورِ جاہلیت کے عربی ادب میں خاص طور پر سات قصیدوں نے اتنی مقبولیت پائی کہ آج بھی عربی ادب میں ان کا تذکرہ "سبع معلقات" کے نام سے کیا جاتا ہے۔ "المعلّقات السبعہ" آج بھی اپنی ادبی خوبیوں کی وجہ سے قدیم عربی ادب میں بلند مرتبت ہیں ــــ ان سات شاعروں کے نام جن کے کلام کو عربی ادب میں لافانی شہرت نصیب ہوئی اور جن کے قصیدے درِ کعبہ سے لٹکائے گئے یہ ہیں۔

(۱) اِمرُؤُالقیس بن حجر الکندی (۲) طرفہ بن العَبدُ البکری

(۳) زُہیر بن اَبی سُلمیٰ المزنی (۴) عَنترہ بن شدّاد العَبسِی

(۵) عَمرُو بن کلثوم التغلبی (۶) لَبِیدِ بن ربیعہ العَامری

(۷) حارث بن حِلّزَہُ الیشکری بکریؒ

ان میں حضرت لبیدؓ بن ربیعہ عامری نے رسول اللہ کا زمانہ پایا اور قرآن کی فصاحت و بلاغت سے متاثر ہو کر اپنے قبیلے جعفر بن کلاب کے وفد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور متاعِ سخن کے ساتھ دولتِ ایمان بھی پائی۔ اس زمانے میں ان کی حیثیت بڑی ممتاز تھی۔ عہدِ جاہلیت اور اسلام سے ملے ہوئے دَور میں ان کا شمار سحر بیان اور مایۂ ناز شاعروں کے زمرے میں ہوتا تھا۔ طبقات الشعراء

میں مشہور ناقدِ شعر ابو عبداللہ بن سلام جمحی نے لکھا ہے کہ ان کے ہم عصر نامور شعراء ان کے کمالِ فن کا اعتراف اس طرح کرتے تھے کہ بعض لوگ شعر سُن کر سربسجود ہوجاتے۔ نامور شاعر فردوق نے لبید عامری کا ایک شعر سُنا تو بے اختیار سجدہ میں گر گیا جب اس کے اس اضطراری فعل کی وجہ دریافت کی گئی، تو کہا جس طرح لوگ قرآن کریم کے سجدہ کو پہچانتے ہیں میں شاعری کا مقامِ سجود جانتا ہوں۔ اس شعر کا مفہوم تھا ــــ" نور کے سیلاب نے ٹیلوں کو اس طرح صاف کردیا گویا کہ وہ ٹیلے کتاب کے صفحات ہیں جن کے متن کو قلم نے درست کیا ہو ــــ"

لبید عامری کا ایک شعر حضور اکرم ؐ نے بے حد پسند فرمایا، جس کا مطلب تھا، ــــ" ہر انسان کو اپنی کوششوں کا نتیجہ اس وقت معلوم ہوگا جب کہ نتائج خدا کے سامنے ظاہر ہوں گے ــــ"

یاد رکھو! ہر وہ چیز باطل ہے جو اللہ سے دُور ہوگی۔ شاعری کے بارے میں حضورؐ کا ارشاد ہے۔" شعر وہ کلام ہے جس کا اچھا، اچھا ہے اور بُرا، بُرا ہے۔" ایک اور ارشاد ہے۔" بے شک شعر میں حکمت پوشیدہ ہے۔" شاعر پر طاری ہونے والی الہامی کیفیت حکمت ہی کا ایک روپ ہے۔

میلے ٹھیلے

ملکِ عرب گو کسی سیاسی وحدت کے تابع نہ تھا لیکن تجارتی میلوں سے ایک معاشی اور اقتصادی وحدت کا پتہ چلتا ہے۔ یہ تجارتی میلے ٹھیلے کچھ اس طرح ہوتے تھے کہ پورے جزیرہ نمائے عرب پر محیط ہوتے۔ ان کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ شام و حجاز کے مابین دُومتہ الجندلؔ میں ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو میلہ شروع ہوتا۔ مکّہ سے قریش اپنا سامانِ تجارت لے کر جاتے۔ اس کے بعد تاجر بحرین میں میلہ مُشقّرؔ میں پورا جمادی الثانی گزارتے۔ اس میں ایران کے تاجر بھی شریک ہوتے۔ یہاں سے تجار عمان کی بندرگاہ صُحَارؔ میں پانچ دن کے لئے ماہ رجب میں جمع ہوتے۔ پھر اس کی دوسری بندرگاہ دَبَا میں آخر رجب تک میلہ کا اہتمام ہوتا۔ یہاں جہازوں میں بیٹھ کر سندھ، ہند اور چین کے تاجر آتے۔ اس کے بعد یہ میلہ مہرہ کے شہر "شحرؔ" میں وسط شعبان میں لگتا۔ یکم رمضان سے ۲۰ دن کے لئے عدن میں میلہ بھرتا۔ عدن عطریات کے لئے بہت مشہور تھا۔ یہاں اس کی بہت فروخت ہوتی۔ رمضان

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہاجرت

Rekhtadownload.com

کے آخر پندرہ دن سب صنعاء میں تجارت کرتے۔ وسط ذیقعد سے آخر ماہ تک دو جگہ یکساں میلہ لگتا۔ حضر موت میں رابیہ پر اور مکہ کے قریب عکاظ میں تاجر بٹ جاتے۔ ذی الحجہ میں حج کا موسم آتا تو ذی المجاز اور منیٰ میں میلہ لگتا۔ عکاظ، ذی المجاز اور منیٰ کے میلے بہت بڑے ہوتے۔ چونکہ حج کے لئے بڑی تعداد میں لوگ جمع ہوتے۔ اِن میلوں میں شرکت اس لئے بھی زیادہ ہوتی کہ قدیم زمانہ سے چار ماہ یعنی ذیقعد، ذی الحجہ، محرم اور رجب محفوظ اور محترم مہینے قرار دیئے گئے تھے۔ ہر طرف امن ہوتا اس لئے تعداد زیادہ ہوتی۔ حج کے بعد دسویں محرم سے خیبر اور یمامہ میں میلے لگتے۔ خیبر سے تاجر اذرح اور بصریٰ کے میلوں میں شریک ہوتے۔ اس طرح سال بھر میں تمام عرب کے ساحلی مقامات کا تجارتی دَورہ مکمّل ہوجاتا اور چیزیں اِدھر سے اُدھر پہنچتی رہتیں۔ اور یوں تمام سال خرید و فروخت کا ایک سلسلہ سا قائم رہتا۔ بیت اللہ کے علاوہ مکہ کو پیغمبر آخر الزماںؐ کے مقامِ ولادت بننے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ مکہ سے (۷۰) میل پر باغوں کا شہر، پُرفضا مرغزار طائف ہے۔ یہاں بنی ثقیف کا قبیلہ آباد تھا۔ حجاز کا دوسرا بڑا شہر یثرب تھا۔ جس کی قسمت میں مدینہ بننا تھا۔ یہ مکہ سے ۲۷۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دارالھجرت اور ابدی آرامگاہ ہے۔ یہاں آباد قبائل میں اوس و خزرج دو ممتاز قبیلے تھے۔ ان کے علاوہ یہودی بھی کثرت سے آباد تھے جن کی اپنی جُدا بستیاں تھیں۔

(۴) یمن

یمن بڑا شاداب ملک ہے۔ عرب میں سب سے زیادہ بارش تقریباً ۲۰ انچ سالانہ یہیں ہوتی ہے۔ سب سے اونچے پہاڑ جن کی بلندی ۱۳ سے ۱۴ ہزار فٹ ہے، اسی حصہ میں ہیں۔

یمن کا علاقہ کئی چھوٹے چھوٹے حلقوں میں تقسیم تھا۔ جس میں حضرموت، بلاد الاحقاف، نجران اور صنعاء شامل ہیں۔ قومِ سبا کا مسکن شہر مارب تھا۔ جہاں سیل عرم کا حادثہ ہوا۔ نجران وہی مقام ہے جہاں اصحاب الاُخدود کو زندہ جلا دیا گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ بُت پرست بادشاہ تھا وہ اپنی رعایا کو بُت پرستی پر مجبور کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے ایک خندق کھدوائی اور اس میں آگ دہکائی اور لوگوں کو جمع کر کے حکم دیا کہ بُتوں کو سجدہ کرو۔ جس نے انکار کیا اسے پکڑ کر آگ میں جھونک دیا۔ وہ یہ ظلم کر ہی رہا تھا کہ خود وہ اور اس کے اُمراء آگ کی لپیٹ میں آ گئے اور سب کے سب جل کر بھسم ہوئے۔ عربی میں خندق کو اُخدود بھی کہتے ہیں۔ قدیم قوم عاد کا مسکن ریگستان الاحقاف ہی تھا۔

حضرت ہود علیہ السّلام کا مزار حضرموت کے علاقہ میں تھا۔ یمن جس کا پایۂ تخت صنعاء تھا۔ قدیم زمانہ سے بہت مشہور اور متمدن ملک تھا۔ بہت سرسبز، شاداب اور گنجان آباد تھا۔ اہلِ یمن نے زراعت کے لئے بڑے بڑے بند بنائے تھے۔ جس میں سے سدّ مارب کا قرآن میں ذکر ہے۔ سیل عرم اسی کے ٹوٹنے سے پیش آیا تھا۔ پہاڑوں میں جواہر اور معدنیات کے ذخیرے ہیں۔ ڈھلوانوں پر قہوہ کی کاشت ہوتی ہے۔ خوشبودار لکڑی، عود، لوبان اور عطریات کے لئے شروع سے مشہور رہے۔ قبل از اسلام اور بعد از اسلام علم کا گہوارہ رہا۔ ملکِ یمن میں معین، سبا اور حمیریوں کی عظیم الشان سلطنتیں قائم ہوئیں۔ آثار اور کھنڈرات سے آج بھی ان کے فنِ تعمیر اور عظیم تمدنی ترقی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ظہورِ اسلام سے قبل یہاں پہلے حبشی پھر ایرانی گورنر حکمراں تھے جو تقریباً نیم خود مختار حیثیت رکھتے تھے۔

نجران میں عیسائیوں کا عظیم الشان کلیسا بھی تھا جو عربوں میں کعبۂ نجران کے نام سے مشہور تھا۔ صنعأ میں ابرہہ اشرم نے بھی ایک کلیسا عظیم الشان بنایا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس کلیسا کو ویسی ہی روحانی عظمت حاصل ہوجائے جیسی کعبہ کو تھی۔ چنانچہ اس نے اہلِ عرب کو مجبور کیا کہ وہ مناسکِ حج اِس کلیسا میں ادا کریں۔ یہ بات اہلِ عرب کو سخت ناگوار گزری۔ چنانچہ ایک جوشیلے عرب نے کلیسا کو بے حرمت کیا۔ ابرہہ کو معلوم ہوا تو سخت مشتعل ہو گیا اس نے سوچا کہ جب تک کعبہ کو منہدم نہیں کیا جاتا، اِس کلیسا کو وہ عظمت اور مرکزیت حاصل نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس نے ہاتھیوں کی فوج لے کر بیت اللہ کو گرادینا چاہا۔ اس وقت قریش کے سردار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب تھے۔ سورۂ فیل میں اِس واقعہ کا ذِکر ہے۔ یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے ۴۰ تا ۵۵ دن پہلے پیش آیا تھا۔

باشندے

نسلی اعتبار سے عرب میں بسنے والی اقوام سام بن نوح علیہ السلام کی نسل سے ہیں جو طوفانِ نوح سے ایک سو سال پہلے پیدا ہوئے تھے اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے۔ عرب سامی النسل ہیں۔ امم سامیہ میں جن اقوام کا نام آتا ہے۔ ان میں بابلی، اشوری، عبرانی، فنیقی، آرامی اور حبشی شامل ہیں۔ بعد میں جب یہ اقوام گروہوں میں بٹ گئیں تو ان میں سے بابلی اور اشوری عراق میں آباد ہوئے۔ فنیقی سوریا میں جا بسے۔ عبرانی فلسطین میں مُنتقل ہوئے۔ حبشی حبشہ میں جاگزیں ہوئے۔ سامی نسل کے عرب قحطانی اور عدنانی گروہوں میں تقسیم ہوگئے۔ قحطانی یمن سے عمان تک کے علاقے میں پھیلے پھُولے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی نسل

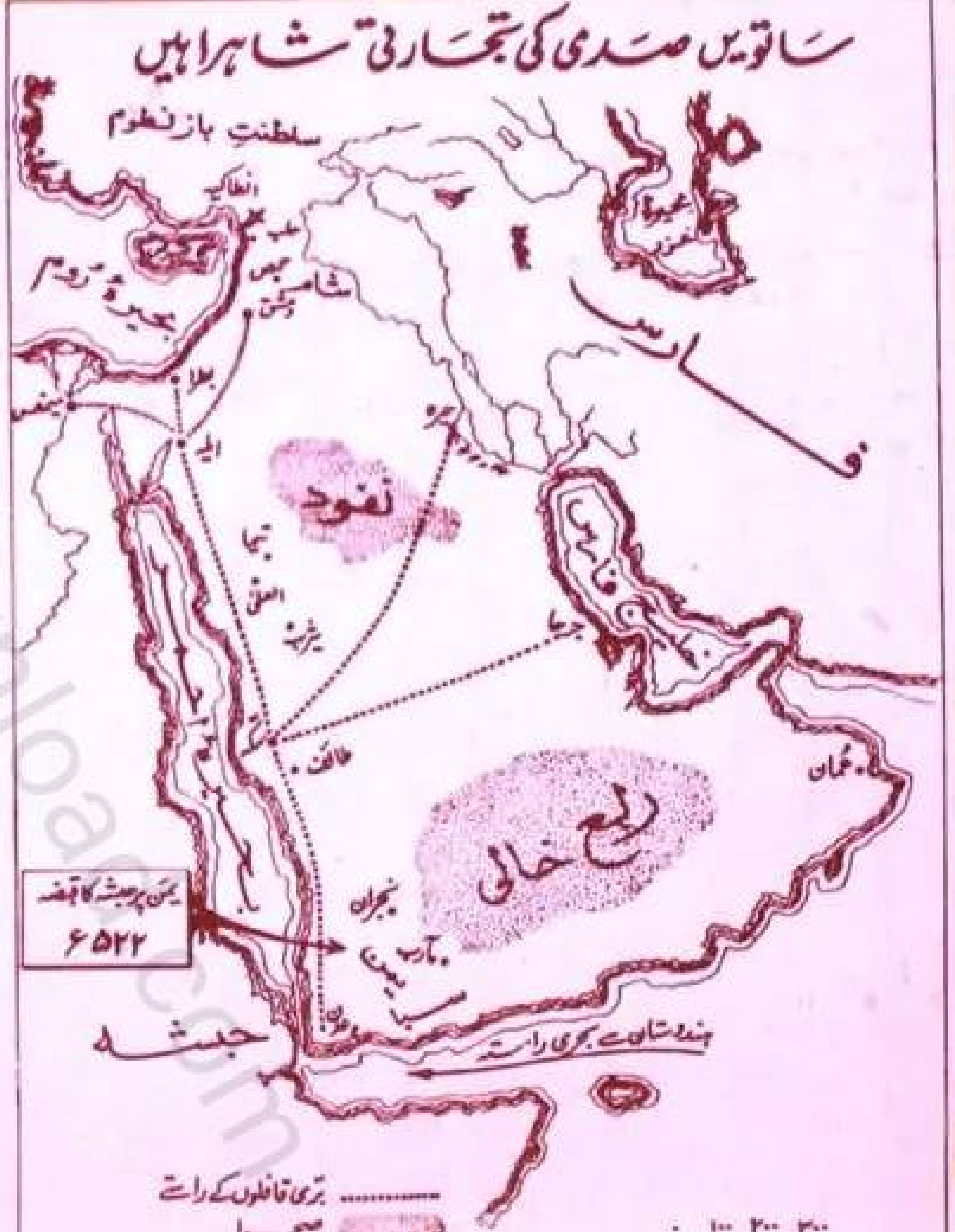

ساتویں صدی کی تجارتی شاہراہیں
سلطنتِ بازنطوم
بحیرۂ روم
فارس
نفود
ربع خالی
یمن پرحبشہ کا قبضہ ۵۲۲ء
حبشہ
طائف
نجران
عمان
ہندوستان سے بحری راستہ
بری قافلوں کے راستے
صحرا
میل

سلسلۂ جبال السراۃ (طبعی)
جوف
تبوک
خلیج عربی
کویت
جبال
بریدہ
عنیزہ
الجمعہ
ریاض
مدینہ
ینبوع
رابغ
جدہ
سلیل
الربع الخالی
بحر احمر
افریقہ
حضرموت
شبوہ
بحر عرب
عدن
۶ ہزار فٹ سے زیادہ بلند
۳ اور ۶ ہزار فٹ کے درمیان
میل

سے کئی پشتوں بعد ایک مشہور شخصیت عدنان ہوئے۔ وہ عربوں کی باقی رہنے والی تمام نسلوں کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔ حجاز میں آباد لوگ عدنانی کہلاتے ہیں۔

عرب کے قدیم باشندوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) عربِ بائدہ

وہ قدیم نسل ہے جو تاریخی دَور سے پہلے ہی فنا ہوگئی۔ اقوامِ عاد و ثمود جن کا قرآن میں تذکرہ ہے، ان کا تعلق ان ہی سے تھا۔ اب بابل، مصر، یمن اور عراق کے آثارِ قدیمہ سے انکشافات ہورہے ہیں کہ حضرت مسیح سے تین ہزار سال پہلے ان لوگوں نے بڑی سلطنتیں قائم کی تھیں۔ بابل اور اشور کے قدیمی تمدن کے یہی لوگ بانی تھے۔ ان کے مشہور قبائل ثمود، طسم، جدیس اور جرہم ہیں۔

(۲) عربِ عاربہ

یہ یعرب بن قحطان کی نسل سے ہیں۔ عرب کی قدیم تاریخ ان ہی پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ یمن کے آس پاس آباد ہوگئے۔ انھوں نے حکومت اور تمدن کے اعتبار سے بڑی ترقی کی۔ حمیر بن سبا نے منظم حکومت کی بنیاد ڈالی۔ انھوں نے بڑے عالیشان محلات، بند اور عمارتیں بنوائیں، جن کے کھنڈرات اب بھی باقی ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ملکہ بلقیس اسی خاندانِ سبا سے تھیں۔ ان میں بنوحضرموت، بنوسبا، حمیرہ، کہلان وغیرہ نے صدیوں حکومت کی۔ شہر مآرب کا عظیم الشان بند تین پہاڑوں کے درمیان میں تعمیر کیا گیا تھا۔ جہاں بہت سے چشموں کا پانی آکر جمع ہوجاتا تھا۔ ایک بار پانی کے زور سے بند ٹوٹ گیا اور بڑی تباہی مچی۔ اکثر خاندان یہاں سے بھاگ کر دور دراز کے حصوں میں آباد ہوئے۔ ان میں آزد میں سے ثعلبہ اپنے قبیلہ کے ساتھ یثرب میں آباد ہوا۔ ان ہی کی اولاد اوس و خزرج تھے۔ آزد کا دوسرا شخص حارثہ بن عمر جو خزاعہ کے نام سے مشہور تھا، اس نے مکہ پر قبضہ کرکے بنی جُرہُم کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ آزد میں سے نصر تہامہ میں آباد ہوا۔ اس کی اولاد میں متعدد قبیلے ہوئے۔ عمرو ازدی کا ایک بیٹا عمران عمان کی طرف نکل گیا۔ دوسرا بیٹا جفنہ شام کی طرف نکل گیا اور غسّان نامی چشمہ کے قریب بس گیا۔ اس نے سرحدی قبائل پر اپنی حکومت قائم کرلی جو ملوک غسّان کہلاتے ہیں۔ کہلان میں سے لخم کا قبیلہ عراق میں آباد ہوا۔ ملوک حیرہ ان ہی کی نسل سے

عاد بحالتِ اجتماع و قوم واحد

عاد بحالتِ انتشار و افتراق

RekhtaDownload.com

تھے۔ قبیلۂ طے کے لوگ مدینہ کے شمال مشرق میں جبلِ سلما اور جبل اجا کے درمیان بس گئے۔ بعد میں یہ قضاعہ کی ایک شاخ بن گئے۔ نجد کی شمالی سرحد پر بنی کلب آباد ہوئے۔ البتہ حمیر، کندہ اور مذحج بدستور یمن ہی میں جمے رہے۔

(۳) عرب مستعربہ

کریں گے اہلِ نظر تازہ بستیاں آباد

یہ لوگ حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل سے ہیں جو آگے چل کر بنو عدنانی کہلانے لگے۔ ۱۹۱۱ قبل مسیح کے لگ بھگ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ نے حکمِ الٰہی سے اپنی دوسری بیوی حضرت ہاجرہؑ اور شیر خوار بچے حضرت اسماعیلؑ کو اس وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑا تھا۔ انھیں پانی کا ایک مشکیزہ اور کھجوروں کی ایک تھیلی دی اور واپس جانے لگے۔ بیوی نے پوچھا۔ کیا آپ اللہ کے حکم سے ایسا کر رہے ہیں۔ فرمایا۔ ہاں۔ وہ بولیں پھر تو اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ جب کھجوریں اور پانی ختم ہوگیا تو ان کا بھوک اور پیاس سے بُرا حال ہوا۔ تلاشِ آب میں بچے کو نیچے وادی میں چھوڑ کر صفا کی پہاڑی پر جاتیں۔ پانی کے آثار نہیں پاتیں تو بے قرار ہو کر بچے کے پاس آتیں، پھر دوڑ کر مروہ کی پہاڑی پر چڑھ جاتیں۔ اس کی بلندی سے دیکھتیں کہ کہیں پانی کے نشان ہیں۔ سات پھیروں کے بعد بچے کے پاس آئیں تو فرشتہ کی آواز آئی۔ جبرئیل علیہ السلام نمودار ہوئے۔ جہاں حضرت اسماعیلؑ ایڑیاں رگڑ رہے تھے وہاں اپنی ایڑی ماری، وہاں ایک چشمہ پھوٹا اور زمین سے پانی اُبلنے لگا۔ حضرت ہاجرہؑ نے زم زم (ٹھہر ٹھہر) کہہ کر اس کے اطراف مینڈھ باندھی اور اسے آس پاس پھیلنے سے روک دیا۔

چشمۂ آبِ بقا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اللہ تعالیٰ اُمِ اسمٰعیل پر رحم کرے اگر وہ زم زم کے پانی کو نہ روکتیں اور اس کے چاروں طرف باڑھ نہ لگاتیں تو آج زم زم ایک زبردست بہتا ہوا چشمہ ہوتا۔"

پانی کی تلاش میں خانہ بدوش بنو جرہُم کے لوگ یہاں آئے اور حضرت ہاجرہؑ کی اجازت سے بس گئے۔ تقریباً چار ہزار سال تک یہ چشمہ جاری رہا۔ کچھ صدیاں گزرنے

کے بعد اس کے سوتے خشک ہو گئے اور پانی کچھ عرصہ کے لئے بند ہو گیا۔
بنو جرہم کو جب مکہ سے نکالا گیا تو انھوں نے کنواں پاٹ کر نام و نشان مٹا دیا۔
خواب میں اشارہ پاکر حضورؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے اسے دوبارہ کھولا۔ وہ دن اور آج کا دن کہ پانی کبھی ختم نہ ہوا۔ ۲۹۷ھ مطابق ۹۰۹ء میں اچانک پانی کی سطح بلند ہوئی اور کنواں اُبلنے لگا، یہاں تک کہ سیلاب کی شکل اختیار کر گیا۔ زم زم کا اتنا عرصہ جاری رہنا اور کروڑوں انسانوں کا ہزاروں برس سے سیراب ہونا ایک معجزہ سے کم نہیں۔
چاہِ زم زم کی گہرائی کوئی ۷۰ گز بتائی جاتی ہے۔ آج کل اس کی پانی کی سطح ۱۷ گز پر ہے۔ خلیفہ منصور اور مامون الرشید کے عہد میں اس کی صفائی کی گئی۔ موجودہ سعودی حکومت نے چند سال پیشتر جدید مشنیری سے اس کی صفائی کی۔ فرماں روا شاہ خالد کے حکم سے دو غوطہ خوروں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کوئی انسان اس چشمے کے اندر داخل ہوا۔ نگراں انجینئر یحییٰ کوشک نے بتایا کہ چشمے کے اندر پتھر کی چٹانوں سے پانی پھوٹتا ہے۔ ایک بڑی چٹان پر "باذن اللہ" لکھا ہے۔ ان چٹانوں پر رنگ برنگی مٹی کی قدرتی تہیں جمی ہوئی ہیں۔ جس سے قدرتی طور پر پانی کی فلٹریشن ہوتی ہے۔
پانی کا ذائقہ بالکل نمکین نہیں بلکہ کسی قدر میٹھا ہے۔ کچھ کچھ چکناہٹ بھی ہوتی ہے۔ اس طرح ذائقہ خوشگوار ہے۔ ہر قسم کے جراثیم سے پاک ہے۔ ایک مصری ڈاکٹر نے سائنٹفک اصولوں پر زم زم کا کیمیادی تجزیہ کیا اور اس کے بے شمار فوائد بیان کئے۔ یہ پانی نہ سڑتا ہے اور نہ خراب ہوتا ہے۔ اس پانی کے بارے میں حضورؐ کے ارشادات ہیں:

۱۔ دنیا میں بہترین پانی زم زم کا ہے۔
۲۔ زم زم کا پانی جس نیت سے پیا جائے گا اللہ اس ارادہ کو پورا کرے گا۔
۳۔ زم زم کا پانی پیٹ بھرنے والی غذا ہے اور بیمار کے لئے شفا ہے۔
۴۔ جہنم کی آگ اور زم زم کا پانی دونوں انسان کے شکم میں جمع نہیں ہو سکتے۔

بیت اللہ —— خلیل ایک معمار تھا جس بناء کا

حضرت ابوذر غفاریؓ نے پوچھا —— یا رسول اللہ! روئے زمین پر سب سے پہلے

کون سی مسجد تعمیر ہوئی؟ فرمایا مسجدِ حرام۔ اس کے بعد؟ ارشاد ہوا ــــ مسجدِ اقصیٰ۔ اِن دونوں میں کتنے سال کا فصل ہے؟ جواب ملا۔ چالیس سال کا۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آسمانوں کی تخلیق سے پہلے عرش الٰہی پانی پر تھا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہَوا نے پانی کو دھکیل دیا تو ایک خشفہ (آبی بوٹی) قُبّہ کی مانند ابھرا۔ یہی کعبہ کی جگہ ہے۔ اس کے نیچے زمین پھیلادی۔ پہاڑوں کے میخ گاڑے۔ مکہ کا جبل بُوقُبَیس پہلا پہاڑ ہے۔ فاتح مکہ نے ارشاد فرمایا: "بے شک اس شہر کو اللہ نے حُرمت والا بنایا۔ جس دن ارض و سما کی تخلیق ہوئی اور اب بھی اس کی حرمت بدستور قائم ہے۔"

عرشِ الٰہی کے نیچے ساتویں آسمان پر فرشتوں کا کعبہ "بیت المعمور" ہے اور روزانہ ستّر ہزار نئے فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں۔ فرشتوں کو حکم ہوا۔ اس کے عین نیچے میرا ایک گھر تیار کرو تاکہ زمینی مخلوق بھی طواف کرے۔ جب حضرت آدم و حوّا زمین پر اتارے گئے تو حکم آیا کہ میری عبادت کے لئے ایک گھر تعمیر کرو۔ حضرت آدمؑ جگہ کی تلاش کرتے کرتے مکہ پہنچے تو حضرت جبرئیلؑ نے نشاندہی کی۔ حضرت آدمؑ نے اِس جگہ بیت اللہ کی بنیاد رکھی۔ حضرت شیثؑ نے کعبہ کی تعمیرِ ثانی کی۔ جس کا حضرت نوحؑ نے حج کیا۔ طوفان میں یہ عمارت ڈھ گئی اور صدیاں بیت گئیں تاآنکہ حضرتِ ابراہیمؑ مبعوث ہوئے۔ جب حضرت ابراہیمؑ کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم ہوا تو وہ شام سے مکہ آئے اور ۳۰ سالہ اسمٰعیلؑ کو یہ حکم سنایا۔ حضرت جبرئیلؑ نے ایک ٹیلہ بتایا جسے کھودا گیا تو "بیتِ عتیق" (پُرانے گھر) کی بنیادیں نظر آئیں۔ سورۂ بقرہ میں ہے "اور جب ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے۔" اس طرح قرآن نے "ان کی طرف گھر کے ایجاد کی نہیں بلکہ تجدید و تطہیر کی نسبت کی ہے۔"

قاضی سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں "کرۂ ارضی جنوب میں ۴۰ درجہ اور شمال میں ۸۰ درجہ عرض البلاد تک آباد ہے۔ دونوں کا مجموعہ ۱۲۰ اور نصف ۶۰ ہے۔ ۶۰ کو ۸۰ درجہ شمال سے نکالیں تو ۲۰ اور ۴۰ درجہ جنوبی کو تفریق کریں تو ۲۰ درجہ شمالی ہے۔ مکہ ½ ۲۱ درجہ شمالی پر آباد ہے۔ جسم میں ناف بھی عین وسط میں نہیں ہوتی۔ اس طرح مکہ نافِ زمین، دنیا کا وسط اور اُمِ القریٰ (بستیوں کی اصل) ہے۔"

بظاہر یہ عمارت مکعب نما ہے اسی لئے کعبہ کہلائی۔ یعنی چوکھونٹا۔ دراصل اس کا

خانۂ کعبہ — زمانۂ قدیم میں

(ایک اسکیچ)

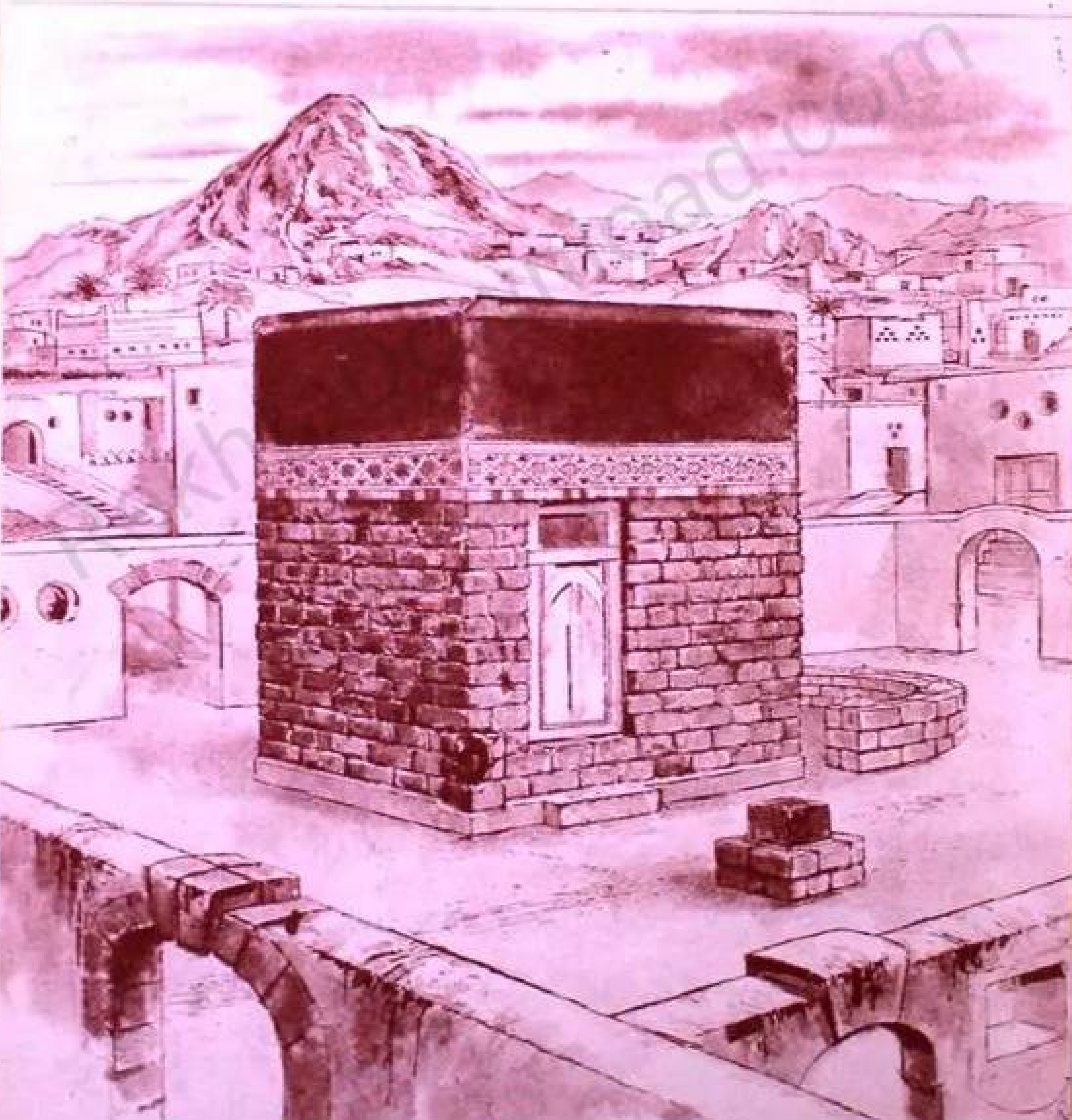

نقشہ ایک بے قاعدہ مستطیل کا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اِنسے پتھروں کو جوڑ کر بنایا۔ ان میں کوئی گارا نہیں استعمال کیا۔ مزدور کی طرح حضرت اسمٰعیلؑ پتھر ڈھوتے اور معمار کی طرح حضرت ابراہیمؑ انھیں جماتے۔ دیواریں اونچا کرنے کے لئے حضرت اسمٰعیل ایک پتھر لے آئے جس پر کھڑے ہوکر دیواریں مزید بلند کی گئیں۔ روایت ہے کہ یہ پتھر آپ ہی آپ بلند اور پَست ہوتا۔ اس پر معمارِ حرم کے پاؤں کے گہرے نشان آج تک موجود ہیں جو مقامِ ابراہیم کہلاتا ہے۔

آغازِ طواف کے نشان کے طور پر جو پتھر لگایا گیا وہ حضرت آدمؑ کے ساتھ اتارا گیا تھا۔ طوفانِ نوحؑ میں جَبَلِ بُوقُبَیْس میں محفوظ رہا۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے۔ "حجرِ اسود جنت سے آیا ہے۔ یہ دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ بنی آدم کے گناہوں نے اُسے سیاہ کردیا ہے۔" تیس سینٹی میٹر کا بیضوی، غیر منظم، چمکدار، سیاہ سرخی مائل رنگ کا پتھر ہے۔ کعبہ میں آگ لگنے سے حجرِ اسود کے تین ٹکڑے ہو گئے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے آرپار سوراخ کرکے چاندی بھروادی۔

فتحِ مکہ کے موقع پر حضورؐ نے شرک کے نشانات مٹا کر کعبہ کو غسل دیا۔ اس کے بعد ہر سال غسلِ کعبہ کی سنّت جاری ہوگئی۔ یمن کے بادشاہ نے سب سے پہلے مکمل غلاف، کعبہ پر چڑھایا۔ قریش ۱۰ محرم یوم عاشورہ روزہ رکھتے اور غلافِ کعبہ بدلتے۔ فتحِ مکہ کے دن حضورؐ نے فرمایا "آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے، اور اب ہم اس پر غلاف چڑھائیں گے۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ مسجدِ حرام میں ایک نماز ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔ مسجدِ حرام کعبہ کو محیط ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے حدودِ حرم پر پتھر نصب کئے۔ "اخبارِ مکہ" میں ازرقی کا بیان ہے کہ خانۂ کعبہ کی دس بار تعمیر ہوئی۔

(۱) تعمیرِ ملائکہ (۲) تعمیرِ آدمؑ (۳) تعمیرِ شیثؑ (۴) تعمیرِ ابراہیمؑ (۵) تعمیرِ عمالقہ۔ (۶) تعمیرِ جُرہُم (۷) تعمیرِ قریش (۸) تعمیرِ عبداللہ ابن زبیرؓ (۹) تعمیرِ حجاج بن یوسف اور (۱۰) تعمیرِ سلطان مراد بن سلطان احمد ۱۰۳۹ھ میں ہوئی جو اب تک قائم ہے۔ ۱۰۳۹

معمارِ حرم

حضرت اسماعیلؑ کی عمر ۳۰ اور حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۱۰۰ سال کی تھی جب کہ باپ

بیٹوں نے مل کر اس یادگار پتھر کے نیچے جو " بیتِ عتیق " (حضرت آدم علیہ السلام کی بنیاد) کا بقیہ تھا، زمین کھودی اور اس قدیم بنیاد پر کعبۃ اللہ کی عمارت تعمیر کی۔ حضرت اسماعیلؑ کو اس کا متولی بناکر اس گھر کی آبادی، مرکزیت اور نسل اسماعیل کی برومندی کی دعا کی۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے کا واقعہ ہے۔

حضرت اسماعیلؑ جب جوان ہوئے تو بنی جرہم میں عمارہ بنتِ سعید سے، پھر رعلہ بنتِ مضاض سے شادی ہوئی۔ ان سے بارہ بیٹے ہوئے۔ جن میں دو بیٹوں نابت اور قیدار نے بڑا نام پیدا کیا۔ حضرت اسماعیلؑ کی والدہ نے ۹۰ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ انھیں مقامِ حجر میں دفن کیا گیا۔ حضرت اسماعیلؑ کی قبر میزاب رحمت کے تلے رکن اور خانہ کعبہ کے درمیان ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کے بعد بیٹے نابت نے کعبہ کی تولیت سنبھالی۔ ان کے مرنے پر ان کے نانا مضاض بن عمرو جرہمی نے اس پر قبضہ کرلیا۔ اس زمانہ میں کعبہ کی تولیت سارے عرب کی بادشاہت کے مترادف تھی۔ بنی جرہم کے بعد قبیلہ خزاعہ اس پر قابض ہوگیا۔ ان کے دور میں بیت اللہ بت خانہ بن گیا۔[11]

قبیلہ قبیلہ کا بُت اِک جُدا تھا

کہتے ہیں اس قبیلہ کا ایک سردار عمرو بن لحی ایک مرتبہ شام گیا، جہاں عمالقہ کی حکومت تھی۔ یہ لوگ بت پرست تھے۔ عمرو بن لحی نے ایک بت جس کا نام ہُبل تھا وہاں سے لاکر کعبہ کی چھت کے عین بیچ میں نصب کردیا۔ یہ بت انسان کی شکل کا تھا اور سُرخ سنگِ عقیق سے بنایا گیا تھا۔ اس طرح مرکزِ وحدانیت، شرک اور بت پرستی کی آماجگاہ بن گیا۔ طائف میں لات کی پرستش ہوتی تھی، جو بت نہیں بلکہ پتھر کی ایک مربع چٹان تھی۔ مکہ کے قریب نخلہ میں عزیٰ دیوی کی پوجا ہونے لگی۔ یثرب میں اوس اور خزرج کے قبائل "منات" کی پرستش کرتے تھے۔ ان کے علاوہ وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر نامی بُت بھی پوجے جاتے تھے۔ وَدّ ایک نہایت قوی ہیکل انسان کی شکل کا بت تھا۔ جس کے جسم پر تہبند، چادر، بازو پر کمان، کمر میں تلوار اور ہاتھ میں نیزہ تھا، جس پر پرچم لہرا رہا تھا۔ یہ مقام عدرہ پر نصب تھا۔ بنی ہذیل کے بت کا نام سواع تھا جو ینبع کے قریب تھا۔ مصری قبائل اسے پوجتے تھے۔ بنی مذحج اور اہلِ جرش نے

اپنے بت کا نام یعوث اور بنی خیوان نے یعوق رکھا تھا۔ ان کو اہل یمن بھی اپنا دیوتا سمجھتے تھے۔ بنی حمیر نے نسر کا بت تراشا تھا۔ یہودی مذہب اختیار کرنے سے پہلے وہ اسی کی پوجا کرتے تھے۔ اساف اور نائلہ کے بت چاہِ زمزم پر براجمان تھے۔ بت پرستی کا یہ دور کئی صدیوں پر محیط ہے۔

اہلِ عرب اِن بتوں اور پتھروں کی تعظیم اور عبادت ان کو قادرِ مطلق سمجھ کر نہیں کرتے تھے بلکہ ان کا اعتقاد تھا کہ یہ انھیں خدا کے قریب کر دیں گے۔ خالق، رازق اور موت و حیات کا مالک تو اللہ ہی کو سمجھتے تھے۔

بُت پرستوں کے علاوہ مکّہ میں کچھ مُوَحِّد بھی تھے جو اپنے آپ کو دینِ حنیف کا پیروکار کہتے تھے۔ ستارہ پرست، صابئی، مجوسی، نصرانی اور یہُودی مذہب کے ماننے والے بھی عرب کے مختلف حصوں میں آباد تھے۔ [۱۲]

حرم کے خدمت گار

کعبہ کی تولیت کا منصب بدستور بنی خزاعہ ہی کے پاس رہا۔ بالآخر بنو اسماعیل میں وہ تاریخی شخصیت پیدا ہوئی جو عدنان کے نام سے مشہور ہے۔ ان کی نسل سے فہر ہیں جن کا لقب قریش تھا (قدیم عربی میں قریش کے معنی تاجر کے ہیں) حجاز والے وھیل مچھلی کو بھی قریش کہتے تھے جو سمندر کا سب سے بڑا جانور ہے۔ فہر اور ان کی اولاد چونکہ عرب کے تمام قبائل میں طاقت ور تھی اس لئے یہی ان کا بھی نام پڑ گیا۔ یمن کے بادشاہ حسّان نے جب مکّہ پر حملہ کیا تو فہر اُسے شکست دے کر مشہور ہو گیا۔

شہری ریاست

بنی قریش کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کا آغاز ان ہی کے زمانہ سے ہوتا ہے۔ بڑے عالی مرتبت، غیور اور بلند حوصلہ انسان تھے۔ انھوں نے بنوکنانہ کی مدد سے بنوخزاعہ سے اپنا آبائی منصب تولیتِ کعبہ واپس لیا اور انھیں حرم سے نکال باہر کیا۔ منتشر قریشی قبائل کو مکّہ میں جمع کیا اور ان کی تنظیم کر کے چھوٹی سی جمہوری ریاست کی بنیاد ڈالی۔ "دارُالندوہ" قائم کیا جہاں بنی قریش کے سردار مشورہ کیا کرتے تھے، سہولت کی

جزیرۃُ العربْ - بعثت کے وقت مذہبی حالت

▲ بُت پرستی ✦ ستارہ پرستی ○ یہودیت ✝ عیسائیت

جن بُتوں اور ستاروں کی پوجا ہوتی تھی۔ ان کے نام قوسین میں درج ہیں۔

خاطر انھوں نے انتظامی امور قریش کے دس خاندانوں میں تقسیم کر دیئے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ ۱۳؎

۱- بنی ہاشم

شعبۂ سقایہ اور عمارہ یعنی زائرین کعبہ کے لئے خورد و نوش کی ذمہ داری، یہ کام بنی ہاشم کے سرداروں کے سپرد تھا۔ عبدالمطلب کے بعد ان کے بیٹوں میں زبیر، ابوطالب اور حضرت عباسؓ اس کے ذمہ دار ہوئے۔

۲- بنوامیہ

امورِ افواج یعنی لوائے قومی "عقاب" کو اُٹھانے اور جنگ کی صورت میں سپہ سالاری کے فرائض۔ حضورؐ کے نبی بننے کے وقت حضرت ابوسفیان اس منصب پر فائز تھے۔

۳- بنی نوفل

امور رفادہ اس شاخ کے سپرد تھے۔ غرباء کی نگرانی اور ان کی مدد۔ وقتِ بعثت یہ فرائض حارث ابن عامر انجام دے رہے تھے۔

۴- بنی عبدالدار

اس قبیلہ میں امورِ حجابت یعنی کعبہ کو زائرین کے لئے کھولنا اور بند کرنا۔ کلید کعبہ کی حفاظت کا کام تھا۔ بعثت کے وقت حضرت عثمان ابن طلحہ ذمہ دار تھے۔ فتحِ مکہ کے بعد حضورِ اکرمؐ نے بھی کلیدِ کعبہ ان ہی کے حوالے کی۔

۵- بنی اسد

شعبہ مشاورت یعنی اہم امور میں صلاح و مشورہ سے مسائل طے کرنا۔ دارالندوہ کے انتظامات بھی اس خاندان سے متعلق تھے۔ جہاں قریش کی لڑکیاں بھی بیاہی جاتی تھیں۔ یزید بن زمعہ صدر خاندان تھا اور شعبۂ مشاورت کا ذمہ دار۔

قبائل اور ان کی جائے قیام

۶۔ بنی تیم

امورِ قصاص و دیتؔ اس خاندان کے سپرد تھے۔ خون بہا کا تعین، ضمانت، فوجداری مقدمات اور تاوانِ جنگ دوسرے الفاظ میں محکمۂ انصاف و عدل۔ اس کے سربراہ وقتِ بعثت حضرت ابوبکرؓ تھے۔

۷۔ بنی مخزوم

امورِ جنگ میں سے قبہ یعنی فوجی کیمپ کا انتظام۔ وقتِ بعثت یہ کام حضرت خالد بن ولیدؓ کے ذمہ تھا اور آعنہ یعنی سواروں کے دستہ کی سپہ سالاری۔ بعثت کے وقت ابوجہل آعنہ کے منصب کا حامل تھا۔ قبہ اور آعنہ دونوں اہم عہدے بنی مخزوم کے پاس تھے۔

۸۔ بنی عدی

اس قبیلہ میں امورِ سفارت یعنی دیگر قبائل و ممالک میں بنی قریش کی نمائندگی کے فرائض تھے۔ بعثت کے وقت حضرت عمرؓ ذمہ دار تھے۔

۹۔ بنی جمح

امور ایسار یعنی بُتوں سے استخارہ کی خدمت۔ ظہورِ اسلام کے وقت ان امور کا نگراں صفوان بن اُمیّہ تھا۔

۱۰۔ بنی سہم

امورِ اموال المحجرہ یعنی بتوں کے چڑھاوے پر نگرانی۔ یعنی محکمۂ مال و خزانہ، وقتِ بعثت یہ کام حارث بن قیس انجام دے رہا تھا۔ عمرو بن العاص بھی اسی قبیلہ سے تھے۔ جنھوں نے نجاشی کے دربار میں مسلمان مہاجرین کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا۔

عسکری نظام

قریش کا عسکری نظام چار حصوں میں منقسم تھا:

۱۔ عقاب۔ قومی نشان کی علم برداری کا منصب۔

۲۔ قبّہ۔ فوجی کیمپ کا انتظام اور دیکھ بھال۔

۳۔ آعنہ۔ فوج کی سپہ سالاری۔

۴۔ سفارت۔ یعنی قبائل اور حکومت کے درمیان مراسلت۔

عدالتی نظام

عدالتی نظام چار عہدوں پر مشتمل تھا۔ حکومت، اشناق، مشورہ اور ندوہ۔

حکومت: یعنی مقدمات کی سماعت اور ان کا فیصلہ۔ جس کے ذمہ دار بنوسہم تھے۔ کبھی کبھی یہ مقدمات قریش اور دیگر قبائلِ عرب کے درمیان ہوتے۔ عہدِ جاہلیت کے ممتاز قاضیوں میں ہاشم بن عبدمناف، ابولہب بن عبدالمطلب، عاص بن وائل، قیس بن ساعدہ اور اُمیہ بن ابی صلت کے نام ملتے ہیں۔ وقت بعثت حارث بن قیس نگراں تھا۔

اشناق: یعنی جرمانہ خون بہا اور مالی تاوان کی نگرانی بنوتیم سے متعلق تھی۔

مشورہ: یعنی اہم امور میں تمام قریشی قبائل سے مشورت کا کام بنواسد کے تفویض تھا۔

ندوہ: دارالندوہ کے انتظامات۔ بنوعبدالدار کے سپرد تھے۔ یہ قریش کا پارلیمنٹ ہاؤز تھا۔ مذہبی، عدالتی اور عسکری کُل چودہ عہدے دس قبیلوں میں تقسیم ہوگئے تھے۔ تمام اجتماعی فیصلے دارالندوہ میں ہوتے تھے۔

مذہبی نظام

مذہبی نظام بڑا منظم تھا۔ چونکہ حج کے لئے اطراف واکناف سے ہزاروں لوگ جمع ہوتے تھے۔ بہت کچھ نقد و جنس بتوں پر چڑھایا جاتا۔ اس کے انتظام کے چھ عہدے تھے۔

۱۔ عمارہ: کعبہ کی نگرانی اور دیکھ بھال، یہ بنوہاشم کے ذمہ تھی۔

۲۔ سقایہ: زمانۂ حج میں زائرین کو پانی فراہم کرنا، یہ بھی بنوہاشم کے تفویض تھا۔

۳۔ رفادہ: حجاج کے لئے کھانا پکانا، غربار کی خاطر مدارات، یہ کام بنونوفل کے سپرد تھا۔

۴۔ سدانہ: کعبہ کی دربانی اور کلید برداری۔ چونکہ چہار دیواری میں نذرانہ ہوتا۔ اس کے ذمہ دار بنوعبدالدار تھے۔

۵۔ ایسار: خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے تیروں سے استخارہ۔ یہ کام بنوجمح کے لوگ انجام دیتے تھے۔ یہ بے پیکان کے تیر ہوتے، جس پر ہاں یا نہیں لکھا ہوتا۔

۶۔ اموال المحجرّہ: بتوں پر چڑھاوے، اوقاف، نقد و جنس کا انتظام اور نگرانی بنوسہم سے متعلق تھی۔[۱۴]

سیاسی نظام

بعثت سے پہلے سیاسی حیثیت سے پورا عرب نراج کی کیفیت سے گذر رہا تھا۔ مختلف قبائل کی اپنے اپنے علاقہ میں حکمرانی تھی اور جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اصول کارفرما تھا۔ یمن کا علاقہ پہلے حبشہ پھر ایرانی عملداری میں آیا۔ حتیٰ کہ ۶۳۴ء میں مجاہدینِ اسلام کے ہاتھوں فتح ہوا۔ اس وقت کا ایرانی گورنر باذان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا۔ بحرین سے کنارِ فرات تک کا علاقہ عراقِ عرب کہلاتا تھا۔

اس کے والی مناذرہ اکاسرۂ ایران کی سرپرستی میں یہاں حکومت کرتے تھے۔ ان کا پایۂ تخت حیرہ تھا۔ ان کے آخری حکمراں منذر بن نعمان نے حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھوں شکست کھائی۔

شام میں آلِ غسان حکمراں تھے۔ اس سے ملحقہ علاقہ فلسطین بھی قیصر روم کے زیرِ تسلط تھا۔ آخری حکمراں جبلہ بن ایہم ۱۶ ہجری میں عہدِ فاروقی میں مسلمان ہوا۔ بعد میں مُرتد ہوا اور عیسائی بن کر قسطنطنیہ میں ہرقل سے جا ملا۔ بحرین کے حکمراں کسرائے ایران کے زیرِ نگیں تھے۔

فارس اور روم کی سلطنتیں ۶۳۰ سنہ ع میں !

بُود و باش

عرب میں جہاں شادابی ہے وہاں آبادی ہے۔ ورنہ لوگ دانہ و پانی کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ زیادہ تر حصہ غیر آباد اور بے آب وگیاہ ہے۔ جگہ جگہ پہاڑ ہیں۔ اس میں سے چشمے پھوٹے ہیں۔ پانی کی وجہ سے کھجور اور ببول کے درخت کے جھنڈ ہیں، جنھیں نخلستان کہتے ہیں۔ بدو لوگوں نے جہاں پانی کا چشمہ، جانوروں کا چارا اور اپنا گزارا دیکھا وہیں ڈیرے ڈال دیئے، تنبو تان لئے اور آسمان کے تلے بسیرا کرنے لگے۔ بھیڑ، بکریاں، گھوڑے، اور اونٹ ان کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ ان ہی کا دودھ، گوشت یا پھر خرما ان کی غذا۔ جانوروں کے چمڑے سے خیمے تیار کرتے اور ان کی لمبی اون کات کر لباس بُنتے تھے۔ مینگنیاں جلانے کے کام آتی تھیں۔ ان کی معیشت کا زیادہ تر دارومدار اُونٹوں پر تھا۔ بدوی اسی کی پُشت پر دشوار ریگستانوں میں سفر کرتے تھے۔

پیشہ اور بُود وباش کے اعتبار سے عرب کے باشندے دو طرح کے تھے: حَضَرِی (شہری) بدوی یا اِعرَابی (خانہ بدوش) یمن، مکہ، جدہ، طائف، یثرب کی آبادی حضری تھی، ان کے علاوہ زیادہ تر لوگ بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ حضری عربوں میں تمدن تھا۔ تجارت و زراعت پیشہ تھے۔ ان کے شادی بیاہ کے طریقے متعین تھے۔ کچی اینٹوں اور پتھروں سے مکان بناتے تھے۔ مخصوص اور پروقار لباس پہنتے۔ شعرو شاعری اور خطابت کا اعلیٰ ذوق رکھتے۔ خانگی زندگی میں عورتوں پر برتری تھی، مہمان نواز تھے۔

بدوی عرب صحرائی زندگی کے عادی تھے۔ غذا اور چارہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرتے خیموں میں رہتے تھے۔ مویشی پالتے۔ دلیر، شجاع، مہمان نواز اور وعدے کے پکے تھے لیکن فطرت جنگ جویانہ بلکہ جرائم پیشہ تھی۔ رہزنی کو دلیری کی نشانی سمجھتے تھے۔ اسی لئے اکثر اپنی اولاد کو درندوں کے نام سے پکارتے جیسے اسد، کلب، ذئب، حفص۔ مسافرانہ زندگی کی وجہ سے ان میں آزادی، عصبیت، بربریت، انتقام اور جنگ وجدال کا دور دورہ تھا۔

اخلاقی گراوٹ

اِن خوبیوں سے ہٹ کر اخلاقی برائیوں میں بھی مبتلا تھے۔ شراب ان کی گُھٹّی میں

بڑی تھی، سودخوری کے عادی تھے، بیویوں پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ باپ کے مرنے کے بعد سوتیلی ماں بیٹے کے حرم میں آجاتی۔ ایک عورت کے کئی کئی شوہر ہوتے، لڑکیوں کی پیدائش کو نحس جانتے، انھیں زندہ درگور کردیتے، کینہ پروری اور انتقام کو فرض جانتے، انتقامی لڑائیاں برس ہابرس جاری رہتیں۔ رمل، جوتش اور کاہنوں کی باتوں پر یقین رکھتے۔ تیروں کے ذریعہ فال نکالتے۔ بتوں کو اپنا حاجت روا جانتے اور ان کے نام پر سانڈ چھوڑے جاتے۔ ان پر انسانی بھینٹ چڑھانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اخلاقی پستی کی ردائے ظلمت سارے عرب کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھی۔ انسان اشرف المخلوقات کے مقام سے گر کر حجر، شجر، صنم اور ستاروں کا پجاری بن گیا۔ اپنے سے ہر زبردست کے آگے جبین نیاز جھکادیتے۔ ایسے میں

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت — بڑھا جانبِ بوقُبیس ابرِ رحمت
عطا خاکِ بطحا نے کی وہ ودیعت — چلے آتے تھے جس کی دینے شہادت
ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نویدِ مسیحا

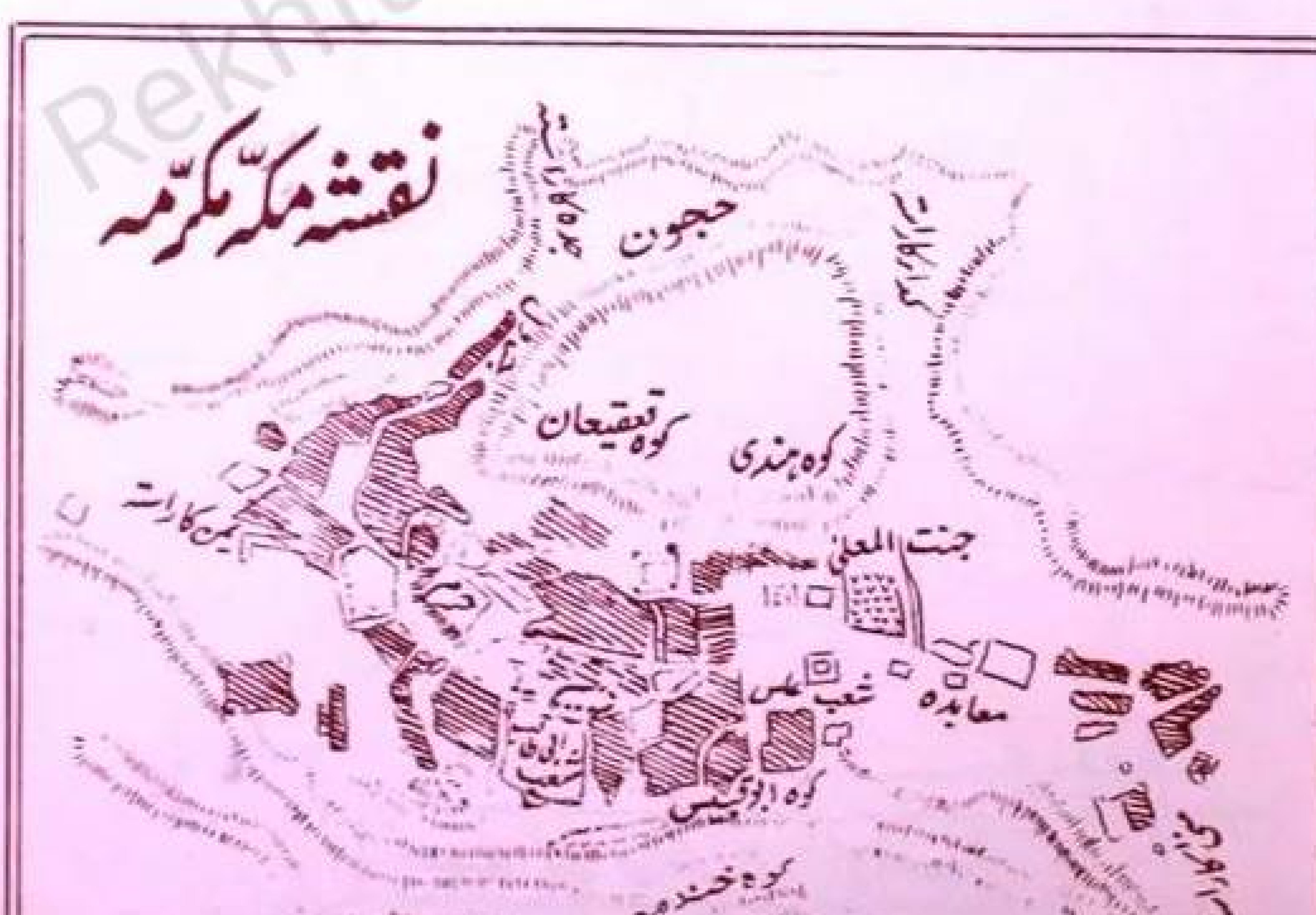

شجرۂ قریش

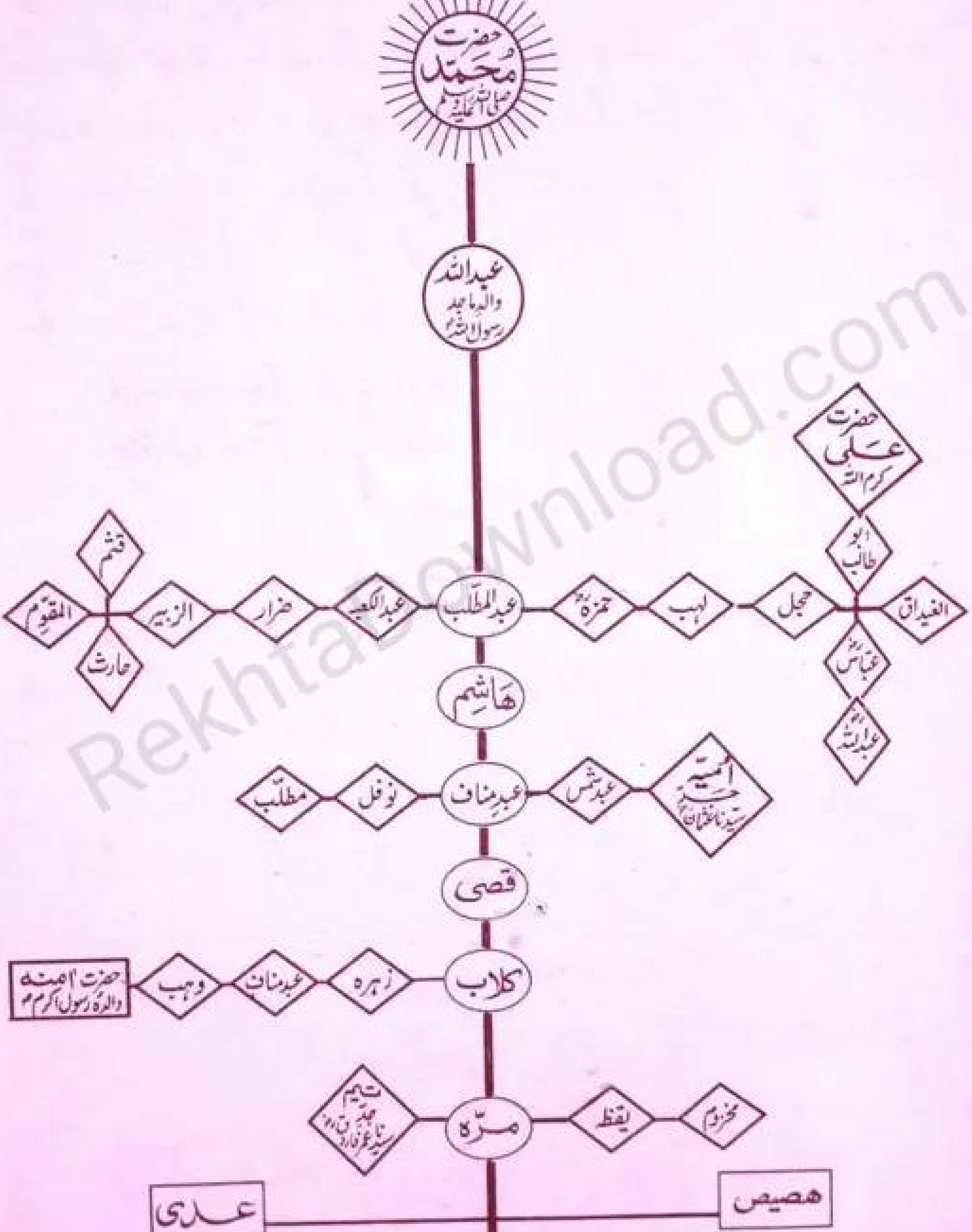

RekhtaDownload.com

رسولِ اکرمؐ کے آبا و اجداد

حسنِ انتخاب

حضرت واثلہؓ بن اسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو برگزیدہ فرمایا۔ پھر ان کی اولاد میں سے بنوکنانہ کو اور بنوکنانہ سے قریش کو منتخب فرمایا پھر قریش میں بنوہاشم کو اور بنوہاشم میں مجھے انتخاب کیا۔ [۱۵]

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نسب کا ذکر فرما رہے تھے۔ جب یہ سلسلہ عدنان تک پہنچا تو آپؐ نے فرمایا یہاں سے (اوپر تک) اہلِ نسب نے غلط بیانی کی ہے۔ تاریخ داں حضرات کا خیال ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صاحبزادے قیدار کی ۳۷ ویں پشت میں عدنان پیدا ہوئے۔

حسب ونسب

حسب ونسب درج ذیل ہے:

ابوالقاسم محمدبن عبداللہؐ بن عبدالمطلب ۔بن ہاشم ۔بن عبدمناف ۔بن قُصیّ ۔بن کلاب ۔بن مُرّہ ۔بن کعب ۔بن لُوی ۔بن غالب ۔بن فہر ۔بن مالک ۔بن نضر ۔بن کنانہ ۔بن خزیمہ ۔بن مدرکہ ۔بن الیاس ۔بن مضر ۔بن نزار ۔بن معد ۔بن عدنان۔

سیّدالقریش

فہر پر قریشی نسب ختم ہوتا ہے، ان ہی کا لقب قریش تھا۔اس کے

آگے والے کنانی کہلاتے ہیں۔ فہر بہت کریم النفس انسان تھے۔ ضرورت مندوں کی خبرگیری کرتے اور اپنے اموال سے ان کی حاجت روائی کرتے۔ ان ہی کے وقت میں یمن کے حمیری خاندان کے بادشاہ حسان بن کلال نے کعبہ کے پتھر یمن لے جانے کی کوشش کی تاکہ حج کا عظیم الشان اجتماع یمن میں ان پتھروں سے بنائے ہوئے کعبہ میں ہو۔ فہر نے تمام قبائلِ عرب کی مدد سے اسے شکست دی۔ وہ گرفتار ہوا، اور تین سال بعد فدیہ دے کر رہائی حاصل کی۔ اس دلیری نے فہر کی عظمت کو چار چاند لگادیئے۔

شہری مملکت

فہر کی چھٹی پشت میں قُصیّٰ پیدا ہوئے۔ ۴۴۰ء میں انھوں نے اقتدار اور کعبہ کی تولیت حاصل کی۔ قریش کے منتشر قبائل کو ایک جگہ مکہ میں آباد کیا۔ قریش کے تجارتی قافلوں کو منظم کیا۔ قدیم مورّخ ابوطاہر مقدسی کا خیال ہے کہ قصیّ عرب قریشیوں میں پہلا شخص ہے جو فرزندانِ اسماعیلؑ کے بعد بادشاہ ہوا۔ اس وقت منذر بن نعمان حیرہ (عراق) میں اور شاہ بہرام گور ایران میں بادشاہ تھا۔ قصیّ نے مکہ کے انتظام کو منقسم کیا اور وہاں دارُالندوہ بنایا۔ دارالندوہ اس شہری مملکت کا ایوانِ حکومت تھا۔ اس حکومت میں چودہ عہدے تھے۔ جو قریش کے دس قبائل میں تقسیم کردیئے گئے تھے۔ انھوں نے بنی قریش پر خانہ کعبہ کی اہمیت واضح کی اور کہا کہ "حجاج صدہا کوس کی مسافت طے کرکے حرم کی زیارت کے لئے آتے ہیں، ان کی میزبانی ہمارا فرض ہے۔ اس تحریک پر بنی قریش نے سالانہ رقم مختص کی، جس سے منیٰ میں زائرین کو کھانا کھلایا جاتا۔ بڑے بڑے چرمی حوض بناکر پانی کا معقول انتظام کیا جاتا۔

بطحا کا چاند

قُصیّ کے بعد ان کے تین بیٹوں عبدالدار، عبدمناف، اور عبدالعُزّیٰ کے درمیان عہدے تقسیم ہوئے۔ عبدمناف کو ان کے بے مثل حسن وجمال کی وجہ سے قمرالبطحا (بطحا کا چاند) کہا جاتا تھا۔ عبدمناف کے بیٹے ہاشم کو کعبہ کی سقایت، رفادت اور لشکر کی قیادت ملی۔ یہ بڑے حوصلہ مند، سخی اور دوراندیش انسان تھے۔ انھوں نے قریش کے تجارتی کاروانوں کو محفوظ کرنے کے لئے شاہراہِ تجارت پر بسنے والے قبائل سے

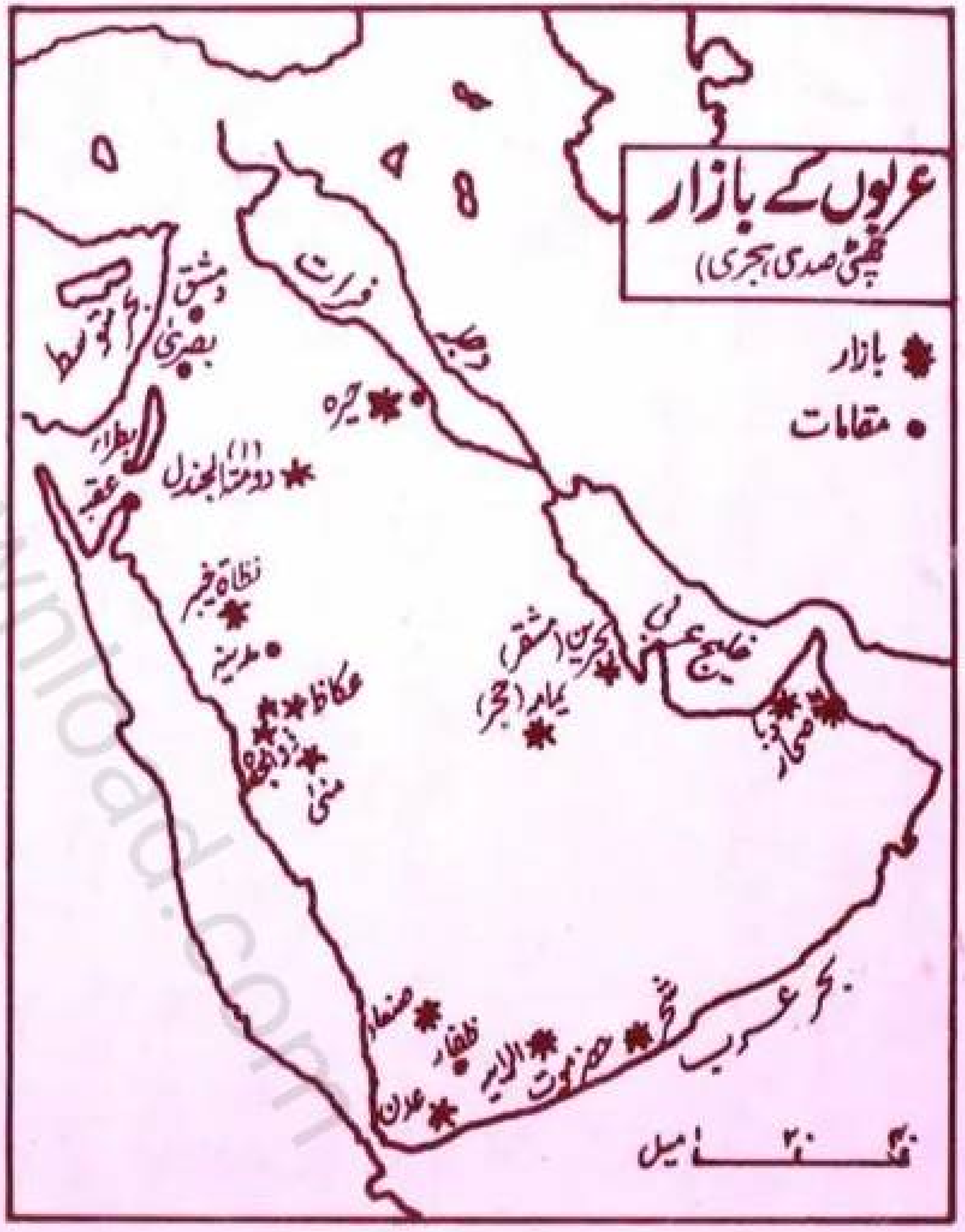
عربوں کے بازار
(چھٹی صدی ہجری)
بازار
مقامات
فرات
دجلہ
دمشق
بصریٰ
حیرہ
دومۃ الجندل
نطاۃ خیبر
مدینہ
عکاظ
منیٰ
البحرین (مشقر)
یمامہ (حجر)
خلیج عرب
صحار
صنعاء
ظفار
حضرموت
شحر
عدن
بحر عرب
میل

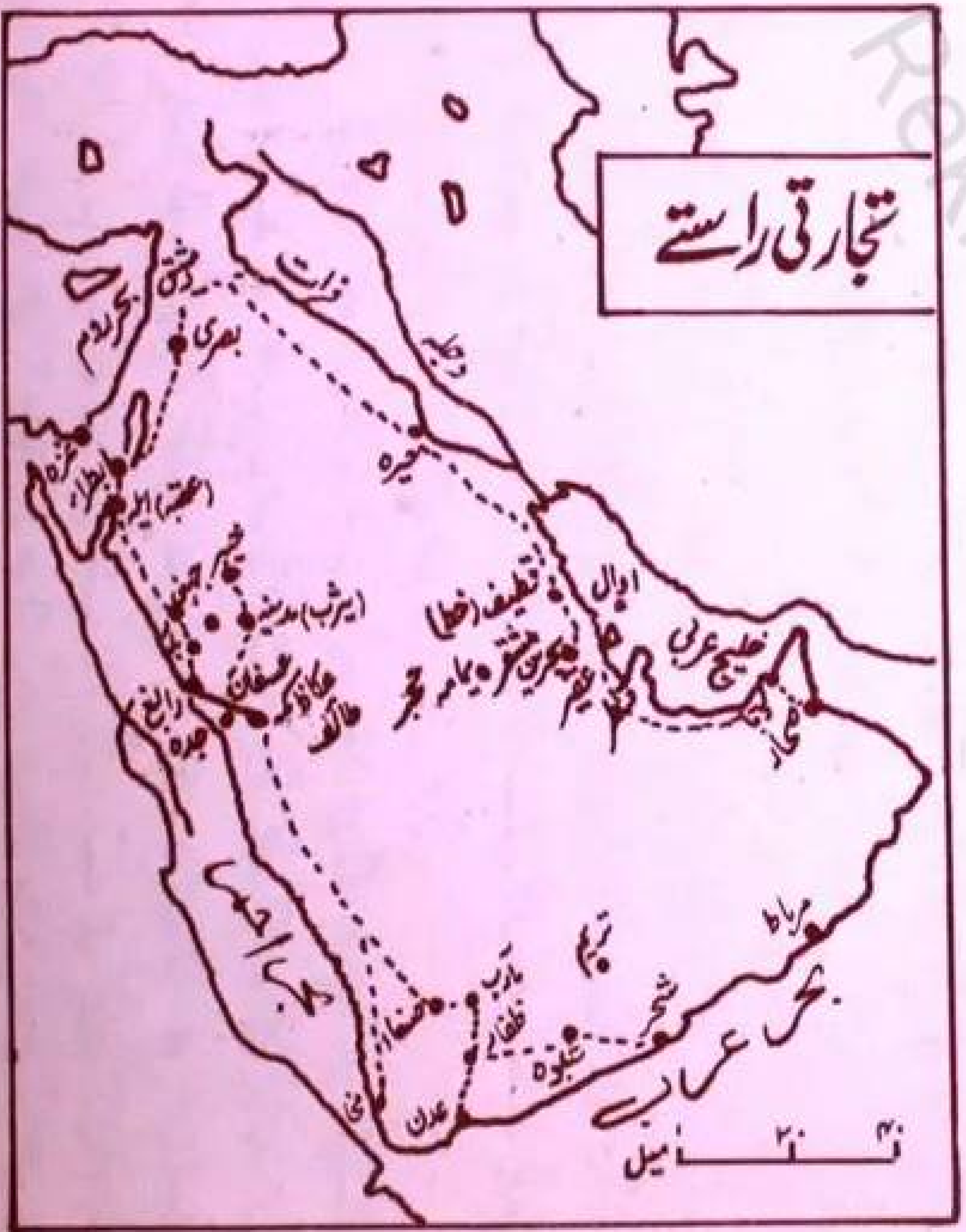
تجارتی راستے
فرات
دجلہ
دمشق
بحر روم
بصریٰ
حیرہ
خیبر
(یثرب) مدینہ
عکاظ
مکہ
طائف
جدہ
یمامہ
حجر
قطیف (خط)
اوال
خلیج عرب
صحار
بحر احمر
تریم
مرباط
مارب
صنعاء
ظفار
شحر
شبوہ
عدن
بحر عرب
میل

دوستی کے معاہدات کیے، حتیٰ کہ شام کے غسانی اور حبشہ کے نجاشی حکمرانوں اور قیصر روم سے تعلقات قائم کرکے محصول معاف کروایا۔ موسمِ سرما میں یمن و حبشہ اور گرما میں شام و فلسطین بلکہ ایشیاءِ کوچک تک تجارتی کاروانوں کی طرح ڈالی جس میں قریش کا ہر گھرانہ اپنا سرمایہ لگاتا تھا۔

سیّد البطحا

ایک بار مکہ میں قحط پڑا تو ہاشم شام اور فلسطین سے آٹا خرید لائے۔ اونٹ ذبح کیے اور روٹیوں کو ٹکڑے کرکے شوربے میں بھگو کر "ثرید" بنایا اور لوگوں کو کئی دن تک کھلاتے رہے۔ اس لیے ان کا نام ہاشم (ٹکڑے کرنے والا) پڑ گیا۔ ورنہ ان کا اصل نام عمرو تھا۔ ان کے ان ہی کاموں کی وجہ سے انھیں ابوالبطحا اور سیّد البطحا بھی کہا جاتا تھا۔ (بطحا پتھریلی زمین کی وادی کو کہتے ہیں) ہاشم کی اقبال مندی ان کے بھتیجے اُمیّہ بن شمس کو کھٹکتی تھی۔ اس نے عرب کے دستور کے مطابق مجلس قائم کرکے دعوتِ مفاخرت دی۔ ثالث نے ہاشم کی برتری کا فیصلہ دیا۔ اُمیّہ کو جرمانے اور جلاوطنی کی سزا بھگتنی پڑی۔ اسی واقعہ نے بنو ہاشم اور بنو اُمیّہ کے درمیان عداوت کا بیج بویا۔ ہاشم تجارتی کارواں لے کر شام گئے تھے کہ ۵۱۰ء میں غزّہ کے مقام پر فوت ہو گئے۔ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا تھے۔

پاسبانِ حرم

ان کے انتقال پر بنی قریش کی قیادت حضرت عبدالمطلب کے حصے میں آئی۔ ان کی والدہ مدینہ کے قبیلہ بنی نجّار کی خاتون سلمہ بنتِ زید تھیں۔ عبدالمطلب یثرب (مدینہ) ہی میں پیدا ہوئے اور یہیں ان کی پرورش ہوئی۔

ان کا نام عامر اور لقب شیبہ (بوڑھا) تھا۔ ان کے بال پیدائشی سفید تھے۔ ایک بار وہ اپنے چچا مطّلب کے ساتھ اُونٹ پر بیٹھے تھے۔ کپڑے پھٹے پُرانے اور حال پراگندہ تھا۔ لوگوں نے مطّلب سے پُوچھا، یہ کون ہے؟ مذاق سے انھوں نے اپنا غلام کہہ دیا۔ جب ہی سے عبدالمطلب نام پڑ گیا۔ بڑے ہی سمجھ دار، ذی وجاہت اور فیاض انسان تھے۔ قریش کے مصائب میں ان کے پشت پناہ ہوتے۔ اِسی لئے

بڑے احترام کی نظر سے دیکھے جاتے۔ ان کی ان ہی خوبیوں کی بنا پر لوگ انھیں شیبۃ الحمد بھی پکارتے تھے۔

ہاتھیوں والے

ان ہی کے زمانے میں یمن کے ابرہہ نے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ کعبہ کو ڈھانے کا قصد کیا تھا۔ مکہ کے قریب پہنچ کر اس نے شہر والوں کے جانور پکڑ لیے۔ جن میں حضرت عبدالمطلب کے دو سو اونٹ بھی تھے۔ وہ ابرہہ کے پاس گئے اور اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ اس نے تعجب سے پوچھا کہ کیا آپ کو خبر نہیں کہ میں کعبہ کو منہدم کرنے آیا ہوں۔ آپ مکہ کے سردار ہیں لیکن اس کے تعلق سے کچھ نہیں کہتے؟ آپ نے فرمایا۔ میں جس چیز کا مالک ہوں اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہوں، کعبہ کا جو مالک ہے وہ اس کی حفاظت خود کرے گا۔ یہ جواب دے کر وہ اپنے اونٹوں کے ساتھ واپس ہو گئے۔

ادھر اہلِ مکہ سے کہا کہ حملہ کے وقت پہاڑوں میں پناہ لو، کعبہ کی فکر نہ کرو۔ کہتے ہیں ابرہہ کی فوج میں ہاتھیوں کی کُل تعداد ۱۳ تھی۔ حبشہ کے نجاشی کا خصوصی دیو پیکر جنگجو ہاتھی "محمود" آگے آگے تھا۔ ابرہہ اس سرکش ہاتھی کو آنکس مارنے کا حکم دینے ہی والا تھا کہ نفیل بن حبیب خثعمی نے ہاتھی کے کان میں کہا کہ "اے محمود! بیٹھ جا بلکہ جہاں سے آیا ہے وہاں لوٹ جا، یہ بلد حرام ہے اور وہ اللہ کا گھر ہے۔" نفیل یہ کہہ کر پہاڑوں میں جا چھپے۔ ادھر ہاتھی نے مار کھائی مگر آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح ابرہہ اپنے ارادے میں ناکام رہا اور اس کا لشکر ابابیل کی کنکریوں کا نشانہ بن کر کھائے ہوئے بھس کی طرح ہوگیا۔ سورۂ فیل میں اس واقعہ کا ذکر ہے۔

بے شمار لوگوں نے ابرہہ کے اس لشکر کو تباہ ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ان میں حکیم بن حزام، حویطب بن عبدالعزیٰ اور شاعرِ دربارِ نبوی حضرت حسّانؓ ابن ثابت بھی تھے۔ جنھوں نے ۶۰ سال کی عمر عہدِ جہالت اور ۶۰ سال کی عمر عہدِ رسالت میں بسر کی۔[۱۶]

چاہِ زم زم کی جستجو

حضرت عبدالمطلب دینِ ابراہیمی کے ماننے والے اور قریش میں پہلے شخص تھے

جو ماہِ رمضان میں غارِ حرا میں جاکر عبادت کیا کرتے تھے۔ چاہ زم زم کو ڈھونڈ نکالنا ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ بنوجُرہُم کو جب مکّہ سے بے دخل کیا گیا تو انھوں نے زم زم کے کنوئیں کو پاٹ کر زمین کے برابر کر دیا اور اس کی جگہ بتوں کی قربان گاہ بنادی۔ عبدالمطلب کو زمزم کی بڑی تلاش تھی۔ ایک بار خواب میں انھیں اِس جگہ کو دِکھایا گیا۔ جب انھوں نے اسے کھودنے کا ارادہ کیا تو قریش نے مخالفت کی۔ کیونکہ قربان گاہ کے کھودنے سے بتوں کی ناراضگی کا خوف تھا۔ کوئی شخص اس کام میں ہاتھ بٹانے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ آخر اپنے لڑکے حارث کو لے کر خود ہی کھدائی کرنے لگے۔ قریش کے اس سلوک کو دیکھ کر انھوں نے منت مانگی کہ اگر میرے دس لڑکے ہوں گے اور جوان ہوکر قوتِ بازو بنیں گے تو ان میں سے ایک اللہ کی راہ میں قربان کردوں گا۔ کھدائی سے چاہ زم زم بھی نکل آیا اور اللہ نے چھ بیویوں سے دس لڑکے بھی عطا کئے، جن کے نام یہ ہیں:

۱- حارث	۲- زبیر
۳- ابولہب (عبدالعزّیٰ)	۴- ابوطالب (عبدمناف)
۵- ضرار	۶- اَلمقُوّم
۷- مُغیرہ (حجل)	۸- الغیداق
۹- قثم	۱۰- عبداللہ

ابن اثیر نے اس پر اور تین لڑکوں عبدالکعبہ، حمزہ اور عبّاس کا اضافہ کیا ہے۔

حارث اور قثم کی والدہ صفیہ تھیں جو بنوعامر بن صعصعہ سے تھیں۔ حارث باپ کی زندگی ہی میں فوت ہوگئے۔ عبداللہ، زبیر اور ابوطالب۔ عبدالکعبہ ام حکیم البیضا۔ عاتکہ۔ برّہ۔ امیمہ اور اروی کی والدہ فاطمہ بنت عمرو مخزومیہ تھیں۔ حضرت عبداللہ اور ام حکیم البیضا توام پیدا ہوئے تھے۔

ضرار اور عباس کی والدہ کا نام نتیلہ عمریہ تھا۔ یہ بڑی دولت مند تھیں، اور کعبۃ اللہ پر ریشم کا غلاف چڑھایا کرتی تھیں۔ حضرت عباسؓ حضورؐ سے دو برس بڑے تھے۔

حمزہ، مقوّم، صفیہ (بیٹی) کی ماں ہالہ بنت اُہیب تھیں۔ حضورؐ کے نانا وہب اور حضرت حمزہؓ کے نانا اہیب حقیقی بھائی تھے۔ حضرت حمزہؓ حضورؐ کے ہم عمر اور دودھ شریک بھائی بھی تھے۔

ابولہب (عبدالعزّیٰ) کو لبنیٰ خزاعیہ نے جنم دیا تھا۔

Rekhta Download.com

عبدالمطلب کو اللہ نے چھ بیٹیاں بھی عطا کی تھیں، جن کے نام ہیں :

۱- صفیہ ۲- ام حکیم البیضا

۳- عاتکہ ۴- امیمہ

۵- اروی ۶- برّہ

ان میں دولتِ ایمان دو چچاؤں حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ اور ایک پھوپھی حضرت صفیہؓ کے حصے میں آئی۔ ۵۱

ذبیح اللہ ثانی

جب دس بیٹے حضرت عبدالمطلب کی آنکھوں کے سامنے جوان ہوئے تو انھیں اپنی منت کے پورا کرنے کا خیال آیا۔ خانہ کعبہ میں قرعہ اندازی کی گئی تو حضرت عبداللہ کا نام نکلا۔ اپنی اولاد میں انھیں وہی سب سے زیادہ عزیز تھے۔ قربانی کے لئے تیار ہوئے تو بہن بھائیوں اور خاندان والوں نے مزاحمت کی، بہنوں نے رو رو کر برا حال کرلیا۔ قریش نے اپنے شفیق سردار سے کہا کہ اگر آپ نے انسانی قربانی کی رسم ڈالی تو بچوں کو قربان کرنے کا رواج پڑجائے گا۔ یہ ایک بدترین رسم ہوگی، جس کے بانی آپ ٹھہرائے جائیں گے۔ آپ نے پوچھا پھر کیا کیاجائے کہ میں اپنی قسم اور عہد سے عہدہ برآ ہوسکوں۔

ایک سمجھ دار شخص مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو مخزوم نے تجویز پیش کی کہ اس معاملہ میں مقام حجر کی کاہنہ قطبہ سے مشورہ کیا جائے۔ اس نے اپنے تابع جن سے مشورہ کیا اور فیصلہ سنانے سے پہلے پوچھا کہ تمہارے پاس آدمی کا خون بہا کیا مقرر ہے۔ بتایا گیا کہ دِیَت دس اونٹ ہوتے ہیں۔ اس نے کہا کہ تم اپنے شہر جاؤ اور کعبہ کے فال کے تیر اونٹوں اور عبداللہ کے نام پر پھینکو۔ اگر تمہارے آدمی کا نام نکلے تو دس اونٹ بڑھاؤ اور اسی طرح دس دس اونٹ بڑھاتے جاؤ یہاں تک کہ تمہارا رب راضی ہوجائے اور قرعہ اونٹوں پر نکل آئے، تب عبداللہ کے بدلے ان اونٹوں کو قربان کردو۔ جب اس طرح تیروں سے قرعہ نکالا گیا تو ہر بار حضرت عبداللہ کا نام نکلا۔ جب بڑھتے بڑھتے ان کی تعداد ۱۰۰ تک پہنچ گئی تو پانسہ اونٹوں کے نام نکلا۔ جو فدیہ میں ذبح کردیئے گئے۔ اس دن سے یہی انسانی جان کا خون بہا سو اونٹ قرار پایا جو شارع اسلام نے بھی برقرار رکھا۔

خانۂ کعبہ — ترکی تعمیر کے وقت

اسی واقعہ کی بنا پر عبداللہ کا نام ذبیح پڑگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے کہ میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں۔ پہلے ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے ذبیح حضرت عبداللہ۔ پہلی قربانی کا فدیہ ایک مینڈھا تھا اور دوسری کا سو اونٹ۔[18]

نورانی درخت

حضرت عبدالمطلب کہتے ہیں کہ ایک بار میں حطیم کعبہ میں مسند پر سو رہا تھا۔ آنکھ لگی تو ایک خواب دیکھا۔ بڑی پریشانی ہوئی، اس عالم میں اٹھا اور ایک قریشی کاہنہ کے پاس گیا تاکہ اس کی تعبیر معلوم کروں۔ خواب میں ایک درخت دیکھا۔ اس کی چوٹیاں بڑھتے بڑھتے آسمان کو چھونے لگیں۔ پھیلتے پھیلتے مشرق و مغرب پر چھاگئیں۔ اس سے نور کی ایسی شعاعیں پھوٹیں کہ سورج بھی اس کے آگے ماند تھا۔ عرب و عجم اس درخت کے آگے سجدہ ریز تھے۔ کبھی وہ درخت آنکھوں سے اوجھل ہوجاتا تھا۔ اور کبھی آب و تاب سے نمودار ہوتا۔ قریش کی ایک جماعت اس کی ٹہنیوں سے لپٹی ہوئی تھی۔ دوسری اس کے کاٹنے کے درپے تھی۔ اتنے میں کاٹنے والے گروہ کے قریب ایک جوان رعنا نمودار ہوا۔ ایسا حسین اور پاکیزہ خوشبو والا کہ میں نے آج تک کسی شخص کو ایسا نہیں دیکھا، وہ ان دشمنانِ درختِ نور کو مار بھگاتا ہے۔ ان کی کمریں توڑتا ہے اور ان کی آنکھیں پھوڑتا ہے۔

میں نے ہاتھ بڑھایا کہ اس کے ثمر کھاؤں۔ جوانِ رعنا نے کہا اس میں آپ کا کوئی حصہ نہیں، یہ تو ان کے نصیب میں ہے جو اس کی شاخوں سے لٹک رہے ہیں۔ اس خواب نے مجھے دہلاکر رکھ دیا ہے اور اسی سے پریشان ہوں۔ اب میں نے جو کاہنہ کا منہ غور سے دیکھا تو وہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ باربار اس کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔ بڑی دیر بعد اس نے کہا کہ اگر واقعی تم نے ایسا خواب دیکھا ہے تو پھر تمہارے صلب سے ایک ایسی ہستی پیدا ہوگی جو مشرق و مغرب پر حکمرانی کرے گا۔[19]

حضورِ پاک کی جائے پیدائش

مکہ کے راستے میں حجاج کا پڑاؤ

ولادتِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

نورٌ علیٰ نور

حضرت عبداللہ باپ کے بڑے چہیتے، حسین، حلیم الطبع، فیاض اور پاکباز تھے۔ کہتے ہیں کہ جب وہ فدیہ کے اونٹوں کی قربانی کے بعد لوٹ رہے تھے تو ایک نور ان کی پیشانی پر ہویدا تھا۔ راستہ میں ان کا گزر بنی اسد کی ام قتال بنت نوفل (ورقہ ابن نوفل کی بہن) پر ہوا۔ اس نے آپ کو دیکھا تو کہا کہ جتنے اونٹ ذبح ہوئے ہیں اتنے میں آپ کو دینے کے لئے تیار ہوں۔ آپ میرے پاس ٹھہر جایئے۔ آپ نے جواب دیا۔ یہ کام میری فطرت سے بعید ہے۔ عبدالمطلب سیدھے انھیں بنی زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف بن زہرہ کے گھر لے گئے اور ان کی صاجزادی آمنہ سے نکاح کردیا۔ یوں ان کے ماتھے سے نور بطنِ آمنہ میں منتقل ہوکر گہوارۂ نبوّت بن گیا۔ دوسرے دن آپ اُمّ قتال کے پاس پہنچے اور کہا کہ کل کی پیشکش پر قائم ہو تو نکاح کے لئے تیار ہوں۔ اس نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ جو نور تمہارے ماتھے سے کل ہویدا تھا وہ آج نہیں ہے۔[20]

حضرت عبداللہ کا اصل نام عبدالدار تھا لیکن اونٹوں کے فدیہ کے بعد وہ عبداللہ کے نام سے مشہور ہوگئے۔

حضرت عبداللہ کی حضرت آمنہ سے عقد کی دوسری روایت[21] یہ ہے کہ واقعہ فدیہ نے ان کے حسن وجمال کو چار چاند لگادیئے۔ مکہ کی اکثر عورتیں آپ سے بیاہ کی خواہش مند تھیں۔ کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت عبداللہ شکار پر گئے ہوئے تھے، اتنے میں اہلِ کتاب کی ایک جماعت جو شام سے آرہی تھی، وہاں پہنچی۔ وہ توریت کی بشارتوں سے واقف تھے۔ ان میں وہ علامات دیکھیں کہ ان ہی کے صلب سے

نبی آخرالزماں پیدا ہوں گے۔ جن کے یہودیوں کے علاوہ کسی اور قوم میں ظاہر ہونے کے روادار نہ تھے۔ برہنہ تلواریں لے کر اس جوان ہاشمی پر ٹوٹ پڑے۔ اتنے میں ایک غیبی نورانی گروہ کہیں سے آیا اور اجنبیوں کو مار بھگایا۔ اتفاق کی بات کہ بنی زہرہ کے بزرگ سردار وہب بن عبد مناف بھی جنگل میں دور سے یہ نظارہ دیکھ رہے تھے۔ وہ گھر لوٹے تو اپنی بیوی برّہ بنت عبدالعزّیٰ کو تمام واقعہ سنایا اور اپنی بیٹی آمنہ کا رشتہ حضرت عبداللہ کے لیے ان کے پاس بھجوایا۔ حضرت عبدالمطلب کو بھی ایسی ہی لڑکی کی تلاش تھی، جو حسب ونسب، عفت وحسن میں ممتاز ہو، فوراً قبول کرلیا۔ اس وقت حضرت عبداللہ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت آمنہ کی عمر ۲۰ برس تھی۔ خیال ہے کہ یہ شادی جمادی الثانی ۵۴ قبل ہجرت میں ہوئی۔ باپ کی طرف سے اُوپر کی چھ پُشت پر اور ماں کی طرف سے پانچ پیڑھیوں میں یہ دونوں خاندان کلاب پر جاکر مل جاتے ہیں۔

مَرَجَ البَحرَین

حضرت آمنہ سے نکاح کے بعد وہ عرب کے دستور کے مطابق تین دن تک سسرال میں رہے۔ یہی ایّام تھے کہ صلبِ عبداللہ کا نور حضرت آمنہ کو امینِ نورِ نبوّت بناگیا۔ پھر کچھ دنوں تک حضرت آمنہ کے ساتھ اپنے گھر میں رہے۔ انہی دنوں قریش کا ایک تجارتی قافلہ ملک شام جارہا تھا۔ حضرت عبداللہ بھی مال تجارت کے ساتھ سفر پر روانہ ہوگئے۔ واپسی میں بیمار ہوگئے۔ یثرب کے قریب تکلیف بڑھ گئی تو اپنے ننھیال بنی عدی بن نجّار میں جا ٹھہرے۔ (نجّار کا اصلی نام تیم اللّات بن تعلبہ تھا۔ اس نے ایک شخص کی ختنہ بسولے سے کی تو نجّار مشہور ہوگیا۔) ۲۲ھ۔ جب وقت آخر قریب آیا تو یثرب کی سرزمین میں خاک کی چادر اوڑھ کر ابدی نیند سوگئے۔

قافلہ نے مکہ پہنچ کر حضرت عبدالمطلب کو بیماری کی تفصیل بتائی۔ انھوں نے اپنے بڑے

نے مکہ پہنچ کر حضرت عبدالمطلب کو بیماری کی تفصیل بتائی۔ انھوں نے اپنے بڑے

بیٹے حارث کو یثرب (مدینہ) بھیجا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ عبداللہ ایک ماہ کی بیماری کے بعد اللہ کو پیارے ہوگئے اور بنی نجّار کے نابغہ کے گھر میں دفن کردیئے گئے۔ یہ روح فرسا خبر سن کر حارث واپس ہوئے۔ اس وقت شکمِ مادر میں نورِ نبوّت کے

قیام کو دو ماہ گزر چکے تھے۔ بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ نے اپنے نورِ چشم اور لختِ جگر کو دیکھا۔ جب وہ ۷ ماہ کے تھے۔ ایک اور روایت کے بموجب حضورؐ ۲۸ ماہ کے ہوئے تو انتقال کیا۔ لیکن صحیح ترین روایت یہی ہے کہ انھیں اپنے بلنداقبال صاحبزادے کو دیکھنے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔[۲۳]

روایت ہے کہ آپؐ کے بطنِ آمنہ میں آنے سے پہلے مکہ سخت قحط کے چنگل میں تھا۔ قریش بڑی عُسرت اور تنگی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ آپؐ کی بطنِ مادر میں تشریف آوری نے سرزمینِ مکہ کو سرسبز اور اس کے درختوں کو بارآور کردیا۔ قریش کو تجارت کے علاوہ ہر سمت سے آمدنی ہونے لگی۔ اسی لئے انھوں نے ۵۷۰ء کے سال کا نام ہی "سالِ فراخی مسرت" رکھا۔[۲۴]

ورثہ

تاجر باپ نے ترکہ میں بہت کچھ چھوڑا۔ محمد بن سعد (طبقات[۲۵]) عبدالرحمٰن ابن جوزی (الوفا[۲۶]) اور ماوردی نے (احکام السلطانیہ[۲۷]) میں اس ترکہ کی تفصیل دی ہے۔ جن میں ایک کھلائی ام یمن (جن کا نام برکتہ تھا) اور دو غلام شقران اور صالح بھی تھے جو ترکے میں ملے۔ ان کے علاوہ پانچ آوارک اونٹ، جو بڑی اعلیٰ نسل کے ہوتے ہیں اور ان کی خوراک درختِ اراک (پیلو) کے پتے ہیں اور بھیڑوں کا ایک گلہ بھی وراثت میں ملا۔ شعب بنی ہاشم کے جس مکان میں آپ کی والدہ رہتی تھیں، وہ بھی آپ کے حصہ میں آیا۔ اس کے علاوہ شہرِ مکہ میں حضرت عبداللہ کی ایک خیاطی کی دوکان بھی تھی جہاں کپڑا بکتا اور سلتا تھا۔ سامانِ تجارت میں بہت کچھ نقد و جنس (چمڑا اور کھجور) بھی آپ کے والد محترم نے چھوڑا، جو قریش کے دستور کے مطابق تجارت میں لگایا جاتا اور اسی مناسبت سے منافع تقسیم کیا جاتا۔

اَمانت دارِ نورِ اَزل

حضرت آمنہ بڑی صاحبِ حوصلہ اور ذہین خاتون تھیں۔ شوہر کا داغِ جدائی بڑی ہمت سے برداشت کیا۔ حضرت عبداللہ کے انتقال کے وقت ایک روایت کے بموجب دو ماہ کا عرصہ ہوگیا تھا کہ حضرت آمنہ نورِ محمدی کی امین بن چکی تھیں۔

وہ فرماتی ہیں کہ مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ میں حاملہ ہوں۔ کبھی مجھے نہ کوئی بوجھ اور نہ ثقل محسوس ہوا۔ اِن ہی دِنوں ایک رات نیند اور بیداری کی درمیانی کیفیت میں ایک ندا آئی کہ اے خاتون تو اس امت کے سردار اور نبی کے ساتھ حاملہ ہوئی ہے۔ زمانۂ حمل میں آپ نے ایک خواب بھی دیکھا تھا کہ ایک سیلاب نور ان کے اندر سے نکلا جس سے ہر چیز منور ہوگئی۔ یہاں تک کہ شام کے محلات بھی روشن ہوگئے۔[28] وقتِ ولادت بھی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ اس پر آپ نے فرمایا میں اپنے نورِ نظر اور لختِ جگر کو اللہ وحدہٗ لاشریک کی پناہ میں دیتی ہوں، ہر اس شخص کے شر سے جو حسد کی آگ میں جل رہا ہے۔

وقتِ ولادت آیا تو حضرت آمنہ کہتی ہیں کہ چند درازقد خواتین نظر آئیں۔ پوچھنے پر ایک نے اپنا نام آسیہ (زوجۂ فرعون جنھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی پرورش کی) اور دوسری نے مریم (والدۂ حضرت عیسیٰ علیہ السلام) بتایا۔ ان کے ساتھ باقی جنّت کی حوریں تھیں۔[29] خواتینِ قریش میں سے حضرت عبدالرحمٰن رضؓ ابن عوف کی والدۂ حضرت شفا، اور والدۂ حضرت عثمان بن ابی العاص موجود تھیں۔

صبحِ سعادت

حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ جب میں نے نورِ مجسّم کو جنم دیا تو ایک عظیم نور دیکھا جو پھیلتا گیا حتیٰ کہ شاہانہ شام کے محلات بھی میری نظروں میں روشن ہوگئے۔ حضرت شفا، جو دایہ تھیں، بیان فرماتی ہیں کہ "آپ میرے ہاتھوں میں آئے تو حالتِ سجدہ میں اور انگشتِ شہادت اٹھائے، ناف بریدہ اور ختنہ شدہ تھے۔[30] ایک آواز بھی آئی، رحمک ربک، یعنی ربِ کریم تم پر رحم فرمائے۔ اتنے میں اُفقِ مشرق و مغرب کا مابین اور رُوئے زمین روشن ہوگیا۔ کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ مجھے تاریکی اور خوف نے گھیر لیا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ کسی نے کہا کہ نومولود کو کہاں لے گئے۔ جواب آیا مغرب کی طرف۔ دوبارہ وہی کیفیت طاری ہوئی اور میری بائیں جانب ایک نور نمودار ہوا، ساتھ ہی آواز آئی کہ نومولود کو کہاں لے گئے۔ جواب ملا مشرق کی طرف۔ وہ فرماتی ہیں کہ یہ آوازیں میرے دل پر نقش ہوگئیں۔ جب آپ نے اعلانِ نبوّت فرمایا تو میں سب سے پہلے آپ کی تصدیق کرنے والوں میں شامل ہوگئی۔"

حضرت فاطمہ بنت عبداللہ کہتی ہیں کہ آپ کی ولادت کے وقت میں نے خانۂ کعبہ کو دیکھا کہ نور سے معمور ہوگیا اور ستارے زمین سے اِس قدر قریب آگئے کہ میں سمجھی مجھ پر گر پڑیں گے۔ [۳۱]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ کعب نے قدیم زمانے کی کتابوں کے حوالوں سے یوں تحریر کیا ہے "حضورؐ کی ولادت مکہ میں اور ہجرت مدینہ کو ہوئی۔ شام آپؐ کا ملک ہے۔ اسی نسبت سے معراج کی شب آپؐ کو مملکتِ شام کی جانب بیت المقدس تک لے جایا گیا۔ ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے مکہ بسایا اور شام کی سمت ہجرت فرمائی۔ سرزمینِ شام ہی وہ خطہ ہے جہاں حشر نشر ہوگا۔ حدیث ہے کہ سرزمینِ شام کو لازم پکڑو۔ چونکہ اللہ کو تمام روئے زمین کی نسبت شام زیادہ پسند ہے۔ اسی لئے انبیاء یہاں زیادہ مبعوث ہوئے۔ [۳۲]

اخترِ نبوّت

مکّہ میں ایک یہودی رہتا تھا جو تورات و انجیل کا عالم تھا۔ جب صبحِ سعادت طلوع ہوگئی اور نورِ محمدی مجسم ہوکر دنیا میں جلوہ گر ہوگیا، تو اس نے پوچھا۔ اے اہلِ قریش کیا رات تم میں کوئی بچّہ پیدا ہوا ہے۔ جواب ملا کہ ہمیں علم نہیں۔ اس نے کہا جاؤ اور تحقیق کرو۔ ہماری آسمانی کتابیں کہتی ہیں کہ کل وہ ہستی ظہور میں آگئی ہے جسے نبی آخرالزماں ہونا ہے۔ قریش کے گھر گھر سے خبر لی گئی۔ معلوم ہوا کہ سردارِ مکّہ کی بہو آمنہ زوجۂ عبداللہ کی گود ہری ہوئی ہے۔ یہودی عالم نے یہ اطلاع پاکر کہا کہ افسوس نبوّت بنی اسرائیل سے چلی گئی اور ان کے ہاتھوں سے کتابِ الٰہی بھی نکل گئی۔

شاعرِ بزمِ نبوی حضرت حسّانؓ بن ثابت بیان فرماتے ہیں مجھے اچھی طرح یاد ہے میری عمر سات سال کی تھی کہ ایک دن میں نے ایک یہودی عالم کو یثرب کے ایک بلند مقام پر آواز لگاتے سنا "اے گروہِ یہود" جب سب جمع ہوگئے تو اس نے کہا کہ آج رات احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ستارہ طلوع ہوگا جس میں وہ پیدا ہوگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کرکے یثرب تشریف لائے ہیں تو حضورؐ کی عمر ۵۳ سال تھی اور حضرت حسانؓ ۶۰ سال کے تھے، جنھوں نے یہودی عالم کو اعلان

کرتے سُنا گیا۔[۳۳]

بشارتِ عیسیٰؑ

دنیا میں جب بھی عظیم المرتبت انسان پیدا ہوتے ہیں تو کوئی نہ کوئی غیر معمولی واقعہ ضرور رونما ہوتا ہے۔ سیرت نگاروں نے اپنے مخصوص انداز میں گل افشانی کرتے ہوئے ہدیۂ عقیدت پیش کیا کہ "آج رات ایوانِ کسریٰ کے سات کنگرے گر گئے، آتش کدۂ فارس بجھ گیا، دریائے سادہ خشک ہوگیا" تو کچھ غلط بھی نہیں۔ مولانا شبلی نعمانی نے توجیہہ کی تو لکھا کہ "لیکن یہ سچ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم، شوکتِ روم، اور اوجِ چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے۔ آتش کدۂ فارس نہیں بلکہ جحیم شر، آتش کدۂ کفر، آذر کدۂ گمرہی سرد ہوکر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اُڑنے لگی، بتکدے خاک میں مل گئے۔ شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا۔ نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کرکے جھڑ گئے۔" اور تاریخ اس کی شاہد ہے۔[۳۴]

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ربیع الاول کی ۹ تاریخ پیر کا دن، بعض کے نزدیک ۱۲ ربیع الاول اور صبح صادق کا وقت تھا کہ امین بن کر امانت آمنہ کی گود میں آئی۔ وہ آئے جن کے آنے سے گلزارِ ہستی میں رونق آگئی۔ جو عرب اور عجم کے لئے ہی رحمت بن کر نہیں آئے، بلکہ سارے جہانوں کے لئے رحمت بن کر آئے۔ جن کی آمد پائمال انسانیت اور پژمردہ گلدستۂ اخلاق کے لئے آبِ نیساں اور صبائے جانفزا ثابت ہوئی۔ جو ابراہیم خلیل اللہؑ کی دعاؤں کا ثمرہ۔ اسماعیل ذبیح اللہ کی شاخِ تمنا کا گلِ تر اور جو توریت کی نشانیوں کو لئے فاران و شعیر کی چوٹیوں سے جلوہ گر ہوا، جو نویدِ حضرت عیسیٰؑ ابن مریم ہے۔ جس کی ذات انبیائے سابق کی خوبیوں کا خلاصہ ہے، جو خلقِ آدمؑ، معرفتِ شیثؑ، جراتِ تبلیغ نوحؑ، خلعتِ ابراہیمؑ، زبان دانیٔ اسماعیلؑ، رضاجوئیٔ اسحاقؑ، خطابتِ صالحؑ، حکمتِ لوطؑ، بشارتِ یعقوبؑ، حسنِ یوسفؑ، استقامتِ موسیٰؑ، صبرِ ایوبؑ، اطاعتِ یونسؑ، جہادِ یوشعؑ، لحنِ داؤدؑ، محبتِ دانیالؑ، شوکتِ سلیمانؑ، عظمتِ الیاسؑ، عصمتِ یحییٰؑ اور زہدِ عیسیٰؑ کا مجموعہ ہے۔[۳۵]

تعدادِ ایامِ قیامِ نبویؐ بعالمِ دُنیوی

گھنٹے ——— دن

۶ ——— ۲۲۳۳۰

وِلادت مُبارک

عیسائیوں کے ایسٹر سے ۲۳ویں دن اور یہودیوں کی عید الفصح سے ۲۵ویں دن ہوئی تھی۔ اس میں یوم وفات بھی شامل ہے۔

تعداد

ایام تبلیغ رسالت و نبوت

۸۱۵۶ دن

۵۷۱ء میں ایسٹر کا اتوار ۱۶۔ صفر مطابق ۲۹/۳۱ مارچ ۵۷۱ء کو تھا۔
۴۳۳۱ مطابق ۵۷۱ء میں یہود کی عید الفصح پنجشنبہ ۱۳۔ صفر مطابق ۲۶/۱۸ مارچ کو تھی۔

آنحضرت صلعم کا شجرۂ طیبہ والدۂ مطہرہ کی طرف سے

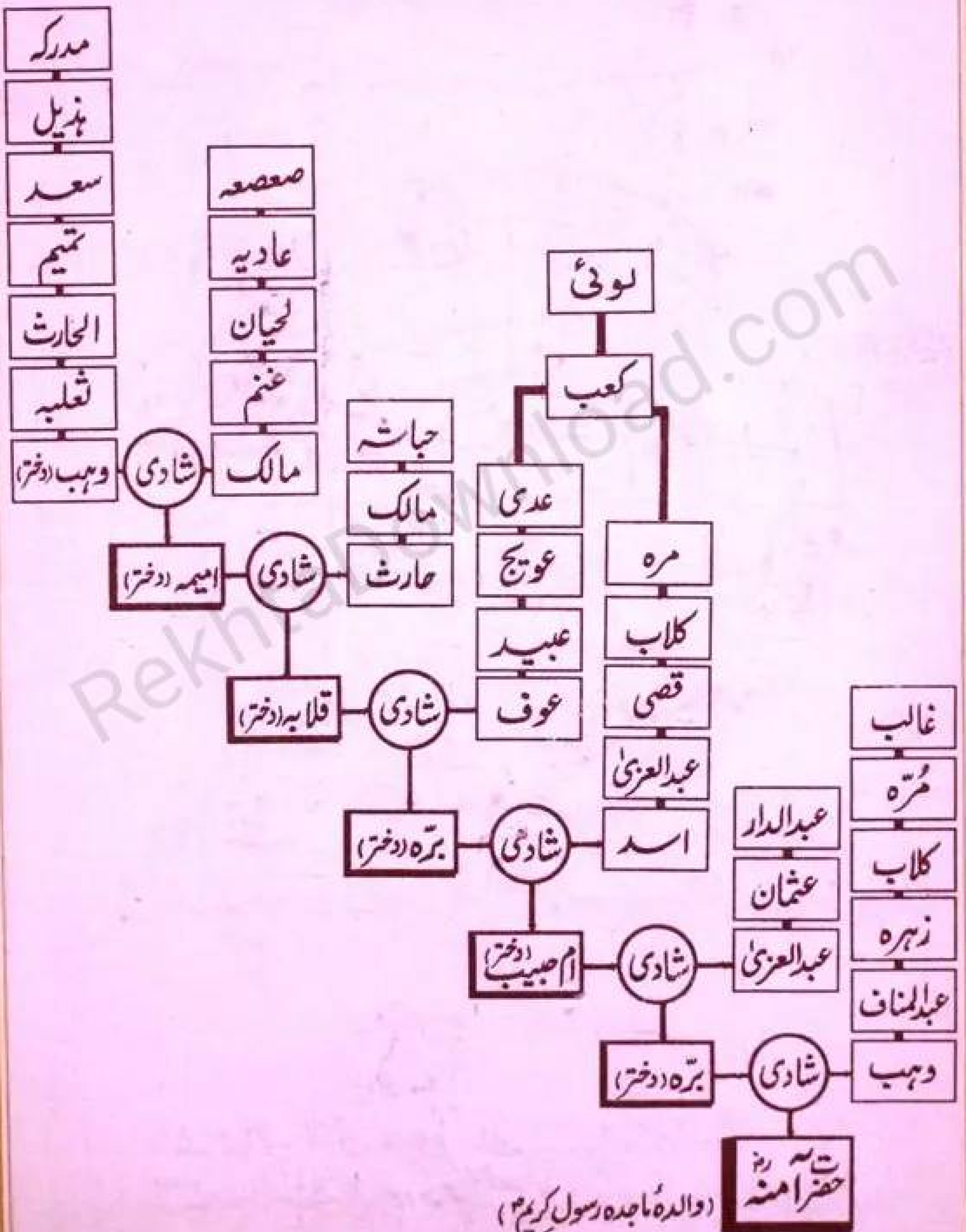

تاریخ ولادت

تاریخِ ولادت میں اختلاف ہے۔ ریاضی کی جدید تحقیق کے مطابق ۹۔ ربیع الاول اور دوشنبہ (پیر) کا دن تھا۔ عیسوی تاریخ ۲۳۔ اپریل ۵۷۱ تھی۔[۳۷] مشہور اسکالر ڈاکٹر حمیداللہ کی تحقیق کے مطابق سنِ عیسوی ۱۷۔ جون ۵۶۹ بروز پیر ہے۔ جمہور اور عام مورخین ۱۲۔ ربیع الاول سنہ عام الفیل تسلیم کرتے ہیں۔ بعض مورّخ روز پیدائش ابرہہ اشرم کے کعبۃ اللہ پر حملہ کے ۵۵ دن بعد بتلاتے ہیں۔ ایک روایت ہے کہ شادی کے دس ماہ بعد آپ کی ولادت ہوئی اور دوسری روایت کے بموجب ایک سال دس ماہ بعد۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ کی وفات بیٹے کی پیدائش کے چند ہفتوں بعد ہوئی۔[۳۸]

دُعائے خلیل

حضرت آمنہ نے نویدِ ولادت دادا کو بھجوائی، وہ اس وقت اپنے بیٹوں اور اشرافِ قریش کے ساتھ مقامِ حجر یعنی حطیم (وہ حصہ جو کعبہ کے شمالی جانب ہے جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ ہی کا حصہ قرار دیا) میں بیٹھے تھے۔ بہت خوش خوش آئے اور نومولود کو ہاتھوں میں اٹھا کر کعبۃ اللہ میں لے آئے۔ وہاں اس عطائے نعمت پر اللہ کا شکر ادا کیا، بچّہ کے لئے دُعا فرمائی اور محمدؐ نام رکھا۔

اسمِ محمدؐ کا اُجالا

حضرت ہاجرہؑ اور حضرت مریمؑ کی طرح حضرت آمنہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے القاء اور الہام کی قوتوں سے نوازا تھا۔ ان ہی اشاروں پر نومولود کا نام "احمد" رکھا۔ ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ "محمدؐ" نام بھی آپ ہی کا رکھا ہوا ہے۔[۳۹] محمد اور احمد دونوں کا مادہ "حمد" ہے اور یہ اسم ذاتی ہیں۔ "محمدؐ" کے لفظی معنی "ستودہ خصال" ہیں۔ قاضی عیاض نے "الشفاء"[۴۰] میں چھ اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں (۱۵) ایسے لوگوں کے نام دیئے ہیں، جو آپ کی ولادت کے وقت "محمدؐ" نام کے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) نے عرب والوں کو بتلایا تھا کہ اب آخری نبی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے اور ان کا نام نامی "محمدؐ" ہوگا۔ وہ بنی اسماعیل میں پیدا ہوگا۔ اسی لئے لوگ

یہ مبارک نام رکھتے۔ ان (۱۵) میں سے کچھ نے اسلام کا عہد پایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان بھی لائے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے چار جگہ اس نام کا ذکر کیا ہے۔ البتہ اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ کسی شخص کا نام اس سے پہلے احمد رکھا گیا ہو۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صاف صاف کہا تھا کہ میرے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام "احمد" ہوگا۔

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ط

ابوہریرہؓ نے حضورؐ کی ایک حدیث بیان کی ہے کہ میرے نام پر نام رکھو مگر میری کُنّیت پر کُنّیت نہ رکھو۔ دوسری جگہ فرمایا کہ میرے نام اور کُنّیت دونوں کو جمع نہ کرو۔ آپ کی کُنیت ابوالقاسم تھی جو عام طور پر بیٹے کے نام پر رکھی جاتی تھی۔ عرب کے دستور کے مطابق کسی کو نام کی بجائے کُنّیت سے مخاطب کرنا بڑی عزّت اور فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔

تمنّائے جد

پیدائش کے ساتویں دن آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ کا عقیقہ کیا۔ یہ دینِ ابراہیمی کا طریقہ تھا جو عہدِ جاہلیت میں بھی برقرار تھا۔ عقیقہ کی دعوت میں بہت سے قریش کے اصحاب مدعو تھے۔ کھانے کے بعد انھوں نے نومولود کا نام پوچھا۔ سردارِ قریش نے بتایا کہ میں نے اس کا نام محمد رکھا ہے۔ کہنے لگے کہ یہ نام تو آپ کے خاندان میں بالکل نیا اور مختلف ہے۔ حضرت عبدالمطلب نے جواب دیا کہ ہاں میں چاہتا ہوں کہ آسمان پر اللہ اور زمین پر خلق اللہ اس کی تعریف کرے۔ ۔۔۔(۱)

خَیرُ البَشر ؐ کا دَورِ رَضاعت

شیر خواری

حضورؐ کو آپؐ کی والدہ سمیت آٹھ عورتوں نے دودھ پلایا۔ (۱) والدۂ ماجدہ (۲) ثُوَیبہ (۳) خولہ بنت المنذر (۴) سعدیہ (حلیمہ نہیں) (۵) تا (۷) اور تین عورتوں نے جن کا نام عاتکہ تھا۔ اور آخر میں (۸) حلیمہ سعدیہ۔ والدہ ماجدہ نے سات روز۔ ثویبہ نے ۸ روز۔ اور بقیہ عورتوں کا حال معلوم نہیں۔ جب سعدیہ حلیمہ آپ کو لے گئیں تو آپؐ کم وبیش ایک ماہ کے تھے۔[۲۲]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اپنی والدہ حضرت آمنہ کا دودھ پیا۔ نومولود کو باپ عبداللہ کے خون سے عبودیت الٰہی اور ماں آمنہ کے دودھ سے امانت کی صفات ملیں۔ ماں کے دودھ پلانے کی سعادت حضرت ثویبہ کے حصہ میں آئی، اس وقت ان کا بیٹا مسروح آپ کا دودھ شریک بھائی تھا۔ ثویبہ آپ کے چچا عبدالعزیٰ یعنی ابولہب کی لونڈی تھی۔ اس نے آپ کی ولادت کی خوشی میں انھیں آزاد کردیا۔ ثویبہ کو آپ پر ایمان لانے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ آپ کے علاوہ انھوں نے ہم عمر چچا حضرت حمزہؓ کو بھی دودھ پلایا، ان کے علاوہ عبداللہ ابن جحش (پھوپھی زاد بھائی جو ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے پہلے شوہر) نے بھی پیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ثویبہ کے ساتھ تاعمر حسن سلوک فرماتے رہے۔ ہجرت کے بعد بھی ان کے لئے کپڑا اور خرچ بھیجا کرتے۔ ۷ ہجری میں فتح خیبر کے بعد وہ اللہ کو پیاری ہوئیں۔ فتح مکہ کے وقت آپ نے بطور خاص دریافت فرمایا کہ کوئی ان کی اولاد میں باقی ہے۔ معلوم ہوا کہ مسروح بھی فوت ہوگئے۔ اور کوئی ان کے عزیزوں میں زندہ نہیں۔

گنجِ گراں مایہ

رضاعت (دودھ پلانا) کی سب سے زیادہ سعادت اس ہستی کے نصیب میں تھی، جس کے نام کا جز بھی سعدیہ ہے۔ یہ بنوسعد بن بکر بن ہوازن کی تھیں، جو بنواسماعیل کی عدنانی شاخ ہے۔ شرفائے عرب کا دستور تھا کہ اپنے نومولود بچوں کو بدوی قبائل میں پرورش کے لئے دیہات میں بھیج دیتے تھے۔ تاکہ کھلی فضا میں بچوں کی بھرپور نشوونما ہو۔ عربوں کی فطری خصوصیات اور فصاحتِ زبان پیدا ہو۔ اس غرض سے بنی سعد کی دودھ پلانے والی عورتیں کھاتے پیتے گھرانوں کے شیرخوار بچوں کی تلاش میں سال میں دوبار مکہ آتی تھیں۔ اس خدمت کے عوض لڑکے کا باپ ان کو نہال کردیتا تھا۔ اِس بار دس عورتیں آئی تھیں۔ اور سوائے حلیمہ سعدیہ کے سب کو بچے مل گئے تھے۔ حلیمہ کے ساتھ ان کے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ بھی آئے تھے۔

دُرِّ یتیم

بچے کی تلاش میں سب ہی عورتیں عبدالمطلب کے گھر پہنچیں۔ لیکن بچے کے یتیم ہونے کے سبب لَوٹ گئیں۔ انھیں تو بچے کے باپ ہی سے حُسنِ سلوک کی اُمّید ہوتی تھی۔ غرض ساتھ والیاں، دوسرے گھروں سے بچوں کو لے کر واپس ہوگئیں۔ حلیمہ نے اپنے شوہر سے کہا کہ شہر میں ایسا کوئی نومولود نہیں جس کا باپ زندہ ہو، اور بچہ لئے بغیر لَوٹنا بُرا معلوم ہوتا ہے۔ حارث نے جواب دیا اِسی بچے کو لے لو۔ شاید اللہ تعالیٰ اِس میں ہمارے لئے خیروبرکت دے۔ حوصلہ پاکر وہ حضرت آمنہ کے پاس آئیں۔ دُرِّ یتیم کو دیکھا تو فریفتہ ہوگئیں۔ ان کا بیان ہے کہ آپ ایسے کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے جو دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ نیچے سبز حریر بچھا ہوا تھا۔ جسم سے مشک کی مہک پھیل رہی تھی۔ آپ سورہے تھے۔ آپ کی معصومیت اور حسن ملکوتیت نے مسحور کردیا۔ آہستہ سے قریب گئیں۔ اپنا ہاتھ سینہ مبارک پر رکھا۔ آپ نے ایک دلنواز تبسم کے ساتھ دونوں آنکھیں کھول دیں۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے آنکھوں سے نور کے دو دھارے نکل کر فضا کو منوّر کررہے ہوں۔ میں نے آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ گود میں اُٹھاکر داہنی چھاتی مُنہ میں لگادی۔ کچھ دیر بعد رُخ بدلنا چاہا تو آپ نے

RekhtaDownload.com

انکار کردیا۔ جب تک میرے پاس رہے اسی طرف سے دودھ پیا دوسرے حصہ کو منہ تک نہ لگایا۔ اس لئے کہ آپ کو اللہ نے یہ علم دیا تھا کہ کوئی اور بھی دودھ میں آپ کا شریک ہے۔ شروع ہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عدل پر قائم فرمایا۔ میں حیران تھی کہ اتنا دودھ کس طرح میری چھاتیوں میں اتر آیا۔ پہلے تو میرا بچہ عبداللہ بھی سیر ہوکر دودھ نہیں پی سکتا تھا اور اکثر بھوک کے مارے سوتا نہ تھا۔ یہ پہلی برکت تھی جو اللہ نے آپ کو سینہ سے لگانے پر ظاہر فرمائی۔ یہ موقع تھا کہ والدۂ محترمہ نے فرمایا، اے مہربان اور شریف انا (دائی) یہ بڑی شان والا بچہ ہے پھر وہ سب کچھ بتایا جو آپ نے دیکھا اور محسوس فرمایا۔ یہ بھی فرمایا کہ مجھ سے تین راتوں سے برابر کہہ رہا ہے کہ اپنے بچے کو قبیلہ بنی سعد بن بکر اور اس میں بھی آل ابو ذویب میں دودھ پلوانا۔ یہ مژدہ سن کر حلیمہ نے جواب دیا کہ میں ابو ذویب کی بیٹی ہوں۔ میرے باپ کا نام عبداللہ بن حارث اور ابوذویب کنیت ہے اور میرے شوہر کا نام حارث بن عبدالعزیٰ ہے۔ خیر و برکت کے اس مخزن کو سینے سے چمٹائے حلیمہ اپنے خیمے پر لوٹ آئیں۔ [۴۳]

برکت ہی برکت

رات آئی تو ان کے شوہر اپنی مریل اور بوڑھی اونٹنی کو چارہ دینے کے لئے اٹھے۔ اونٹنی پر ہاتھ پھیرا تو اس کے تھنوں کو دودھ سے چھلکتا ہوا پایا۔ خوشی سے باغ باغ ہوگئے کہ جو جانور بڑی مشکل سے گزارے کے موافق دودھ دیتا تھا، آج اس کے تھن چھلک رہے ہیں۔ دودھ دوہا تو اتنا نکلا کہ سب نے سیر ہوکر پیا۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ ہمارے لئے وہ بڑی خیر و برکت والی رات تھی کہ کئی دن بعد ہم شکم سیر ہوکر سوئے۔ حارث نے کہا اے حلیمہ! یہ بچہ بڑا مبارک اور مقدس ہے۔ ہمارے بچے بھی آج پیٹ بھرنے سے میٹھی نیند سو رہے اور ہمیں بھی سیرابی نصیب ہوئی ہے۔ بعد میں حضرت حلیمہ اکثر کہا کرتیں کہ وہ دن اور ہماری زندگی کی آخری سانس تک اللہ تعالیٰ آپ کے سبب خیر و برکت سے ہمارے گھرانے کو نوازتا رہا۔ اِس گراں بہا دولت کو پانے کے بعد حلیمہ نے تین دن مکہ میں قیام کیا۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ ایک رات دیر گئے میری آنکھ کھلی تو کیا دیکھتی ہوں کہ ایک نور نے آپ کو چاروں طرف گھیر رکھا ہے اور ایک سبز پوش شخص آپ کے سرہانے

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ مبارک

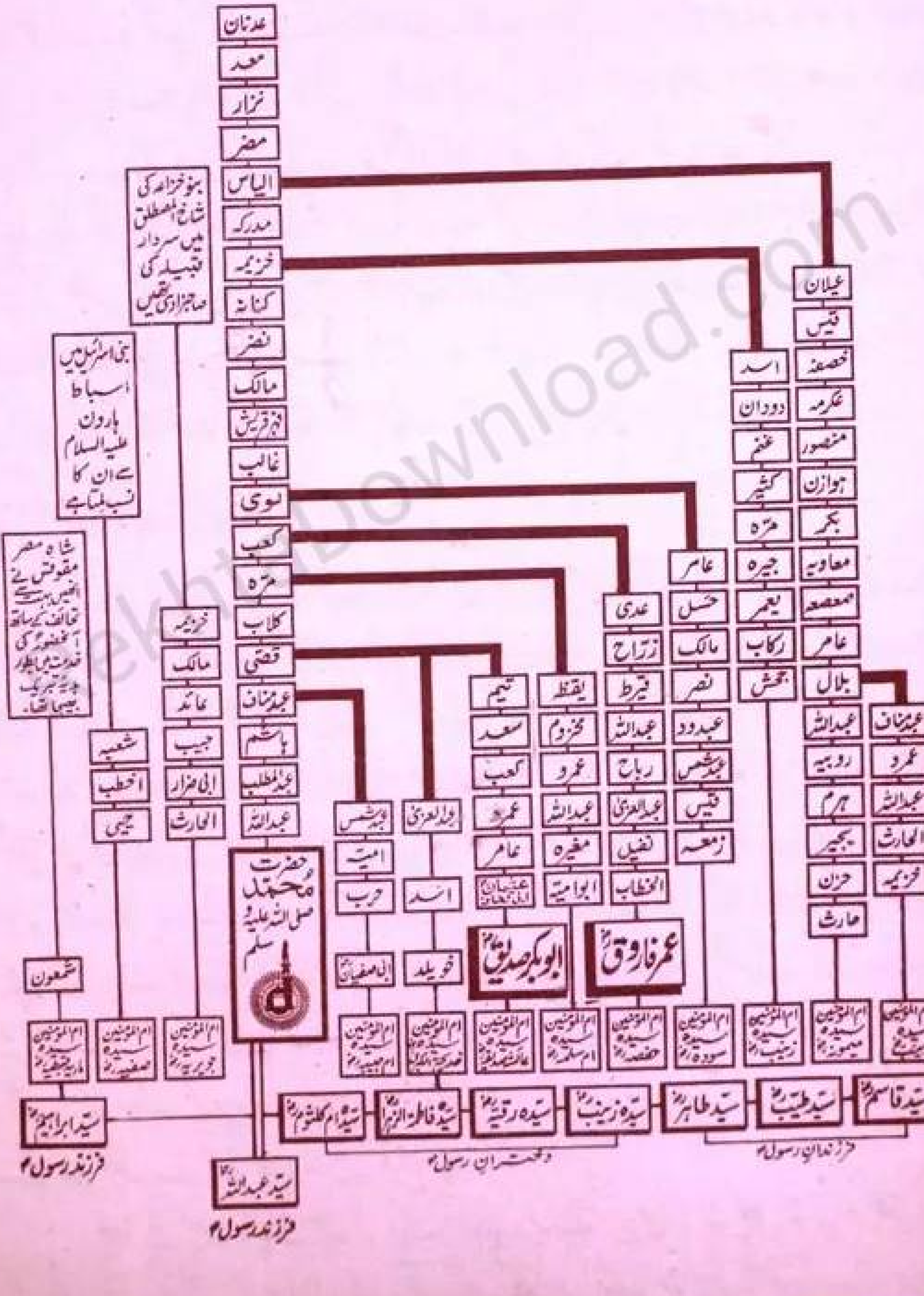

کھڑا ہے۔ میں نے آہستہ سے اپنے شوہر کو جگایا۔ اس نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ جب وہ کیفیت جاتی رہی تو کہا اے حلیمہ! اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ وہ ذاتِ گرامی ہے جس کی پیدائش پر یہودی پریشان ہیں۔ ان کی نیندیں حرام ہوگئی ہیں۔ یوں اللہ تعالیٰ اس امانت کی حفاظت کر رہا ہے۔ ان کے ساتھ والیاں رخصت ہوگئیں۔ آخر حضرت آمنہ کی اجازت لے کر وہ بھی گھر لوٹنے کی تیاری کرنے لگیں۔ سواری کی اونٹنی پر گود میں دولتِ لازوال کو لے کر خود بیٹھیں اور مکہ کی گلیوں سے ہو کر کعبۃ اللہ کے سامنے آئیں۔ ان کا بیان ہے کہ یہاں پہنچ کر میری سواری نے تین سجدے کئے۔ پھر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور آہستہ آہستہ اپنی راہ پر چل پڑی۔ چلتے چلتے وادی السرر میں پہنچے تو ساتھ والیوں سے ملاقات ہوئی، وہ ان کے اس قدر جلد آملنے پر حیران تھیں۔ چونکہ آتے وقت اُن کی سواری ضعف اور سست روی کے باعث پیچھے رہ رہ جاتی تھی۔ عورتوں نے پوچھا کیا بچہ لے آئیں۔ کہا خدا کی قسم میری گود میں بیٹھنے والا سب بچوں میں بزرگ ترین اور برکت والا ہے۔ کہا کون؟ وہی عبدالمطلب کا پوتا۔ جواب دیا ہاں! وہی جسے یتیم پاکر تم سب نے چھوڑ دیا تھا۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ ہم نے اس منزل سے کوچ بھی نہیں کیا تھا کہ عورتوں میں حسد نمایاں ہونے لگا۔ آپ کی برکت سے ہماری اونٹنی سب سواریوں سے آگے نکل گئی۔ اہلِ قافلہ تعجب سے دیکھتے اور پوچھتے کہ کیا یہ وہی اونٹنی ہے۔ میں کہتی ہاں سواری تو بے شک وہی ہے۔ لیکن سوار بڑی عظمتوں اور رفعتوں والا ہے۔ اس طرح ہم مسافت طے کرتے ہوئے وادئ ہوازن میں بنی سعد بن بکر کی آبادی میں پہنچ گئے۔ (۲۲)

نصیبوں کی بات

قحط اور خشک سالی نے وادئ ہوازن کو بنجر بنا دیا تھا بنی سعد کے گھرانے کی زمینیں سب سے زیادہ ہولناک منظر پیش کر رہی تھیں۔ جانوروں کے تھن سوکھ گئے تھے۔ وہ لاغر اور بے دم ہوگئے تھے۔ لیکن اللہ کے ہونے والے نبی کے قدم کی برکت سے بنت ابو ذویب کی زمینیں شاداب ہوگئیں۔ بکریاں شام کو لوٹتیں تو ان کے پیٹ اور تھن بھرے ہوتے۔ بستی والے اپنے چرواہوں سے کہتے کہ تم بھی اپنی بکریاں وہاں لے جاؤ جہاں حلیمہ کے جانور چرتے ہیں۔ لیکن یہ نصیبوں کی بات تھی۔ آسمانوں سے برکت و رحمت نے مدتوں بعد نزول کے لئے کاشانۂ حلیمہ کو منتخب کیا تھا۔

حلیمہ کا گھر

حلیمہ سعدیہ کا گھرانہ کل چھ افراد پر مشتمل تھا۔ شوہر حارث، شیرخوار عبداللہ، بیٹیاں انیسہ، حذیفہ اور جدامہ (ان ہی کا لقب شیماء تھا) یہی آمنہ کے لال کو گود میں لئے کھیلتی رہتیں۔ آپ کی دیکھ بھال میں ماں کا ہاتھ بٹاتیں۔ عبداللہ آپ کا دودھ شریک بھائی تھا۔ حلیمہ کہتی ہیں کہ ایام شیرخوارگی میں بھی آپ عام بچوں کی طرح بول و براز سے اپنے کپڑوں کو گندہ نہیں فرماتے۔ آپ کا ضروریات سے فارغ ہونے کا وقت مقرر تھا۔ اگر کبھی آپ کا ستر کھل جاتا تو جب تک اسے ڈھانک نہ دیا جاتا آپ روتے رہتے۔ آپ کا بدن ہمیشہ صاف اور پاک ہوتا۔ میں کبھی منہ دھونا چاہتی تو دیکھتی کہ اس کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔ آپ کی نشوونما بڑی تیزی سے ہوئی۔ جب آپ پاؤں پاؤں چلنے لگے تو زیادہ تر شیماء آپ سے کھیلا کرتیں۔ ایک بار انھوں نے آپ کو بہت تنگ کیا تو غصہ میں آکر آپ نے ان کے کندھے پر اس زور سے کاٹا کہ دانتوں کے نشان بیٹھ گئے۔ اس وقت کی یہ زحمت نصف صدی بعد وجہِ رحمت بن گئی۔ ۹ ہجری کے غزوۂ ہوازن میں جب وہ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئیں تو انھوں نے کہا کہ میں تمہارے رسول کی رضاعی بہن ہوں۔ بڑے احترام سے انھیں نبی رحمت کے حضور پیش کیا گیا۔ بوڑھی شیمائنے بچپن کا واقعہ یاد دلایا اور ثبوت کے طور پر کندھے پر دانتوں کے نشان دکھلائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ یاد آگیا۔ اپنی چادر بچھاکر انھیں عزت و احترام سے بٹھایا اور گزشتہ حالات کے یاد دلانے پر آپ آب دیدہ ہوگئے۔ فرمایا میرے پاس رہنا چاہو تو بہن کی طرح رہ سکتی ہو۔ وہ ایمان لائیں اور عرض کیا کہ میں اپنے لوگوں میں لوٹ جانا چاہتی ہوں۔ حضور نے بہت کچھ دے کر محبت کے ساتھ ان کے خاندان والوں کے پاس بھیج دیا۔ اس عطا میں تین غلام اور باندی، کچھ اونٹ اور بہت سی بکریاں بھی شامل تھیں۔

بغضِ یہود

حضرت حلیمہ بیان فرماتی ہیں کہ بنی سعد کے کنبے میں رہتے ہوئے چند روز گزرے تھے کہ اس آبادی سے چند یہودیوں کا گزر ہوا۔ حلیمہ نے بچّہ کی علوئے شان انھیں بتلائی۔ یہ سُن کر ایک یہودی نے کہا اسے قتل کر ڈالو۔ اتنے میں دوسرے نے پوچھا "کیا اس بچّہ کا باپ

زندہ ہے؟" ڈر کر انھوں نے اپنے شوہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کا باپ یہ ہے اور میں اس کی ماں ہوں۔ یہودیوں نے کہا کہ اگر یہ یتیم ہوتا تو ہمارے ہاتھوں سے بچ نہیں سکتا کیوں کہ ہماری کتابوں میں نبوّت کی نشانیوں میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانا بھی شامل ہے۔

ایک دفعہ یہ لوگ عکّاظ کے میلے میں بھی گئے۔ وہاں ایک کاہن کی نظر آپ پر پڑی تو چیخنے لگا کہ اے عکّاظ والو! اس بچّے کو موت کے گھاٹ اُتار دو، ورنہ یہ بڑا ہوکر تم سب کو مٹا ڈالے گا۔ حضرت حلیمہ فوراً وہاں سے کھسک گئیں اور میلہ کے ہجوم میں اِدھر اُدھر ہو گئیں۔ [۴۵]

سائبانِ ابر

اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت حلیمہ کہتی ہیں کہ میں نے پھر آپ کو تنہا نہیں چھوڑا۔ ہر وقت آپ کو اپنی نظروں کے سامنے رکھتی۔ ایک دن شیما، آپ کو لے کر باہر نکل گئی۔ دن گرم اور دھوپ تیز تھی۔ تلاش کرتے کرتے میں شیما کے پاس پہنچی اور اسے برا بھلا کہنے لگی۔ میں نے دیکھا کہ آپ پر موسم کی شدت کا کوئی اثر نہ تھا۔ آپ جدھر جاتے ابر کا ٹکڑا سایہ پوش ہوجاتا۔ [۴۶]

بوجھل دل

دو سال تک دائی حلیمہ نے گدڑی کے لعل کو اپنے دُودھ میں محبت، فصاحت اور بلاغت گھول گھول کر پلائی۔ جب مدّت پوری ہوئی تو آپ کا دودھ چھڑایا گیا۔ آپ کی نشوونما اور بچّوں کی نسبت بہت اچھی تھی۔ آپ بہت توانا، تندرست اور اپنے ہم عمروں سے زیادہ اُونچے پورے تھے۔ جسمانی اعتبار سے آپ چار برس کے دکھائی دیتے تھے۔ حسبِ معاہدہ اب بچے کو ماں کے حوالے کرنے کا وقت آگیا۔ حلیمہ مغموم تھیں کہ یہ منبعِ خیر و برکت جدا ہوجائے گا۔ ان کا جی انھیں چھوڑنے پر کسی طرح آمادہ نہ ہوا۔ بس یہی خواہش تھی کہ کاش چمنِ ہاشمی کا یہ غنچۂ نورس یہیں پھول بنے۔ دل پر پتھر رکھ کر حضرت آمنہ کی امانت انھیں سونپنے مکہ آئیں۔ اتفاق کی بات کہ ان دنوں مکہ میں کسی وُبا کا زور تھا۔ جب حلیمہ نے بچّے کو چند سال اور رکھنے کا خیال ظاہر کیا تو حضرت آمنہ نے وُبا کی

RekhtaDownload.com

وجہ سے واپسی پر اصرار نہیں کیا۔ یوں حلیمہ سعدیہ کی مُراد بر آئی اور وہ خوش خوش اس ہستی کو دوبارہ اپنے گھر لے آئیں جو خانوادۂ حارث کے لئے رحمت ہی رحمت تھی۔

غسلِ قلب

بنو سعد میں لوٹنے کے دو ماہ بعد ایک عجیب واقعہ پیش آیا جسے "شقِّ صدر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ شدّادؓ بن اوس کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے تھے کہ اتنے میں بنی عامر کا ایک بوڑھا شخص حاضر ہوا۔ کچھ دیر بعد اس نے عرض کیا یارسُول اللہ! ہمیں اپنی ابتدائی زندگی کے حالات سُنائیے۔ ان کی خواہش پر آپ نے ارشاد فرمایا:

میں اپنے باپ ابراہیم خلیل اللہ کی مجسم دعا اور اپنے بھائی عیسٰی کی بشارت ہوں۔ مزید تفصیل یہ ہے کہ جب میں اپنی ماں کے بطن سے عالم ظاہر کی طرف منتقل ہوا تو شیرخواری کا زمانہ بنی سعد بن بکر میں گزارا۔ ایک دن میں اپنے ہم عمروں کے ساتھ وادی میں نکل گیا۔ اتنے میں ایک ٹولی نے جن کے ہاتھوں میں سونے کے تھال میں برف بھری تھی، مجھے پکڑلیا۔ میرے ساتھی ڈر کر بھاگ گئے۔ دور سے انھوں نے کہا یہ بچہ قریشی ہے ہم میں سے نہیں، اسے چھوڑدو۔ اتنے میں ان لوگوں نے مجھے زمین پر لٹادیا۔ اندرونی اجزاء نکال کر برف سے اچھی طرح دھویا اور پھر انھیں اپنی جگہ رکھ دیا۔ اب دوسرے نے میرے سینے میں ہاتھ ڈالا اور دل کو نکالا۔ یہ منظر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے میرا دل چیرا اور ایک سیاہ رنگ کا ٹکڑا باہر پھینک دیا۔ پھر اپنے ہاتھ کو فضا میں بلند کیا اچانک ایک نور کی مہر اس کے ہاتھوں میں آگئی اس نے مہر دل پر لگائی تو وہ نور سے بھر گیا۔ دل کو اپنے مقام پر رکھ دیا۔ اس مہر کی لذت اور ٹھنڈک میں عرصہ دراز تک محسوس کرتا رہا۔ اب تیسرے نے سینہ سے ناف تک ہاتھ پھیرا تو زخم مندمل ہوگیا۔ میں آرام سے اٹھ کھڑا ہوا۔ تینوں نے باری باری مجھے سینہ سے لگایا اور میری پیشانی پر بوسہ دیا۔ کہا اے حبیب خدا! گھبرانے اور ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ خوشی سے پھولوں نہ سماتے اگر آپ کو علم ہوجاتا کہ مستقبل میں آپ کو کیا کیا خیر وبرکت، رفعت اور بلندئ مقامات حاصل ہوگی۔

آپ کے دودھ شریک بھائی نے یہ منظر دیکھا تو سخت گھبراہٹ میں دَوڑتا ہُوا

اپنے والدین کے پاس پہنچا اور کہا کہ میرے قریشی بھائی کا دو سفید پوش آدمیوں نے پیٹ چاک کردیا ہے۔ رضائی والدین بھاگ کر وہاں پہنچے۔ دیکھا آپ کا رنگ فق ہے۔ انھوں نے آپ کو لپٹالیا۔ گھر لائے تو شوہر نے کہا کہ مجھے آسیب کا ڈر ہے۔ اس سے پہلے کہ بچے کو کچھ ہوجائے، اسے گھر پہنچادینا چاہیے۔ چنانچہ وہ مکّہ روانہ ہوگئے۔ حضرت آمنہ نے غیر متوقع آمد پر پُوچھا کیا بات ہے؟ کہا ہم نے پال پوس کر بڑا کردیا اب ہماری ذمّہ داری تمام ہوئی۔ حضرت آمنہ نے فرمایا تم پچھلی بار لے جانے پر اصرار کررہی تھیں۔ اب کیا ہوگیا؟ بی بی حلیمہ نے سارا واقعہ گوش گزار کیا۔ والدۂ محترمہ نے فرمایا۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ خدا کی قسم! اس پر کوئی آسیب نہیں آسکتا۔ اس بچّے کی بڑی شان ہے۔ غرض ایکبار پھر حلیمہ سعدیہ کا گھر خوش بختیوں اور سعادتوں کا گہوارہ بن گیا۔ ؁

ماورائے سخن بھی ہے ایک بات

محمّد ابن سعد نے اخبار النبی میں لکھا ہے کہ شق الصدر کا واقعہ ۴ برس کی عمر میں پیش آیا۔ "مواہب لدنیہ" میں احمد بن محمد قسطلانی کا خیال ہے کہ غسلِ قلب کا واقعہ شیر خوارگی ہی کے زمانے پر موقوف نہیں بلکہ متعدد بار ہوا۔

پہلی دفعہ عالمِ طفلی میں، دوسری بار غارِ حرا میں بوقت نزولِ وحی اور تیسری مرتبہ سفرِ معراج کے موقع پر۔ ان روایات کو سند اور درایت کی میزان میں تولنا ہمارا منصب نہیں۔ عقل پرست اسے عجوبہ پسندی کہتے ہیں۔ اگر کوئی بات ناقص فہم انسانی سے بالاتر ہو تو اس کا انکار جہالت کی دلیل ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ نے تفسیر اَلَمْ نَشْرَحْ میں لکھا ہے کہ پہلی بار دل سے حُبِّ لہو و لعب نکالا گیا۔ دوسری بار اللہ کی مرضی کے خلاف متوقع جوانی کی رغبتوں کے تدارک کے لئے۔ تیسری مرتبہ دل کو وحی کے تحمل کے قابل بنایا گیا۔ معراج کے موقع پر چوتھی بار، تاکہ دل کو عالمِ ملکوت کے مشاہدے کی قوت حاصل ہو۔ ؁

الم نشرح لک صدرک کی قرآنی آیت "شقِ صدر" کے واقعات کی تصدیق کرتی ہے۔ خورد سال خادم رسول حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ میں بچپن میں سینۂ اقدس پر زخم کی سِلائی کے نشانات دیکھا کرتا تھا۔

آنکھوں دیکھا

حضرت حلیمہ سال میں دو بار حضرت آمنہ سے ان کے نورِ نظر کو ملانے لاتیں۔ ایک روایت کے بموجب چار سال اور دوسری روایت کے مطابق ۵ سال بعد صحرائی تربیت کے اس شہکار کو آغوشِ مادر میں بٹھاکر حضرت حلیمہ بوجھل دل کے ساتھ بنوسعد کے ٹھکانے لوٹیں۔ وہ نورِ دیدہ زندگی بھر حلیمہ کی آنکھیں روشن کرتا رہا۔ خیر کا دروازہ جو اس ذات کے طفیل کھلا تھا بنوسعد پر پھر کبھی بند نہ ہوا۔

حضرت حلیمہ کا بیان ہے کہ عالمِ طفلی میں کوئی گندی حرکت آپ سے سرزد نہ ہوئی۔ آپ دوسرے بچوں کی طرح گریہ و زاری نہیں فرماتے تھے۔ حوائجِ ضروری سے فراغت کا وقت

جبلِ ابوقبیس پر مسجد بلالؓ

RekhtaDownload.com

متعین تھا۔ آپ چاند کی طرف بہت راغب تھے اکثر اس سے باتیں کرتے ہوتے۔ کوئی غیبی ہاتھ آپ کا پنگوڑا ہلاتا رہتا۔ بڑے ہوئے تو عام بچوں کی طرح کھیل کود میں وقت ضائع نہیں کرتے۔ خود بھی وہاں سے ہٹ جاتے اور انھیں بھی کھیلنے سے منع فرماتے۔ ہوش سنبھالا تو کتابِ فطرت کے اوراق —— ریگستان کی وسعتوں، آسمان کی رفعتوں، پہاڑوں کی بلندیوں، موسم کی تندیوں، ہوا کی سبک ساریوں اور چشموں کی نغمہ سنجیوں کی صورت میں کھلے تھے۔ صحرا کی وسعتوں میں ایک مقناطیسی کشش ایک کیفیتِ جمال و جلال اور ایک قوتِ نمو ہوتی ہے، جو جسم و جاں کی صلاحیتوں کو بیدار کرتی ہے۔ وہ جسے اللہ تعالیٰ معلمِ کتاب و حکمت بنانے والا تھا۔ اس کی خبر و نظر کے لئے درس گاہ فطرت کھول دی: بدویوں کی سادہ زندگی، انسانی فطرت کے شریفانہ جوہر اور زبان و بیان کی فصاحت عطا فرمائی۔ جب ہی تو ارشاد ہوا "میں تم میں سب سے خالص عرب ہوں، میں قریشی ہوں اور میں نے بنی سعد بن بکر کے قبیلے میں دودھ پی کر پرورش پائی ہے۔" ایک اور موقع پر فرمایا "میں تم سب میں زیادہ فصیح اس لئے ہوں کہ قریش سے ہوں اور میری زبان بنی سعد بن بکر کی زبان ہے۔" (جو فصحائے عرب میں بہت مشہور تھے۔) ۴۹

پاسِ رضاعت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رضاعت کا پاس عمر بھر رکھا اور پھر آپ کے خلفاء نے بھی ان کا احترام ملحوظ رکھا۔ حضرت حلیمہؓ جب بھی آتیں آپ ان کا احترام فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت خدیجہؓ سے بیاہ ہوجانے کے بعد آئیں۔ اور اپنے علاقے کی خشک سالی اور جانوروں کی ہلاکت کا شکوہ کیا۔ آپ نے اپنی زوجہ محترمہ کو متوجہ فرمایا۔ انھوں نے چالیس بکریاں اور ساز و سامان خورد و نوش سے لدا ہوا اونٹ عطا فرمایا۔

جب آپ نے اعلائے کلمۃ الحق بلند فرمایا تو حضرت حلیمہ اور حارث خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ کے دست حق پرست سے ایمان کی دولت بھی پائی۔ شیماء اور عبداللہ بھی مسلمان ہوئے۔

حضرت عمرؓ بن سعد بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت آئی اور آپ سے ملنے کی اجازت چاہی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھا تو بے اختیار میری ماں،

میری ماں کہتے ہوئے اُٹھے۔ اپنی چادر بچھا کر انھیں بٹھایا۔ فرطِ محبّت سے اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھا اور ماں ماں کہتے رہے۔ ان کی ہر ضرورت پوری فرمائی۔ حلیمہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دَور میں بھی مدینہ آئیں۔ انھوں نے بھی اجازت کے ساتھ اپنے آقا کا عمل دُہرایا اور انھیں بہت کچھ عطا فرمایا۔

حضورؐ کے دودھ شریک بھائی نے کسی وقت آپ سے پوچھا تھا کہ کیا اب کسی کی بعثت ہونے والی ہے۔ اس کے جواب میں آپ نے اشارتاً فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ قیامت کے دن میں تجھے پہچان کر تیرا ہاتھ پکڑلوں گا۔ حضورؐ کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد یہ صاحب ایمان لائے تو اکثر بیٹھ کر رویا کرتے تھے اور پھر خوشی سے مسکراتے اور کہتے مجھے تو صرف یہ اُمید ہے کہ قیامت کے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑلیں گے تو میری بخشش ہو جائے گی۔

منبعِ رحمت

۸ھ ہجری میں فتح مکّہ کے بعد غزدۂ حنین ہوا۔ اس میں قبیلہ ہوازن اور بنی سعد بن بکر کے لوگ بھی مدمقابل تھے۔ جنگ کے بعد بہت سا مال اور مرد و زن مالِ غنیمت میں آئے اور مجاہدوں میں تقسیم ہوگئے۔

حضورؐ لَوٹتے ہوئے مقام جعرانہ میں مقیم تھے کہ ہوازن کا ایک وفد حاضرِ خدمت ہوا اور ایمان لے آیا۔ ان کے سردار اور خطیب نے عرض کیا یارسول اللہ! ان اسیرانِ جنگ میں آپ کی بہنیں، خالائیں، پھوپھیاں شامل ہیں، جو دُور کے رشتے ہیں وہ بھی آپ سے قریبی تعلق رکھتے ہیں۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا۔ انھوں نے آپ کو اپنی گودوں میں اُٹھایا ہے، آغوش میں بٹھایا ہے، زانوؤں پر کھلایا ہے۔ اور اپنی چھاتیوں سے آپ کو دودھ پلایا ہے۔ اگر ہم شاہان غسان اور حیرہ سے یہ سلوک کئے ہوتے یا جو منزلت آپ کی ہے ان کو حاصل ہوئی ہوتی، تو ان سے بھی ہم آس لگائے ہوتے۔ سو بات کی ایک بات، آپ تو بہترین کفیل ہیں۔ یہ تقریر سن کر ارشاد فرمایا۔ تم نے آنے میں بڑی تاخیر کی۔ میں نے گمان کیا کہ شاید تم نہ آؤ گے۔ سب کچھ بانٹا جاچکا ہے۔ اب یوں کرو کہ جب میں نمازِ ظہر

بڑھا چکوں، تم کہنا مسلمانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کی بدولت ہم طلب گار شفاعت ہیں۔
انھوں نے ایسا ہی کیا۔ اس پر حضورؐ نے اپنے اور بنی عبدالمطلب کے حصے کے تمام بنی ہوازن کے لونڈی و غلام انھیں واپس کر دیئے۔ یہ دیکھ کر مہاجرین و انصار نے اپنا حصہ پیش کر دیا۔ قبائل عرب نے بھی آپ کی تقلید کی۔ یوں رشتۂ رضاعت بنی ہوازن کے لئے ابر جود و کرم بن کر برسا۔

عرشِ الٰہی کے سایہ میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات قسم کے لوگوں کو اللہ اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔ اس دن جس دن سوائے اللہ کے سایہ کے کوئی سایہ نہ ہوگا۔

۱ منصف حکمراں
۲ وہ جوان جس کی جوانی اللہ کی یاد میں گزری۔
۳ وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے۔ جب مسجد سے نکلتا ہے تو پھر مسجد میں داخل ہونے کا انتظار کرتا رہتا ہے۔
۴ وہ دو آدمی جن کی دوستی کی بنیاد اللہ اور اللہ کا دین ہے۔ اسی جذبے کے ساتھ وہ اکٹھے ہوتے اور یہی جذبہ لئے جدا ہوتے ہیں
۵ وہ آدمی جس نے تنہائی میں خدا کو یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔
۶ وہ آدمی جس کو کسی اونچے خاندان کی حسین و جمیل عورت نے بدکاری کی دعوت دی تو اس نے محض خدا کے خوف کی بنا پر اس کی دعوت کو رد کر دیا۔
۷ وہ آدمی جس نے اس طرح صدقہ کیا کہ اس کا بایاں ہاتھ بھی نہیں جانتا کہ دائیں ہاتھ نے کیا دیا۔

RekhtaDownload.com

خانۂ کعبہ

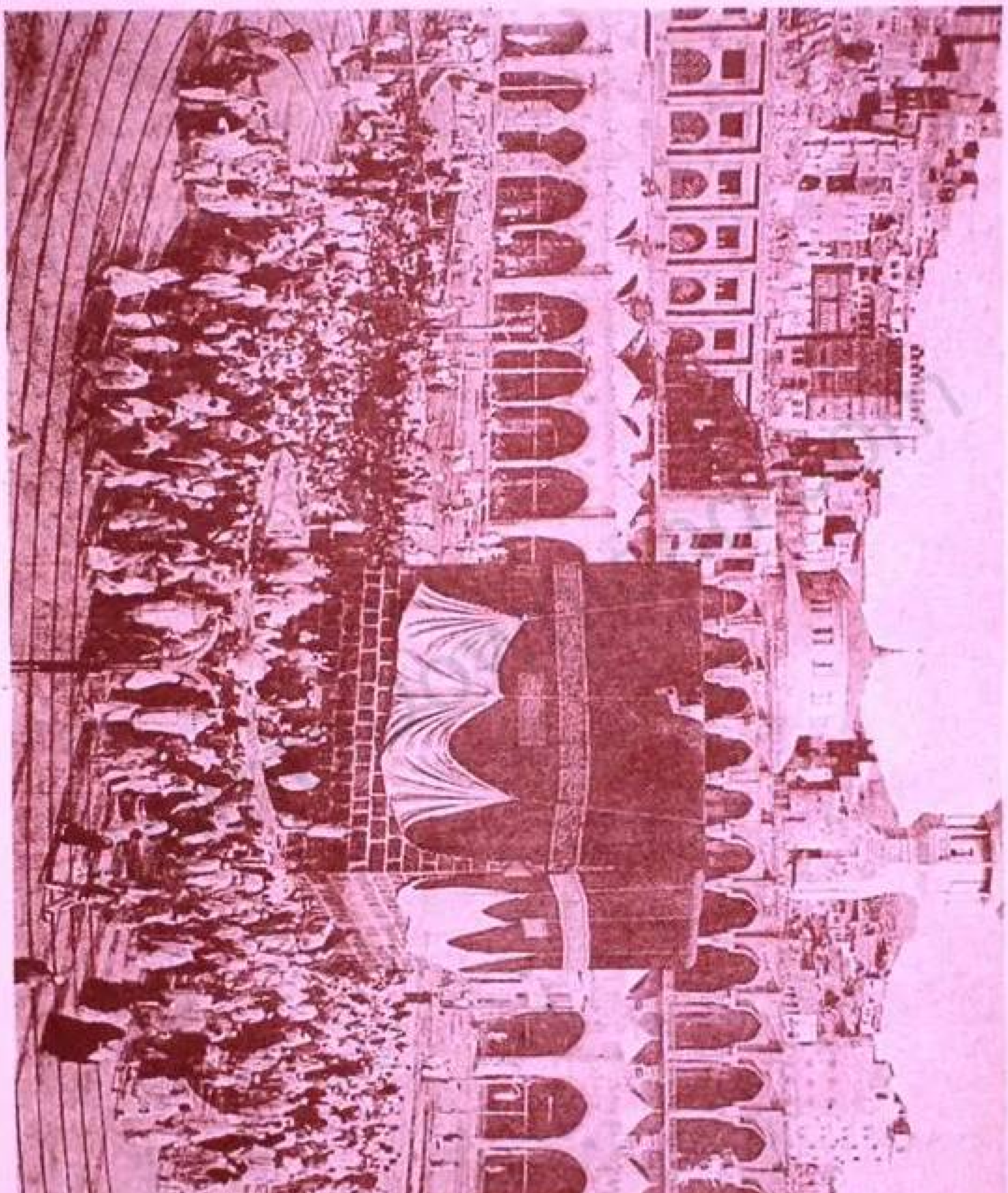

رحمت للعالمین

والدۂ ماجدہ کے ساتھ

بارِ امانت

سعادتوں اور نیک بختیوں کے اس منبع کو لوٹانے حضرت حلیمہ مکّہ کی سرحدوں میں آئیں تو وہاں کچھ لوگ جمع تھے۔ وہ بھی ٹھہرگئیں اور ایک جگہ آمنہ کے جگر گوشہ کو بٹھایا۔ حاجات سے فراغت میں مصروف ہوگئیں کہ اتنے میں ایک لرزا دینے والی خوفناک آواز سنائی دی۔ گھبراکر بچے کی طرف دوڑیں تو وہاں انھیں موجود نہ پایا۔ لوگوں سے پوچھا بچہ کہاں گیا۔ انھوں نے پوچھا کون سا بچہ؟ کہا وہی جو میرے ساتھ تھا۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب میرا سرمایۂ افتخار، میرا مخزنِ اعتبار، میرا باعثِ روزگار۔ اس امانت کو ماں کے سپرد کرنے آئی تھی۔ لات و عزیٰ کی قسم انھیں نہ پاؤں تو پہاڑ کی چوٹی سے اپنے آپ کو گرادوں گی۔ لوگوں نے کہا ہم نے تو یہاں کسی کو نہیں دیکھا۔ اِدھر دوڑیں اُدھر دیکھا۔ نااُمید ہوگئیں تو وامحمدا، وامحمدا کہتی بلک بلک کر رونے لگیں۔ ان کی دلخراش آواز نے سب کے دل ہلا دیئے۔ آخر روتی ہوئی سردار مکّہ عبدالمطلب کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنی بپتا سُنائی۔ وہ تلوار سونت کر باہر نکلے اور یاآلِ غالب کا نعرہ لگایا۔ بنی قریش جمع ہو گئے تو فرمایا میرے بیٹے کو ڈھونڈنے چلو۔ سب نے مِل کر چپہ چپہ چھان مارا لیکن کوئی سُراغ نہیں ملا۔ آخر تھک ہار کر عبدالمطلب بیت اللہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ طواف کیا اور بارگاہِ ربِ کعبہ میں اِلتجا کی۔ ندا آئی۔ لوگو! آہ و زاری کی ضرورت نہیں۔ محمد کا رب انھیں ضائع نہیں کرے گا۔ وہ وادی تہامہ میں شجرِ یمن کے پاس ہیں۔ عبدالمطلب وہاں پہنچے تو انھیں وہاں موجود پایا۔

اپنی سواری پر بٹھا کر گھر لائے۔ حلیمہ نے مُنہ مانگی دولت پائی۔ انعام و اکرام کو سمیٹا اور وادی ہوازن میں بنی سعد کے ٹھکانے لَوٹ آئیں۔

قُرّۃُ العین

حضرت آمنہ کی خوشی کا کوئی کیا اندازہ لگائے گا کہ ان کا لختِ جگر اور نورِ نظر جس کی پیشانی سے اقبال اور سعادت کا نور ہویدا تھا۔ ہر وقت ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ انھیں دیکھ کر عمر میں جوان اور غم سے نڈھال بیوہ اپنا بوجھ ہلکا کرتی۔ اس زمانے کا ایک گھریلو واقعہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد رہا تھا کہ آپ کی والدہ سوکھا گوشت (قدید) کھایا کرتی تھیں۔ حبشی کنیز ام ایمن آپ کی خدمت کے لئے وقف تھیں۔ آپ کی عمر چھ سال کی ہوئی تو مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کا خیال آیا۔ آپ کے اکثر ننھیالی رشتہ دار یثربی تھے۔ ان سے ملنا بھی منظور تھا۔ دو اونٹوں پر یہ مختصر سا قافلہ اُمّ ایمن کھلائی کے ساتھ روانہ ہوا۔ وہ دارالنابغہ میں اتریں۔ جہاں حضرت عبداللہ مدفون تھے۔ ایک مہینہ وہاں قیام کیا۔ ان دنوں کا ایک واقعہ چھ (۶) سالہ بچے کے ذہن پر نقش تھا۔ چنانچہ ہجرت کے بعد آپ کے حافظہ میں یہ تمام باتیں تازہ ہوئیں، والد کا مدفن، والدہ کا قیام، بنی عدی بنی نجار کا وہ کنواں جہاں آپ نے تیرنا سیکھا، بنی نجار کی وہ گڑھی جس کے سامنے ننھیالی لڑکوں کے ساتھ کھیلا کرتے، جس کی منڈیر پر بیٹھی ہوئی چڑیاں اڑاتے۔ ان دنوں ایک یثربی لڑکی انیسہ اکثر آپ کی شریکِ کھیل ہوا کرتی۔ حضرت اُمِّ ایمنؓ بیان کرتی ہیں کہ یثرب کے یہود آپ کو بڑے غور سے دیکھتے۔ میں نے ان میں سے ایک کو کہتے سنا، یہ اس امت کے نبی ہیں اور یہی ان کا دارالہجرت ہے۔ میں نے ان کی بات گرہ میں باندھ لی۔ لَوٹنے میں بدر کے قریب ابواء کے مقام پر حضرت آمنہ بیمار ہوگئیں۔ یہ مختصر قافلہ وہیں ٹھہر گیا۔ مواہب لدنیہ کی روایت ہے کہ وقتِ آخر آپ اپنی والدہ کے سرہانے بیٹھے تھے۔ ماں نے اپنے جلیل القدر بیٹے کو جی بھر کر دیکھا اور چند شعر پڑھے جن کا آزاد ترجمہ کچھ یوں ہے۔

نویدِ دمِ واپسیں

اے بیٹے! اللہ تجھ میں برکت دے، تو اس شخص کا فرزند ہے، جس کا فدیہ

ایک سو قیمتی اونٹ تھے۔ میرے نورِ نظر! میں نے تیری نبوّت کا جو خواب دیکھا ہے اگر وہ سچ ہے تو یقیناً تو جن و انس کی طرف مبعوث ہوا ہے۔ اے لڑکے! صاحب جلال و صاحبِ اکرام نے تجھے حلال و حرام کے نافذ کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ میری جان! حق و باطل باہم مل گئے ہیں، تو حق کو باطل سے جدا کرنے کے لئے آیا ہے۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک! اللہ نے تجھے بتوں سے دُور رکھا اور تیرے باپ ابراہیم علیہ السلام کے دین کا مطیع بنایا۔

بیٹے کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ ہر زندہ ایک نہ ایک دن مرجائے گا۔ ہر نئی شے کی قسمت میں پرانا ہونا ہے۔ ہر ایک کی منزل فنا ہے۔ میں مروں گی لیکن میرا ذکر باقی رہے گا۔ اس لئے کہ میں نے خیرِ عظیم کو بطور نشانی چھوڑا ہے۔ میں نے ایک طیّب و طاہر کو جنم دیا ہے۔ پھر حضرت آمنہ نے جانِ جانِ آفریں کے سپرد کی۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۲۸ سال تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد چھ برس تین مہینے تک حضرت آمنہ زندہ رہیں۔ ؎

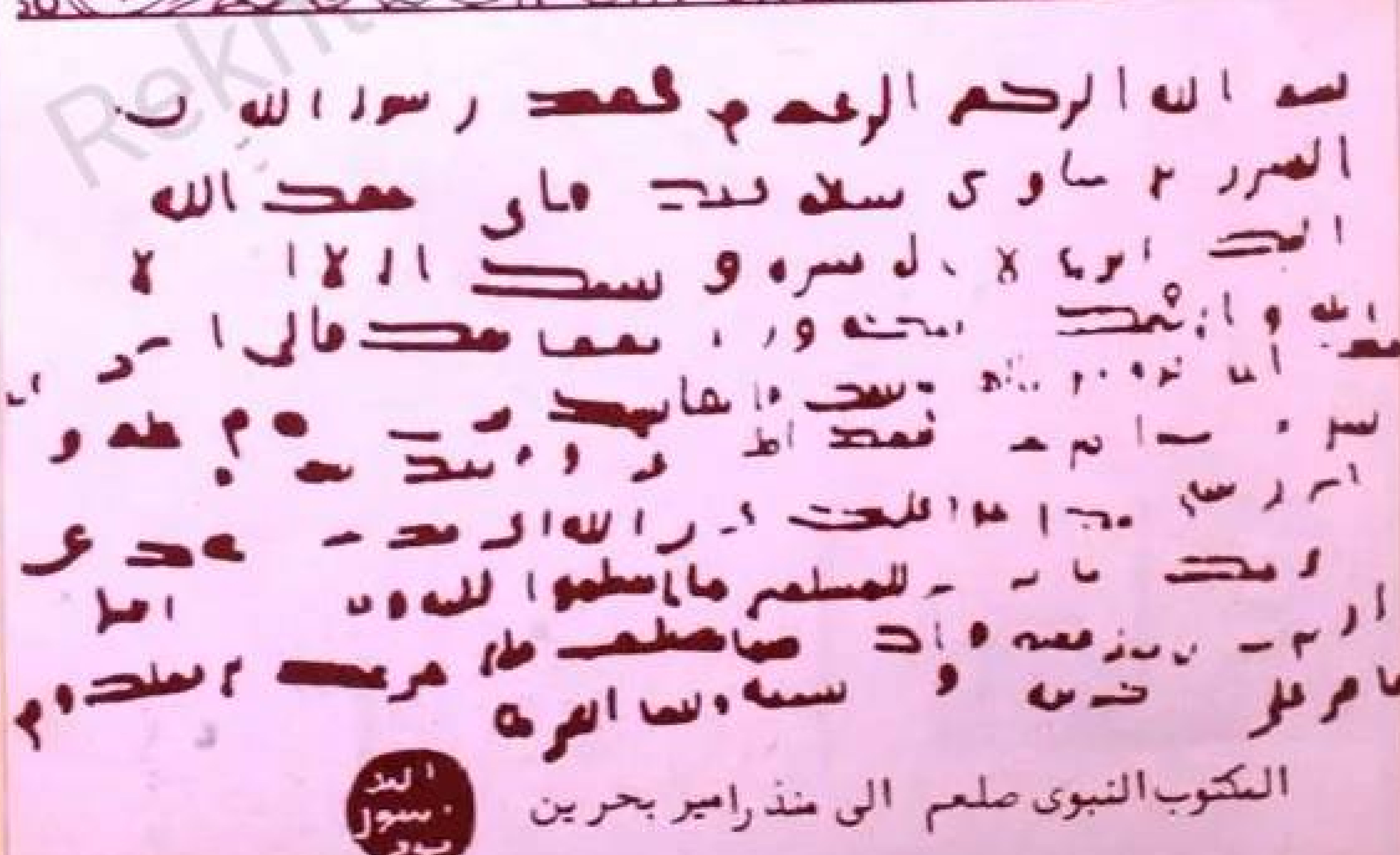

المکتوب النبوی صلعم الی منذر امیر بحرین

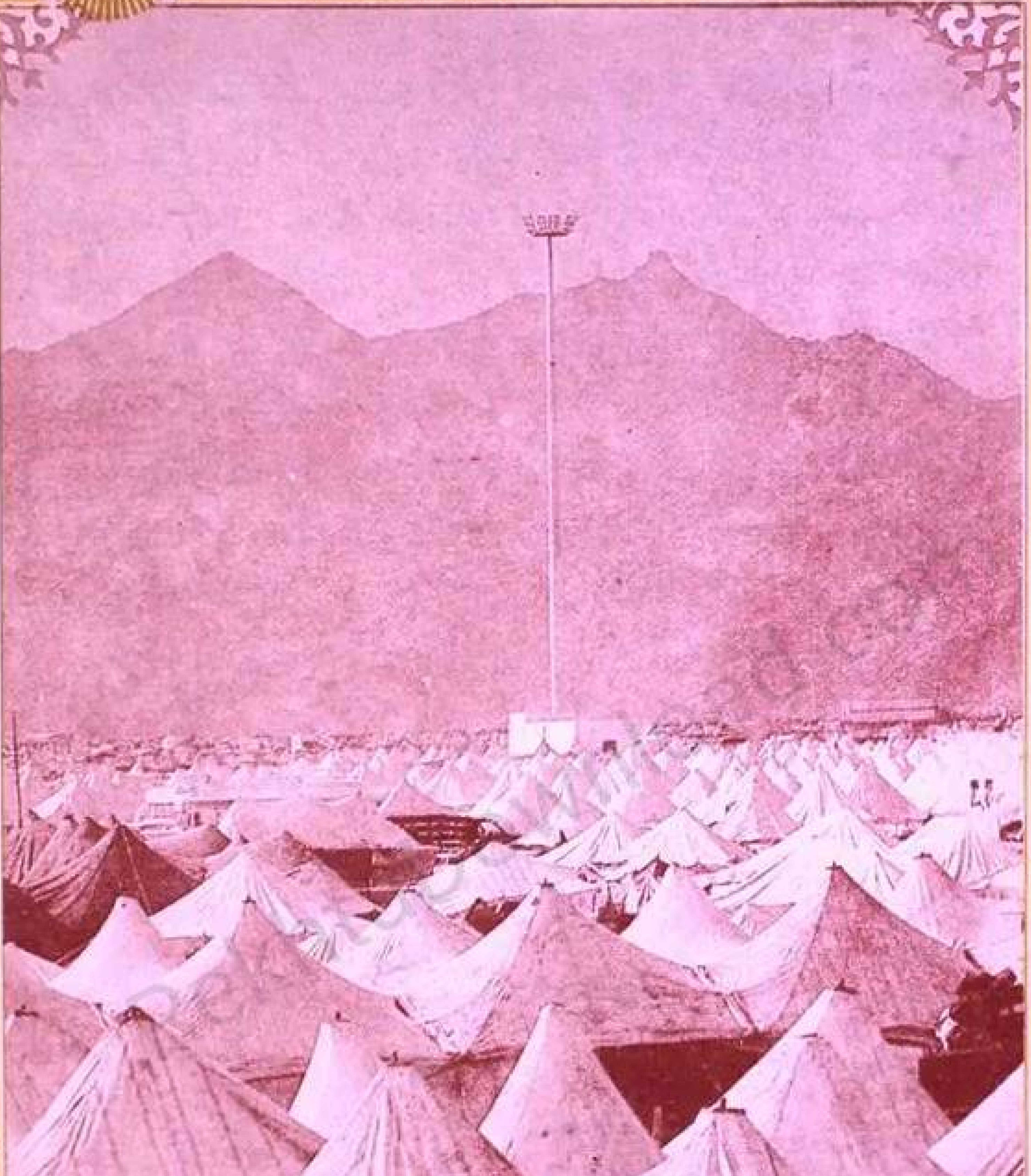

منیٰ میں پڑے خیمے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
حضرت عبدالمطلب کے زیرِ سایہ

چراغِ تہہ داماں

چھ (۶) سالہ بچے کے دل پر کیا گزری ہوگی یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ زندگی کا یہ پہلا سانحہ تھا اور بڑا ہی سخت۔ ماں کی ابدی جُدائی اور وہ بھی پردیس میں۔ یتیم اب یسیر بھی ہوگیا۔ اس کا حامی وہ تھا جو بے سہاروں کا سہارا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ماں کی قبر یاد تھی۔ عمرۂ حدیبیہ کے موقع پر جب ابواء پر سے گزر ہوا تو فرمایا "اللہ نے محمدؐ کو اپنی ماں کی قبر پر جانے کی اجازت دے دی۔" آپؐ نے قبر کو درست کیا اور بے اختیار روئے۔ یہ دیکھ کر صحابہ بھی رونے لگے۔ پھر عرض کیا آپ نے تو رونے سے منع فرمایا تھا۔ ارشاد ہُوا۔ ان کی ممتا مجھے یاد آگئی اور میں رو دیا۔ اُمِ ایمن نے اس چراغِ تہہ داماں کو سینے سے لگایا اور ماں کی طرح نگراں رہیں۔ اور یہ ماں کہتی ہیں کہ میرے اس جلیل القدر بیٹے نے کبھی بھوک اور پیاس کی شکایت نہیں کی۔ اکثر صبح کو زم زم میں شربت نوش فرماتے۔ پھر رات تک کسی چیز کو نہ کھاتے۔ دوپہر میں کھانا سامنے رکھا جاتا تو فرماتے مجھے اشتہا نہیں ہے۔ حضورؐ اکثر فرمایا کرتے کہ یہ خاتون میری والدہ کے بعد میری ماں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوّت کا اعلان کیا تو اوّلین تصدیق کرنے والوں میں سے ہوگئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آزاد کردیا۔ ان کا پہلا نکاح بنی حارث کے عبید بن زید بن عمرو سے کردیا۔ جن سے ایمن پیدا ہوئے۔ اسی لئے ان کی کنیت اُمِ ایمن تھی۔ ان کے انتقال پر حضورؐ نے آزاد کردہ غلاموں میں مسلم اوّل حضرت زید ابن حارثہ سے ان کی شادی کروائی۔ اسامہ ابن زیدؓ ان کے بطن سے ہوئے جنھیں آپ حقیقی بیٹوں کی طرح چاہتے تھے۔ اُمِ ایمن

نے دو ہجرتیں کیں۔ ایک حبشہ اور دوسری مدینہ کی جانب۔ حضرت عثمان رض کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

گھنا سایہ

مکہ پہنچے تو حضرت عبدالمطلب نے یتیم دیسیر پوتے کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ اسی سال پوتا آشوب چشم میں مبتلا ہوا تو توجہ سے علاج کروایا۔ افاقہ نہ ہوا تو عکاظ میں ایک عیسائی خانقاہ کے راہب کو بھی بتلایا۔

مختلف روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ انھیں یقین تھا کہ عبداللہ کا یتیم اور آمنہ کا جگر گوشہ بڑا نام پانے والا ہے۔ بنی مدلج کی ایک جماعت سردارِ مکہ سے ملنے آئی۔ یہ کھوجی اور قیافہ شناس تھے۔ دُرِ یتیم کا نقشِ کفِ پا دیکھا تو اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقشِ پا (جو مصلیٰ ابراہیم کہلاتا ہے) کے مشابہ پایا۔ انھوں نے حضرت عبدالمطلب سے کہا کہ اس بچے کی بطورِ خاص حفاظت اور نگرانی کریں۔ دادا نے حقیقی چچا ابوطالب سے کہا کہ وہ اس بات کو غور سے سُن لیں۔ ۵۲

ہونہار بروا

حضرت عبدالمطلب کے بیٹھنے کے لئے کعبۃ اللہ کے زیرِسایہ فرش بچھایا جاتا۔ حطیم میں ان کی جگہ مخصوص تھی۔ معززین قریش میں سے خود حرب بن امیہ تک ادب سے اس کے اطراف میں بیٹھتا۔ ان کی عظمت اور وجاہت کی وجہ سے ان کے بیٹے تک مسند پر قدم نہ دھرتے۔ پوتا سنِ شعور کو پہنچ چکا تھا۔ بڑھ کر مسند پر بیٹھ جاتا۔ چچا پیچھے ہٹانے کو بڑھتے، لیکن عبدالمطلب جن کی بینائی کمزور تھی آواز سن کر کہتے میرے بچے کو نہ ہٹاؤ، اس میں خود شناسی کا نادر جوہر ہے۔ رب کعبہ کی قسم، اس کی تو بہت بڑی شان ہے۔ قریب بٹھا کر پشت پر ہاتھ پھیرا کرتے۔ ۵۳

اِنکشاف

شاہِ یمن سیف بن ذی یزن نے ۵۷۵ء میں حبشہ فتح کیا تو عرب کے وفود

مُبارک باد دینے گئے۔ قریش کے وفد کے سردار عبدالمطلب بیت اللہ کے متولّی تھے۔ ایک دن انھیں بطور خاص تخلیہ میں بلایا۔ بہت غور سے دیکھنے کے بعد کہا کہ میں اپنے مخفی خاندانی علم اور پوشیدہ کتاب سے ایک عظیم خبر آپ کو سُناتا ہوں۔ تہامہ میں ایک ایسا بچّہ پیدا ہوگا جس کے کاندھوں کے درمیان ابھرے ہوئے گوشت کی مہر ہوگی۔ اسے قیامت تک تمام عالم کی سرداری حاصل ہوگی۔ وہ پیدا ہوچکا ہوگا۔ اس کے والدین وفات پاجائیں گے۔ دادا اور چچا اس کی پرورش کریں گے۔ اللہ اسے اعلانیہ مبعوث فرمائے گا۔ اس کے دوستوں کو عزت اور دشمنوں کو ذلّت سے ہمکنار کرے گا۔ روئے زمین کے بہترین سے بہترین علاقے وہ فتح کرے گا۔ اس کے اعوان و انصار کی مثالیں دی جایا کریں گی۔ اس کا قول محکم، قطعی اور فیصلہ کن ہوگا۔ وہ مبنی برانصاف ہوگا۔ بھلائیوں پر عامل ہوگا اور اس کا حکم دے گا۔ بُرائیوں سے خود بھی بچے گا اور دوسروں کو بھی منع کرے گا۔ عبدالمطلب نے مزید وضاحت طلب کی۔ ابن ذی یزن نے عزت، حشم اور جاہ کی قسم کھاکر کہا اے عبدالمطلب تم ہی اس ہستی کے دادا ہو۔ عبدالمطلب نے تمام باتوں کی تصدیق کی۔ اس نے کہا اپنے اس فرزند کی خاص طور پر یہودیوں سے حفاظت کیجئے۔ اس راز کو اپنے سینہ میں محفوظ رکھئے تاآں کہ حق تعالیٰ خود اس کا راز افشا نہ کرے۔ بڑے انعام و اکرام، داد و دہش کے ساتھ انھیں رخصت کیا۔ ؎

ٹھنڈی چھاؤں

یہی وجہ تھی کہ عبدالمطلب اپنے پوتے کو آنکھوں کے سامنے سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔ جب کھانا کھاتے تو کہتے میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ۔ وہ آتے تو آپ کھانا تناول فرماتے اوروں کو بھی شریکِ طعام کرتے۔ آپ جو کام بھی کرتے اسے دیکھ کر انھیں خوشی ہوتی۔ جب سوتے ہوتے کسی اور کو ان کے پاس جانے کی مجال نہ ہوتی۔ مگر بلند اقبال پوتا جاکر ان کے بستر پر بیٹھ جاتا۔

اَبرِ کَرم

ایک دفعہ مکہ میں شدید قحط پڑا، لوگ بلبلا اٹھے۔ یہ مصیبت چند سال

جاری رہی۔ آخر سب، کوئی تدبیر کرنے سردارِ مکّہ کے پاس جمع ہوئے۔ انھیں اشارہ غیبی ہوا۔ پوتے کو اپنے کندھوں پر بٹھاکر سب کے ساتھ کوہ ابوقبیس کا رُخ کیا۔ ان کے واسطے سے ربِّ کعبہ سے بارش کی دُعا کی۔ پہاڑ سے اُترنے بھی نہ پائے تھے کہ کالی بدلی گھر کر آئی۔ پھر ابرِ رحمت یوں برسا کہ جل تھل ایک ہوگئے۔

جب کوئی قیمتی چیز کھوجاتی تو دادا آپ کو ڈھونڈنے کے لئے کہتے۔ آپ کی ذہانت پر حد درجہ اعتماد تھا اور آپ بھی چیز لے کر ہی پہنچتے۔ ایک دفعہ کچھ اونٹ گم ہوگئے۔ لوگوں نے بہت تلاش کیا۔ ناکام لَوٹے۔ دادا نے پوتے سے کہا۔ آپ اس کام پر گئے تو بہت دیر لگادی۔ اب کوئی دادا کی بےچینی دیکھتا۔ بےحد پریشان۔ اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔ اپنے آپ کو ملامت کررہے تھے کہ ناحق اس کم سِن کو پہاڑوں میں بھیج دیا۔ جانے کیا آفت پیش آئی ہوگی۔ بہت مضطرب ہوگئے تو بیت اللہ پہنچ کر طواف کیا۔ اللہ سے رو روکر سلامتی کی دُعائیں مانگیں۔ کچھ وقت نہیں گزرا کہ پوتا اونٹوں کو لئے لَوٹ آیا۔ دیکھا تو خوشی سے باچھیں کِھل گئیں اور عہد کیا کہ اب آئندہ کبھی اکیلا نہ بھیجوں گا۔

آخری وقت آیا تو اُمِّ ایمن کو طلب کیا اور فرمایا اے برکت! میرے اس بیٹے کی طرف سے کبھی غفلت اور بےپَروائی نہ برتنا، کیونکہ اہلِ کتاب کہتے ہیں کہ یہ اس اُمّت کا نبی ہے۔

حضرت ابوطالب کو بُلایا اور ان کے حقیقی بھائی عبداللہ کی نشانی ان کے سپرد کی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ کفالت کی ذمّہ داری حضرت زبیر کے سپرد کی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے پوتے کو اختیار دے دیا کہ جس کے ساتھ

رہنا پسند کریں وہ کفالت و نگرانی کرے۔

ترجیح کے بارے میں تین قول ہیں۔ اوّل حضرت عبدالمطلب کی وصیت۔ دوم قرعہ اندازی، جس میں حضرت ابوطالب کا نام نکلا۔ سوم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار۔

آخری عمر میں حضرت عبدالمطلب کی بینائی جاتی رہی تھی۔ وقتِ انتقال عمر تقریباً ۸۲سال تھی۔ بعض نے ۱۲۰سال بھی لکھا ہے۔ حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ وہ قد و قامت میں ممتاز اور حسین و جمیل چہرے والے تھے۔ جو بھی انھیں ایک نظر دیکھتا، محبت کرنے لگتا۔

سب سے بڑے بیٹے حارث کا تو ان کی زندگی ہی میں انتقال ہو چکا تھا۔ مرتے وقت اپنے بڑے بیٹے زبیر کو اپنا وصی جانشین اور سردارِ قبیلہ نامزد کیا۔

حضرت عباسؓ کو کعبہ کی تولیت بخشی۔ حالانکہ وہ بیٹوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ بیٹیوں سے کہا کہ نوحہ کے اشعار سنائیں۔ ایسے میں انتقال ہو گیا۔ اس وقت پوتا دادا کے سرہانے کھڑا آنسو بہا رہا تھا۔ ماں کے بعد اب محبت کرنے والا دادا بھی وہاں جا رہا تھا جہاں سے لوٹ کر کوئی نہیں آیا۔ اس وقت حضورؐ کی عمر ۸ سال کے لگ بھگ تھی۔

جب ان کا جنازہ حجون کے گورستان لے جایا جا رہا تھا تو ۸ سالہ پوتا بھی میت کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ شفیق دادا کی جدائی پر آنکھیں رو رہی تھیں اور دل بیتاب تھا۔ سہارے تو بہت تھے لیکن عبداللہ کے یتیم کی نظر ربِ کعبہ پر تھی۔ جو بے آسراؤں کا آسرا اور بے سہاروں کا سہارا ہے۔

سربراہانِ بنی ہاشم

حضرت عبدالمطلب کی موت نے دفعتاً بنوہاشم کا رتبہ گھٹا دیا۔ اب اقتدار کے لحاظ سے بنواُمیّہ کا خاندان غالب آ گیا تھا۔ قریش کی مسندِ امارت پر اب حرب ابن اُمیّہ متمکن ہوا۔ مناصب ریاست میں صرف سقایہ یعنی حجاج کو پانی پلانے کی خدمت بنی ہاشم میں رہ گئی۔

حضرت عبدالمطلب نے وفات سے پہلے اپنے بڑے بیٹے حضرت زبیر کے حق میں صدر خاندان کی وصیت کی۔ یہی ان کے وصی اور جانشین ہوئے۔ انہیں حکومت اور خانۂ کعبہ سے متعلقہ امور کا انتظام سپرد کیا۔ یہ کوئی ۱۳ سال تک

بنو ہاشم کے سردار رہے۔ ان کے انتقال کے وقت حضور اکرمؐ کی عمر ۲۱ یا ۲۲ برس کی تھی۔ ان کے بعد حضرت ابوطالب بنی ہاشم کے ۲۸ سال تک سربراہ رہے۔ بعثت کا دسواں سال اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۵۰ سال کے لگ بھگ تھی، کہ یہ فوت ہوگئے۔ اب بنی ہاشم کی سربراہی دشمنِ خدا، دشمنِ رسولِ خدا اور دشمنِ دینِ خدا ابولہب کے حصہ میں آئی۔ اس نے حُسن کی دولت پائی لیکن متاعِ ایمان سے محروم رہا۔ ۵ سال سے کچھ زیادہ عرصہ تک سردار رہا۔ ۲ ہجری میں بدر کی لڑائی کے چھ ماہ بعد سرطان یا طاعون کے مرض میں مُبتلا ہوکر عبرتناک موت مرا۔

اُلفت کے تانے بانے

حضرت زبیر بھی حضرت عبداللہ کے ماں جائے تھے، ان کی بیوی عاتکہ بنت وہب بن عمرو بڑی شفیق خاتون تھیں، ان دونوں نے حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ کے جگر گوشہ کی نگہداشت میں برابر کا حصہ لیا۔

اپنے باپ کی وصیت کے مطابق حضرت ابوطالب اپنے بھائی کی نشانی اپنے گھر لے آئے۔ وہ کثیر العیال ہونے کی وجہ سے تنگدست تھے لیکن دل بہت بڑا تھا۔ بہت کریم النفس تھے اپنی اولاد سے بڑھ کر بھتیجے کو چاہتے تھے۔ ان کی زوجہ حضرت فاطمہ بنت اسد بھی آپ سے بیحد پیار کرتی تھیں۔ حضرت ابوطالب حضور اکرمؐ کو اپنے ساتھ سُلاتے، جب باہر نکلتے تو ساتھ لے جاتے۔ ان کے بغیر کھانا نہ کھاتے۔ حضرت ابوطالب کے گھر میں بچوں کے لئے ناشتہ جب آتا تو چھین جھپٹ ہوتی۔ انھوں نے دیکھا کہ یتیم بھتیجہ اس میں شریک نہیں ہوتا تو انھیں اپنے ساتھ کھلانے لگے۔ نو عمری میں یہ سنجیدگی مستقبل کی شخصیت کا پتہ دیتی ہے۔ جب یہ منبعِ خیر و برکت شریکِ طعام ہوتا تو سب آسودہ ہوکر کھاتے ورنہ سیری نہ ہوتی۔ اسی لئے حضرت ابوطالب اپنے بھتیجے کے بارے میں کہتے کہ تو حقیقت میں بابرکت ہے۔ یہ فرزند جب کھانے پر بیٹھتا تو "بسم اللہ الاحد" کہتا اور فراغت پاتا تو "الحمدللہ" کہتا۔ میں نے اسے کبھی جھوٹ بولتے نہیں سُنا۔ نہ اس نے کبھی جاہلانہ بات کی۔ نہ انھیں کبھی بیجا ہنستے دیکھا۔ کھیل کود سے بھی کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ سب بچے صبح کو بیدار ہوتے تو آنکھوں میں میل ہوا کرتا اور بال پراگندہ، لیکن یہ بابرکت ہستی خواب سے جاگتی تو آنکھیں سُرمگیں ہوتیں، بالوں میں قدرتی طور پر تیل لگا ہوتا۔[۵۶]

سرورِ کونین کا بچپن

شبانی سے کلیمی تک

آنحضرتؐ نے اپنے چچا کے گھر کی حالت دیکھی تو کام کرنے میں عار محسوس نہ کیا۔ شہر والوں کی بکریاں اُجرت پر چَراتے۔ مکّہ کی ایک پہاڑی اَجیاد چَراگاہ تھی۔ جو بھی اُجرت حاصل ہوتی چچا کی نذر کرتے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ کہتے ہیں کہ ایک بار ہم لوگ اراک (پیلو کے درخت) کے پھل چُن رہے تھے تو آپ نے فرمایا جو سیاہ ہوگیا وہ لو، کہ وہی سب سے اچھے ہوتے ہیں۔ جب میں بھیڑ بکریاں چَراتا تھا تو میں بھی اُسے چُنتا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ بھی بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ فرمایا۔ ہاں، کوئی پیغمبر ایسا نہیں گزرا جس نے بھیڑ بکریاں نہ چَرائی ہوں۔ حکمتِ خداوندی یہ ہے کہ اس کمزور جانور کے لئے چرواہے کے دل میں رحم کا جذبہ پیدا ہو۔ ان کی درندوں سے حفاظت کے لئے ہروقت جان پر کھیل جانے کے لئے تیّار رہنے سے دلیری کا وصف پیدا ہوتا ہے۔ مشغلۂ تجارت اختیار کرنے تک دس بارہ سال یہ سلسلہ جاری رہا۔ صبح ہوئی بکریوں کے ریوڑ اور اونٹوں کے گلّے ہانکتے صحرا اور پہاڑیوں کی طرف نکل جاتے۔ کتابِ فطرت کھُلی ہوتی۔ اُبھرتا، چڑھتا اور ڈوبتا سورج، ٹھنڈا، دہکتا اور جھُلستا صحرا۔ نرم، گرم اور غضبناک بادِ صرصر۔ رنگ بدلتے پہاڑ۔ سایہ دیتی وادیاں اور سرسبز نخلستان، یہی خالقِ ارض وسما کے مصوّر اوراق تھے۔ جسے یدِ قدرت لوحِ فطرت پر اُبھار رہی تھی۔ ان کا غور وفکر سے مطالعہ اور دقّتِ نظر سے وہ مشاہدہ کر رہا تھا، جسے قدرت نے دنیا میں سیکھنے کے لئے نہیں بلکہ سکھانے کے لئے پیدا کیا تھا۔

تحفّظ

حضرت ابوطالب کے ساتھ رہتے ہوئے دو اہم واقعات آپ کی شخصیت کی تعمیر کا ایک اہم حصّہ ہیں۔ مکّہ میں ایک جگہ گانے بجانے کی محفل تھی۔ گرمی کے دن تھے۔ آپ نے اپنے ساتھی چرواہے سے طے کرلیا کہ وہ بکریوں کی نگرانی کرے تاکہ آپ گانے بجانے سے لُطف اندوز ہوں۔ چراگاہ سے شہر پہنچے تو تھکن اور گرمی سے چور تھے۔ تقریب شروع ہونے میں وقت تھا۔ ایک درخت کے سائے میں سستانے لگے تو آنکھ لگ گئی۔ جب بیدار ہوئے تو اہلِ سرود اپنی دوکان بڑھاچکے تھے۔ آئندہ کبھی اس طرح کے لہوولعب میں حصّہ لینے کا خیال تک نہیں آیا۔

ایک سرسبز مقام پر کھجور کے دو مقدّس درخت تھے۔ جن میں پھل کی بہتات ہوتی۔ وہاں بوانہ نامی بُت نصب تھا۔ لوگ وہاں جاتے اور بوانہ بُت پر جانور بھینٹ چڑھاتے، سر مُنڈاتے اور مُشرکانہ رسوم انجام دیتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس تقریب میں شریک ہونے سے ہر سال انکار کرتے۔ آخر ایک دفعہ تمام پھوپیاں اور چچاؤں کے سخت اصرار پر آپ وہاں گئے۔ اور وہاں پہنچ کر بڑی دیر تک ان کی نظروں سے اوجھل رہنے کے بعد جب آپ ظاہر ہوئے تو چہرے پر خوف کے آثار تھے۔ پھوپیوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا۔ جب بھی میں اس بُت کے قریب جانا چاہتا ہوں تو ایک سفید رنگ، دراز قد شخص میرے قریب آجاتا ہے اور کہتا ہے "اے محمدؐ! پیچھے ہٹ جایئے، بُت کو ہاتھ مت لگایئے۔" حضرت اُمّ ایمن کہتی ہیں کہ اس واقعہ کے بعد آپ کبھی کسی ایسی تقریب میں نہیں گئے، جہاں بُت پر بھینٹ چڑھائی جاتی ہو۔

شرارِ بُولہبی

اسی زمانے میں ایک بار حضرت ابوطالب اور ابولہب کے درمیان ہاتھاپائی ہوگئی۔ ابولہب نے ابوطالب کو پچھاڑ دیا اور سینہ پر چڑھ کر بے تحاشہ مارنے لگا۔ کمسِن بھتیجے نے اسے دھکیل دیا۔ اب موقع پاکر ابوطالب حاوی ہوگئے اور ابولہب

پٹنے لگا۔ جب معاملہ ختم ہوا تو ابولہب نے کہا "اے محمد! میں بھی تیرا چچا ہوں اور وہ بھی۔ تونے یہ جانبداری کیوں کی۔ خدا کی قسم! میرا دل اب تجھ سے کبھی محبت نہیں کرے گا۔"[۵۸]

بابِ رحمت

مکّہ میں ایک بار پھر خشک سالی نے قدم جمائے۔ لوگ پریشان ہوکر حضرت ابوطالب کے پاس آئے۔ انھوں نے کہا اپنے اپنے بچوں کو لے آؤ۔ کعبۃ اللہ میں دُعا کریں گے۔ سب جمع ہوگئے تو حضرت ابوطالب کو اپنے باپ کا وقت یاد آیا۔ کمسن اور مقبول بارگاہِ حق بھتیجے کا ہاتھ پکڑا اور بیت اللہ سے اس کی پُشت مِلادی۔ معصُوم لڑکے نے دُعائیہ انداز میں اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے۔ صاف آسمان پر ہر طرف سے بادل گھر گھر کر آنے لگے۔ سُوکھی زمین کی زبان تر ہوگئی، بدلی کھُل کے برسی۔ خشک دھرتی کی کوکھ سے سرسبزی نے جنم لیا۔ اس واقعہ پر حضرت ابوطالب نے مدحیہ شعر کہا۔" وہ روشن جبیں، منوّر ہستی، جس کے رُوئے زیبا کے واسطے سے بادلوں سے بارش کی دُعائیں مانگی جاتی ہیں۔ وہ تو یتیموں کا سہارا، مظلوموں کا فریادرس اور بیواؤں کا آسرا ہے۔"

حضرت عبدالمطلب کی طرح حطیم میں حضرت ابوطالب کے لئے بھی الگ مسند بچھائی جاتی تھی، جس پر کوئی اور نہیں بیٹھتا تھا۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ جاکر مسند پر بیٹھتے تھے۔ اس پر وہ کہا کرتے:

"ربیعہ کے خدا کی قسم! میرے اس بھتیجے پر سرداری جچتی ہے۔"[۵۹]

جادُو وہ جو سر چڑھ کے بولے

ایک مرتبہ قبیلہ لہب کا ایک علم قیافہ کا ماہر مکّہ آیا۔ سب لوگ اپنے اپنے بچّوں کو اس کے پاس لے گئے۔ حضرت ابوطالب بھی اپنے بچّوں کے ساتھ حضورؐ کو لے گئے۔ اس نے آپ کو دیکھا اور پھر کسی کام میں مشغول ہوگیا۔ کچھ دیر بعد اس نے بڑی بے تابی سے کہا کہ ذرا اس بچّے کو میرے پاس لاؤ جسے ابھی میں نے دیکھا ہے۔ چچا نے اس کے اضطراب کو بھانپ کر آپ کو چُپکے سے گھر بھیج دیا۔ آپ کو

نہ پاکر اس نے کہا اس کو میرے پاس لاؤ۔ خدا کی قسم! وہ بہت بڑا آدمی بننے والا ہے۔

احساس

ایک بار قریش کے سب لڑکے پتھر ڈھو رہے تھے۔ سب نے اپنی تہمد اُٹھاکر اپنے گلے میں باندھ لی تھی، جس سے سَتر کُھل گیا تھا۔ آپ نے بھی ایسا ہی کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے یکایک گھونسا مارا ہو آواز آئی "اپنی ازار باندھو" اللہ نے لڑکپن میں بھی آپ کو عُریانی سے بچائے رکھا۔

حضرت ابوطالب بیان کرتے ہیں کہ ابتدا میں اکثر میں آپ کو اپنے ساتھ ہی بستر پر سُلاتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے کہا کہ اپنے کپڑے اُتارلو تاکہ سوتے میں کپڑے خراب نہ ہوں۔ چہرے پر ناگواری کے آثار نمودار ہوئے۔ لیکن ساتھ ہی حکم عدولی بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ جواب دیا اپنا مُنہ ادھر موڑ لیجئے تاکہ کپڑے اُتارسکوں۔ مجھے بڑا احساس ہوا کہ اس عمر میں اس درجہ احساسِ ستر پوشی ہے۔ حالاں کہ اس زمانہ میں کعبہ کا برہنہ طواف تو عام بات تھی۔

آپ کے بچپن ہی میں ایک بار سیلاب سے کعبۃ اللہ کو نقصان پہنچا۔ اس کو درست کرنے کے لئے تمام لوگ پہاڑی سے پتھر اُٹھاکر لانے لگے۔ حضرت عبّاس نے آپ سے کہا کہ اے بھتیجے تہبند اتارکر اپنے کندھوں پر رکھ لو تاکہ تکلیف نہ ہو۔ آپ نے تعمیل کی۔ لیکن ایسا کرنا تھا کہ آپ بے ہوش ہو گئے اور زمین پر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو میرا تہبند میرا تہبند کی صدا نکلی۔ تہبند باندھ لیا تو آپے میں آئے۔

دس بارہ سال کی عمر میں پیش آنے والے یہ تمام واقعات ملنے جلنے والوں کو کو احساس دِلا رہے تھے کہ ایک غیر معمولی پاکیزہ اور بابرکت ہستی ان کے درمیان پروان چڑھ رہی ہے۔

جادۂ شوق

آپ نے جب عمر کے بارہویں سال سے گزر کر تیرہویں میں قدم رکھا تو آپ کے چچا ابوطالب قریش کے کاروانِ تجارت کے ساتھ شام جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ راستے کی صعوبتوں اور کم سِنی کا خیال کرکے آپ کو گھر ہی پر چھوڑنے کا

فیصلہ کیا۔ عین کوچ کے وقت بھتیجہ کو غمگین پاکر ساتھ لے لیا۔ اس زمانہ میں بُصریٰ ایک اہم تجارتی مَنڈی تھی۔ جو رومیوں کے قبضے میں تھی اور تمام کاروانِ تجارت آتے جاتے وہاں قیام کرتے تھے۔ قریشی قافلہ نے جہاں پڑاؤ ڈالا وہیں بحیریٰ نامی انجیل کے عالم اور نصرانی راہب کا صومعہ (خانقاہ) تھا۔ وہ آسمانی کتابیں پڑھ روشنیٔ حق کا منتظر تھا۔ ایک دن وہ اندر سے باہر کا منظر دیکھ رہا تھا۔

مُشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطّار گوید

اچانک اس کی نظر ایک ایسے نوجوان پر پڑی جس پر ایک ابر سایہ فگن تھا۔ اہلِ قافلہ ایک درخت کے نیچے اُترے۔ نوجوان کے لئے کوئی سایہ دار حصّہ نہ بچا تھا۔ وہ دُھوپ میں بیٹھ گیا تو شاخیں آپ ہی آپ ادھر جُھک گئیں۔ یہ دیکھ کر اس کی آسمانی کتابوں کی بصیرت جاگ اٹھی۔ اہلِ صومعہ کو حکم دیا کہ دعوت کا اہتمام کریں۔ خاص ایلچی اہلِ قافلہ کے پاس بھیج کر ہر چھوٹے بڑے کو مدعو کیا۔ کھانے کا وقت آیا تو سامان کی نگرانی کے لئے حضور کو خیموں پر چھوڑا گیا۔ اور سب راہب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس نے پوچھا کوئی آنے سے رہ تو نہیں گیا۔ کہا ہاں، ایک نوجوان حفاظت کے لئے پیچھے ہے۔ اس نے جواب میں کہا کسی میزبان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ کوئی مہمان چھوٹ جائے۔ آپ جب شریکِ طعام ہوئے تو ایک ایک بات کا بغور معائنہ کرنے لگا۔ کھانا ختم ہوا تو راہب نے آپ کو لات و عزیٰ کی قسم دے کر کہا جو پوچھوں سچ سچ بتانا۔ آپ نے جواب دیا مجھے لات و عزیٰ کی قسم نہ دے کہ مجھے ان سے بغض ہے۔ بحیریٰ نے کہا آپ کو اللہ کی قسم جو میں پوچھوں بتائیے۔ آپ نے اس کی ہر بات کا معقول جواب دیا۔ پھر اس نے اپنی آسمانی کتابوں کی تصدیق کے لئے آپ کی پُشت دیکھی اور مہرِ نبوت کو پہچان گیا۔

اس نے ابوطالب سے پوچھا۔ اس نوجوان سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔ انھوں نے کہا میرا بیٹا ہے۔ کہا میرا علم کہتا ہے کہ اس کا باپ زندہ نہیں۔ حضرت ابوطالب نے اس کی تصدیق کی۔ راہب نے کہا اپنے بھتیجے کو فوراً اپنے شہر واپس لے جاؤ اور یہود سے اس کی حفاظت کرو۔ اس کی بڑی آن بان اور شان

ہو گی۔ اِسی سفر میں دوسرے اہلِ کتاب زَریرَ تمّام اور دَریِس نے بھی آپ کو پہچان لیا۔ اِس سفر سے صحیح وسالم لوٹے تو حضرت ابوطالب پھر کبھی شام کے سفر میں آپ کو ساتھ نہیں لے گئے مبادا کہیں آپ کو کوئی گزند نہ پہنچے۔

میدانِ جنگ

آپ کی عمر ۱۵ سال کے لگ بھگ تھی کہ مکّہ میں چوتھی حربِ فجار ہوئی۔ اس میں ایک فریق بنی کنانہ تھے (جن کے ساتھ قریش تھے) اور ان کے مدمقابل قیس عیلان تھے (جن کے طرفدار بنی ثقیف اور بنی ہوازن تھے) بنی کنانہ کا سپہ سالار حرب بن اُمیّہ بن عبدالشمس تھا۔ جنگ صرف اتنی سی بات پر چھڑی تھی کہ فرمانروائے حیرہ نعمان بن منذر کے مالِ تجارت سے لدے ہوئے اونٹوں کو جو میلہ عکاظ میں جارہے تھے، بنی ہوازن کے سردار نے پناہ دی تھی۔ بنی کنانہ کے سردار برّاص بن قیس نے کہا کہ تو ہمارے مقابلہ میں امان دے رہا ہے۔ اس نے اکڑ کر کہا تمہارے ہی نہیں بلکہ تمام دنیا کے مقابلے میں۔ غصّہ میں بات بڑھ گئی۔ اس نے اسے قتل کردیا۔ یہاں تک کہ حدودِ حرم میں خون ریزی ہوئی۔ اس جنگ کو فجار اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ماہِ حرام میں ہوئی۔ چچاؤں کے اصرار پر آپ بھی اس حد تک شریک ہوئے کہ دشمنوں کے آئے ہوئے تیر چن چن کر ان کو دیتے تھے۔

بعض مورّخوں نے نبوّت سے پہلے ہونے والی چار فجار کی لڑائیوں میں سے دوؔ میں آپؐ کی شرکت کا پتہ لگایا ہے۔ ایک لڑائی میں عرب کے مشہور نیزہ باز ابوبراء مُلاعب الاسنّۃ سے مقابلہ اور نیزہ مارنے اور تیر چلانے کا واقعہ بھی لکھا گیا ہے۔ اس سے آپؐ کی عسکری صلاحیت پر روشنی پڑتی ہے[۱۶]

حمایتِ مظلوم

فجار کی خانہ جنگیوں کا خاتمہ ایک معاہدہ پر ہوا۔ اس حلف (معاہدہ) کو طے کرنے والے تین سرداروں کے نام میں فضل کا لفظ شامل تھا۔ فضل کی جمع

فضول ہے۔ اسی لئے اس معاہدہ کو حلف الفضول کہتے ہیں۔ سرداروں کے نام فضل بن فضالہ، فضل بن وداعتہ اور فضیل بن حارث تھے۔ یہ معاہدہ ظالم کے خلاف مظلوم کی حمایت سے متعلق تھا۔

اس کے چند سال بعد ایک اہم واقعہ ہوا۔ ایک زبیدی تاجر نے مکّہ کے ایک سردار عاصی بن وائل کے ہاتھ کچھ مال فروخت کیا۔ طاقت ور سردار نے دام دینے سے انکار کیا۔ تاجر کو مکّہ میں کسی قبیلہ کی حمایت حاصل نہ تھی کہ اس سے مدد لیتا۔ تنگ آکر ایک صبح اس نے بوقبیس کی پہاڑی پر چڑھ کر چند درد ناک اشعار پڑھے اور دارالامن اور حرم میں ہونے والے اس ظلم پر صدائے احتجاج بلند کی۔ اس پر بنوہاشم کے سردار زبیر ابن مطلب نے بنوتیم کے سردار عبداللہ بن جدعان (حضرت ابوبکرؓ کے عزیز) کے مکان پر تمام سردارانِ قریش کو جمع کیا اور حلف الفضول پر عمل درآمد کا عہد لیا۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۰ سال تھی اور وہ بھی اس عہد کے وقت موجود تھے۔ یہ واقعہ آپؐ کی قومی زندگی میں پہلا سنگِ میل ہے۔

اس بات پر حلف لیا گیا کہ

"خدا کی قسم ہم سب مل کر ایک ہاتھ بن جائیں گے اور وہ ہاتھ مظلوم کے ساتھ رہ کر اس وقت تک ظالم کے خلاف اٹھا رہے گا۔ جب تک وہ (ظالم) اس مظلوم کو اس کا حق ادا نہ کردے اور یہ حلف اس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ سمندر گھونگھوں کو بھگوتا رہے اور حراء اور ثبیر کے پہاڑ اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ اور ہماری معیشت میں مساوات رہے گی۔" [۶۳]

عہدِ نبوّت میں بھی حضورؐ فرماتے تھے کہ اس معاہدہ کے بدلے مجھے کوئی سُرخ اُونٹ بھی دے تو میں قبول نہ کروں اور اب بھی کوئی ایسا معاہدہ کرنا چاہے تو میں تیار ہوں۔ اس معاہدے کی پسندیدگی سے ثابت ہے کہ آپؐ کا دل انسانی ہمدردی سے لبریز تھا۔

مکہ و مدینہ کے مابین راستے اور ان کے مقامات

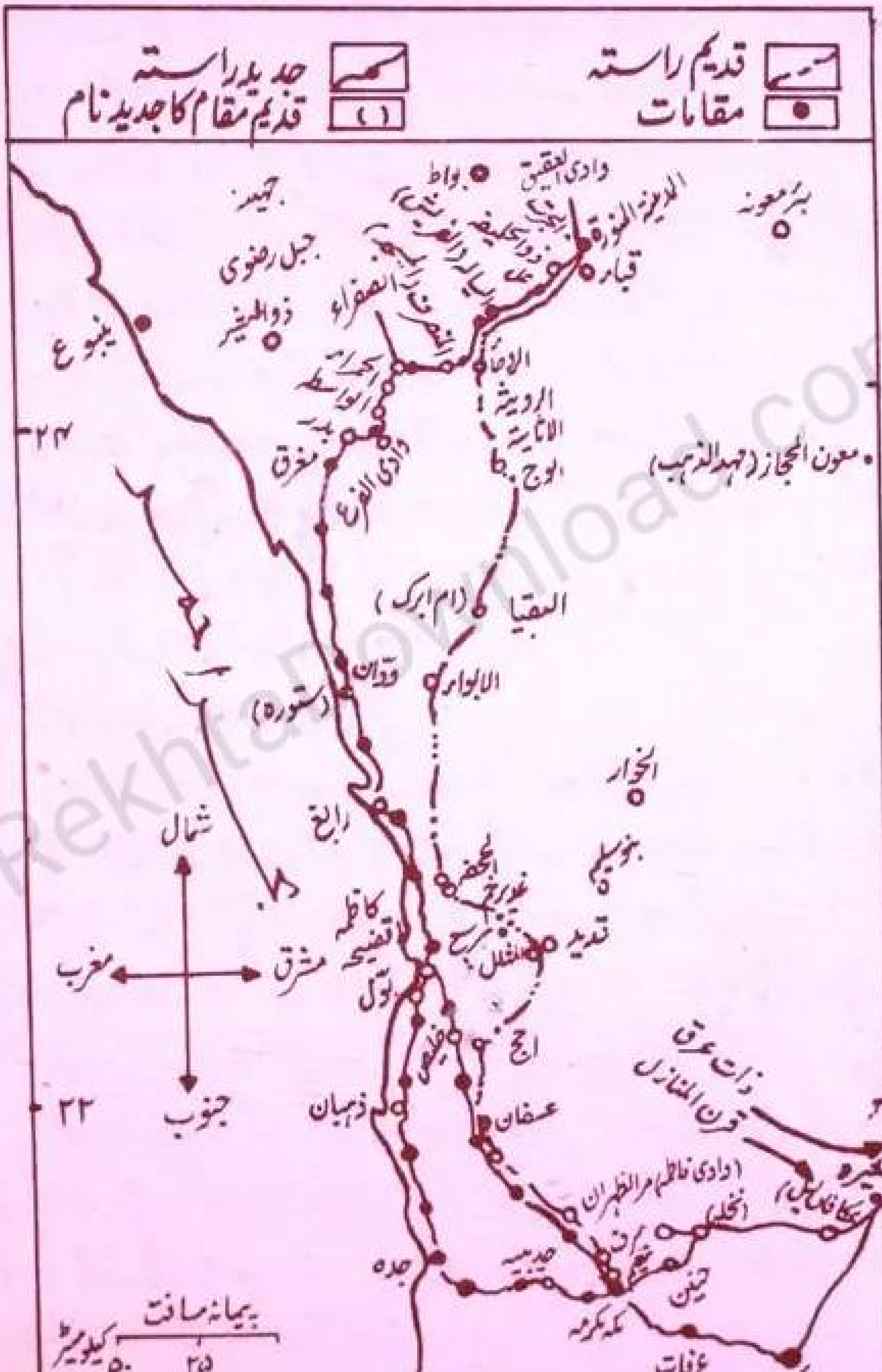

احمدِ مجتبیٰ کا عہدِ جوانی

فکرِ معاش

اب آپ عمر کے اس حصّہ میں پہنچ گئے تھے جب معاشی جدوجہد کے دروازے کھولنے پڑتے ہیں۔ قریش فطرتاً تجارت پسند تھے۔ مکّہ وادی غیر ذی زرع تھا۔ اس لئے قریش کے تمام خاندان بڑے بڑے سرمائی یا گرمائی سفروں پر قافلہ کی شکل میں جاتے۔ ہر شخص کا مالِ تجارت، سرمایہ یا وہ خود بطورِ محافظ کے اس میں شریک ہوتا۔

قیاس ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد نے جو سرمایہ چھوڑا تھا وہ اسی طرح شریکِ تجارت تھا۔ آپ جوان ہوئے تو معیشت کا یہی دروازہ کھٹکھٹایا۔ ان ہی دنوں آپ نے مختلف تجارتی میلوں میں شرکت کی غرض سے نجد، یمن، بحرین اور شام کے سفر کئے۔ ہر بار دیانت، امانت، معاملہ فہمی اور خوش اسلوبی سے کام انجام دیا۔ جب سفر پر نہیں جاتے تو شہر ہی میں مصروفِ تجارت ہوتے۔ اسی ضمن کا ایک واقعہ کتبِ سیرت میں درج ہے۔

ایفائے عہد

عبداللہ ابن ابی الحمساء بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ سے تجارتی معاہدہ کیا۔ بات طے نہ ہو پائی تھی کہ مجھے ایک ضروری کام یاد آیا۔ میں نے آپ سے کہا کہ آپ یہیں ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں۔ کام میں کچھ ایسا منہمک ہوگیا کہ بات ذہن سے نکل گئی۔ تین دن بعد میں اتفاقاً ادھر سے گزرا ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپؐ وہیں انتظار کررہے ہیں۔ میں بوجھل بوجھل، پشیماں پشیماں آپ کی طرف بڑھا تو آپ نے صرف یہ فرمایا کہ تم نے

مجھے بڑی زحمت دی۔ میں اسی مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔[55] بحوالہ ابوداؤد سیرالرسول ص۹۱

الصّادق

قیس بن السائب مخزومی کہتے ہیں کہ میں نے زمانۂ جاہلیت میں محمدؐ بن عبداللہ سے بہتر ساتھی، ساجھی کوئی نہیں پایا۔ اگر ہم آپ کا سامانِ تجارت لے کر جاتے تو واپسی پر آپ ہمارا استقبال کرتے اور خیر و عافیت پوچھ کر چلے جاتے۔ بعد میں جب ہم حساب دیتے تو اس پر قطعی تکرار یا حُجت نہیں فرماتے۔ ہم جو کہتے اسے مان لیتے۔ دوسرے شرکائے تجارت پہلے نفع و نقصان کی بات کرتے۔ مال و منال پر اصرار کرتے۔

الامین

اس کے برخلاف اگر آپ تجارتی سفر سے لوٹتے، جب تک پائی پائی بیباق نہ کرتے گھر کی راہ نہ لیتے۔ مال خرید کر لاتے تو ہمارے حوالے کرتے۔ اہل و عیال کی خیریت دریافت کرتے۔ سائب ابن ابی سائب ایک اور شریک تجارت فتحِ مکّہ کے موقع پر ایمان لانے کی غرض سے حاضر ہوئے تو صحابہؓ نے ان کی تعریف کی۔ آپ نے فرمایا "میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں،، انھوں نے بھی آپ کے معاملہ کے صاف تاجر کی حیثیت سے تصدیق کی۔ قریش کے ایک بڑے سوداگر حضرت ابوبکرؓ بھی آپ کے شریک کاروبار تھے۔ وہ کبھی کبھی تجارتی سفر میں آپ کے ساتھ ہوتے۔ وہ شروع ہی سے آپ کی کاروباری صداقت و امانت کے بڑے گرویدہ تھے۔ آپ کے حُسنِ معاملہ کی دُور دُور تک شہرت تھی۔ لوگ آپ کے ساتھ تجارت میں شرکت خوشی سے قبول کرتے۔ راست بازی اور صفائی معاملہ کی وجہ سے آپ "الامین" کے لقب سے یاد کئے جاتے۔[56]

سفر وسیلۂ ظفر

مسند احمد بن حنبل میں لکھا ہے کہ مشرقی عرب یعنی بحرین (الحسا) کے قبیلۂ عبدالقیس کا ایک وفد مدنی زندگی میں حاضرِ خدمت ہوا۔ آپ نے ان کے علاقے کی

ایک ایک تفصیل بتلائی۔ وہ حیرت سے مُنہ تکنے لگے۔ فرمایا "میں نے تمہارے ملک کی خوب سیر کی ہے۔" اس سے خیال ہوتا ہے کہ مُشقّراور دبا کے تجارتی میلوں میں کاروبار کے لئے شرکت کی ہوگی۔

طبری کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے ایک اور شخص کو حباشہ کے میلے میں بھیجا۔ یہ مقام تہامہ میں مکّہ سے چھ (۶) دن کی مسافت پر جنوب میں واقع ہے۔ وہاں رجب میں تین دن کے لئے تجارتی میلہ بھرتا تھا۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ دو مرتبہ مالِ تجارت لے کر جرش بھی گئے جو طائف سے کچھ آگے یمن جانے والی شاہراہ پر واقع ہے۔ ان تجارتی سفروں کی کامیابی اور آپ کی امانت، دیانت و صداقت کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی۔ شہر کی ایک دولت مند خاتون حضرت خدیجہؓ بنت خویلد (جس کا مالِ تجارت بسا اوقات قافلہ قریش کے نصف سے زیادہ پر مُشتمل ہوتا) نے آپ کو اپنا مال تجارت شام لے جانے کی دعوت دی۔ معاوضہ دوسروں کی نسبت زیادہ دینے کی پیشکش کی۔ آپ نے اپنے چچا سے مشورہ کے بعد سفر پر جانا منظور فرمالیا۔ سامانِ تجارت کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کا ایک غلام میسرہ بھی شریکِ سفر تھا۔ راستے میں میسرہ نے حضورؐ کے اخلاق، عادات و خصائل دیکھے تو آپ کا گرویدہ ہوگیا۔ انوار و برکات دیکھے تو دنگ رہ گیا۔[۶۵]

ہونی انہونی

بُصریٰ پہنچ کر آپ ایک سُوکھے درخت کے نیچے سب سے الگ فروکش ہوئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ درخت ہرا ہونے لگا۔ اس کے قریب ہی ایک کلیسا تھا جس میں نسطورا نامی ایک راہب رہا کرتا تھا۔ اس نے آدمی بھیج کر دریافت کروایا۔ کون مسافر ہے۔ کہاں کا باشندہ ہے۔ پتہ چلا کہ حرم کا ہمسایہ اور قریش کا تاجر ہے۔

اس نے کہا میں نے کتب سماوی میں پڑھا ہے کہ اس درخت کے نیچے بجز پیغمبر کوئی اور نہیں اُترے گا اور اس کے قیام کی برکت سے سُوکھی ڈالیاں

سرسبز ہوجائیں گی۔ پھر اس نے خود آکر میسرہ سے پوچھا۔ اس شخص کی آنکھیں کیسی ہیں؟ میسرہ بولا بڑی اور سیاہ۔ البتہ سفید حصّے میں سُرخ ڈورے ہیں۔

نسطورا نے کہا کہ جس میں یہ علامتیں ہوں بلاشبہ وہ آخری نبی ہونے والا ہے۔

بعد ازاں آپ مال و اسباب کی خرید و فروخت میں مشغول ہوگئے۔ ایک شخص آپ سے کسی بات پر جھگڑنے لگا۔ اس نے لات و عزّیٰ کی قسم کھانے کو کہا۔ آپ نے فرمایا۔ ان کی قسم کھانا تو بڑی بات ہے میں ان کے سامنے سے گزرتا ہوں تو مُنہ موڑ لیتا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ وہاں سے چلے آئے۔ وہاں موجود میسرہ نے اسے کہتے سُنا یہ تو وہی بات ہوئی جو ہمارے عُلماء کہتے ہیں۔ اس شخص میں تو پیغمبرانہ صِفات ہیں۔ یہ باتیں سُن کر میسرہ کی آپ میں دلچسپی بڑھ گئی۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ دُھوپ تیز ہوتی ہے تو دو فرشتے آپ پر سایہ کئے ہوتے ہیں۔ جب آپ سفر سے لوٹے اور حضرت خدیجہؓ کے گھر جانے لگے تو دوپہر کا وقت تھا دور سے یہی منظر حضرت خدیجہؓ نے بھی دیکھا۔ سوداگری کا حساب مالکہ کو دیا۔ منافع دوچندسے زیادہ تھا۔ مالکہ نے خوش معاملگی بھی دیکھی اور خوش کلامی بھی۔ جو معاوضہ طے ہُوا تھا اس کا دوگنا آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ یعنی بجائے چار اونٹ کے آٹھ اونٹ معاوضے میں دیئے۔

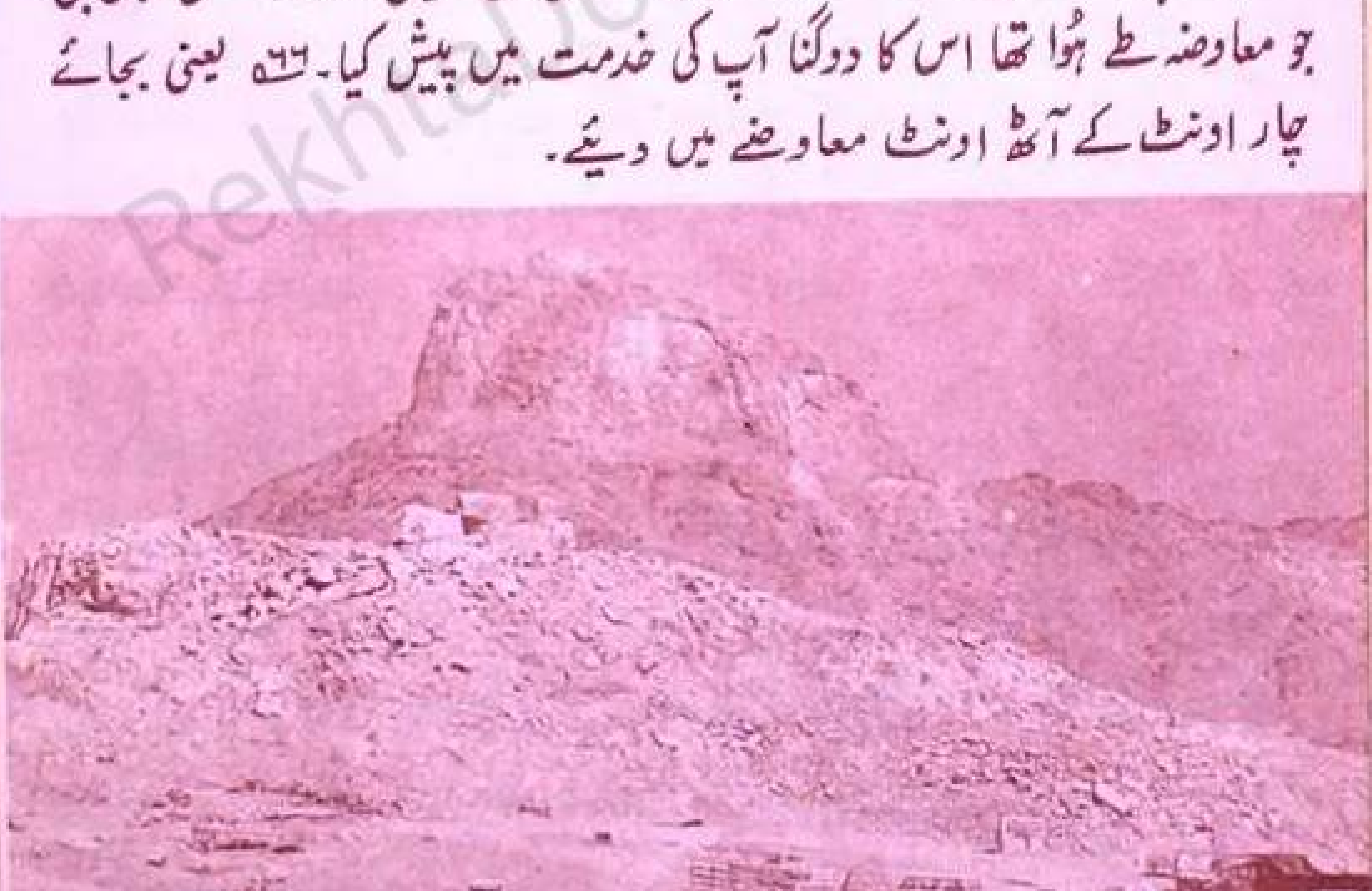

مِنیٰ کے راستے میں جبلِ نور

صاحبِ خلقِ عظیم کی ازدواجی زندگی

نہالِ تمنّا

وہ منظر جو آنکھوں سے دیکھا، وہ حالات جو میسرہ سے سُنے، ایک بیوہ کی ویران زندگی میں نہالِ تمنّا نے سر اٹھایا۔ تمنا تڑپ بن گئی۔ اس دولت مند بیوہ کو عرب کے کئی نامور رئیسوں نے پیام دیا تھا، پے درپے حوادث نے زندگی بدمزہ کردی تھی۔ باپ خویلد ابنِ اسد نے بہترین تجارتی کاروبار اور بہت کچھ نقد و جنس چھوڑا تھا۔ اُنھوں نے بھی تجارت جاری رکھی۔ اُجرت یا شراکت پر تاجروں کے ہمراہ اپنا مالِ تجارت بھی روانہ کرتیں۔ اوائلِ عمر میں مشہور عیسائی عالم اور چچا زاد بھائی ورقہ ابنِ نوفل سے منسُوب تھیں، لیکن بیاہ نہ ہوسکا۔ ان کا پہلا نکاح ۱۵ سال کی عمر میں ہند بن نباش سے ہوا۔ جو ابوہالہ کے نام سے مشہور تھے۔ ان سے تین بچّے ہالہ، ہند اور طاہر ہوئے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ آپ ۲۱ سال کی عمر میں بیوہ ہوگئیں تو دُوسرا نکاح عتیق بن عاید مخزومی سے ہُوا۔ ان سے ایک لڑکی ہند پیدا ہوئی۔ یہ بھی اسلام لائیں۔ یہ شوہر بھی انتقال کرگئے ___ ان پیہم حادثات نے دل برداشتہ کردیا۔ دولت کے ساتھ ساتھ اللہ نے حُسن، سلیقہ عفت اور ذہانت بھی عطا کی تھی۔ اس بگڑے معاشرے میں بھی وہ "طاہرہ" کے لقب سے مشہور تھیں۔

برسوں بعد اس ستودہ صفات، خوش خصال، الصادق اور الامین کو دیکھا تو دل کی مُرجھائی کلی ایک بار پھر کھِلنے لگی۔ آخر خود ہی اپنی ایک سہیلی نفیسہ بنت منیّہ کے ذریعہ آپ کی خدمت میں پاکیزہ تمناؤں کا پیام بھیجا۔ ہر کوئی جانتا تھا کہ یہ وہ ہستی ہے جس کے جذبات کا بے قابو ہونا تو کجا اس کے خیال کا دامن

بھی آلودگیوں کو چھوا نہ تھا۔ جوانی شبنم کی طرح کثافتوں سے پاک تھی۔ نفیسہ نے سلسلۂ جنبانی کرتے ہوتے کہا۔ اے محمدؐ! آپ نکاح کیوں نہیں کر لیتے۔ فرمایا۔ میرے پاس کیا رکھا ہے کہ میں بیاہ کی فکر کروں۔ کہا۔ سامان بھی ہو جائے گا۔ حسن و جمال اور زر و مال بھی ساتھ ہو تو کیا آپ قبول فرمائیں گے۔ پوچھا وہ کون ہے؟ عرض کیا۔ خدیجہ بنت خویلد۔ فرمایا وہ میرے ساتھ کیوں نکاح کریں گی۔ کہا اسے مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ فرمایا۔ تو پھر مجھے بھی راضی سمجھو۔[۳۶]

قِرانُ السّعدین

- آپ نے اپنے ہم عمر چچا اور دودھ شریک بھائی حضرت حمزہؓ کو آگاہ کیا۔ انھوں نے اہل خاندان سے مشورہ کے بعد خود جاکر نسبت پکی کر دی۔

حضرت خدیجہؓ کی جانب سے ان کے چچا عمرو بن اسد اور حضورؐ کے ساتھ حضرت ابوطالب، حضرت حمزہؓ، حضرت ابوبکرؓ، رؤسائے مفر اور سردارانِ قریش شریک عقد تھے۔ مہر بہ اختلافِ روایات ۲۰ اونٹ، ۴۰۰ دینار، یا ۵۰۰ درہم باندھا گیا۔

بنی ہاشم کے سردار ابوطالب نے اس موقع پر حسبِ روایت تقریر کرتے ہوئے کہا:-

حمد و ثنا اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جس نے ہمیں (حضرت) ابراہیمؑ کے فرزند اور (حضرت) اسمٰعیلؑ کی اولاد سے بنایا اور معد و مضر کی اصل سے پیدا کیا۔ اپنے گھر کا پاسباں اور اپنے حرم کا پیشوا بنایا اور ہمارے لئے ایسا گھر بنایا کہ ہر طرف سے لوگ اس کی زیارت کی نیت سے آتے ہیں۔ ایسا حرم عنایت فرمایا کہ جو شخص وہاں آجائے امان میں ہو جاتا ہے اور ہمیں لوگوں کا حاکم بنایا۔ امابعد! یہ میرے بھائی کا لڑکا محمد بن عبداللہ ہے۔ جس کی ہمسری قریش کا کوئی شخص نہیں کر سکتا مگر یہ کہ وہ افضل رہے گا۔ البتہ مال و دولت اس کے پاس کم ہے۔ مگر مال و دولت ڈھلتی چھاؤں اور آنی جانی چیز ہے۔ محمدؐ وہ شخص ہے جس کی قرابت و یگانگت سے تم لوگ اچھی طرح واقف ہو۔ وہ خدیجہ بنت خویلد سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ میرے مال میں سے بیس اونٹ مہر مقرر کرنا چاہتا ہے اور اللہ کی قسم اس کی شان عظیم اور مرتبہ شاندار ہے۔

اس کے جواب میں حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی اور کتب سماوی کے مشہور عالم ورقہ ابن نوفل نے خطبہ دیا:۔

الحمدللہ! جس نے ہمیں ویسا ہی بنایا جیسا کہ آپ نے ذکر کیا اور ہمیں وہ تمام فضیلتیں عطا فرمائیں جنھیں آپ نے بیان کیا۔ لہذا ہم سب لوگ عرب کے پیشوا اور سردار ہیں اور آپ تمام فضائل کے اہل ہیں۔ کوئی گروہ آپ کے فضائل کا انکار نہیں کرسکتا اور کوئی شخص آپ کے افتخار و شرف کا انکار نہیں کرسکتا۔ بے شک ہم نے نہایت رغبت سے آپ کے ساتھ شامل ہونے اور ملنے کو پسند کیاہے۔ پس اے قریش! گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کو محمد بن عبداللہ کی زوجیت میں دیا۔ چار سو مثقال (طلائی مُہر یا دینار) کے عوض۔

اس کی تصدیق حضرت خدیجہؓ کے چچا عمرو بن اسد نے کی۔ اس کے بعد طاہرہ امینِ قریش کی شریکِ حیات بنیں۔ اس وقت حضورؐ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر عام روایت کے مطابق ۴۰ سال بتائی جاتی ہے۔

بین الاقوامی شہرت کے حامل اسکالر ڈاکٹر حمیداللہ نے محمد ابن حبیب بغدادی مصنف کتاب المحبّر کے حوالے سے عمر ۲۸ سال بتائی ہے (رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی) انھوں نے مزید لکھاہے کہ متعدد مورخوں کے خیال کی اس حیاتیاتی حقیقت سے بھی توثیق ہوتی ہے کہ آنحضرتؐ سے حضرت خدیجہؓ کے ہاں سات بچے، یعنی تین بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ قاسم، طاہر، طیب، زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ (نقوشِ رسول نمبر جلد دوم صـ۵۲۲)۔ حضور اکرمؐ کی ساری اولاد حضرت خدیجہؓ ہی سے ہوئی۔ بجز حضرت ابراہیمؓ کے، جو حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضور اکرمؐ اپنے پہلے صاحبزادے قاسم کے نام پر ابوالقاسم کُنیّت فرماتے تھے۔ حضرت ابراہیمؓ جب پیدا ہوئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے السّلام علیکم یا اَبا ابراہیمؓ کہہ کر مخاطب کیا۔

اس کتاب کا کوئی ہدیہ نہیں ہے
عازمینِ حج کو تحفۃً دی جاتی ہے

اہلِ بیت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعدادِ اولاد میں اختلاف ہے۔ لڑکے بہ اختلافِ رائے چار بشمول ابراہیم اور لڑکیاں بہ اتفاقِ رائے چار ہیں۔ لڑکوں نے کمسنی میں وفات پائی۔ تین لڑکیاں صاحبِ اولاد ہوئیں۔ سب نے اسلام کا عہد پایا۔ اور ہجرت کے شرف سے بھی سرفراز ہوئیں۔

حضرت قاسمؓ

حضورؐ کی شادی کے دوسرے سال جبکہ آپؐ عمر کی ۲۷ ویں منزل میں تھے تو حضرت قاسمؓ تولد ہوئے۔ ان کی نسبت سے ہی آپؐ ابوالقاسم کُنّیت فرماتے تھے، جو آپؐ کو بے حد محبوب تھی۔ پاؤں پاؤں چلنے لگے تھے کہ انتقال فرماگئے۔ حضورؐ کی اولاد میں حضرت قاسمؓ سب سے پہلے پیدا ہوئے اور سب سے پہلے فوت ہوجانے والے ہیں۔

حضرت عبداللہؓ

حضرت عبداللہؓ بعثت کے بعد پیدا ہوئے۔ بعض کا خیال ہے کہ طیّب و طاہر ان ہی کے القاب تھے۔ اس نام کے حضورؐ کے اور صاحبزادے نہیں تھے۔ بچپن ہی میں انتقال ہوگیا۔ مشہور دشمنِ رسولِ خدا عاص بن وائل سہمی نے جب یہ خبر سُنی تو حرم کعبہ میں بنی قریش کی محفلوں میں جاکر خوشی سے یہ اعلان کیا تھا کہ محمدؐ ابتر یعنی نسل بُریدہ ہوگئے۔ اسی پر تسلّی دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ کوثر نازل فرمائی اور آپؐ کو خیرِ کثیر کے عطا کئے جانے کی بشارت دی۔

حضرت ابراہیمؓ

حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے ۸ھ ہجری میں مدینہ کی قریبی بستی میں پیدا ہوئے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے آخری اولاد تھی۔ آپ نے عقیقہ میں دو مینڈھے ذبح کئے اور بچّہ کا سر منڈوایا۔ بالوں کے ہم وزن چاندی

صدقہ فرمائی اور بال زمین میں دفن کر دیئے گئے۔

بچّے کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر رکھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ابراہیم کی ماں کو ان کے لڑکے نے آزاد کرا دیا۔ حضرت ماریہؓ مِلکِ یمین تھیں۔ حضرت اُمِّ بردہؓ نے بچّے کو دودھ پلایا۔ پھر ابوسیف نامی لوہار کی بیوی اُمِّ سیف کے سپرد ہوئے۔ اس خدمت کے عوض ان کو ایک نخلستان عطا فرمایا۔ پیدائش کے ۱۸ ماہ بعد ایام شیرخوارگی ہی میں انتقال ہوا۔ یہ دس ہجری کا واقعہ ہے۔ حضورؐ کے گود ہی میں تھے کہ دَم اکھڑ گیا۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ بھی روتے ہیں۔ فرمایا یہ تو رحمت ہے۔ آپ نے نماز جنازہ پڑھی اور قبرستان بقیع میں دفن فرمایا۔ ان کی قبر پر پانی کا چھڑکاؤ کیا اور قبر پر نشانی رکھی۔ جس دن وفات ہوئی اس دن سُورج گرہن لگا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ ابراہیمؓ کی موت کا باعث ہے۔ آپ نے سُنا تو فرمایا آفتاب کسی کی موت و حیات کے باعث نہیں گہناتا۔

حضرت زینبؓ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۳۰ سال کی تھی کہ حضرت زینبؓ پیدا ہوئیں۔ یہ لڑکیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ وہ اپنی والدہ کے ساتھ ہی ایمان لائیں۔ ان کی شادی خالہ زاد بھائی ابوالعاصؓ بن ربیع سے ہوئی جو مکہ کے متموّل تاجروں میں سے تھے۔ ابوالعاصؓ کی والدہ ہالہ بنت خویلد حضرت خدیجہؓ کی سگی بہن تھیں۔ ماں کی طرح نیک خو، سگھڑ اور شوہر کی خدمت گذار بیوی تھیں۔ ابوالعاصؓ ان سے بےحد محبّت کرتے تھے۔ ان کی ازدواجی زندگی بہت ہی خوشگوار تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابوالعاص سے بہت خوش تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا اس نے مجھ سے جو بات کہی اسے سچ کر دکھایا۔ بعثت کے بعد کُفّار نے ان پر دباؤ ڈالا کہ حضرت زینبؓ کو طلاق دے دیں لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ ان کے ایک لڑکی اُمامہؓ اور ایک لڑکا علیؓ تھے۔ حضورؐ ان سے بہت محبّت کرتے تھے۔ علی کو نانا اپنے پاس لے آئے۔ حضورؐ ہی کی کفالت اور تربیت میں پروان چڑھے۔ فتح مکّہ کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ مکّہ میں داخل ہوئے تو علیؓ آپؐ کے ساتھ

اونٹ پر سوار تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ سن بلوغ سے قبل اپنے والد کی زندگی میں ہی وفات پا گئے لیکن ابن عساکر کی روایت ہے کہ ۱۵ ہجری میں جنگ یرموک میں شہادت فرمائی۔ ۶۸؎

اُمامہ (نواسی) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیحد محبوب تھیں۔ مولانا شبلی نے صحاح کے حوالے سے لکھا ہے کہ مکی زندگی میں جب حضورؐ نماز پڑھتے ہوتے تو انھیں اپنے دوشِ مبارک پر سوار کر لیتے۔ رکوع میں جاتے تو اُتار دیتے۔ جب سجدے سے سر اُٹھاتے تو پھر کندھے پر بٹھا لیتے۔ ایک بار مدینہ میں ایک سونے کا ہار ہدیہ میں آیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ میں اسے اپنی محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ عام خیال حضرت عائشہؓ کی طرف گیا لیکن آپ نے اُمامہ کو بلا کر خود اپنے دستِ مبارک سے ان کے گلے میں ڈالا۔ ان کی شادی حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد ۱۱ ہجری میں حضرت علیؓ سے ہوئی۔ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد مغیرہؓ بن نوفل سے نکاح ہوا۔ اور ان ہی کے پاس وفات پائی۔ یہ صاحب اولاد ہوئیں اور ان سے نسلی سلسلہ آگے چلا۔ یحییٰ بن مغیرہ ان ہی سے پیدا ہوئے۔

۲ ؁ ہجری میں جب بدر کی لڑائی ہوئی تو حضرت زینبؓ مکہ ہی میں اپنے شوہر کے ساتھ تھیں۔ ابوالعاص مشرکوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں آئے۔ گرفتار ہوئے۔ ان کی رہائی کے لئے حضرت زینبؓ نے فدیہ میں وہ قیمتی ہار بھیجا۔ جو حضرت خدیجہؓ نے انھیں جہیز میں دیا تھا۔ اسے دیکھ کر حضورؐ کو خدیجہؓ یاد آگئیں اور آپؐ آبدیدہ ہو گئے۔ صحابہ نے ماں کی اس نشانی کو لوٹا دیا اور ان کا فدیہ حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیجنا قرار دیا جو انھوں نے پورا کیا۔ جب حضرت زینبؓ مکہ سے نکل رہی تھیں تو کفار مزاحم ہوئے اور ہبار ابنِ اسودؔ نے اونٹ کو نیزہ مارا۔ جس سے حضرت زینبؓ اوپر سے گریں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد وہ مدینہ آگئیں لیکن ابوالعاصؓ مکہ ہی میں رہے۔ وہ حضرت زینبؓ کی محبت میں بیقرار رہنے لگے۔ ایک سفر پر گئے تو ان کی یاد میں کچھ شعر کہے۔ جن کا ترجمہ ہے:

"میں جب موضع ارم سے گزر رہا تھا کہ زینب یاد آگئیں۔ دل سے بیساختہ دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جو حرم میں سکونت پذیر ہے۔ امین (محمدؐ) کی لڑکی کو خدا جزائے خیر دے۔ ہر شوہر اسی بات کی تعریف کرتا ہے

جس کو وہ خوب جانتا ہے۔"

۶ ہجری میں آپ ایک قافلہ کے ساتھ شام جارہے تھے کہ اہل قافلہ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ ابوالعاصؓ مدینہ لائے گئے۔ تو حضرت زینبؓ نے انھیں پناہ دی۔ حضورؐ کی خواہش پر انھیں ان کا مال و اسباب دے کر رہا کر دیا گیا۔ وہ مکہ گئے اور جس کا جو کچھ لینا دینا تھا حساب صاف کیا اور ۷۔ ہجری میں مدینہ حاضر ہوکر اللہ کے رسولؐ پر ایمان لائے۔ سابقہ نکاح پر حضرت زینبؓ کے ساتھ رہنے لگے۔ کچھ زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ حضرت زینبؓ اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنا تہبند کفن کے لئے دیا۔ خود نماز جنازہ پڑھائی۔ ابوالعاصؓ کی مدد سے انھیں قبر میں اتارا، اور مغموم دل کے ساتھ اپنی نور دیدہ کو سپردِ خاک فرمایا۔ ان کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ میری سب سے افضل لڑکی تھی۔ جو میری محبت میں ستائی گئی۔ حضرت ابوالعاصؓ نے ۱۲۔ ہجری میں انتقال فرمایا۔ وہ جروالبطحا کے لقب سے مشہور تھے۔

حضرت رُقیہؓ

حضورؐ کی عمر ۳۳ سال تھی جب حضرت رُقیہؓ پیدا ہوئیں۔ بعثت کے وقت ان کی عمر ۷ سال تھی۔ بہت حسین اور جمیل تھیں۔ اپنی والدہ کے ساتھ ہی داخل اسلام ہوئیں۔ ان کا نکاح حضورؐ کے چچا ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا۔ لیکن رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ اعلانِ نبوت کے بعد دن بدن کفار کی دُشمنی بڑھنے لگی۔ ابولہب بھی ان ہی کی صفوں میں شامل تھا۔ آخر اس پر دباؤ ڈالا گیا اور اس نے اپنے بیٹے کو مجبور کر دیا کہ حضرت رُقیہؓ کو طلاق دے دے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ ابن عفان سے نکاح ہوا۔ دونوں خوش شکل تھے۔ اس لئے مشہور تھا کہ سب سے اچھے میاں بیوی جو انسان نے دیکھے ہیں وہ رقیہؓ اور عثمانؓ ہیں۔

کفارانِ قریش کے ظلم وستم سے تنگ آکر جو قافلہ ۵۔ ہجری میں پہلی بار حبشہ ہجرت کرتا ہے ان میں دونوں میاں بیوی شامل تھے۔ بڑی مدت تک حضورؐ کو ان کا حال معلوم نہ ہوسکا۔ آخر ایک حبشی عورت نے خیریت کی اطلاع دی تو فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کے بعد عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے

اپنی بیوی کے ساتھ ہجرت کی۔ وہیں انھیں اللہ نے ایک صاحبزادے (عبداللہ) سے نوازا۔ لوٹ کر مکہ آئے اور دوسری بار دونوں نے مدینہ کی جانب ہجرت کی۔ ۲ھ ہجری میں حضرت رقیہؓ چیچک کے عارضہ میں مبتلا ہوئیں۔ حضرت عثمانؓ کو ان کی تیمارداری کی خاطر جنگ بدر میں شرکت سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ جس دن بدر کی فتح کی نوید لے کر حضرت زیدؓ ابن حارثہ مدینہ آئے تو اس وقت حضرت عثمانؓ حضرت رقیہؓ کو جنت البقیع میں سپردِ خاک کر رہے تھے۔ اس وقت ان کی عمر ۲۲ سال کی تھی۔ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ کے بارے میں ایک روایت ہے کہ ۶ سال کی عمر میں مرغ کے آنکھ میں ٹھونگ مارنے سے فوت ہوگئے۔ لیکن یہ ایک غلط روایت ہے۔ جدید تحقیق سے ثابت ہے کہ طویل عمر پائی۔ ان کی اولاد اب بھی افریقہ، ایشیا، اور کشمیر میں موجود ہے۔

حضرت اُمِ کلثومؓ

آپ کا نام بعض نے آمنہ لکھا ہے۔ اُمِ کلثومؓ کنیت تھی۔ طبقات میں محمد ابن سعد اور جوامع السیرۃ میں ابن حزم نے آپ کو حضرت فاطمہؓ سے چھوٹی اور حضورؐ کی آخری صاحبزادی بتایا ہے۔ حضرت رقیہؓ کی طرح آپ بھی ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ کے نکاح میں تھیں۔ اعلانِ نبوت اور سورۂ تبت یدا کے نزول کے بعد ابولہب اور اس کی بیوی اُمِ جمیل نے بیٹوں پر دباؤ ڈال کر رخصتی سے پہلے ہی طلاق دلوادی۔ عتیبہ نے طلاق دیتے ہوئے حضورؐ کے ساتھ گستاخی بھی کی۔ حملہ آور ہوا۔ اور رُخِ انور پر تھوکنے کی ناپاک جسارت بھی کی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ اے اللہ! اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مسلط فرمادے۔

کہتے ہیں کہ اس کے بعد ابولہب اپنے اس بیٹے کے ساتھ شام کے تجارتی سفر پر گیا۔ راستہ میں ایک رات ایسی جگہ پڑاؤ کرنا پڑا جہاں درندے تھے۔ ابولہب کو معاً حضورؐ کی بات یاد آئی۔ چنانچہ سب لوگوں نے سامان کا ڈھیر کیا اور اس پر عتیبہ کو سُلا دیا۔ اطراف حلقہ بناکر وہ لوگ اس کی حفاظت کرنے لگے۔ نیند غالب آگئی تو ایک شیر آیا۔ اس نے کسی کو کوئی گزند نہیں پہنچائی۔ البتہ عتیبہ پر حملہ کرکے اسے چیر پھاڑ دیا۔

حضرت اُمِ کلثومؓ بھی حضرت خدیجہؓ کے ساتھ ہی ایمان لائیں۔ ہجرت کے وقت اپنی بہن حضرت فاطمہؓ کے ساتھ حضورؐ کی دوسری زوجہ حضرت سودہؓ کے ساتھ مکہ میں تھیں۔ بعد میں یہ سب ایک ساتھ مدینہ آئے۔

سنہ ۲ ہجری میں بدر کی لڑائی کی فتح کے دن حضرت رقیہؓ راہیٔ ملکِ عدم ہوئیں تو حضرت عثمانؓ بے حد مغموم رہنے لگے۔ ایک دن حضورؐ نے فرمایا کہ اے عثمانؓ! تم اس قدر کیوں حزن و ملال میں مبتلا ہو۔ عرض کیا مجھ سے زیادہ بدنصیب کون ہوگا کہ نبی زادی خاک بسر ہوئیں۔ اور خانوادۂ نبوت سے ہمیشہ کے لئے میرا رشتہ ٹوٹ گیا۔ ابھی یہ گفتگو ختم نہیں ہوئی تھی کہ جبریل امین اس حکم کے ساتھ حاضر ہوئے کہ آسمانوں پر اللہ تعالیٰ نے اُمِ کلثومؓ کا عقد عثمانؓ کے ساتھ کردیا۔ تعمیلِ حکم میں حضرت رقیہؓ کے مہر کے برابر مہر پر عقد ہوا۔ یہ واقعہ ربیع الاول کا ہے۔ دو ماہ بعد جمادی الآخر سنہ ۳ ہجری میں رخصتی عمل میں آئی۔

صحیح بخاری میں ایک روایت ہے کہ بدر کے معرکہ میں حضرت عمرؓ کے داماد بھی شہید ہوئے۔ حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ نے انھیں اپنی بیٹی حفصہؓ کا پیام دیا۔ حضرت عثمانؓ نے تامل کیا۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا میں تم کو عثمانؓ سے بہتر شخص کا پتہ دیتا ہوں اور عثمانؓ کے لئے تم سے بہتر شخص ڈھونڈتا ہوں۔ تم اپنی لڑکی کا بیاہ مجھ سے کردو اور میں اپنی لڑکی کی شادی عثمانؓ سے کرتا ہوں۔ اسی دن سے حضرت عثمانؓ ذی النورین (دو نور والے) کے لقب سے یاد کئے جانے لگے کیوں کہ نور رسالت کی دو شمعیں خانۂ عثمانؓ میں فروزاں ہوئیں۔

حضرت اُمِ کلثومؓ نے شعبان سنہ ۹ ہجری میں چھ سال حضرت عثمانؓ کے ساتھ گزار کر داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ حضورؐ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ تدفین کے وقت آپؐ قبر کے قریب بیٹھے ہوئے تھے اور دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ حضرت ام کلثومؓ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ حضورِ اکرمؐ حضرت عثمانؓ کے بیویوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے اس درجہ خوش تھے کہ فرمایا اگر میری دس لڑکیاں بھی ہوتیں تو یکے بعد دیگرے عثمانؓ ہی کے رشتہ ازدواج میں منسلک کرتا۔

حضرت فاطمہؓ

حضرت فاطمہؓ کا لقب زہرہ تھا۔ جس سال قریش نے

تعمیر کعبہ کی اور حضورؐ کی عمر اس وقت ۳۵ برس کی تھی۔ اسی سال آپ پیدا ہوئیں۔ بچپن ہی سے طبیعت میں متانت، سادگی اور سنجیدگی تھی۔ اکثر اپنی والدہ ہی کے ساتھ بیٹھی رہتیں۔ صورت اور سیرت میں اپنے جلیل القدر باپ کے مشابہ تھیں۔ عقبہ ابن معیط نے جب حالتِ سجدہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اونٹ کی تازہ اوجھ رکھ دی تو آپ ہی نے اسے گرایا تھا۔

جنگ بدر کے بعد حضرت علیؓ نے لوگوں کے مجبور کرنے سے حضرت فاطمہؓ کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی۔ آپ نے حضرت فاطمہؓ کی مرضی دریافت کی۔ وہ خاموش رہیں جو حیادار لڑکیوں کا طریق ہے۔ آپ نے حضرت علیؓ سے پوچھا تمہارے پاس مہر میں دینے کے لئے کچھ ہے۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ ایک گھوڑے اور زرہ کے سوا کچھ نہیں۔ فرمایا گھوڑا تو مجاہد کے لئے ضروری ہے البتہ زرہ فروخت کردو۔ حضرت عثمانؓ نے ۴۸۰ درہم میں خریدی۔ بعد میں یہی زرہ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ کو تحفہ میں پیش کردی۔ رقم حضورؐ کے پاس لے آئے۔ آپ نے حضرت بلالؓ کو بازار سے خوشبو خرید کر لانے کا حکم دیا۔ عقد کے وقت حضرت فاطمہؓ کی عمر ساڑھے پندرہ سال تھی اور حضرت علیؓ ۲۱ برس کے تھے۔ اس وقت ارشاد فرمایا۔ اے فاطمہؓ! میں نے تمہاری شادی اپنے خاندان کے بہترین شخص سے کی ہے۔

حضرت علیؓ شادی کے بعد حضرت حارثہؓ بن نعمان کے مکان میں جو کاشانۂ نبویؐ سے متصل تھا۔ رہنے لگے۔ سرورِ دو عالمؐ نے اپنی صاحبزادی کو جو جہیز عطا فرمایا اس میں بان کی ایک چارپائی، ایک بستر، ایک چمڑے کا تکیہ، ایک پیالہ، ایک مشکیزہ، دو چکیاں اور دو عدد گھڑے تھے۔

حضرت فاطمہؓ ۲۹ سال کی تھیں کہ حضورؐ نے اس دنیا سے پردہ فرمایا۔ وفات سے پہلے حاضر ہوئیں تو کان میں کچھ فرمایا۔ جسے سن کر رونے لگیں۔ یہ انتقال کی خبر تھی۔ پھر کچھ کہا تو ہنس پڑیں۔ اِس دفعہ فرمایا کہ میرے اہل میں سب سے پہلے تم مجھ سے آکر ملوگی۔ چنانچہ چھ ماہ بعد ۳۔ رمضان ۱۱ ہجری کو آپ بھی اپنے گرامی قدر والد کے پاس جنت میں پہنچ گئیں۔ حضرت عباسؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ رات کی تاریکی میں پردہ کے انتظام کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

Rekhta Download.com

حضرت فاطمہؓ کی چھ اولادیں ہوئیں۔ جن میں محسنؓ اور رقیہؓ نے بچپن ہی میں انتقال کیا۔ حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت زینبؓ اور حضرت امِ کلثومؓ بہت مشہور ہوئے۔ آپ نے اپنی بیٹیوں کے نام اپنی بہنوں کے نام پر رکھے۔ حضرت ام کلثومؓ حضرت عمرؓ کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ ۹ھ

آپ کے بیشمار فضائل ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ نساء اہلِ جنّت کی سردار مریم، پھر فاطمہؓ، پھر خدیجہؓ پھر آسیہ زوجۂ فرعون ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ان سے زیادہ کوئی اور حضور اکرمؐ سے مشابہ نہ تھا۔ جب حضورؐ کے پاس آتیں تو حضور آگے بڑھ کر پیشانی پر بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ میں نے فاطمہؓ سے زیادہ کسی کو سچ بولنے والا نہ دیکھا۔ جمیع بن عمیرؓ صحابی نے اُمّ المومنین سے پوچھا کہ حضور اکرمؐ کو سب سے پیارا کون تھا۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا۔ "فاطمہؓ"۔ پوچھا مَردوں میں فرمایا "شوہرِ فاطمہؓ" اور یہ بھی بتایا کہ علیؓ تو بڑے صوام و قوام تھے۔

اِنتخاب لاجواب

حضرت خدیجہؓ طاہرہ تھیں اور حضورؐ صادق و امین۔ دونوں اللہ تعالیٰ کا انتخاب لاجواب۔ ان کی جَلوت ہی نہیں خلوت بھی حَیا اور عفّت سے معمور تھی۔ ازدواجی زندگی میں دونوں کے تعلقات محبّت کے سُریلے راگ اور نسیم سحر کی سُبک روی کی طرح خوش گوار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بظاہر بے زر و مال کو سیم و زر اور مال و منال کا مالک بنا دیا تھا۔ دولتِ دنیا، رشتہ و پیوند، راحت جان اور سکون قلب، کیا تھا جو عطا نہ ہُوا۔ ایک طرف خدیجہؓ تھیں جن کی رفاقت راحت ہی راحت تھی تو دوسری طرف محمدؐ تھے جن کی شرافت رحمت ہی رحمت تھی وہ وفا شعار و فرض شناس، یہ صفا شعار و اداشناس، گھر نمونۂ جنت،

اِدھر آتا ہے دیکھیں یا اُدھر پروانہ جاتا ہے

شادی کے بعد چند دن بنی ہاشم کے محلّہ میں گزار کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سوق عطارین کے پیچھے "دار خزیمہ" میں مستقل قیام کے لئے اُٹھ آئے جو حضرت

RekhtaDownload.com

خدیجہؓ کا مکان تھا۔ بیوی نے محترم شوہر کی خدمت کے لئے ایک پندرہ سالہ نوجوان غلام کو پیش کیا۔ جن کا نام زیدؓ ابن حارثہ تھا۔ یہ لڑکا یمن کے قبیلے بنو قضاعہ کے سردار حارثہ بن شراجیل کا لختِ جگر تھا۔ ۸ سال کی عمر تھی کہ ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھا۔ عکاظ کے بازار میں داموں بکا۔ تو حکیم ابن حزام نے خریدا۔ اور اپنی پھوپھی خدیجہؓ بنت خویلد کی نذر کیا۔ بہت دنوں بعد ان کے باپ کو پتہ چلا کہ زید مکّہ میں ہے۔ باپ اور چچا حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا جتنا چاہے مال حاضر ہے۔ ہمارے نوردیدہ کو ہمارے حوالے کردیجئے۔ اس کی تلاش میں سالہا سال سے سرگرداں ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا فیصلہ زید پر چھوڑتے ہیں اگر وہ جانا چاہے تو میری طرف سے بلامعاوضہ جانے کی اجازت۔ اور اگر اس نے انکار کردیا تو پھر آپ اصرار نہیں کریں گے۔ اتنے میں زید بھی گھر میں داخل ہوئے۔ ارشاد ہوا کہ یہ تمہارے باپ اور یہ تمہارے چچا ہیں۔ تمہیں اپنے ساتھ لے جانے آئے ہیں۔ تمہیں اختیار ہے چاہے ان کے ساتھ اپنے وطن لوٹ جاؤ، چاہے جس طرح اب تک میرے ساتھ رہے اسی طرح مکّہ میں رہو۔ زیدؓ نے چھوٹتے ہی کہا میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جانے کا۔ باپ حیران کہ آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتا ہے۔ بہت سمجھایا لیکن انھوں نے مان کر ہی نہیں دیا۔ آخر ناکام و نامُراد اُٹھنے لگے تو حضورؐ ان کے ساتھ زیدؓ کو لے کر حرم کعبہ میں پہنچے اور حطیم کے پاس دستور کے موافق اعلان فرمایا۔ لوگو! گواہ رہنا۔ زیدؓ آزاد ہے۔ آج سے وہ میرا بیٹا ہے اور میں اس کا باپ۔ یہ میرا وارث ہے اور میں اس کا۔ باپ اور چچا نے یہ اعلان سُنا تو دل کا بوجھ اُتر گیا۔ خوشی خوشی اپنے وطن کو واپس ہوئے۔ اس دن سے وہ زیدؓ بن محمدؐ کہلانے لگے تاایں کہ اللہ نے منع فرمایا۔ یہ وہ واحد اور منفرد صحابی ہیں جن کا نام اللہ کی آخری کتاب میں آیا ہے۔

چشمِ توجہ

دنیوی حیثیت سے فراغت و آسودگی نصیب ہوئی تو اپنے تنگ دست اور کثیرالعیال چچا کو نہیں بھولے۔ مکّہ میں قحط نے ڈیرا ڈالا تو حضورؐ اپنے مال دار چچا عباسؓ کے پاس ایک تجویز لے کر حاضر ہوئے۔ فرمایا اس قحط سالی میں ہمیں

جناب ابوطالب کا بوجھ ہلکا کرنا چاہئے۔ آپ ان کے ایک بچے جعفر کی پرورش اپنے ذمہ لے لیں۔ میں اپنی بیٹی زینبؓ کے ہم عمر علیؓ کی کفالت کرتا ہوں۔ اس طرح ۵ سالہ علیؓ کو اپنے گھر لے آئے۔ جہاں وہ معلّمِ کتاب و حکمت کے زیرِ سایہ تربیت حاصل کرتے رہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کی
صاحبزادیوں کا شجرہ

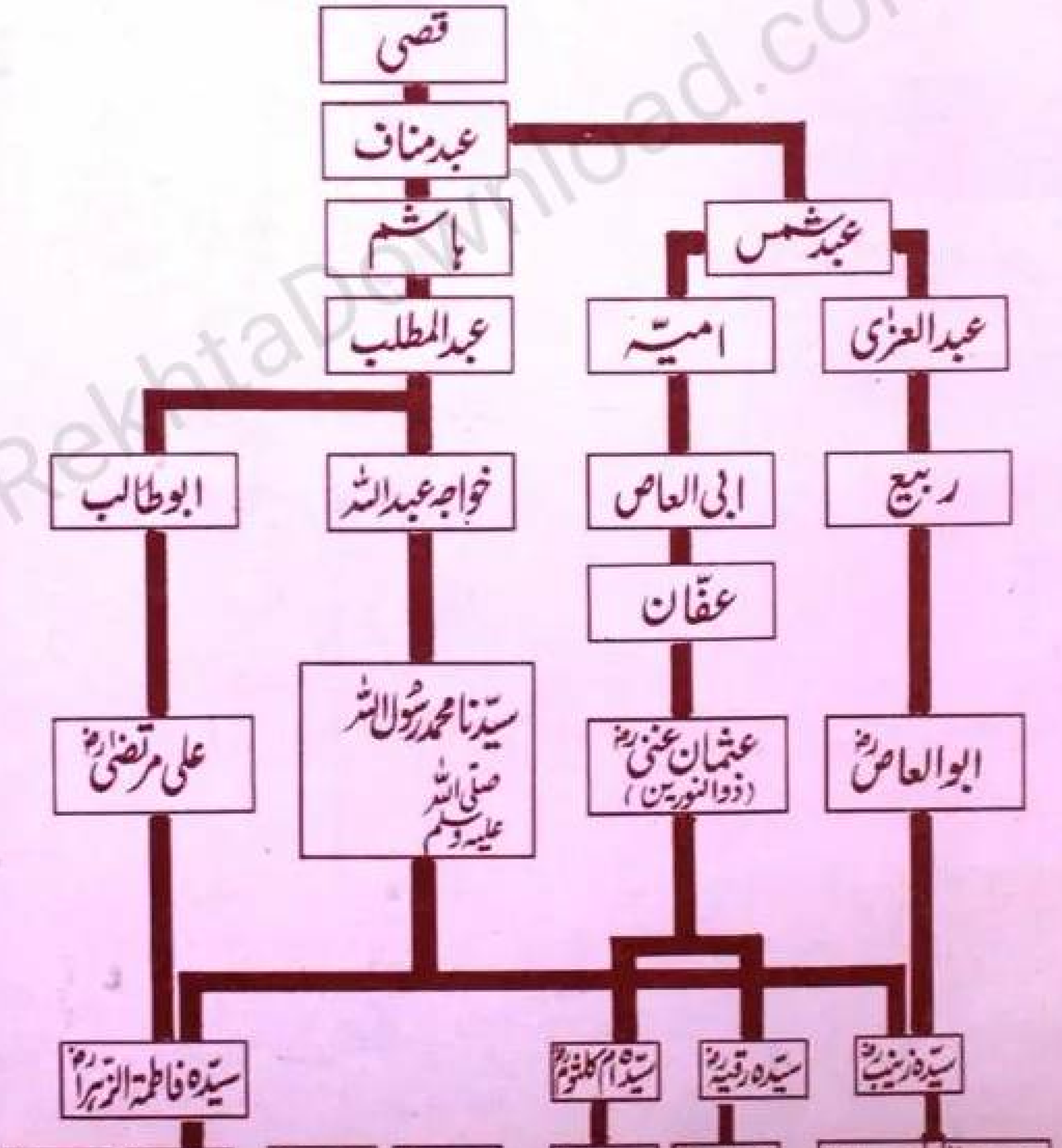

RekhtaDownload.com

سوق اللیل نامی گلی

جنّت المعلّٰی کا قبرستان

RekhtaDownload.com

تاجدارِ حرم کے اہلِ مکہ سے تعلقات

حرم کی تعمیرِ نو

حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے خانۂ کعبہ تعمیر کیا۔ طوفانِ نوح میں وہ بُنیاد غرق ہوگئی۔ ایک زمانہ بعد حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ اور اسماعیلؑ ذبیح اللہ نے اس کی پُرانی بُنیاد پر دوبارہ تعمیر کی۔ اس کے بعد قوم عمالقہ، پھر بنو جُرہم اور اب بنی قریش نے اس کی تعمیر کا بیڑہ اٹھایا۔ حضورؐ نے عمر کی ۳۵ ویں سیڑھی پر قدم رکھا تو زبانِ خلق نقارۂ خدا بن کے گونجی۔ ابراہیمؑ خلیل اللہ کے ہاتھوں جس بیتُ اللہ کی داغ بیل ڈالی گئی تھی سیلاب نے اسے کمزور کردیا تھا۔ مکہ چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھری وادی ہے اور کعبۃ اللہ نشیبی مقام پر ہے۔ جہاں بارش ہوتی اور پانی کا ریلا اللہ کے گھر کا طواف کرنے لگتا۔ اس سیلِ سبک سیر سے خانۂ خدا کو محفوظ کرنے کے لئے ایک سردار عامر الجادر نے کعبہ کے اطراف ایک دیوار کا احاطہ بنادیا۔ پھر بھی شکست و ریخت نے اپنا عمل کر دکھایا۔ پہلے قوم عمالقہ پھر بنو جُرہم نے اس کی داغ دوزی کی۔ اب قریش کو خیال آیا کہ سارا عرب اس کی زیارت کے لئے آتا ہے۔ اس پر نذر و نیاز سے ہمیں آمدنی ہوتی ہے۔ کعبہ کے اندر ہی ایک کنواں سا بنا تھا جس میں چڑھاوے کے زر و جواہر مال و اسباب رکھے جاتے۔ کہیں سے ایک سانپ اس پر براجمان ہوگیا۔ کوئی قریب جاتا تو پھنکارنے لگتا۔ ان ہی دنوں ایک رومی جہاز طوفان کی زد میں آکر شعیبہ (بندرگاہ جدّہ کا پُرانا نام ہے) کی گودی سے ٹکرایا اور پاش پاش ہوگیا۔ قریش کو اطلاع ملی تو آفت زدوں کی خبرگیری کی اور تباہ شدہ جہاز کے تختے تعمیرِ کعبہ کی نیّت سے خرید لئے۔ ان بیچنے والوں میں ایک مصری معمار باقوم نامی بھی تھا۔ اس نے

اس کام کے لیئے اپنی خدمات پیش کیں۔ ادھر مکّہ میں ایک قبطی نجّار (بڑھئی) بھی موجود تھا۔ شعیبہ سے سامان لادکر مکّہ لائے تو اب بڑا مسئلہ اندھے کنویں کا خطرناک سانپ تھا۔ محض اتفاق کہ وہ کعبہ کی دیوار پر بیٹھا دُھوپ کھارہا تھا کہ ایک عقاب اڑتا ہوا آیا اور اسے جھپٹ کر لے گیا۔ قریش نے اسے تائید غیبی سمجھا۔ اعلان کیا کہ اللہ کے اس گھر کی تعمیر میں اپنی پاک کمائی لگائیں۔ سُود، لُوٹ مار، زور و زبردستی سے ہتھیایا ہوا مال ہرگز ہرگز اس کام میں نہ لگائیں۔ جب سرمایہ جمع ہوگیا تو تمام خاندانوں نے اس مقدّس گھر کی تعمیر کا کام تقسیم کرلیا۔ دروازے والی دیوار کی تعمیر بنی عبدمناف اور بنی زہرہ کے ذمّہ ہوئی۔ حجرِاسود اور رُکنِ یمانی کی درمیانی دیوار بنی مخزوم وتیم کے حصّہ میں آئی۔ پچھلی دیوار اُٹھانے والے بنی سہم اور بنی جمح قرار پائے۔ حطیم یا حجرالارخ بنی عبدالدار بنی اسد اور بنی عدی نے مل کر بنانا طے کیا۔

پُرانی عمارت کا ڈھانا بڑا نازک مرحلہ تھا۔ ہاتھیوں والے ابرہہ کا انجام دیکھنے والی آنکھیں ابھی ان میں موجود تھیں۔ سوچا کہیں اسے ڈھانے کی جسارت پر غضب الٰہی نہ آگھیرے۔ ان کی نیّت نیک تھی وہ اللہ کا گھر بنانے کی خاطر ڈھارہے تھے۔ ایک بگاڑ میں سَو بناؤ تھے۔ آخر ولید بن مغیرہ نے کُدال اُٹھائی۔ اور آسمان کی طرف نظر کرکے کہا۔ اے اللہ! ہم دین سے مُنحرف نہیں ہوئے ہم خیر کے سِوا کچھ نہیں چاہتے۔ ضرب لگائی۔ کچھ حصّہ مُنہدم کیا اور پھر رُک گیا۔ کہ دیکھیں کوئی آفت تو نہیں آتی۔ ایک دن خیریت سے گزرا۔ تو پھر ساری عمارت ڈھائی اور بنائے ابراہیمؑ تک پہنچ گئے۔ اب نئے سرے سے مضبُوط پتھر رکھے گئے۔ مصری معمار نے اپنی فن کاری دکھائی۔

سرمایہ اور اشیاء کی کمی کے باعث کعبہ کا کچھ حصّہ نیم دائرہ کی شکل میں بغیر چھت کے چھوڑدیا گیا۔ اسی کو حطیم یا حجر کہتے ہیں۔ یہ حصّہ قسم کھانے حلف اُٹھانے اور معاہدہ کرنے کے وقت کام آتا۔ چوں کہ کعبہ صرف پیر اور جمعرات اور خاص خاص مواقع پر کھولا جاتا تھا۔ ورنہ بند رکھا جاتا۔ جب چھت بنانے کی نوبت آئی تو ۱۵ شہتیر پر چھت قائم کی گئی۔ اس کی بنیاد سات ستونوں پر استوار کی گئی۔ ؎

زبانِ خلق کو نقّارۂ خدا سمجھو

دیواریں اس حد پر پہنچیں جہاں حجرِ اسود نصب کرنا تھا تو ہر قبیلہ کی انا نے سر اُٹھایا۔ یہ اعزاز وہ تنہا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مارنے مرنے پر تل گئے۔ دعوے کی شدّت کے اظہار کے لئے ایک پیالے میں خون بھرا اور اس میں انگلیاں ڈبو کر چاٹنے لگے۔ جب یہ کیفیت پیدا ہوگئی تو تعمیر کا کام چار پانچ دن کے لئے رُک گیا۔ تناؤ میں کمی آئی تو ایک بوڑھے اُمیہ ابن مغیرہ نے مشورہ دیا کہ اس کام کو اللہ ہی پر چھوڑ دو۔ کل صبح جو شخص سب سے پہلے باب بنی شیبہ سے حرم میں داخل ہو، اسے اپنا ثالث مان لو۔ سب نے اس سے اتفاق کرلیا۔ تمام قبائل کے سردار اور افراد جمع ہوئے اور سب کی نظریں باب بنی شیبہ پر جم گئیں۔ ادھر صفا کی پہاڑیوں کے پیچھے سے مہرِ منوّر جھانکا ادھر باب بنی شیبہ سے ماہ ہاشمی طلوع ہوا۔ بے اختیار نقارۂ خلق گونجا" یہ تو امین آرہا ہے۔ یہ تو امین آرہا ہے، ہم اس سے راضی ہیں"۔ قضیہ آپ کے سامنے پیش ہوا۔ کندھے سے ردائے مبارک اتاری اور صادق و امین نے اپنے دستِ مبارک سے حجرِ اسود اس کے درمیان رکھا۔ ارشاد ہوا تمام قبائل اپنی چار بڑی جماعتوں میں سے ایک ایک نمائندہ چُن لیں۔ پہلی بڑی جماعت نے بنی عبد مناف میں عتبہ بن ربیعہ، دوسری نے ابوزمعہ، تیسری نے ابوحذیفہ بن مغیرہ اور چوتھی نے قیس بن عدی کو اپنا نمائندہ منتخب کیا۔ انھیں کہا گیا کہ چادر کا ایک ایک کونہ تھام لیں اور اُٹھا کر اس دیوار تک لے چلیں جہاں اسے نصب کرنا ہے۔ کعبۂ مقصود تک پہنچے تو مجسّم دُعائے خلیل نے تعمیر خلیل میں تکمیلی پتھر یعنی حجرِ اسود کو اپنے دستِ مبارک سے نصب کیا۔ فراستِ امین نے خانہ جنگی کے لئے خون میں ڈبوئی ہوئی انگلیوں میں ردائے اُلفت تھمادی اور یوں بحُسن و خوبی یہ کٹھن مرحلہ طے ہوگیا۔

بُتوں کی خُدائی

کعبہ کی تعمیرِ نو ہوئی تو مُشرکانہ دماغوں نے حسن کاری کے طریقے سوچے۔ عمارت کے اندر انبیاء کی تصویریں بنائیں۔ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کو تیروں سے

فال نکالتے ہوئے دکھایا۔ بیرونی آرائش و زیبائش کے لئے ۳۶۰ بُت رکھے گئے ان پر چڑھاوے نذر و نیاز کے انبار لگتے۔ اس دورِ جہالت کا ایک واقعہ ایک غلام صحابی نے دورِ اسلام میں سُنایا۔ اس کا مالک بڑے جتن سے ان کے ذریعہ دودھ اور مکھن کا چڑھاوا ایک بُت کے سامنے رکھتا۔ تاکید ہوتی۔ خبردار کھا، پی نہ لینا ورنہ بُتوں کی لعنت سے بچ نہ سکوگے۔ وہ کہتے کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا جوں ہی وہ چیزیں بت کے سامنے رکھی جاتیں۔ کہیں سے ایک کُتّا آتا۔ دودھ مکھن چٹ کرجاتا اور پھر ٹانگ اُٹھاکر بُت پر پیشاب کرتا اور پھر ادھر اُدھر ہوجاتا۔ ایک قبیلہ نے پتھر کے بجائے آٹے کا قدِ آدم بُت بنایا۔ معبُود بناکر اس کی پوجا کی۔ قحط سالی آئی تو کاٹ کاٹ کر ہضم کرگئے۔ ایک قبیلہ نے لکڑی کا صنم تراشا، بہت قدآور۔ سردیوں کے دن آئے تو مسافر چوری سے اسے کاٹ کاٹ کر چولہوں کا ایندھن بناتے۔

بنوجُرہم کی شہوت پرستی کو وہ بُزرگی عطا کی گئی کہ خانۂ کعبہ کے مُجرم بھی دیوتا بنادیئے گئے۔ نائیلہ بنت دیک ایک حسین عورت نیم عُریاں لباس میں نمائش حُسن کے ساتھ طواف کرتی تھی۔ ایک مستانہ ہجوم اس کے پیچھے ہوتا۔ ایک نوجوان سردار اساف بن بغی بھی نائیلہ کے شیدائیوں میں سے تھا۔ ایک دن جبکہ وہ طواف کررہی تھی۔ اساف بےخود ہوکر دست درازی سے بھی آگے بڑھ گیا۔ شراب میں بدمست بنوجُرہم کے لوگ حرم کعبہ کی اس بےحُرمتی پر احتجاج کی بجائے اساف و نائیلہ کے حُسن و عشق کی داستان فخریہ بیان کرنے لگے۔ نائیلہ اور اساف کے مرنے کے بعد ان کے بُت بنائے اور مظہرِ عشق و محبت قرار دے کر پرستش کرنے لگے۔ یہ بُت چاہ زم زم کے کنارے نصب تھے۔ ؂

صادق و امین جیسی فہم و فراست والی ہستی بندگانِ خدا کی ان حرکتوں کو دیکھتی تو شرم سے پانی پانی ہوجاتی۔ ان ہنگامہ آرائیوں سے بچنے کے لئے تنہائی کوہ و دامن کا سہارا لیتی۔ مکّہ کی چند سعید فطرتوں کو متوجہ کرتی۔

غنیمت ہے جو ہم صُورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

ان چند لوگوں میں جو اس فکری ہم آہنگی میں آپ کے شریکِ صحبت تھے

ان میں ابوبکرؓ بھی تھے۔ بنی تیم کا یہ سلیم الطبع شخص اس وقت قریب ہوا۔ جبکہ وہ ۱۸ سال کا تھا۔ اور آپؐ ۲۰ سال کے۔ دونوں ۲۰ سال تک اپنی قوم کی بدنصیبی کم نگہی اور ذلّت پر افسوس کرتے رہے۔ حکیم ابن حزام بھی قریش کے مُعزّز لوگوں میں سے تھے۔ وہ عمر میں آپؐ سے ۵ سال بڑے تھے۔ لیکن فِکری ہم آہنگی نے ایک دوسرے کو رشتۂ محبت میں استوار کردیا تھا۔ یہ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے تھے اور فتحِ مکّہ کے بعد دولتِ ایمان سے مالامال ہوئے۔ اس عہدِ جاہلیت کے ایک دوست قبیلہ اَزدشنواۃ کے ضماد بن ثعلبہ تھے۔ طب اور جرّاحی ان کا پیشہ تھا۔ اعلانِ نبوّت کے بعد جب قریش نے آپؐ کو مجنوں مشہور کردیا تو وہ آپؐ سے ملنے آئے تاکہ علاج کریں۔ پوچھا آپ کو کیا تکلیف ہے۔ جواب میں اللہ کے رسولؐ نے آیاتِ قرآنی سُنائیں۔ ان کی تاثیر سے ایمان لے آئے۔ صہیب بن سنان رومیؓ اور عمار ابن یاسرؓ بھی اسی زمانے کے ملنے والے ہیں۔ یہ سب بُت پرستوں کی حرکتوں پر کُڑھتے تھے۔ قریبی رشتہ داروں میں عثمان ابن عفانؓ۔ زبیر ابن عوامؓ عبدالرحمٰن ابن عوفؓ۔ سعد ابن ابی وقاصؓ۔ جعفر ابن ابوطالبؓ۔ عبیداللہ ابن جحشؓ اور ابوسلمہؓ ان لوگوں میں سے ہیں جو الصادق اور الامین کی پاک سیرت اور باتوں کی خوشبو سے اثر لے رہے تھے، ہم خیال اور ہم فکر تھے۔

مکّہ کے باہر بنی غفار کا سردار ابوذر اور عرب کے باہر سلمان فارسی ایسے ہی جویائے حق تھے۔ آخری دو افراد کو نبیٔ آخریں کا زمانۂ نبوّت ملا اور وہ ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے۔

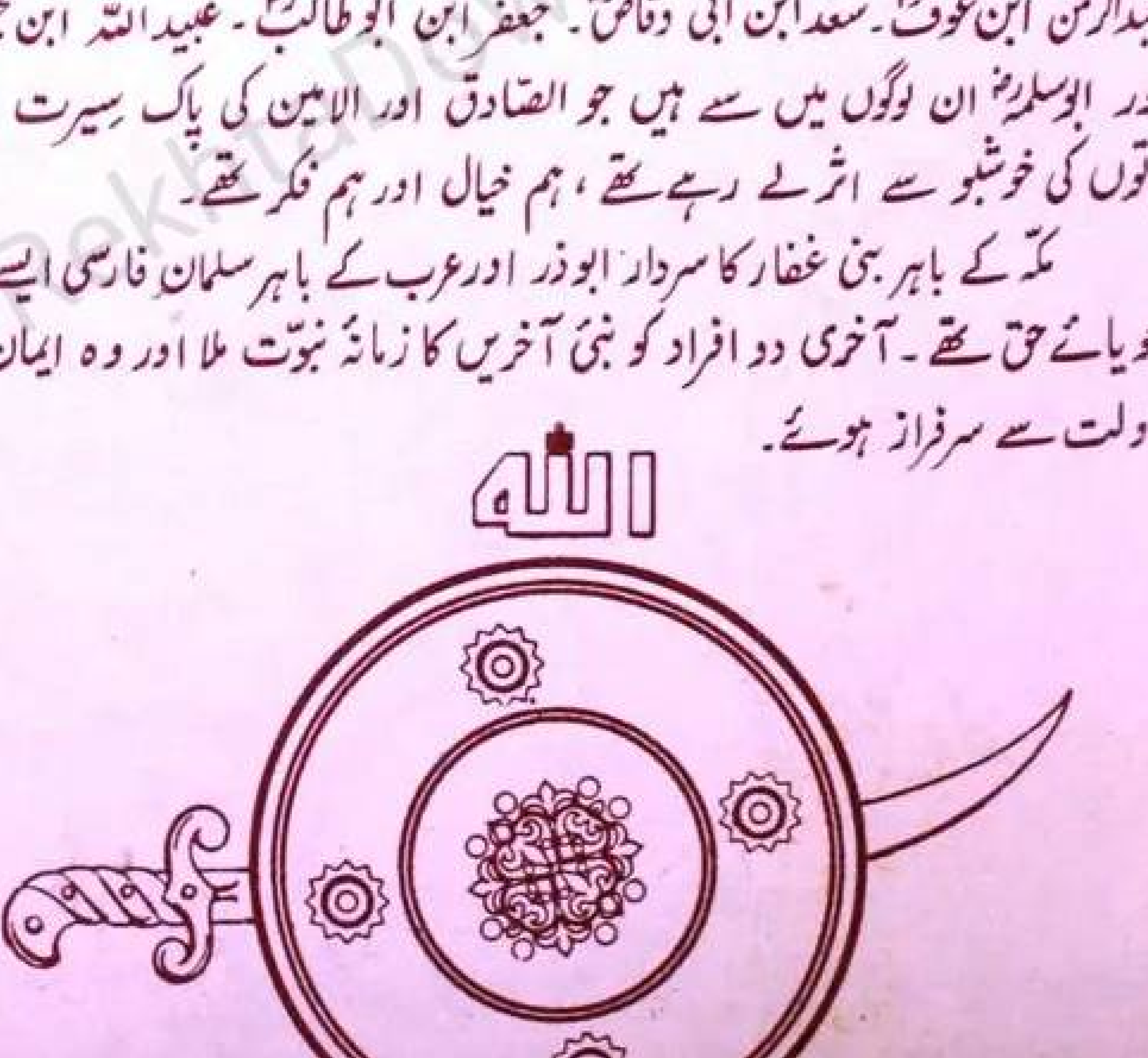

جبلِ نور اور جبلِ ثور کا محلِ وقوع

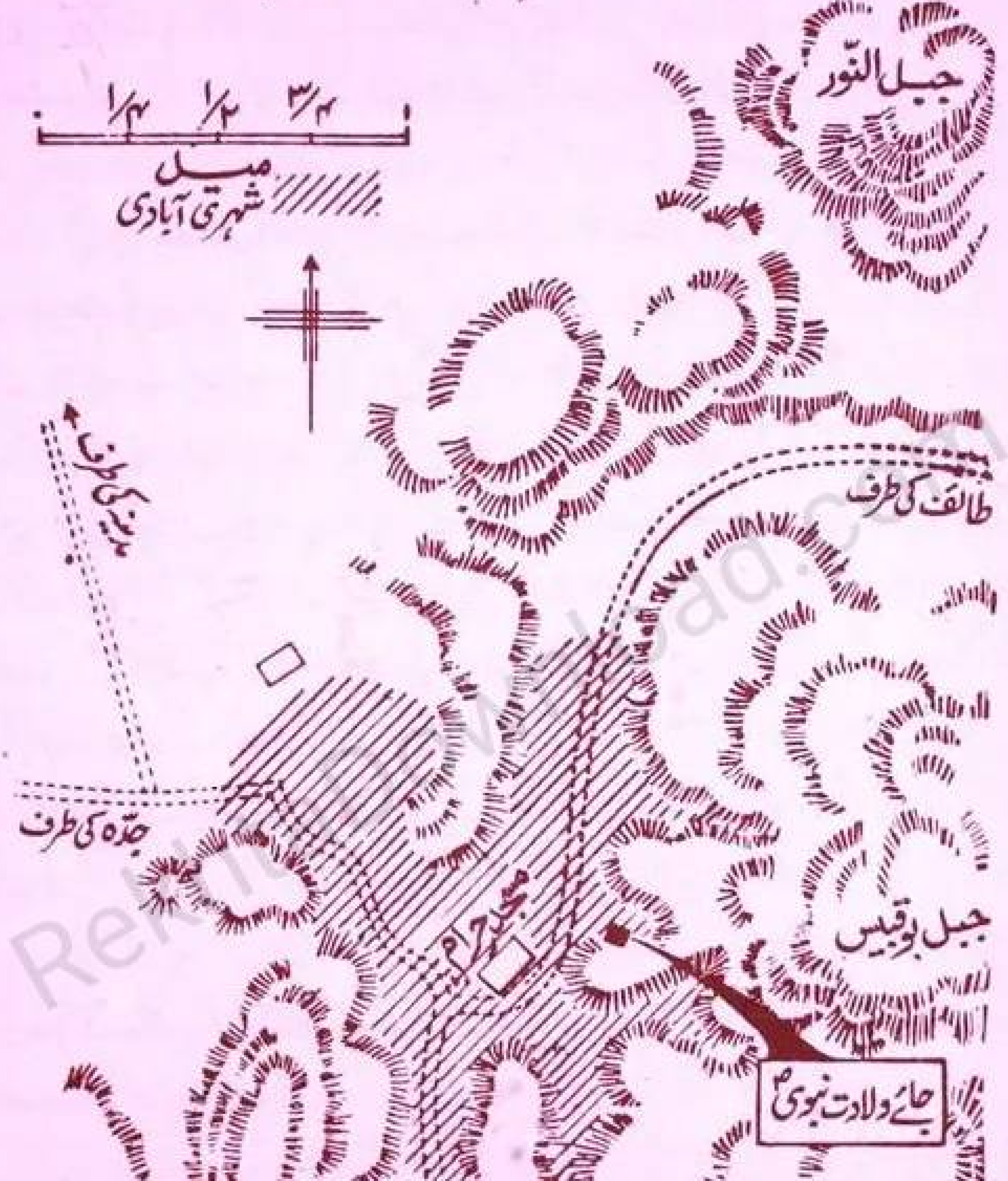

اس نقشے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانۂ خدا کی تعمیر کے لئے پہاڑوں کے درمیان ایک محفوظ وادی کو منتخب کیا تھا۔

سرورِ کشورِ رسالت

تنہائی کوہ و دمن

اشرف المخلوقات کا بتوں کے سامنے اس درجہ گرنا آپؐ سے دیکھا نہ گیا۔ ہمیشہ ایک فکر دامن گیر رہتی کہ کیا انسان اسی لئے پیدا کیا گیا ہے؟ کیا یہ جبینِ نیاز اسی آستانے کے لئے بنی ہے؟ طبیعت تنہائی کی طرف مائل ہونے لگی۔ شریکِ حیات آپ کے مزاج کو سمجھتی تھیں۔ آخر اپنی مضطرب اور بے چین فطرت کی آسودگی کے لئے کوہ و دمن میں نکل جانے لگے۔ شہر اور اس کے ہنگاموں سے دُور۔ ایک دن خیالات میں گم تین میل دُور نکل آئے۔ تو سامنے جبلِ نُور تھا۔ اس پر چڑھنے لگے تو اس غار تک پہنچ گئے جہاں رمضان کے مہینے میں آپؐ کے دادا عبدالمطلب اعتکاف کیا کرتے تھے۔ یہاں پہنچے تو طبیعت نے زیست کا مزہ پایا۔ اضطراب نے سکون کا دامن تھاما۔ حرا نے فکر کی راہیں کھول دیں۔ پُرسکون فضاؤں نے معبودِ حقیقی کی طرف متوجہ کیا۔ غار قدرتاً کعبہ رُخ ہے۔ یہاں بیٹھتے تو اس انداز میں جیسے ہم التحیات میں بیٹھتے ہیں۔ نگاہیں قلب کی جانب۔ اور قلب مالک حقیقی سے لَو لگائے ہوئے۔ محدثین نے اس انداز عبادت کو "تحنّث" کا نام دیا ہے۔ یہ تنہائی بہت راس آئی۔ صبح سے شام ہوگئی۔ تو گھر لوٹے۔ بیوی سے فرمایا کہ سکونِ دل کا سامان ہوگیا۔ کچھ دنوں کے لئے زادِ راہ ستّو اور چھاگل میں پانی دے دو۔ اب تو حرا کی خلوتیں تسکینِ قلب کا باعث ہیں۔ اور پھر یہ معمول بن گیا۔ دن ہفتوں میں، ہفتے مہینوں میں اور مہینے سالوں میں تبدیل ہونے لگے۔ یہ عبادتِ تحنّث پانچ سالوں پر مُحیط ہے۔

کہیں تحنّف کا لفظ یعنی ابراہیمِ حنیف کا طریقہ بھی آیا ہے۔ بعض انبیاء

کی زندگی میں پہاڑوں کی بڑی اہمیت ہے۔ توبہ کے بعد حضرت آدمؑ و حواؑ کی ملاقات جبلِ رحمت پر ہوئی۔ حضرت نوحؑ کی کشتی کوہِ جودی پر ٹھیری۔ کوہِ صفا و مروہ کو حضرت ابراہیمؑ، ہاجرہؑ اور اسمٰعیلؑ سے خاص نسبت ہے۔ کوہِ طور موسیٰؑ، کوہِ زیتون عیسیٰؑ اور جبلِ نور و جبلِ ثور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اہم ہیں۔

جبلِ نور

مکّہ سے تین میل کے فاصلے پر جبلِ نور (روشنی کا پہاڑ) ہے جو شمال مشرق میں منیٰ و عرفات کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر سڑک سے چند فرلانگ پر ہے۔ قدیم زمانے میں اسے جبلِ حرا کہتے تھے۔ یہ پہاڑ ایک رتیلے میدان کے بیچ میں واقع ہے۔ جو تقریبًا دو ہزار فٹ اونچا ہے۔ اس کی شکل گول برج کی سی ہے اور ٹیلوں سے الگ تھلگ صحرا کی چلچلاتی دھوپ میں اکیلا کھڑا ہے۔ اس کے چاروں طرف میلوں تک نگاہ کو روکنے والی کوئی چیز نہیں۔ بہت بڑا بنجر ٹیلا ہے جس میں بہت سی گھاٹیوں نے شگاف ڈال دیئے ہیں۔ دُور دُور تک نہ کوئی ٹھہرنے کی جگہ ہے اور نہ سایہ دار درخت۔ نہ کوئی سوتا اور نہ کوئی چشمہ۔ زمانۂ جاہلیت میں رات کے وقت حجّاج کی رہنمائی کے لئے اس کی چوٹی پر روشنی کی جاتی تھی تاکہ عرفات سے آنے والے راستہ پاسکیں۔ دن میں اپنی انوکھی وضع قطع کی بناپر دُور سے ہی پہچان لیا جاتا ہے۔

غارِ حرا

غارِ حرا چٹانوں کے گر جانے سے بنا ہے۔ اس تک پہنچنے کے لئے چکّر دار چڑھائی ہے۔ قدرتی طور پر زینے جیسے بن گئے ہیں۔ چوٹی کے قریب نصف بالائی حصہ ہموار ہے۔ اور باقی آدھا سَو سَوا سَو فٹ اُوپر اُٹھا ہوا ہے۔ ہموار حصّے پر ٹیلے کے کنارے دو بڑی سِلیں قدرتی طور پر اُوپر سے مل گئی ہیں جس سے خیمے کی سی شکل کا غار بن گیا ہے۔ یہ غار مستطیل شکل کا ہے اور قدرتًا کعبہ رُخ ہے۔ اندر سے تقریبًا چار گز لمبا۔ پونے دو گز چوڑا۔ اور اتنا اُونچا ہے کہ ایک آدمی آسانی سے کھڑا ہو کر نماز ادا کرسکتا ہے۔ فرش قدرتًا مسطح ہے۔

جس پر آرام سے پاؤں پھیلا کر سویا جا سکتا ہے۔ سِلوں کے ملنے سے قدرتی طور پر دھوپ اور بارش سے بچاؤ ہو جاتا ہے۔

پُرسکوں شیریں مقالی

فضا گرد و غُبار سے پاک ہو تو جبلِ حرا سے سمندر بھی دِکھائی دیتا ہے۔ جو تقریباً پینتالیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ دن ہو یا رات یہاں ایک ملکُوتی سکون کی فضا رہتی ہے۔ جویائے حق کے لئے یہ مقام جنّتِ فکر و نظر ہے۔ ہر وقت نظروں کے سامنے بیتُ اللہ، جس کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے۔ یہاں تین چیزیں جمع ہو گئی ہیں۔ فکر کے لئے خلوت، نظر کے لئے کعبہ اور عبادت کے لئے سکون۔

نُورٌ علٰی نور

حرا کے لفظی معنی ہیں تلاش و جستجو کا غار۔ اسم بامسمیٰ۔ اس کی فضیلتیں بے حد و بیشمار۔ یہی وہ جگہ ہے جو امامُ الانبیاء اور خاتم النبیینؐ کی عبادت گاہ ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت عیسیٰؑ کے آسمانوں پر اُٹھائے جانے کے ۶۱۰ سال بعد زمین و آسمان کا دوبارہ رابطہ وحی کے ذریعہ قائم ہُوا تھا۔ یہیں خیرالبشرؐ اور سیّد الملائکؑ کا پہلا معانقہ ہُوا تھا۔ چودہ صدیاں گُزرنے کے بعد بھی حرا اس کیف آگیں منظر کا شاہد ہے۔ جس کا لطف اس نے برسوں پہلے اُٹھایا ہے۔

دلِ مضطر کا سکون خلوت کدۂ حرا میں تھا۔ یہیں بشارتِ نبوت مِلی۔ پیر کا دن اور ربیع الاوّل کا مہینہ۔ یہ روز اور مہینہ حیاتِ نبوی میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان ہی مبارک ساعتوں میں ولادت ہوئی، نبوت ملی، ہجرت کی اور سفرِ آخرت اختیار کیا۔ زمان و مکان کا یہ پیمانہ کِن کِن برکتوں کا حامل ہے۔

رویائے صادقہ (سچّے خواب) کو نبوت کا ۴۶ واں حصّہ کہا جاتا ہے۔ اس طرح ۲۳ سالہ دَورِ نبوّت کا ۴۶ واں حصّہ ۶ ماہ بنتا ہے۔ اس زمانے میں جو نوید نبوت کے بعد شروع ہوتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے سچّے اور اچّھے خواب دیکھا کرتے۔ خواب کی باتیں دن کے اُجالے میں حقیقت بن کر ظاہر ہوتیں۔ بشتے

مژدۂ نبوّت

معتکف حرا کی زندگی کا چالیسواں سال تھا کہ سچّے خواب نظر آنے لگے۔ جو نیند کی حالت میں دیکھتے وہ سپیدیٔ سحر کی طرح ظہور پذیر ہوتے۔ حضرت جابرؓ بن سمرہ کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا نبوّت سے چند روز بیشتر میں جس درخت یا پتھر کے قریب سے گزرتا وہ کہتا السّلام علیک یا رسول اللہ۔ قمری سال سے عمر ۴۰ سال ایک دن ہوئی تو ۹۔ ربیع الاوّل ۴۱ سنہ میلادی (مطابق ۱۲۔ فروری ۶۱۰ء) پیر کی شام حرا کی خلوتیں جگمگا اٹھیں۔ غار حرا کے اندھیرے میں یکایک روشنی ہوئی۔ رُوح الامینؑ امرِ حق کے ساتھ ظاہر ہوئے اور فرمایا۔ اے محمدؐ! بشارت قبول ہو۔ آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرئیل ہوں۔

اعلانِ نبوّت

یہ نور اور یہ واقعہ اتنا غیر متوقع اور ناگہانی تھا کہ آپؐ اس عظیم اور غیر معمولی تجربے سے گھبراہٹ محسوس کرنے لگے۔ آپؐ کو اس سے پہلے کبھی گمان بھی نہیں گزرا تھا کہ آپؐ نبی بنائے جانے والے ہیں۔ اس انوکھے تجربے اور احساس ذمّہ داری نے جسم پر کپکپی طاری کردی۔ گردن اور کندھے کے درمیان کا گوشت خوف سے پھڑپھڑانے لگا۔ کانپتے اور لرزتے آپؐ حرا کی خلوتوں سے باہر نکلے تیزی سے جبلِ نور سے اُترنے لگے۔ پہاڑ کے وسط میں پہنچے تو پھر ایک آواز آئی۔ اے محمدؐ۔ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور میں جبرئیل ہوں۔ آپؐ نے اپنا سر اٹھاکر دیکھا تو جبرئیلؑ آسمان کے کنارے پر ایک آدمی کی شکل میں کھڑے ہیں۔ ان کے دونوں قدم آسمان کے اُفق پر ہیں۔ جس حصّۂ آسمان پر نظر پڑتی ہے جبرئیل موجود ہیں اور زبان پر وہی بشارت۔ اے محمدؐ۔ آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبرئیل ہوں۔ آسمان کی رفعتوں سے چار دانگ عالم کی وسعتوں میں اس اعلان کے بعد جبرئیل نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ اس منظر کو دیکھنے کے بعد قلبِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جلالِ الٰہی سے لبریز ہوگیا۔ اور آپؐ کچھ پُرسکون ہوگئے۔

RekhtaDownload.com

پہلی گواہی

تجربہ جو حادثہ کے برابر تھا۔ گھبراہٹ اور اضطراب جو دل پر چھایا ہوا تھا۔ اسی کیفیت میں گھر پہنچے تو شریکِ زندگی سے فرمایا" زملونی زملونی" مجھے چادر اڑھاؤ۔ مجھے چادر اڑھاؤ۔ کچھ دیر بعد جب خوف و ہراس کی کیفیت میں قدرے سکون ہوا تو فرمایا" اے خدیجہ! مجھے کیا ہوگیا ہے۔ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔" رفیقِ حیات نے جانِ مضطرب پر تسکین کا مِنہہ برسایا۔ آپ کو ڈر کاہے کا ہے۔ آپ خوش ہوجائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رُسوا نہیں کرے گا۔ میں دیکھتی ہوں کہ آپ اقربا سے نیک سلوک کرتے ہیں۔ سچ بولتے ہیں۔ امانتیں ادا کرتے ہیں۔ بے سہارا لوگوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ ناداروں کو اپنی کمائی سے دیتے ہیں۔ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ نیک کاموں میں مدد دیتے ہیں۔ آپ کے اخلاق کریمانہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی اندوہ گیں نہیں فرمائے گا۔

نورِ نبوّت سے منوّر چہرے کو دیکھنے، بارِ نبوّت سے گرانبار قلب کو ٹٹولنے کے بعد خلوت و جلوت کی تماشائی، شریکِ زندگی، محرمِ راز کی "وَاِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیم" کی ربّانی شہادت پر انسانی تصدیق تاریخ کا ایسا بے مثل صداقت نامہ ہے جو دہلیزِ نبوّت پر قدم رکھنے پر بیوی کی جانب سے عطا ہوا۔ بیوی سے بڑھ کر اور کون خاوند کی کمزوریوں اور خوبیوں کا واقف کار ہوسکتا ہے؟

منصبِ نبوّت کی گواہی دینے والے کو اب خود اپنے اطمینانِ قلب کی ضرورت محسوس ہوئی۔ فوراً اس عالمِ ربانی کا خیال آیا جو توریت اور انجیل کا رمز شناس تھا۔ وہ عہدِ جاہلیت میں نصرانی بن گیا۔ انجیل کی عربی میں کتابت کرتا تھا۔ اہلِ عرب انھیں متلاشیِ حق ورقہ ابن نوفل کے نام سے جانتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ کے وہ عم زاد یعنی رشتہ کے چچازاد بھائی تھے۔ عمر بہت ہوگئی تھی۔ بینائی جواب دے چکی تھی۔ حضرت خدیجہؓ اپنے شوہرِ نامدار کو لے کر ان کے پاس حاضر ہوئیں اور کہا اے برادر! ذرا اِن کی بات سُنو۔ سارا بیان بغور سُننے کے بعد کہا "یہ وہ ناموسِ اکبر (عالم بالا سے وحی لانے والا فرشتہ) ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی خدمت میں آتا تھا۔ کاش کہ میں آپ کے زمانہ نبوّت

میں ہوتا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔
حاملِ نبوت نے بے اختیار پوچھا "کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے۔"
کتبِ سماوی کے عالم نے جواب دیا۔ ہاں۔ کبھی ایسا نہیں کہ کوئی شخص وہ چیز لے کر آیا ہو جو آپ لائے ہیں اور اس سے دشمنی نہ کی گئی ہو۔ اگر میں نے آپ کا زمانہ پایا تو ضرور آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔

مکہ معظمہ کا فضائی منظر

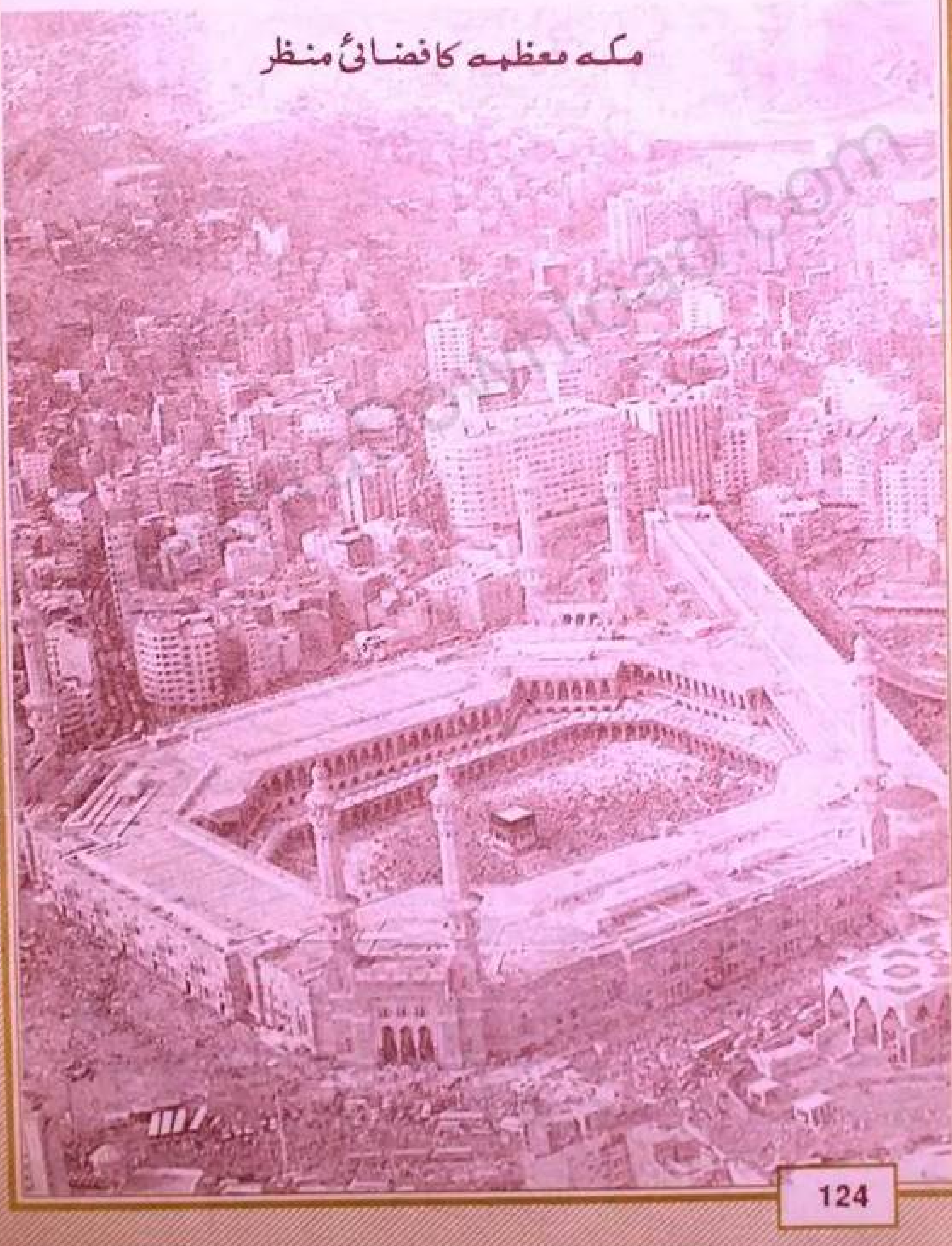

سیرتِ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

غارِ حرا سے

ہجرتِ حبشہ تک

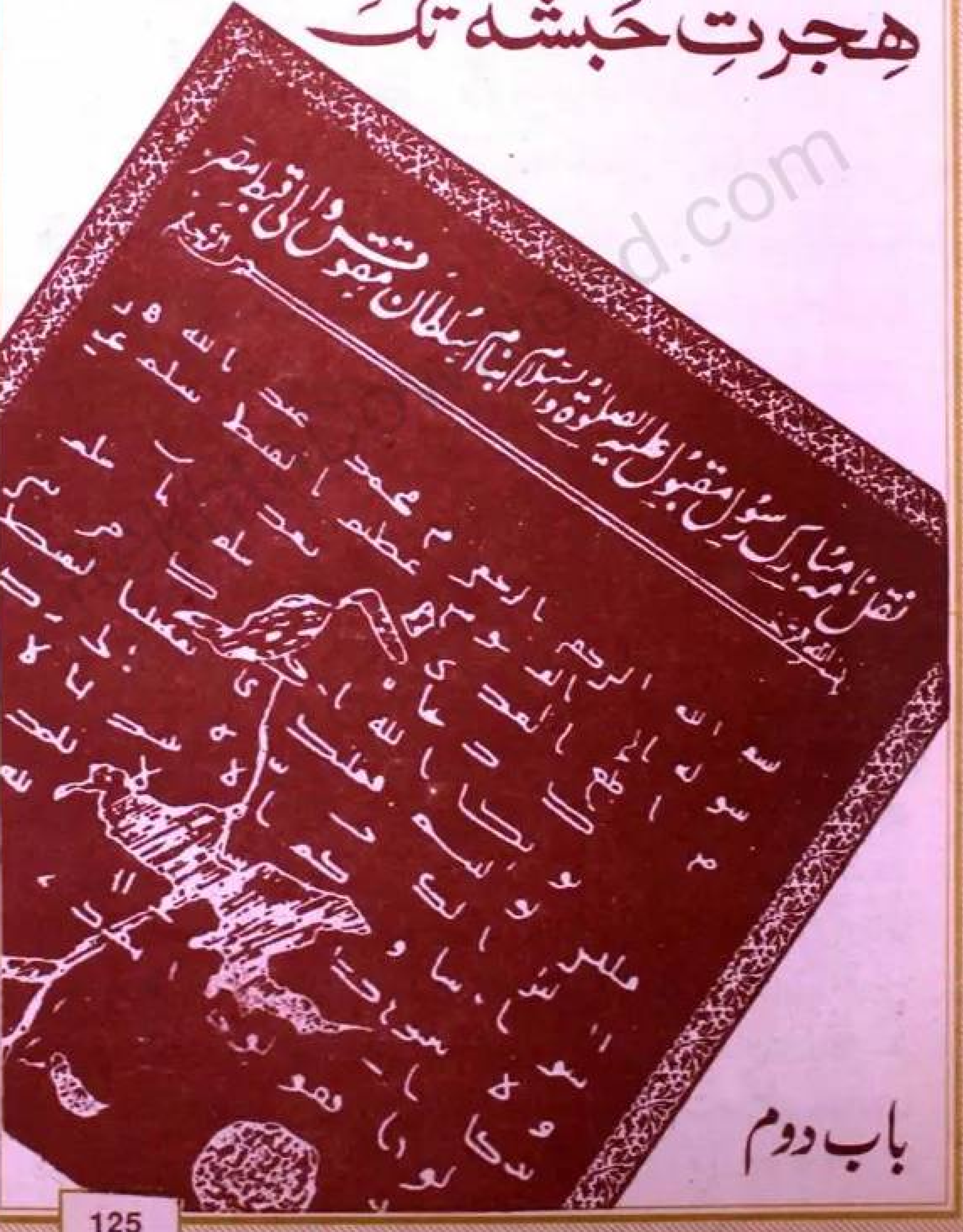

باب دوم

حضرت ابراہیمؑ کی دُعا

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ
اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا
بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاِذْ قَالَ
اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ
الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ۝
وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ
اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ
اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ
الرَّحِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اور یہ کہ ہم نے اس گھر (کعبے) کو لوگوں کے لئے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیمؑ جہاں عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے اس مقام کو مستقل جائے نماز بنالو۔ اور ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کو تاکید کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔ اور یہ کہ ابراہیمؑ نے دعا کی: "اے میرے رب، اس شہر کو امن کا شہر بنادے اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت کو مانیں انھیں ہر قسم کے پھلوں کا رزق دے۔"

اور یاد کرو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ جب اس گھر کی دیواریں اُٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے "اے رب ہمارے، ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے، تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے رب، ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیع فرمان) بنا۔ ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اُٹھا جو تیری مسلم ہو، ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا، اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اور اے رب، ان لوگوں میں خود ان ہی کی قوم سے ایک رسول اُٹھائیو، جو انھیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے۔ تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔" (بقرہ ۱۲۵ تا ۱۲۹)

بعثت کی شہادتیں

طالبِ خیر

حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں صحنِ کعبہ میں جویائے حق زید بن عمرو بن نفیل کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں اُمیہ بن ابی الصلت ان کے پاس یہ کہتے ہوئے آیا۔ اے طالبِ خیر تمہارا کیا حال ہے۔ کیا تم اپنا طالبِ مقصود پا گئے؟ کہا نہیں۔ تلاش وجستجو جاری ہے۔ پھر ایک شعر پڑھا۔
ترجمہ: تمام ادیان قیامت کے دن بجز اس دین کے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور سوائے ملّتِ حنیف کے ہلاک ہوجائیں گے۔
پوچھا۔ اچھّا یہ تو بتاؤ یہ رسول جن کا انتظار ہے اہلِ فلسطین میں سے ہوں گے یا ہم میں سے؟ حضرت ابوبکر صدّیق رضؓ کہتے ہیں یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے کسی نبی کے مبعوث ہونے کا ذِکر سُنا۔ محفل برخواست ہوئی تو سیدھا ورقہ بن نوفل کے گھر پہنچا جو آسمانی کتابوں کا عالم اور صاحبِ بصیرت معمّر نصرانی راہب تھا۔ میں نے ساری گفتگو دُہرائی۔ کچھ سوچ کر جواب دیا۔ تمام اہلِ کتاب اور عُلماء متفق ہیں کہ نبیِ منتظر عرب کے اعلیٰ خاندان ہی سے ہوگا۔ میں اس کے نسب سے واقف ہوں۔ تمہاری قوم مطلوبہ معیار پر پُوری اُترتی ہے۔ حضرت ابوبکر رضؓ نے پوچھا وہ نبی کیا پیام لائیں گے؟ کہا جو اللہ تعالیٰ حکم دے گا وہی بیان کریں گے اور وہ کبھی ظلم کی بات نہیں کریں گے۔ حضرت ابوبکر رضؓ کہتے ہیں میں نے یہ بات گرہ میں باندھ لی۔

مُژدہ

اس واقعہ کے چند دنوں بعد میں ایک تجارتی سفر پر یمن گیا۔ وہاں قبیلہ ازد

کے ایک شیخ کا مہمان ہُوا جو کتبِ سماویہ کا ماہر تھا اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا میرا خیال ہے تم سرزمین حرم کے باشندے ہو۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ کہا جہاں تک میں سمجھتا ہوں قریشی ہو؟ میں نے اس کی بھی تصدیق کی۔ کہا پھر تو تم یقیناً بنی تیم سے ہو۔ میں نے اپنا نسب بتایا کہ تیمؔ بن مرّہ کے خاندان سے ہوں۔ خوشی سے گویا ہُوا۔ بس اب صرف ایک نشانی دیکھنی باقی ہے۔ ذرا اپنا پیٹ تو دکھاؤ۔ میں نے کہا آخر بات کیا ہے؟ جب تک تم حقیقت نہیں بتاؤ گے تمہاری بات نہیں مانوں گا۔ جواب دیا میرا علم اور آسمانی کتابیں کہتی ہیں کہ زمین حرم میں ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ اس کے مُعین اور مددگار دو شخص ہوں گے، ایک ادھیڑ اور ایک جوان۔ ادھیڑ کا حُلیہ تم سے ملتا جُلتا ہے۔ اس کے پیٹ پر سیاہ تل اور بائیں ران پر ایک خاص نشاں ہوگا۔ رہا جوان وہ تو خطروں میں بے خوف گھُسنے والا اور مشکلوں کا حل کرنے والا ہوگا۔ اشارہ حضرت عُمر فاروقؓ کی طرف تھا۔ اب اپنا پیٹ تو دکھادو۔ میں نے کپڑا ہٹایا تو ادھر دیکھا اُدھر دیکھا پھر کہہ اُٹھا ربِّ کعبہ کی قسم! تم ہی وہ آدمی ہو جس کی آسمانی کتابیں خبر دے رہی ہیں۔ میں تم کو وصیّت کرتا ہوں کہ اس ہدایت سے انحراف نہ کرنا۔ صراطِ مستقیم کو مضبوطی سے پکڑنا۔ ان نبی سے بے رُخی نہ برتنا۔ یہ باتیں میرے لوحِ دل پر نقش ہو گئیں۔ جب آپؐ نے اعلان فرمایا تو میں بلا تردد ایمان لے آیا۔

تحفہ

جب تجارتی مصروفیات سے فارغ ہوا تو رخصتی ملاقات کے لئے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے بڑی لجاجت سے کہا اب جبکہ تم حرم کو واپس ہو رہے ہو میرا ایک کام کردو۔ پوچھا۔ کیا؟ کہا میں نے نبیِ آخرالزماں کی شان میں چند اشعار کہے ہیں انھیں یاد کرکے ان کی خدمت میں پہنچادو۔ میں نے اس کے شعر یاد کرلئے اور مکّہ کی جانب چل پڑا۔ طوافِ کعبہ کے بعد جب اپنے گھر پہنچا۔ میری آمد کی خبر پاکر شیبہ، ربیعہ، ابوجہل، عقبہ ابن ابی معیط، ابوالبختری وغیرہ ملنے آئے۔ میں نے اس غیر متوقع آمد پر بے اختیار پُوچھا۔ کیا بات ہے؟ کوئی غیر معمولی واقعہ تو نہیں ہُوا۔؟ کہنے لگے ہُوا ہے۔ اسی لئے تو آئے ہیں۔ عبدالمطلب کا یتیم پوتا دعویٰ کر رہا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ ہم بڑی بے چینی سے

تمہارے منتظر تھے ورنہ کبھی کے ایک رائے قائم کرچکے ہوتے۔ اب تم آگئے ہو تو تمہارا مشورہ درکار ہے۔ میں نے انھیں باتوں میں لگاکر خوبصورتی سے بات ٹال دی۔

معدنِ حق وصداقت

وہ لوگ چلے گئے تو میں حکیم بن حزام سے ملنے گیا جو حضرت خدیجہؓ بنت خویلد کے بھتیجے ہیں۔ کچھ دیر گزری تو ان کی ایک باندی باہر سے آئی اور کہنے لگی۔ اے حکیم! آج تمہاری پھوپھی کہتی پھر رہی ہیں کہ ان کے شوہر حضرت موسیٰؑ کی طرح نبیٔ مُرسل ہیں۔ یہ سُننا تھا کہ میں وہاں سے کھسک گیا اور سوق عطارین کے پیچھے خدیجہؓ کے گھر "دار خزیمہ" آیا۔ اس ہستی سے ملنے کے لئے جس سے پچھلے ۳۸ سالوں میں دن کے اُجالوں اور رات کی تاریکیوں میں بارہا مِل چکا تھا۔ لیکن آج جب چہرۂ انور پر نظر پڑی تو بات ہی کچھ اور تھی۔ نورِ نبوّت سے مستنیر۔ لَمسِ جبرئیلؑ سے مُشکبُو، جمیل الشیم، شفیع الاُمم، صاحب جُود والکرم۔ نگاہیں چار ہوئیں تو سَر سے بلائیں لیتی ہوئیں پابوسی کا شرف حاصل کرنے لگیں۔ قدموں پہ نظریں جم کے رہ گئیں۔ لاکھ کوشش کی نظر اُٹھ نہ سکی۔

نگاہِ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

فرمایا۔ اے ابوبکرؓ! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام مخلوقات کی طرف اپنا رسول بنایا ہے۔ تم مجھ پر ایمان لاؤ۔ یمن کا وہ شیخ جس سے تم مِل کر آئے ہو میری دلیل نبوت ہے۔ عرض کیا یمن میں تو بہت سے شیخ ہیں جن سے ملاقات ہوئی۔ فرمایا۔ وہ شیخ جس نے اشعار کا تحفہ بھیجا ہے۔ عرض کیا آپ کو اس بات کی کس نے خبر دی۔ فرمایا جبرئیلؑ وہ معزز فرشتہ جو انبیاء کے پاس وحی لاتا ہے۔ عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ نے سچ فرمایا۔ آپ ہمیشہ ہی سے معدنِ صدق وصداقت ہیں۔ آپ اپنا دستِ حق بڑھایئے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

قسمت تو دیکھئے کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند

اُمیہ بن ابی الصلت طائف میں رہتا تھا قبیلہ ثقیف کے ابوالصلت عبداللہ بن زمعہ کا بیٹا تھا۔ زمانۂ جاہلیت کا شاعر تھا مگر توحیدِ باری کا قائل تھا۔ کلام میں زاہدانہ رنگ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی نے قریش کو مشورہ دیا تھا کہ خطوط کی ابتدا "باسمک اللّٰھم" سے کیا کریں۔ شام کے یہود و نصاریٰ سے اس نے بھی نبی آخر کے ظہور کی خبر سُن رکھی تھی۔ یہ بھی جانتا تھا کہ ان کا ظہور عرب میں ہوگا۔ ابوسفیان جب سفرِ تجارت پر جاتے تو اُن سے اکثر اس موضوع پر گفتگو کرتا اور خاص طور سے ابوسفیان کے خسر عتبہ بن ربیعہ کے اخلاق و اطوار کے بارے میں پوچھا کرتا۔ ایک بار اس نے عتبہ کی عمر کے بارے میں سوال کیا۔ ابوسفیان نے بتایا کہ وہ سِن رسیدہ ہے۔ جب ابوسفیان نے اس غیر معمولی دلچسپی کا سبب پوچھا تو اس نے بھید کھولا۔ میں نے اہل کتاب سے سُنا ہے کہ عرب میں ایک پیغمبر مبعوث ہوگا۔ میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ وہ میں ہی ہوں۔ جب اہلِ علم سے تبادلۂ خیال ہوا تو انھوں نے بتایا کہ وہ نبی عبدمناف سے ہوگا۔ اس کنبہ میں عتبہ بن ربیعہ سے زیادہ کسی کو منصبِ نبوت کا اہل نہ پایا۔ لیکن تم کہتے ہو کہ اس کی عمر زیادہ ہے وہ پیغمبر چالیس سال میں مبعوث ہوگا۔ لہٰذا اس کے بارے میں میرا گمان غلط نکلا۔

انا کا خول

حضور اکرمؐ کے اعلانِ نبوت کے بعد جب ابوسفیان کی ملاقات ہوئی تو ازراہِ مذاق کہا اے اُمیہ تجھے جس پیغمبر کا انتظار تھا وہ ظاہر ہوگیا ہے۔ اُمیہ نے کہا کہ پھر تو وہ برحق ہے۔ اس کی پیروی کرو۔ جب پلٹ کر اس سے سوال کیا گیا تو کہنے لگا میں اپنے قبیلہ والوں سے یہی کہتا رہا کہ وہ میں ہی ہوں۔ اب کس مُنہ سے اپنی بات سے پھر جاؤں۔ اگر تو نے ان کی مخالفت کی تو میں یہ صاف دیکھ رہا ہوں کہ بکری کی طرح گردن میں رسّی ڈال کر لوگ تجھے ان کی خدمت میں لے جائیں گے اور وہ جو چاہے گا تیرے بارے میں حکم دے گا۔

لبِ بام رہ گیا

کہتے ہیں کہ کسی موقع پر اُمیّہ بن ابی الصلت حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کی شان میں قصیدہ پڑھا اور مدح سرائی کی۔ حضور اکرمؐ نے اسے سُورۂ طٰہٰ پڑھ کر سُنائی۔ بے اختیار بول اُٹھا یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا مجھ پر ایمان لے آؤ اور صراطِ مستقیم اختیار کرو۔ عرض کیا میں کوئی کام اپنے بھائی بندوں سے پوچھے بغیر نہیں کرتا۔ مشورہ کے بعد بہت جلد لوٹ آؤں گا۔ گھوڑے پر سوار ہوکر بجائے وطن کے شام کی جانب روانہ ہوا۔ ایک بہت مشہور گرجے پر پہنچا اور وہاں عبادت میں مشغول راہبوں سے صورتِ حال بیان کی۔ ان میں سے بڑے پادری نے اپنے ساتھ آنے کو کہا۔ ایک کمرے میں لے گیا۔ جہاں دیواروں پر انبیاء کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ ان سے کہا ان میں سے وہ کون ہے جس سے تو مل آیا ہے۔ اُمیّہ نے ایک شبیہہ کی جانب اشارہ کیا۔ پادری نے کہا فوراً لوٹ کر جا اور ان پر ایمان لے آ۔ یہی خاتم النبیین ہیں۔ کچھ مدت بعد جب وہ حجاز لوٹا تو غزوۂ بدر واقع ہوچکا تھا۔ جس میں قریش کے نامی گرامی سردار مارے جاچکے تھے۔ اس نے سوچا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوتے تو اپنی قوم کے اشراف کو قتل نہ کرتے۔ پھر اس نے ان کا مرثیہ لکھا اور طائف کی طرف چل دیا۔

دِل کی نافرمانی

اس کے بعد وہ ایک امیر الجفع کے پاس چلا گیا اور مدح وستائش اور عیش و عشرت میں بسر کرنے لگا۔ ایک وقت جبکہ وہ شراب نوشی میں مصروف تھے کہیں سے ایک کوّا آیا اور کائیں کائیں کرنے لگا۔ اس کی آواز سُن کر اُمیّہ کا رنگ اُڑ گیا۔ امیر نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہا اگر کوّا سچ کہتا ہے تو دورِ جام مجھ تک پہنچنے سے پہلے پروانۂ اجل آجائے گا۔ کوّے کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے امیر نے اسے اپنا ساغر پیش کیا۔ ساتھ والے نے پیالہ لے کر بڑھایا ہی تھا کہ اُمیّہ فرش پر گر پڑا۔ اس کا طائرِ جاں قفسِ عنصری سے پرواز کرچکا تھا۔ ~~~

حضرت عمر بن شریدؓ کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے سُنا ہے وہ کہتے تھے

کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ کے ساتھ سواری پر پیچھے بیٹھ کر جا رہا تھا۔ راستہ میں امیہ بن ابی الصلت کے شعر آپ کو سُنائے۔ جب کوئی شعر پڑھتا آپ فرماتے ہاں اور سُناؤ۔ یہاں تک کہ میں نے سو شعر سُنا دیئے۔ آخر میں آپ نے فرمایا وہ مسلمان ہوتے ہوتے رہ گیا۔ یہ بھی فرمایا کہ اس کا دل تو ایمان لایا مگر اس نے دل کی نافرمانی کی۔[۹]

غائبانہ تصدیق

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بیان فرماتے ہیں کہ یمن میں ایک حمیری عشکلان بن ابی العولم میرا شناسا تھا۔ میں جب تجارت کے لئے وہاں جاتا تو اس کے گھر قیام کرتا ورنہ اس سے ملاقات ضرور کرتا۔ وہ بہت ضعیف اور نیک خو تھا وہ ہر بار مجھ سے سوال کرتا کیا تمہارے پاس کوئی ایسی شخصیت پیدا ہوئی ہے جسے شرف اور بزرگی حاصل ہوئی ہو یا اس نے تمہارے دین کی مخالفت کی ہو؟ میں ہر بار اس کا نفی میں جواب دیتا۔ اب کی بار جب میں اس سے ملنے گیا تو اسے بہت ناتواں اور بیمار پایا۔ مجھے دیکھ کر بڑا خوش ہوا اور پوچھا ذرا اپنا حسب نسب تو بیان کرو۔ میں نے تفصیل بتائی تو کہا میں تجھے ایک بشارت دیتا ہوں جو تیری تجارت سے بہتر ہے۔ پچھلے مہینے اللہ نے تمہارے درمیان ایک نبی مبعوث فرمایا ہے۔ اسے تمام مخلوق پر فضیلت بخشی ہے۔ اس پر کتاب بھی نازل فرمائی ہے۔ وہ بتوں کی پرستش سے منع فرماتا ہے۔ ہمیشہ سچ کہتا ہے۔ میں نے بڑے تعجب سے پوچھا وہ قریش کے قبیلہ کا ہے؟ کہا وہ بنی ہاشم سے ہے اور رات دن تم اس کے حالات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہو۔ اے عبدالرحمٰن! فوراً واپس جاؤ اور اس کے دست حق کو تھام لو۔ اس کی صداقت کی گواہی دو۔ اس کی مدد اور نصرت میں پیچھے نہ رہو۔ میں نے ان کی شان میں کچھ شعر کہے ہیں۔ ان کی خدمت میں پہنچا دو۔

ترجمہ: "میں بلندیوں والے اللہ کی گواہی دیتا ہوں جو رات کو صبح سے پیدا کرنے والا ہے۔ ربِ موسیٰ کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ بے شک بطحا والوں کی طرف رسول ہو کر آئے ہیں۔ تو آپ اس بادشاہ کے سامنے میرے بھی

شفیع ہو جائیں جو مخلوق کی اصلاح کی طرف دعوت دیتا ہے۔"

حقیقی بھائی بند

عبدالرحمٰنؓ بن عوف فرماتے ہیں کہ یہ سُن کر مجھ سے یمن میں ٹھہرا نہ گیا۔ اپنا کام جلدی نپٹاکر مکہ کی راہ لی اور سیدھا حضرت ابوبکرؓ کے گھر پہنچا۔ حمیری کی باتیں انھیں سُنائیں اور اس کی بشارت کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے بتایا کہ وہ درست کہتا ہے۔ تم فوراً ان سے ملو اور ایمان لاؤ۔ میں جب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو تبسم کے ساتھ فرمایا۔ میں ایسا چہرہ دیکھتا ہوں جس سے مجھے بھلائی کی اُمید ہے۔ میں نے پوچھا۔ وہ کون ہے؟ فرمایا جس کا تو پیغام لایا ہے۔ وہ حمیری جس میں مومنوں کے سے خواص ہیں۔ یہ سُن کر میں نے کلمۂ شہادت پڑھا اور ایمان سے بہرہ ور ہوا۔

عشکلان کی باتیں اور اشعار سُن کر فرمایا ــ ہوسکتا ہے وہ مجھے دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لانے والا ہوا۔ اور میرا زمانہ دیکھے بغیر میری تصدیق کرنے والا ہوا۔ یہی میرے حقیقی بھائی بند ہیں۔

جنات کا ایمان

ایک دن حضور اکرمؐ مسجد قبا میں نماز پڑھ رہے تھے۔ آپؐ کے ساتھ حضرت عمرؓ ابن خطاب بھی تھے۔ اتنے میں ایک دیہاتی شتر سوار آیا اور آپؐ کو نبوّت کی مبارکباد دی۔ عرض کیا۔ یارسول اللہ! کئی سال پہلے کی بات ہے کہ میں چند لوگوں کے ساتھ حضرموت کے علاقہ میں سفر کررہا تھا۔ ہم چاندنی میں بھی راستہ بھول کر ایک پرخطر وادی میں داخل ہوئے۔ اتنے میں گریہ و زاری اور آہ و بکا کا ایک شور برپا ہوا۔ ساتھ ہی ایک آواز آئی۔ بخدا قیامت نزدیک آگئی ہے۔ آگاہ ہوجاؤ کہ آخری پیغمبر مبعوث ہوچکا ہے۔ سعید لوگ آپ کی اطاعت کریں گے۔ جو مخالفت کریں گے وہ بدبخت ہوں گے۔ ہم نے ڈرتے ڈرتے کہا اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کرے تم کون ہو اور یہ شور کیسا ہے؟ جواب ملا میں تکلان جن ہوں اور یہ جنوں کی آواز ہے جو پیغمبر قریش پر ایمان لے آئے ہیں۔ اس کے بعد سلسلۂ کلام منقطع ہوگیا۔

لالۂ صحرائی

صبح ہوئی تو ہم صحرا میں آئے اور سفر جاری رکھا۔ اتنے میں ہم نے دُور ایک شخص کو دیکھا۔ میں نے اپنے ہم سفروں کو وہیں ٹھہرایا اور گھوڑا دوڑا کر وہاں پہنچا۔ دیکھا ایک خمیدہ کمر بوڑھا زمین کھود رہا ہے۔ اسے دیکھ کر ہیبت طاری ہوگئی۔ بڑی مشکل سے میں نے کہا کہ راستہ بھول گیا ہوں۔ کچھ کھانے پینے کو ہو تو دو۔ اس نے کہا نہ میرا گھر ہے اور نہ کوئی سامان خورد و نوش۔ البتہ تم آگے پہاڑ کے فلاں غار سے نکل جاؤ تو راستہ پا جاؤ گے۔ میں نے پوچھا کہ تم کون ہو اور کیا کر رہے ہو؟ جواب دیا میرا نام عبدکلال بن یغوث الحمیری ہے۔ میں قبیلۂ ماذن میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ ان میں ایک بوڑھا ہے جو میری عمر پندرہ سو برس بتاتا ہے۔ اس نے مجھے خبر دی کہ قوم عاد کا ایک دریا اس وادی میں بہتا تھا جو اب بند ہوگیا ہے۔ میں تین سو سال سے زمین کھود رہا ہوں تاکہ اس دریا کو ڈھونڈ نکالوں۔ البتہ ایک تختی ملی ہے ذرا اس کو پڑھ کر بتاؤ تو کیا لکھا ہے؟ اس پر قوم عاد اور حضرت صالحؑ کی قوم کی مذمّت تھی۔

جائے عبرت

میرا ہاتھ پکڑ کر وہ مجھے ایک جگہ لے گیا۔ جہاں سونے کے تخت پر ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی پیشانی پر لکھا تھا شدّاد بن عادہ ستونوں والا۔ میں ہزار سال جیا۔ ہزار بیاہ کیے۔ ہزار شہر بسائے۔ ہزار خزانوں کا مالک بنا۔ ہزار لشکروں کو شکست دی۔ میں نے مشرق و مغرب پر حکومت کی لیکن میرے لئے دنیا باقی رہی اور نہ میں دنیا کے لئے رہ سکا۔ خبردار ہو جاؤ اور دنیا کے لئے مغرور مت ہو۔

انجام

پھر وہ مجھے ایک پتھر کی طرف لے گیا۔ اس کے نیچے سے ایک صحیفہ نکالا اور کہا اسے پڑھو۔ اس میں آپؐ کے ظہور کی خوشخبری اور اطاعت کی تاکید لکھی تھی۔ چلتے ہوئے میں نے اسے قسم دے کر پوچھا بتا تیری گزر بسر کیسے ہوتی ہے؟ کہنے لگا گھاس کھاتا ہوں اور بارش کا پانی پیتا ہوں۔ اس واقعہ کے

بعد دو سال تک حضرموت میں مقیم رہا۔ واپس لوٹتے ہوئے جب دوبارہ اس مقام سے گزرا تو وہاں ایک نہر بہتی دیکھی۔ علاقہ کو سرسبز و شاداب پایا۔ ایک قبر کے گرد عورتوں کو بیٹھا دیکھا۔ میں نے پوچھا عبد کلال بن یغوث کا کیا حال ہے؟ جواب ملا یہ قبر اسی کی ہے۔ کتبہ قبر پر چند شعر کندہ تھے۔ میں نے یہ اشعار حضور اکرمؐ کو سنائے۔ اسے سن کر آپؐ کے آنسو نکل آئے۔ اور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ عبد کلال بن یغوث بن سرج پر رحم کرے۔ اس کا حشر اُمّتِ واحد کی طرح ہوگا۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ وہ اپنی ذات سے ایک اُمّت ہے۔

یہ واقعہ بیان کرنے والے دیہاتی صحابی حضرت عبداللہ خفافؓ ہیں۔

سیلِ نور

حضرت عمرو بن مرۃ الجہنیؓ کا بیان ہے کہ ایام جاہلیت میں ایک بار میں زیارت کعبہ کے ارادہ سے مکہ گیا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ بیت اللہ سے ایک سیلِ نور نکلا جس میں یثرب کے پہاڑ نظر آئے۔ نور میں سے آواز آرہی تھی۔ ظلمت و تیرگی چھٹ گئی۔ ہر طرف روشنی چھاگئی۔ لوگو! سُن لو خاتم الانبیاءؐ دنیا میں مبعوث ہوگئے۔ اس کے بعد نور کا ایک اور دھارا بلند ہوا جس میں حیرہ و مدائن کے محلات دکھائی دیئے۔ اس دفعہ نور سے کوئی پکار رہا تھا۔

"اسلام ظاہر ہوگیا۔ بُت ٹوٹ گئے۔ بیگانے شیر و شکر ہوگئے۔"

میں خواب سے بیدار ہوا تو دل سہما ہوا تھا۔ واپس ہو کر میں نے اپنی قوم سے کہا۔ بخدا کوئی نئی بات مکہ میں ہونے والی ہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد میں نے اپنے گاؤں میں سُنا کہ احمدؐ نام کے ایک شخص نے اعلانِ نبوّت فرمایا ہے۔ یہ سُن کر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنا خواب انھیں سُنایا اور ان سے ایمان کی دولت لے کر اپنے گاؤں لوٹ گیا۔

حُلیہ اور نشانیاں

حضرت مغیرہؓ ابن شعبہ بیان فرماتے ہیں جن دنوں حضور اکرمؐ کی بعثت ہوئی میں طائف کے تجاروں کی ایک جماعت کے ساتھ اسکندریہ گیا ہوا تھا۔ وہاں میں

سب سے بڑے پادری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ بڑا نیک اور خدا رسیدہ انسان تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کیا انبیاء میں کوئی پیغمبر ابھی آنا باقی ہے۔ اس نے جواب دیا ہاں! ابھی ایک اور رسول آئے گا اور وہی خاتم الانبیاء ہوگا۔ پھر اس نے کہا میں تمہیں ان کی نشانیاں بتلاتا ہوں۔ ان کا حلیہ کتابوں میں یوں لکھا ہے:

وہ نہ زیادہ درازقد ہوگا اور نہ کوتاہ قامت۔ اس کا رنگ نہ زیادہ سفید ہوگا نہ بالکل سیاہ۔ اس کی آنکھوں میں سرخی ہوگی اور اس کے بال لمبے ہوں گے۔ وہ کمر میں ٹپکا باندھے گا اور شمشیر بکف ہوگا۔ وہ کسی سے خائف نہیں ہوگا۔ وہ اپنے نفس سے بھی جہاد کرے گا۔ اس کے اصحاب اس پر اپنی جانیں نثار کریں گے۔ اور وہ اسے ماں باپ، آل اولاد سے زیادہ عزیز رکھیں گے۔ اس کی سرزمین لق و دق صحرا ہوگی، جہاں گھاس بھی نہیں اُگتی۔ وہ دین ابراہیمؑ کی پیروی کرے گا۔ وہ ایک حرم سے ہجرت کرکے دوسرے حرم میں رحلت کرے گا۔

حضرت مغیرہؓ نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔ ذرا ان کی صفات کچھ اور تفصیل سے بیان کرو۔ اسکندریہ کے اسقف نے مزید کہا ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا ہے لیکن وہ تمام انسانوں کے لئے ہوگا۔ تمام رُوئے زمین اس کے لئے مسجد ہوگی۔ جب پانی میسر نہ ہوگا تو تیمم کرکے نماز ادا کرے گا۔

جب میں ایمان لایا تو یہ باتیں حضورؐ کو بتائیں۔ آپ سُن کر بہت خوش ہوئے اور اسے اپنے صحابہ کو سُنانے کا حکم دیا۔ میں نے کئی لوگوں کو یہ واقعات سُنائے۔

حسرتِ دید

حضور اکرمؐ کی بعثت کی خبر جب اکثم بن صیفی کو ملی تو آپؐ کے دیدار کا شوق دل میں پیدا ہوا۔ رختِ سفر باندھا تو اس کے قبیلہ کے لوگ آکر اس سے کہنے لگے تو قوم کا سردار اور بزرگ ہے۔ اپنے مقام سے نہ گر اور ہمیں ذلیل نہ کیجیو۔ اس نے سفر ملتوی کردیا۔ اور دو آدمیوں کو آپؐ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے روانہ کردیا۔ جب وہ لوٹے اور آپؐ کے نسب، اخلاق اور اقوال کے بارے میں اسے بتایا تو اس نے اپنی قوم کو سب سے پہلے ایمان لانے کی وصیت کی اور اس کے چند دنوں بعد وفات پاگیا۔

شام کی صبح

حضرت سفیان ہذلیؓ بیان فرماتے ہیں کہ بعثت سے کچھ قبل میں ایک قافلہ کے ساتھ ملکِ شام گیا۔ رات بھر سفر کرنے کے بعد زرقاء اور معان کے درمیان ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ صبح سویرے اچانک ایک آواز سُنائی دی۔ اے سونے والو جاگو! سونے کا وقت نہیں ہے۔ میں نے دیکھا زمین و آسمان کے درمیان ایک سوار پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ لوگو! احمد مرسلؐ کا ظہور ہوگیا ہے۔ تمام شیاطین کو بہت دُور بھگا دیا گیا ہے۔ میں فطرتاً نڈر اور دلیر تھا۔ لیکن یہ آواز سُن کر سہم گیا۔ سفر سے مکہ لوٹا تو پتہ چلا کہ قریش اور بنی عبدالمطلب میں اختلاف پیدا ہوچکا ہے۔ کیوں کہ عبدالمطلب کی اولاد میں ایک نبی مبعوث ہوئے ہیں اور ان کا اسم گرامی احمدؐ ہے۔

بُتوں کا اِقرارِ حق

عمان کے قریہ سمایا میں عتیرہ نامی ایک بُت تھا۔ اس کا مجاور مازن بن عضوبہ تھا ایک رات جب اس کے آگے قربانی ہوئی تو ایک آواز آئی۔ اے مازن! خیر ظاہر اور غالب ہوگیا۔ شر پوشیدہ اور ذلیل ہوگیا۔ قبیلہ مضر سے ایک نبی مبعوث ہوگئےؐ ہیں۔ اب پتھر سے تراشے ہوئے معبود کو چھوڑ اور جہنم کی آگ سے محفوظ ہوجا۔ میں نے بُت کے اندر سے یہ آواز سُنی تو خوف زدہ ہوگیا۔

کچھ دن بعد پھر اس پر بھینٹ چڑھائی۔ بُت نے صدا دی۔ اے مازن! میری بات غور سے سُن۔ جاہل نہ بن۔ حق کے ساتھ رسول مبعوث ہوچکے ہیں۔ ان پر ایمان لائے گا تو آگ سے محفوظ ہوجائے گا۔

مازن کہتے ہیں کہ میں نے سوچا شاید قدرت میرے ساتھ بھلائی کرنا چاہتی ہے۔ ان ہی دنوں حجاز سے ایک آدمی ادھر آنکلا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ تمہاری طرف کوئی نئی بات تو ظاہر نہیں ہوئی۔ اس نے کہا۔ ہاں، محمدؐ بن عبداللہ نبی ہوئے ہیں۔ اور لوگوں کو حق کی طرف بلا رہے ہیں۔

میں نے بُتوں کو اپنے ہاتھوں سے پاش پاش کیا۔ سواری لی اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر دولت ایمان سے مالا مال ہوا۔

RekhtaDownload.com

نورِ ہدایت

ایک بار قبیلہ خشعم کے لوگ بُت کے اطراف جمع تھے۔ اپنے جھگڑوں کے فیصلہ کا اس سے مطالبہ کر رہے تھے۔ ناگاہ ایک آواز کانوں میں آئی۔ اے لوگو! تم تو عقل سے عاری محض ڈھانچے ہو۔ احکام کو بُتوں کی طرف منسُوب کرتے ہو۔ قریب میں اللہ کے رسول کی ذات موجود ہے۔ جو مخلوق کے سردار ہیں۔ عدل وانصاف کرتے ہیں۔ ان سے نورِ ہدایت اور دینِ حق کی شعائیں پھُوٹ رہی ہیں۔ وہ بلدالحرام میں علانیہ دعوتِ حق دے رہے ہیں۔ ہم سب وہاں سے گھبرا کے اُٹھے۔ لوگوں میں اس کا چرچا ہونے لگا۔ بہت دن بعد ہمیں معلوم ہوا کہ حق کا یہ علم بردار بلدالحرام سے یثرب ہجرت کر گیا ہے۔ ہم میں سے اکثر مدینہ حاضر ہوئے اور حق کی گواہی دی۔

شہابِ ثاقب

حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ بعثت نبوی سے ایک ماہ قبل ہم بوانہ بت پر اونٹ ذبح کر رہے تھے۔ بُت کے اندر سے ایک آواز آئی۔ کوئی چلاّ چلاّ کر کہہ رہا تھا۔ عجب بات ہے سُنو! آسمانوں سے وحی کی چوری بند ہوگئی۔ جنوں پر شہابِ ثاقب برستے ہیں۔ یہ نبیؐ مکّی کی برکت ہے۔ ان نبیؐ تہامی کا نام نامی احمدؐ ہے۔ ان کا دارالہجرت مدینہ ہوگا۔ یہ آواز سُن کر سب کے سب دم بخود اور مجسّمہ حیرت بن گئے۔

آگ کے گولے

حضرت خویلد ضمریؓ کا بیان ہے کہ ہم سب اپنے قبیلہ کے بُت کے آگے بیٹھے تھے اتنے میں کسی کی چیخ و پکار اور فریاد سُنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ جنّات کا آسمانوں پر جا کر چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سُننا اور پھر آکر کاہنوں کو بتانے کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ اب ان پر آگ کے گولے برستے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لئے کہ صاحب لولاک لما کا مکّہ میں ظہور ہوچکا ہے۔ وہ نماز، روزہ، نیکی اور صلہ رحمی کا حکم دیں گے۔ مدینہ ان کی ہجرت گاہ ہوگی۔

عضباء کا شہسوار

حضرت عباسؓ بن مرداس کہتے ہیں کہ وقتِ مرگ میرے باپ مرداس نے وصیّت کی

کہ قبیلہ سُلیم کے ضمار (بُت کا نام) کی تعظیم میں کبھی کمی نہ کرنا۔ پس میں نے عزّت و برکت کی خاطر اسے اپنے گھر ہی میں نصب کرلیا۔ ہر روز اس پر نذر چڑھاتا۔ جب خاتم الانبیاء مبعوث ہوئے تو آدھی رات کو ایک خوفناک آواز سے میرا گھر گونج اٹھا۔ گھبرا کر میں پناہ لینے ضمار کے پاس دوڑا۔ آواز اسی کے اندر سے نکل رہی تھی اور کہہ رہا تھا۔ سب ہلاک ہوئے بجز ان کے جو اہلِ مسجد ہیں، ضمار بھی ہلاک ہوگیا۔ جس کی عبادت محمدؐ رسول برحق پر نزول کتاب سے پہلے کی جاتی تھی۔ میں نے اس واقعہ کو سینہ میں راز کی طرح دفن کردیا۔ جب غزدۂ خندق میں تمام قبائلِ عرب مدینے سے ذلیل و خوار ہوکر لوٹے تو میں نے سوتے میں ایک آواز سُنی۔ منگل کی رات کو نازل ہونے والا نور غضباء اُونٹنی کے شہسوار کے پاس ہے۔ اب مجھ پر حقیقت ظاہر ہوگئی۔ فوراً بارگاہِ رسالت میں پہنچا اور شہسوارِ غضباء کا ہم رکاب ہوگیا۔

لومڑیوں کی سواری

قبیلۂ ہذیل۔ سلیم اور بنوظفر کا معبودؐ سواع نامی بُت تھا جو معلّیٰ کے مقام پر نصب تھا۔ بنوظفر نے قبیلہ سلیم کی طرف سے ہدیہ پیش کرنے راشد بن عبد ربہ کو بھیجا۔ جب سفر کرکے فجر کے وقت سواع کے پاس جا پہنچا تو اس کے قریب کے بُت سے آواز آئی۔ اولادِ عبدالمطلب سے نبی ظہور ہوچکا ہے۔ وہ بُتوں کے لئے ذبیحہ اور قربانی سے منع کرتے ہیں۔ سُود خوری اور زنا کو حرام کہتے ہیں۔ آسمانوں پر پہرے بٹھادیئے گئے ہیں۔ دوسرے بُت نے کہا نبی برحق کے مبعوث ہونے پر ضمار ترک کردیا گیا۔ تیسرے نے صدا دی اس قریشی النسل نبی نے عیسیٰؑ ابن مریم کے بعد نبوّت و ہدایت سنبھال لی۔ وہ گزری ہوئی اقوام کے حالات بتاتے ہیں اور آنے والے واقعات کی خبر دیتے ہیں۔ حضرت راشد کہتے ہیں اتنے میں کہیں سے دو لومڑیاں آئیں۔ ہدایہ کو کھایا۔ اور گرد کو چاٹا اور سواع پر چڑھ کر پیشاب کردیا اور میں بے اختیار چیخ اٹھا کیا وہ رب ہوسکتا ہے جس کے سر پر لومڑیاں سوار ہوں۔ یقیناً وہ بڑی ذلت سے دوچار ہوا۔

اِنتباہ

امیرالمومنین حضرت عمرؓ ابن خطاب کے پاس حضرت سوادؓ بن قارب جو یمن کے ایک ذی حیثیت شخص تھے، ملنے آئے۔ یہ پہلے کہانت والا پیشہ کرتے تھے۔ ایک جن ان کے

تابع تھا۔ جس نے انھیں بعثت کی نوید سنائی۔ امیرالدینؓ نے فرمایا ذرا وہ واقعہ اپنی زبان سے سُناؤ۔ عرض کیا کہ میں ایک رات سویا ہوا تھا۔ کسی نے مجھے پاؤں کی ٹھوکر سے جگایا اور کہا لوی بن غالب کی اولاد سے ایک نبی مبعوث ہو چکے ہیں جو اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ اور اس کی عبادت کا حکم دیتے ہیں۔ تم میں ذرا سی بھی عقل و فہم ہے تو کہانت کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ میں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ دوسری رات پھر یہی ہوا۔ اب بھی میں نے سُنی ان سُنی کر دی۔ تیسری رات وہ جن پھر آیا اور ٹھوکر لگا کر کہا۔ میں نے تجھے بارہا متوجہ کیا کہ غفلت چھوڑ۔ تمام جن تلاشِ حق میں مکّہ کی جانب جا چکے ہیں تو کہیں پیچھے نہ رہ جائے۔

دامنِ نبوّت

صبح ہوتے ہی میں نے اُونٹنی پر پالان رکھا اور مکّہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ راستہ میں اطلاع ملی کہ رسول اللہ مدینہ ہجرت کر گئے ہیں۔ میں نے رُخ مدینہ کی طرف کر دیا۔ مسجد کے دروازے پر اُونٹنی باندھ کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض پرداز ہوا کہ میری گزارش سُن لیجئے۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو حکم دیا اسے قریب لاؤ۔ میں آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا۔ ارشاد ہوا۔ مجھے یہ تو بتا کہ تیرے تابع جن نے تجھے کیا بتایا۔ میں نے تمام سرگزشت سُنائی اور آپؐ کی شان میں قصیدہ پڑھا جس کا آخری شعر تھا۔ اے سب رسُولوں سے افضل و اکرم! آپ اس دن میرے شفیع بننا جب آپؐ کے سوا کسی اور کی سفارش نہ ہوگی۔ آپ کے علاوہ کوئی سواد بن قارب کو فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔ اس ایمان افروز قصیدہ کو پڑھ کر میں آپ کے دستِ حق پر ایمان لے آیا۔ اب آپ کا چہرہ خوشی سے چودھویں چاند کی مانند چمکنے لگا۔ حضرت عمرؓ نے مجھے گلے سے لگایا اور پوچھا کیا اب بھی وہ جن تمہارے پاس آتا ہے۔ عرض کیا جب سے تلاوتِ کلام اللہ شروع کی ہے وہ نہیں آتا۔ سچ تو یہ ہے کہ جنوں کو حاضر کرنے کے لئے پڑھے جانے والے کلمات کے عوض قرآن مجید اور فرقانِ حمید کیسا اچھا بدل ہے۔

پناہ سے معذوری

حضرت تمیم داریؓ بیان کرتے ہیں کہ میں علاقہ شام میں سفر کر رہا تھا۔ ایک رات ایک جگہ ٹھہرا تو جاہلیت کے طریقے کے مطابق جنوں کی پناہ طلب کی۔ جب لیٹنے لگا تو ناگاہ ایک ندا آئی۔ پناہ چاہتے ہو تو اللہ سے مانگو۔ جن کسی کو اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکتا۔ رسولِ امینؐ

کا ظہور ہو چکا ہے۔ ہم نے تو مقام حجون میں ان کے پیچھے نماز ادا کی ہے۔ اب جنوں اور شیطانوں کے مکر و فریب کا جال ٹوٹ گیا۔ اب ان پر شہابِ ثاقب کی مار پڑتی ہے۔ فوراً اللہ کے رسولؐ کی خدمت میں جا اور ان کے حلقہ غلامی میں داخل ہو جا۔ میں نے ساری رات آنکھوں میں بسر کر دی۔ صبح "دیر ایوب" میں ایک راہب کے پاس گیا اور سارا معاملہ کہہ سنایا۔ اس نے کہا یہ خبر بالکل سچی ہے۔ حرمِ مکہ میں پیغمبر آخر الزماںؐ کا ظہور ہو چکا ہے۔ میں ممکنہ جلدی سے وہاں سے نکلا اور بخت و سعادت سے آپؐ کی بارگاہ میں رسائی نصیب ہوئی۔

ندائے غیب

حضرت خریمؓ بن فاتک نے حضرت عمرؓ کو اپنے مشرف بہ اسلام ہونے کا واقعہ سناتے ہوئے عرض کیا کہ میں اپنے مویشیوں کی تلاش میں ابرق غراف پہنچا۔ رات آئی تو حسب روایت بلند آواز سے کہا۔ میں وادی کے اس عظمت والے جن کی شریر جنوں سے پناہ لیتا ہوں۔ ناگاہ ایک غیبی آواز گونجی۔ اے جوان! اللہ ذوالجلال کی پناہ لے جو سب کا مالک ہے۔ میں نے کہا مجھے راہِ نجات اور سبیلِ رشاد کی خبر دے۔ ندا آئی ـــ وہ اللہ کے رسول ہیں جو خیرات و فیوض کے مالک ہیں۔ نجات کے راستے کی طرف بلاتے ہیں۔ نماز اور روزے کا حکم دیتے ہیں۔ برائیوں سے منع کرتے ہیں۔ اے امیر المومنین! اس آواز نے مجھے اللہ کے رسول کے دامن سے وابستہ کر دیا۔ ۵۸

"پڑھو اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو خون کی پھٹکی سے۔ پڑھو! اور تمہارا رب تو بہت عزت والا ہے۔ اس نے ہی قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ سکھایا وہ سب کچھ جو انسان نہیں جانتا تھا۔"

مَنصَبِ نبوّت

پہلی وحی

رمضان کے دن تھے جبلِ نور کے غارِ حرا میں حاملِ بشارت سو رہے تھے کہ جبرئیلؑ آئے۔ آپ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں ایک ریشمی کپڑا ہے جس پر کچھ لکھا ہوا ہے ناموسِ اکبر نے کہا۔ "اِقراء" پڑھیے۔ آپ نے جواب دیا۔ "مَا اَنا بِقارِی" میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس پر جبرئیل نے آپ کو اپنے سینے سے لگاکر زور سے بھینچا۔ یہاں تک قوتِ برداشت جواب دینے لگی۔ ادھر ملکوتی نور جسدِ بشری کو منور کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد علیٰحدہ کیا تو پھر فرشتے نے کہا۔ "اِقراء" پڑھیے۔ آپ نے جواب میں فرمایا "مااقراء" مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ اس پر پھر اتنا دبایا کہ دم گھٹنے لگا۔ اب چھوڑا تو پھر آواز گونجی "اِقراء" پڑھیے۔ فرمایا۔ مجھے پڑھنا نہیں آتا۔ تیسری بار جب خوب بھینچا تو آپ کو قوت محسوس ہوئی۔ اب جو فرشتے نے کہا۔ "اِقراء" آپ نے فرمایا "مَاذا اِقراء" کیا پڑھوں؟ اور جبرئیل نے کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝

RekhtaDownload.com

ترجمہ: پڑھو اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو خون کی پھٹکی سے۔ پڑھو اور تمہارا رب تو بہت عزّت والا ہے۔ اُسی ہی نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا۔ اس ہی نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

فرشتہ کا پڑھایا ہوا زبان پر جاری ہوگیا۔ لوحِ دل پر نقش ہوگیا۔ غنچۂ دل نسیم وحی سے کھِل اُٹھا۔ اللہ کا پاک نام اس کا برگزیدہ کلام جو سارے علوم کی شاہ کلید ہے۔ ساری حقیقتوں کا خزانہ ہے اس کے سامنے تخلیق انسان کی حقیقت بیان کردی گئی جو رہتی دنیا تک عبد و معبود کے رشتے کو جوڑنے آیا تھا۔ وحی اولیں کے نور سے غارِ حرا جگمگا اُٹھا۔ جبلِ نور کے بخت نے یاوری کی۔ نورٌ علیٰ نور بن گیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۴۰ سال ۶ ماہ تھی۔ حضرت عیسیٰؑ کو آسمانوں پر اُٹھائے ۶۱۰ سال گزر چکے تھے۔ یہ واقعہ ۱۸۔ رمضان ۱ سنہ نبوت مطابق ۱۴۔ اگست ۶۱۰ء کا ہے۔ ۸۲؎

پہلا وضو پہلی نماز

اس کے بعد جبرئیلؑ نے زمین پر پاؤں مارا۔ جس سے پانی نمودار ہوا۔ انھوں نے رسول اللہ کے سامنے خود وضو کیا۔ حضور اکرمؐ نے بھی اسی طرح وضو کیا۔ رُوح الامین نے ایک چلو پانی اٹھایا اور حاملِ وحی کے رُوئے مبارک پر چھڑکا۔ اب جبرئیلؑ نے دو رکعت نماز چار سجدوں کے ساتھ پڑھائی اور آپؐ نے اقتدا فرمائی ۸۳؎۔ اس وقت سے آپؐ پر دو وقت فجر اور عصر کی دو دو رکعت نمازیں فرض ہوئیں۔ بعد میں معراج کے موقع پر پانچ وقت کی نماز فرض ہوئی۔ عصر کی تعداد بھی دو سے چار کردی گئی۔ لیکن سفر میں یہ ابتدائی فرضیت برقرار رکھی گئی۔ اس کے بعد جبرئیل امین آسمانوں کی وُسعتوں میں پرواز کرگئے اور حاملِ وحی رُشد و ہدایت کا آفتاب حرا سے طلوع ہوا اور پھر ؎

بزمِ عالم سے رخصت ہوئیں ظلمتیں　　جب حرا سے ہویدا ہوئی روشنی

بشارت

منصبِ نبوّت سے گرانبار ہبطِ وحی محمدؐ بن عبداللہ اپنے گھر لوٹے تو شریکِ حیات نے دلجوئی میں آپؐ کے اخلاقِ عالیہ بیان کئے۔ تسلّی دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہر آفت سے محفوظ رکھے گا۔ اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں خدیجہ کی جان ہے آپ بے شک اس کے

Rekhta Download.com

نبی ہیں۔ بشارت ہو کہ اللہ آپ کے ساتھ سوائے خیر کے اور کچھ نہیں کرے گا۔ جو منصب آپ کے پاس آیا ہے وہ حق ہے۔ یقیناً آپ اللہ کے رسول برحق ہیں۔

انھیں بے اختیار پندرہ سال پہلے کے وہ دن یاد آئے۔ جب دوپہر کے وقت آپ سفر شام سے حضرت خدیجہ کا مال لے کر لوٹے۔ اس وقت دو فرشتے آپ پر سایہ فگن تھے۔ نسطورا راہب کی باتیں جو میسرہ نے سُنائی تھیں اور جن کا تذکرہ اسی زمانے میں حضرت خدیجہؓ نے اپنے چچازاد بھائی کُتبِ آسمانی کے عالِم ورقہ ابن نوفل سے کیا تھا۔ تفصیل سُن کر کہا اگر واقعہ سچا ہے تو محمدؐ اس اُمت کے نبی ہوں گے۔ آسمانی کتابیں کہتی ہیں کہ ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ اس کے ظہور کا یہی زمانہ ہے۔ تھوڑی دیر مُراقبہ کرنے کے بعد کچھ شعر پڑھے جن کا ترجمہ ہے:

نذرانۂ عقیدت

۱- میں نے اپنی تمام تر توجہ اس کی جانب مبذول کر رکھی ہے جو پتھریلی، نشیبی، اونچی زمینوں اور ہموار میدانوں میں رہنے والوں میں سے بہترین ہے۔

۲- احمدؐ بن عبداللہ پتھریلی زمین کی وادیوں کے جملہ رہنے والوں کی طرف اللہ کے رسول ہیں۔

۳- ان کے بارے میں میرا گمان ہے کہ عنقریب وہ صداقت کے ساتھ مبعوث کئے جائیں گے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے دو بندوں ہودؑ اور صالحؑ کو مبعوث فرمایا۔

۴- جس طرح موسیٰؑ اور ابراہیمؑ کو مبعوث کیا گیا۔ یہاں تک کہ اس کے محاسنِ محامد واضح ہو جائیں گے۔

۵- قبیلۂ لوئی کے جوان اور بوڑھے سردار بحیثیت مجموعی اس کا اتباع کریں گے۔

۶- کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب لوگ اس کا زمانہ پائیں گے۔ میں اس کے لئے محبت کی بشارت دینے والا ہوں۔

۷- ورنہ اے خدیجہ! جان لے کہ میں اب تمہاری اس زمین سے آخرت کی طویل اور وسیع زمین کی طرف سفر کرنے والا ہوں۔

کتبِ آسمانی کے عالم ورقہ ابن نوفل کی ان بشارتوں نے حضرت خدیجہؓ کے دل میں اس دولتِ لازوال کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی تمنا بیدار کی تھی۔

چراغِ حرم

برسوں پہلے کے خواب کی تعبیر مل رہی تھی۔ جبلِ نور کے غارِ حرا سے منصب نبوت پر فائز ہو کر چراغِ حرم "دارِ خزیمہ" کو منور کرنے لگا تو حضرت خدیجہؓ نے حضرت جبرئیلؑ کے بارے میں اپنی تشفی کرنی چاہی۔ سردارِ مکہ عتبہ بن ربیعہ کا ایک نصرانی غلام عداس تھا جو طائف میں اس کے باغوں کا نگراں تھا وہ اصل میں نینوئی کا رہنے والا تھا۔ جہاں حضرت یونسؑ مبعوث ہوئے تھے۔ اتفاق سے وہ ان دنوں مکہ میں تھا۔ حضرت خدیجہؓ اس کے پاس گئیں اور فرمایا مجھے ذرا جبرئیلؑ کے بارے میں کچھ بتانا۔ عداس نے جبرئیل کا نام سنتے ہی کہا قدوس، قدوس یعنی سُبحان اللہ! ان بُت پرستوں کی سرزمین میں جبرئیلؑ کا ذکر۔ وہ تو امین ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے مابین سفیر ہیں۔ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے خلوت نشین ہیں۔[۲۳]

بینا نابینا

اس کے بعد وہ ورقہ ابن نوفل کے پاس گئیں جو توریت اور انجیل کے ماہر تھے۔ وہ ان کی عبرانی زبان میں کتابت کرتے تھے۔ انجیل کو سریانی زبان میں لکھا کرتے تھے۔ اس کا سریانی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا کرتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں بُت پرستی سے بیزار ہو کر نصرانی بن گئے تھے۔ اب بہت ضعیف اور کمزور ہو گئے تھے۔ بینائی بھی جاتی رہی تھی۔

حضرت خدیجہؓ نے ان سے پوچھا۔ مجھے جبرئیلؑ کے بارے میں کچھ بتائیے۔ ورقہ نے کہا کون "قدوس، قدوس" ایک دوسری روایت کے مطابق "سبوح، سبوح"۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا۔ ہاں! میرے شوہر کہتے ہیں کہ ان پر جبرئیل نازل ہوئے ہیں اور اس کی کیفیت بھی بتلاتے ہیں۔ یہ سُن کر ورقہ نے کہا کہ اگر جبرئیل اس زمین پر اُترے ہیں تو اللہ تعالیٰ بہت خیر و برکت نازل کرے گا۔ تم سچ کہتی ہو تو تحقیق ان کے پاس وہی فرشتہ آیا ہے جو حضرت عیسیٰؑ کے پاس آیا تھا۔ اے خدیجہ! یہ وہی "ناموسِ اکبر" ہے جو ان سے پہلے حضرت موسیٰؑ پر بھی نازل ہوا تھا۔[۲۴]

ناموس

ناموس، خیر کی خبر لانے والے کو کہتے ہیں۔ شر کی خبر لانے والا جاسوس کہلاتا ہے۔

عالمِ بالا سے وحی لانے والے فرشتے کو بھی ناموس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ناموس کے معنی کچھ مفسّرین نے "قابلِ اعتماد" لکھے ہیں۔ بعض حضرتِ جبرئیلؑ کو ناموس کا نام دیتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیق ہے کہ "ناموس" اصل میں ایک اجنبی لفظ ہے جو مُعَرّب ہو کر عربی زبان میں مستعمل ہوا ہے۔ یہ یُونانی زبان کا لفظ "نوموس" NOMOS ہے۔ جس کے معنی توریت ہیں۔ اس طرح ورقہ بن نوفل کا مطلب یوں واضح ہوتا ہے کہ یہ چیز حضرت موسیٰؑ کی توریت سے مشابہ ہے۔ یہی معنی زیادہ قرین قیاس ہیں۔ ؎

امتحان

ورقہ ابن نوفل نے حضرت خدیجہؓ سے یہ بھی کہا کہ تم چاہو تو انھیں شیطان سے تمیز بھی کر سکتی ہو؟ جب محمدؐ انھیں دیکھ رہے ہوں تو تم اپنے سر کے بال کھول کر بے تکلفی کا اظہار کرنا۔ اگر جبرئیلؑ ہوں گے تو پھر دِکھائی نہ دیں گے۔ حضرت خدیجہؓ نے حضورؐ سے عرض کیا کہ جب جبرئیلؑ آئیں تو مجھے اطلاع دیجئے۔ ایک دن ان کی آمد پر آپ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ جبرئیلؑ آئے ہوئے ہیں۔ حضرت خدیجہؓ نے درخواست کی کہ آپ میری بائیں جانب تشریف لے آئیں۔ جب آپ قریب بیٹھ گئے تو آپ نے پوچھا کیا آپ کو جبرئیل دِکھائی دے رہے ہیں؟ فرمایا "ہاں"! پھر آپ کو دائیں جانب کیا۔ آپ اب بھی دیکھتے ہیں؟ فرمایا "ہاں"! اس پر حضرت خدیجہؓ نے اپنے بال کھول دیئے اور اوڑھنی بھی اتار دی۔ کچھ بے تکلفی کے بعد پوچھا۔ کیا وہ اَب بھی موجود ہیں؟ فرمایا "نہیں" وہ اب چلے گئے ہیں۔ حضرت خدیجہؓ نے گواہی دی کہ مُبارک ہو وہ جبرئیل ہی آئے تھے۔ اور وہ جو کچھ لائے ہیں وہی حق ہے۔

نمودِ نبوّت

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے ہبطِ وحیؐ کو حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ ورقہ ابن نوفل کے پاس روانہ کیا۔ حضورؐ نے تفصیل بیان فرمائی۔ یہ بھی فرمایا جب میں تنہا رہتا ہوں تو "یامحمد یامحمد" کی ندا سُنتا ہوں۔ اِدھر اُدھر دیکھتا ہوں تو کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ اور گھبرا کر بھاگنے لگتا ہوں۔ ورقہ نے کہا اب جبکہ ایسی صدا آئے تو اپنی جگہ قائم رہئے۔ اور آواز پر دھیان دیجئے پھر جو کچھ سُنائی دے مجھے آکر بتایئے۔

ایک بار خلوت میں وہی آواز سنائی دی۔ کہنے والے نے کہا "یا محمدؐ!

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ

میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں۔ اس کا کوئی شریک

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔

اس کے بعد اس نے کہا۔ پڑھئے۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ الحمد للہ رب العالمین ....
...... ولا الضالین۔" یہ پڑھا کر وہ غائب ہوگیا۔

آپؐ نے ورقہ سے سارا حال بیان فرمایا۔ ورقہ نے کہا آپ کو مبارک ہو۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ وہی نبی ہیں جس کی بشارت حضرت عیسیٰؑ ابن مریم نے دی ہے۔ ۵۸

آرزوئے نصرت

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ خود اپنے ساتھ لے گئیں اور عرض کیا کہ سارا واقعہ خود اپنی زبان سے بیان فرمایئے۔ ورقہ نے جب آپ کا کلام سُنا تو سُنتے ہی حق کا یقین آگیا۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ ورقہ نے کہا آپ کو بشارت ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی نبی ہیں جن کی حضرت مسیح ابن مریمؑ نے بشارت دی ہے۔ آپ مثل موسیٰؑ علیہ السلام کے نبیؐ مرسل ہیں اور آپ کو عنقریب اللہ کی طرف سے جہاد کا حکم کیا جائیگا۔ اس نے کہا کہ یہ وہی ناموس ہے۔ جو موسیٰؑ پر اترا تھا۔ کاش میں آپ کے زمانۂ رسالت میں قوی اور توانا ہوتا۔ اے کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔ حضورؐ نے بے اختیار پوچھا۔ کیا وہ مجھے نکال دیں گے۔ ورقہ نے کہا۔ ہاں! ہر اس شخص سے جو آپ جیسی چیز لے کر آیا ہمیشہ دشمنی کی گئی۔ اگر مجھے آپ کا وہ زمانہ نصیب ہوا تو ہر طرح آپ کی مدد کروں گا۔

جب نبیؐ مرسل ورقہ ابن نوفل سے رخصت ہونے لگے تو چلتے وقت انھوں نے آپ کے سر اقدس کو بوسہ دیا۔

پہلی وحی کے نزول کے ساتھ ہی حضور اکرمؐ کو اپنے منصب و مقام کا علم ہوچکا تھا۔ ورقہ کے پاس آپ کا تشریف لے جانا حضرت خدیجہؓ کی خواہش کے احترام کے ساتھ ساتھ تبلیغ کے آغاز کا مرحلہ بھی تھا۔ جس کے لئے قدرت نے ورقہ ابن نوفل کو ابتدائی کڑی بنایا۔

منصبِ نبوّت کے علم کے بعد تصدیقِ نبوّت کرنے والوں کی ضرورت تھی۔ یہ سعادت حضرت خدیجہؓ اور ورقہ کے حصہ میں آئی۔ ورقہ نے تصدیق بھی کی اور جذبۂ نصرت کی آرزو بھی۔

نبوّت کا پہلا قصیدہ

اس ملاقات کے بعد آپ کی شان میں ورقہ نے ایک قصیدہ بھی کہا:

ترجمہ:

۱۔ خدیجہؓ سے مختلف اوصاف معلوم کرنے کے بعد مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا مجھے عرصۂ دراز سے انتظار تھا۔

۲۔ مجھے یہی اُمید تھی کہ یہ نبی مکّہ یا مدینہ میں مبعوث ہوں گے۔ اب تمہاری بات سُن کر مجھے یقین ہوگیا ہے۔

۳۔ بات یہ ہے کہ محمدؐ اپنی قوم کا سربراہ ہوگا اور اپنے مخالفین پر محبت سے غالب آئے گا۔

۴۔ شہروں میں ہدایت کا نور اور روشنی پھیل جائے گی اور مخلوق کو اضطراب کے بجائے سکون نصیب ہوگا۔

۵۔ ان سے لڑائی کرنے والے خائب و خاسر اور صلح وصفائی رکھنے والے فوز و فلاح سے ہمکنار ہوں گے۔

۶۔ اے کاش! مجھے وہ وقت نصیب ہو جب ان کی قوم ان کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرے گی تو میں انھیں ان کے مقام سے آگاہ کروں گا اور معتمد علیہ ثابت ہوں گا۔

۷۔ میں ضرور اس دین میں داخل ہوجاؤں گا جسے قریش خواہ پسند نہ کریں اور چیخ چیخ کر مکّہ سر پر اُٹھالیں۔

۸۔ جس بات کو تمام قریش ناپسند کرتے ہوئے پستی میں گر جائیں گے۔ مجھے اُمید ہے اسے اختیار کرکے عرش والے تک رسائی حاصل کی جاسکے گی۔

۹۔ اگر یہ باقی رہے اور میں بھی رہا تو ہم یقیناً ایسے اُمور ملاحظہ کریں گے جن کی وجہ سے کافروں کو نالہ و شیون کرنا پڑے گا۔

۱۰۔ اور اگر میں چل بسا تو ہر نوجوان کو بالآخر ایسے امور کا سامنا کرنا پڑے گا جو اس کی وفات پر منتج ہوں گے۔ ﷺ

اس کے چند دنوں بعد ورقہ کی وفات ہوگئی چونکہ انھوں نے آپ کی نبوّت کی

تصدیق کی نیز آرزوئے نصرت بھی۔ اس لئے اکثر آپ کو صحابی کے مرتبہ پر فائز سمجھتے ہیں۔

ورقہ بن نوفل کی رحلت کے بعد اُمّ المومنین حضرت خدیجہؓ نے رسول اللہ سے ان کے بارے میں دریافت کیا۔ فرمایا میں نے ان کو خواب میں سفید لباس پہنے دیکھا ہے اور یہ ایمان کی علامت ہے۔

ایک اور موقع پر فرمایا کہ میں نے قس (عیسائی دانش مند، حکیم یا پیشوائے دین یہاں مُراد ورقہ ابن نوفل) کو جنّت میں دیکھا کہ سبز لباس پہنے ہیں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان لائے اور میری تصدیق کی۔

حق کے مُتلاشی

اس ملاقات کو زیادہ دن نہیں گزرے کہ ورقہ نے داعئ اجل کو لبیک کہا۔ یہ مکّہ کے اس حلقہ کے بیٹھنے والوں میں سے ایک تھے جو علما، یہود و نصاریٰ کی کی صحبت سے استفادہ کرکے بُت پرستی اور دینِ جاہلیّت سے بیزار رسولِ آخریں کے ظہور کے مُنتظر تھے۔ ان ہی میں مکّہ کے زید بن عمرو بن نفیل (حضرت عمرؓ کے چچا) عثمان بن حریث اور عبیداللہ بن جحش شامل ہیں۔ مکّہ کے باہر بنی غفار کا سردار ابوذر اور عرب کے باہر سلمان فارسی ایسے ہی جویائے حق تھے۔

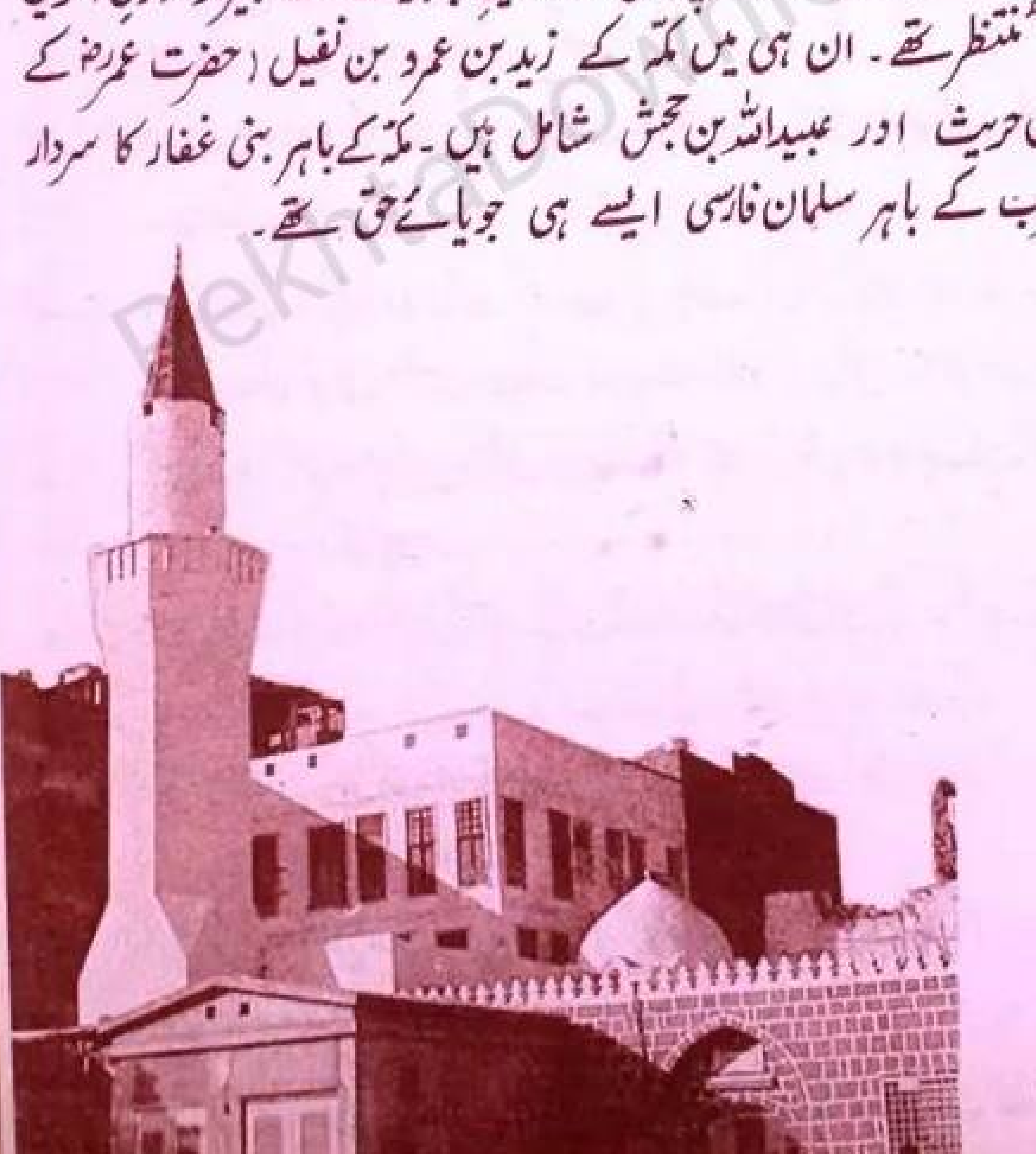

مسجد علیؓ

خُفیہ دعوت و تبلیغ
کے اِبتدائی تین سال

مُعلّمِ کتاب و حکمت

جبلِ نور کے غارِ حرا میں الصادق الامینؐ لیکن ایک اُمّی پر پہلی وحی کا نزول ہوا۔ حکم آیا پڑھنے کا اس کے لئے جو حرف ناشناس تھا۔ سیدالملائکہؑ نے پڑھا۔ سید البشرؐ نے سُنا اور دُہرایا۔ اُمّی کو علم سمع کے ذریعے عطا ہوا۔ تمام عمر اسی طرح دریائے علم بہتا رہا۔ لوح و قلم سے نابلد مُعلّمِ کتاب و حکمت بن گیا۔ وحیٔ اوّل نے انسان کا درجہ کتنا بلند کردیا۔ اُمّی ذاتِ اقدس کو جو پہلا حکم دیا گیا وہ ہے "اِقراء" اس سے عِلم اور نبوّت کے رشتہ کا بھی پتہ چلتا ہے اور انسان کو اپنے مقصدِ حیات کا صحیح عِلم بھی ہوتا ہے۔

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہُدیٰ کا

اِقراء، سامی لفظ ہے۔ قراء عربی میں بولنا ہے نہ کہ لکھی ہوئی چیز کا پڑھنا۔ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ہونے والے رسول پڑھے لکھے نہیں ہیں۔ لیکن فرشتے نے ریشمی نوشتہ پڑھنے پر مجبور کیا۔ "اِقراء باسم ربک" کے معنی وہی ہیں جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ہیں۔ بعض سُورتوں میں قل اور اتل بھی بولنے کے معنی میں آئے ہیں۔

رب۔ آقا۔ پالنہار۔ ترقی کی منزلوں کی طرف لے جانے والا۔

خلق۔ عدم سے وجود میں لانا۔

انسان۔ انس و محبّت کا پیکر۔ پہلی وحی میں جسے انسان کہا گیا اسے بعد میں آدم کے نام سے یاد کیا گیا۔

علق۔ جما ہوا خون، جس سے انسان رحمِ مادر میں پرورش پاکر جنم لیتا ہے۔

الاکرم۔ نہایت ہی کریم آقا۔ اس سے پہلے صرف عادل اللہ کا تصوّر تھا، اکرم کا نہ تھا۔

عَلَّمَ۔ حقیقی علم دینے والا اللہ ہے۔ جس کو یہاں علم کہا گیا ہے۔ بعد میں اسے کتاب و حکمت کا نام دیا گیا۔

قلم۔ ذریعۂ علم، حقیقی ذریعۂ علم ــــــ عقل، تجربہ اور مشاہدہ ہے۔ جو قلم کے ذریعہ محفوظ ہوجاتا ہے۔ قلم ہاتھ کی زبان ہے، دل کا ایلچی۔ یہ بھیدوں کا ظاہر کرنے اور نشانیوں کی حفاظت کرنے والا ہے۔ نبی قلمِ الٰہی ہے۔

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ــــــــ سے ثابت ہے کہ اللہ ہی نے علم کا راستہ دکھایا ہے۔ ہبوطِ آدم یعنی آدم و حوّا کا جنّت سے زمین پر بھیجا جانا علم کا پھل کھانے کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ قبل از وقت علم حاصل کرنے کی خواہشِ نفسانی نے انہیں یہ دن دکھائے[99]

اُمّی کا سینہ نزولِ وحیٔ اوّل کے ساتھ ہی علم کا گنجینہ بن گیا۔ سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیات سے محمدؐ بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوّت کا آغاز ہوتا ہے۔ اور سورۃ المدثر کی ابتدائی سات آیات سے رسالت کی ابتدا ہوتی ہے۔

اوّل اہلِ قبلہ

نورِ نبوّت سے مُستنیر چہرے پر رُوئے زمین کی سب سے پہلی نظر ڈالنے والی ہستی ایک عورت کی ہے۔ اللہ کے آخری رسول پر ایمان لانے والی پہلی خاتون۔ خلوت و جلوت کی رفیق، ہمکار و ہمراز، محرمِ زندگی، شریکِ حیات " لَعَلیٰ خُلُقٍ عظیم " (بلاشبہ آپ اخلاقِ حسنہ کی بلندیوں پر فائز ہیں) کی ربانی شہادت پر دہلیزِ نبوّت پر قدم رکھتے ہی اس کی تصدیق کرنے والی پہلی ہستی۔ مہبطِ وحی، خیر البشرؐ ہیں اور مصدقِ وحی خیر النساءؓ۔ پیر کے دن آپؐ منصبِ نبوّت پر فائز ہوئے۔

اسی شام پہلے رکوع و سجود کی امام الانبیاءؐ کے ساتھ سعادت حضرت خدیجہؓ کو حاصل ہوئی۔ اوّل اہلِ قبلہ آپ بنیں۔ ماں کے ساتھ تمام بیٹیاں بھی ایمان لے آئیں۔ حضرت خدیجہؓ کے

پاس جبرئیلِ امینؑ اللہ کا سلام لے کر آئے تو کیا تعجب، ان کی فضیلتیں بے شمار۔ اسی لئے وہ خدیجۃ الکبریٰ ہیں۔ روئے زمین کی پہلی مومنہ ہیں۔ نبوّت کی تیرہ سالہ مکّی زندگی میں دس سال مونس و غمگسار بھی رہیں اور مشیر و شریکِ کار بھی۔ مال و متاع ہی نہیں نقدِ جان بھی نثار کر دیا۔ ہر آزمائش و ابتلا کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا نیز آخری سانس تک حاملِ نبوّتؐ کی سینہ سپر رہیں۔

نبیوں میں بہت کم ایسے ہوئے ہیں کہ جن پر ان کے قریب ترین رشتہ داروں نے ایمان لایا ہو۔ حضرت نوحؑ کی بیوی اور بیٹا ایمان نہیں لائے۔ حضرت عیسیٰؑ کے بھائی مخالفوں میں سے تھے۔ ان کے قریب ترین حواریوں کا عقیدہ بھی راسخ نہ تھا۔

اوّلُ المسلمین

بعثت کے دوسرے دن حضرت علیؓ نے حضرت خدیجہؓ کو رسول اللہؐ کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھا۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ اللہ کا دین ہے۔ یہی دین لے کر پیغمبر دنیا میں آئے۔ مَیں تم کو اللہ کی طرف بُلاتا ہوں۔ اسی کی عبادت کرو۔ رات گزرنے نہ پائی تھی کہ اللہ نے ان کے دل میں اسلام کو ڈال دیا۔ صبح ایمان لے آئے۔ مگر اسے ایک سال تک اپنے والد سے چھپائے رکھا۔ (بحوالہ البدایہ والنہایۃ۔ سیرت مصطفےٰ جلد اول صہ ۱۳۴۔ محمد ادریس کاندھلوی)

اس وقت آپ کی عمر کیا تھی؟ اس میں اختلاف ہے۔ جن لوگوں نے چاہا کہ آپ کی عمر بوقت قبولیتِ اسلام عقل و شعور کے ساتھ ثابت کریں انھوں نے زیادہ سے زیادہ پندرہ سال بتانے کی کوشش کی۔ جنھوں نے چھوٹے اور نادان بچے کا اسلام ظاہر کیا انھوں نے پانچ برس لکھی۔ متواتر اور صحیح روایت یہ ہے کہ اس وقت حضرت علیؓ کی عمر آٹھ اور دس برس کے درمیان تھی۔ یہی عمر حضورؐ کی بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ کی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ عمر کی کمی بیشی سے حضرت علیؓ کے مناقب اور فضائل میں کمی نہیں آسکتی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سابقون الاوّلون میں بھی سرفہرست ہیں۔ دراصل حضورؐ کے اخلاقِ حسنہ سے وہ لوگ سب سے زیادہ متاثر تھے جو آپ سے زیادہ قریب تھے۔ چنانچہ آپؐ پر ایمان لانے والوں میں جنھوں نے سبقت کی ان میں زوجہ محترمہ، چاروں صاحبزادیاں، آپ کے غلام زیدؓ ابن حارثہ، آپؐ کے زیرِ پرورش کم عمر چچازاد بھائی علیؓ ابن ابی طالب اور جگری دوست ابو بکرؓ ابن ابی قحافہ شامل ہیں۔

حضرت علیؓ

آپ کی کُنیّت ابوالحسن اور ابُوتراب تھی۔ ابوتراب حضورؐ نے فرمایا تھا۔ ہجرت کی شب بسترِ رسول پر سوئے جبکہ کاشانۂ نبوت ننگی تلواروں سے گھرا ہوا تھا۔ حضورؐ نے یہ فرماکر زندگی کی ضمانت دے دی تھی کہ صبح کو سب کی امانتیں لوٹاکر میرے پاس مدینہ چلے آنا۔ سوائے غزوۂ تبوک کے ہر غزوہ میں دادِ شجاعت دی۔ اس موقع پر ارشاد ہوا تھا کہ کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰؑ کے لئے ہارونؑ۔ البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں بن سکتا۔ خیبر کی فتح میں نمایاں کردار ادا کیا۔ غزوۂ بدر ۲ ہجری کے بعد حضرت فاطمہؓ دخترِ رسول سے عقد ہوا۔ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اس لئے اکثر کتابتِ وحی کا شرف حاصل ہوا۔ صلح نامہ حدیبیہ آپ ہی نے تحریر فرمایا تھا۔

لاکھ آزادیاں اِک تیری غلامی پہ نثار

خانوادۂ نبوّت کے تیسرے فرد جنھیں آزاد کردہ غلاموں میں اوّل المسلمین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ وہ آپؐ کے آزاد کردہ غلام اور مُنہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ ابن حارثہ ہیں۔ یمن کے قبیلے بنو قضاعہ کے سردار حارثہ ابن شراجیل کے لختِ جگر تھے۔ سفر کے دوران ڈاکوؤں نے اغوا کرلیا۔ عکاظ کے بازار میں داموں بِکے تو حکیم بن حزام نے خرید لیا اور اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے حوالے کیا۔ حضرت خدیجہؓ نے شادی کے بعد انھیں حضورؐ کی خدمت کے لئے وقف کردیا۔ اس وقت حضرت زیدؓ کی عمر ۱۵ سال تھی۔ بیوی کے بعد درونِ خانہ حالات سے یہی سب سے زیادہ واقف تھے۔

بہت دنوں بعد اُن کے والد حارثہ اور چچا کعب کو پتہ چلا تو وہ حاضرِ خدمت ہوئے۔ اور فدیہ دے کرلے جانا چاہا۔ حضورؐ نے فیصلہ زید ہی پر چھوڑا۔ انھوں نے باپ کے ساتھ جانے سے انکار کردیا۔ تب حضورؐ نے عرب کے دستور کے موافق حرم کعبہ میں حطیم میں اعلان فرمایا۔ لوگو! گواہ رہنا آج سے زید میرا بیٹا ہے۔ یہ میرا وارث ہے، میں اس کا وارث ہوں۔ اس دن سے سورہ احزاب کی ممانعت ”لوگوں کو اپنے باپوں کے ناموں سے پکارا کرو“ تک وہ زیدؓ ابن محمدؐ کہلاتے تھے۔ ایمان لانے کے بعد سے غزوۂ موتہ جمادی الاول ۸ھ میں شہادت تک ہمیشہ حضورؐ کے ساتھ رہے۔ حضورؐ انھیں بے حد چاہتے تھے۔ اسی لئے

"حُبِّ رسول" کے لقب سے مشہور ہوئے۔

مُنفرد اعزاز

ان کی پہلی شادی حضورؐ کی کھلائی اُمِّ ایمنؓ سے ہوئی۔ جن سے حضرت اسامہؓ پیدا ہوئے۔ اسی لئے ابو اسامہ کُنیت تھی۔ ان کے بعد حضورؐ کی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ بنت جحش سے نکاح ہوا۔ تفاوتِ مزاج کی بنا پر طلاق ہوگئی۔ وحیِ الٰہی سے حضورؐ نے حضرت زینبؓ سے عقد فرمایا۔ اس کی وجہ عرب کا قدیم رواج توڑنا تھا۔ جس میں لے پالک کی بیوی کو حقیقی بیٹے کی بیوی کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ اسی موقع پر سُورۂ احزاب کی آیت نازل ہوئی۔

فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْھَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَھَا لِکَیْ لَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِھِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْھُنَّ وَطَرًا ؕ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ مَفْعُوْلًا ○

ترجمہ:- "پھر جب زید نے اس سے (کوئی) حاجت (متعلق) نہ رکھی (یعنی اس کو طلاق دے دی) تو ہم نے تم سے اس کا نکاح کردیا، تاکہ مومنوں کے لئے ان کے مُنہ بولے بیٹوں کی بیویوں (کے ساتھ نکاح کرنے کے بارے) میں جب وہ ان سے (اپنی) حاجت (متعلق) نہ رکھیں کچھ تنگی نہ رہ جائے۔"

صحابۂ کرام میں وہ واحد اور منفرد صحابی ہیں جن کا نام اللہ کی آخری کتاب میں آیا ہے۔ یہ ہزار فضیلتوں کی ایک فضیلت ہے۔ جس کا اعتراف تلاوتِ قرآن کے ساتھ قیامت تک ہوتا رہے گا۔

اِن تینوں کا حضورؐ کی نبوّت پر ایمان لانا گویا دل کی شہادت کو زبان سے ادا کرنا تھا۔

آں کلیمِ اوّلِ سینائے ما

جب تمام اہلِ بیت ایمان لاچکے تو نبیِ مرسل کے ہمدم، دیرینہ ہم پیشہ و ہم مشرب سفرِ یمن سے لوٹتے ہی یہ نوید جانفزا سُن کر آئے اور تصدیقِ نبوّت کی۔ عُلمار نے لکھا کہ مندرجہ بالا افراد کا تقدّم موجبِ فضیلت نہیں۔ کیونکہ حضرت خدیجہؓ بیوی تھیں۔ حضرت علیؓ زیرِ کفالت اور کم سن تھے۔ حضرت زیدؓ ابن حارثہ آزاد کردہ غلام تھے۔ اس کے برخلاف حضرت ابوبکرؓ "رِجالِ احرار" یعنی آزاد مَردوں میں سب سے پہلے تھے، بنی تیم کے سردار تھے۔ ذی اثر، ذی حشم

اور ذی ثروت تھے۔ قریش کے خون بہا، ضمانت اور تاوان کے مقدمے فیصل کرتے تھے۔ سلیم الطبع صاحب الرائے اور حلیم و بُردبار تھے۔ ان کا بلا کسی تردّد اور دباؤ کے اسلام لانا موجبِ صد فضیلت تھا۔ اپنے تمام قبائلی امتیازات کو داؤ پر لگاکر معاصرِ رفیق کا اُمتی بن کر غیر معمولی تفاوت قبول کرلیا۔ جو حضورؐ کی بلند کرداری اور صداقت کی پختہ دلیل ہے۔ اسی لئے ارشادِ نبوی ہے کہ میں نے جس کسی پر اسلام پیش کیا وہ اس سے کچھ نہ کچھ ضرور جھجکا بجز ابوبکرؓ کہ انھوں نے اسلام قبول کرنے میں ذرّہ برابر بھی توقف نہیں کیا۔ تصدیقِ نبوّت کے ساتھ ہی تبلیغ میں لگ گئے اپنے ایمان کو کسی سے مخفی نہیں رکھا۔ آپ کی کوششوں سے عشرہ مبشرہ کی دس میں سے پانچ ذی مرتبت ہستیوں نے دعوتِ اسلام پر لبیک کہا۔ ان میں حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ رضوان اللہ اجمعین ہیں۔ یہ سب کے سب قریش کی مُعزّز شخصیتیں تھیں۔

صِدّیق

حضرت ابوبکرؓ مکّہ کے مالدار تاجر تھے۔ جہاں دیدہ اور تجربہ کار، ایمان لائے تو اپنا سارا سرمایہ نشر و اشاعت اسلام کے لئے وقف کردیا۔ ہر نازک لمحے اور سخت مقام پر رفاقت کا حق ادا کیا۔ معراج کی صبح کفار کے پوچھنے پر بلا پس و پیش اس محیّر العقول واقعہ کی تصدیق کی اور لسانِ وحی ترجمان سے "صدّیق" لقب پایا۔ ہجرت کے خطرناک سفر میں ہم رکابی، غارِ ثور میں "ثانی اثنین" اور گوشۂ گور میں رفیقِ قبر بننے کی سعادتوں سے ہمکنار ہوئے۔

حرم میں نماز

بعثت کے بعد ایک بار اللہ کے رسول نے حرمِ کعبہ میں نماز پڑھی۔ لات و عزّیٰ کے پجاریوں نے بڑی حیرت سے عبادت کا یہ نیا انداز دیکھا۔ ہر طرف اس کا چرچا ہونے لگا۔ ایک دن ابوجہل نے بھی دیکھا اور سختی سے منع کیا کہ اس طریقہ عبادت سے باز رہیں۔ حضورؐ نے بڑی اعتنائی سے اسے جھڑک دیا۔ نخوت و کبر کا پتلا چلاّ اٹھا۔ "اے محمدؐ! تم مجھے جھڑکتے ہو۔ تمہارے سامنے نوجوان سواروں سے جنگل بھردوں گا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ مکّہ میں مجھ سے بڑا جتھے والا اور بااثر کوئی نہیں۔" لوگوں سے کہنے لگا اگر محمدؐ کو پھر کبھی اس طریقے سے عبادت کرتے دیکھا تو ان کی گردن کچل دوں گا اور چہرہ خاک میں ملادوں گا۔

چند دن بعد اس وقت حرم میں پہنچا کہ ہادیٔ برحقؐ اپنے رب کے حضور سربسجدہ تھے۔ ابوجہل یہ دیکھ کر آگ بگولہ ہوگیا۔ تیزی سے لپکا کہ گردن پہ پاؤں رکھ دے۔ قریب پہنچا تو اُلٹے پاؤں پلٹا۔ صحنِ کعبہ میں جمع لوگ بڑی حیرت سے اس کی بوکھلاہٹ دیکھ رہے تھے۔ ایک سردار نے بڑھ کر پوچھا۔ ابن ہشام! یہ بدحواسی کیسی؟ کہا عجیب منظر دیکھا ہے۔ میرے اور محمدؐ بن عبداللہ کے درمیان آگ حائل ہوگئی۔ ایک خونخوار پرندہ مجھ پر لپکنے ہی کو تھا۔ جانے مجھے کیا ہوگیا۔ یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ ابوجہل خفگی اور خجالت سے مُنہ چُھپاتا پھرنے لگا۔ سورہ علق کی آیت ، میں اس واقعہ کی جانب اشارہ ہے۔ "اے پیغمبر! کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو بندۂ خاص کو منع کرتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے، جس کا اللہ نگہبان ہو۔ اس کا کون بال بیکا کر سکتا ہے"۔ ۹۱

اے کاش!

عفیف کندیؓ کا بیان ہے کہ میں عطر کی تجارت کرتا ہوا حج کے لئے مکہ آیا۔ میدانِ منیٰ میں حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب کے خیمہ کے قریب میرا خیمہ تھا۔ ان سے میں اشیاء کی خریداری میں مصروف تھا کہ قریب کے نصب شدہ خیمہ سے ایک شخص برآمد ہوا۔ اچھی طرح وضو کیا۔ وقت کا اندازہ لگانے سورج کی طرف دیکھا پھر نماز شروع کردی۔ اتنے میں ایک عورت خیمہ سے نکلی اور ان کے پیچھے کھڑی ہوگئی۔ پھر ایک نوخیز لڑکا بھی خیمہ سے نکلا اور ان کے ساتھ کھڑا ہوگیا۔ میں نے عباسؓ سے پوچھا یہ کون ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟ کہا یہ میرا بھتیجا محمدؐ بن عبداللہ ہے۔ وہ خاتون ان کی بیوی خدیجہؓ بنت خویلد اور نوجوان علیؓ ابن ابی طالب ہیں۔ یہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ محمدؐ کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہیں اور اس کی تصدیق اب تک ان دو نے کی ہے۔ میرا بھتیجا یہ بھی کہتا ہے کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے اس پر فتح ہوں گے۔ عفیفؓ بعد میں مشرف باسلام ہوئے تو کہا کرتے تھے اے کاش میں چوتھا مسلمان ہوتا۔ ۹۲

طریقۂ تبلیغ

پہلی وحی کے نزول کے ساتھ ہی حضور اکرمؐ کو منصب نبوّت کی ذمہ داریوں کا احساس ہوچکا تھا۔ اگرچہ دعوت و تبلیغ کا علانیہ حکم نہیں آیا تھا۔ پھر بھی آپؐ لوگوں کو چُپکے چُپکے سمجھاتے رہتے کہ اللہ ایک ہے اور وہی بندگی کے لائق ہے۔ اس کے سوا کوئی

معبود نہیں۔ یہ بُت، چاند، سورج، شجر و حجر لائقِ عبادت نہیں۔ انسان کو مرکر دوبارہ زندہ ہونا ہے اور اس وقت اس کے اعمال کا حساب و کتاب ہوگا۔ اسی کے مطابق جزا و سزا کے بعد جنّت یا دوزخ میں بھیجا جائے گا۔ اخلاقِ حسنہ اور خیر و خیرات کی ترغیب دی جاتی۔ بُت پرستی سے منع کیا جاتا۔ مختصر یہ کہ یہ تعلیم ایمانِ مفصل کے کلمات پر مشتمل ہوتی۔ یعنی میں ایمان لایا اللہ پر۔ اس کے فرشتوں پر۔ اس کی کتابوں پر۔ اس کے رسولوں پر۔ یومِ آخرت پر اور اس پر کہ خیر و شر ہر چیز کی تقدیر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ ہی بندگی کے لائق ہے۔ یہی توحید کی تعلیم تھی جو اس زمانے میں موضوعِ تبلیغ تھا۔ ہر چند کہ مکّہ کی سرزمین دینِ حنیف کے پیروکاروں سے ناواقف نہ تھی۔ لیکن یہ عقیدہ ان کی ذات تک محدود تھا۔ منصبِ نبوّت اس کا تقاضا کررہا تھا کہ بندگانِ خدا کو باطل معبودوں کی پرستش سے ہٹا کر ان کا رشتہ معبودِ حقیقی سے جوڑ دیا جائے۔ عرب میں توحید کی آواز نامانوس نہ تھی لیکن دعویٔ نبوّت حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے صدیوں بعد سُنا گیا تھا۔ اس لئے ابتدائی تین سالوں میں یہ پیغام ان ہی کو سُنایا گیا جن کی فطرتِ سلیم اور کان حق آشنا تھے۔ کوئی تجسس پسند یا جویائے حق مِلتا تو حضورؐ خوش الحانی سے وحیِ الٰہی سُناتے۔ مخاطب کی استعداد کے مطابق اللہ کی بے پایاں نعمت، قدرت، عذاب، یومِ آخرت، حساب و کتاب، جنّت اور دوزخ کا ذِکر فرماتے۔ یہ کام بڑی احتیاط اور ذمّہ داری سے انجام پاتا۔

دعوت

ابتدا میں اہلِ ایمان کو مسلم یا مومن کی جگہ مُصدّق کہا جاتا تھا یعنی وہ جو رسول اللہ کی دعوت کی تصدیق کرتے تھے۔ دعوت کیا تھی:

۱۔ توحید یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں لاشریک اور یکتا ہے۔

۲۔ محمدؐ کی رسالت کی گواہی، جو اللہ کے رسول ہیں۔ جو لوگوں کو کُفر سے ایمان، جہل سے علم اور ذلّت سے شرف کی طرف پہنچانے پر مامور ہیں۔

۳۔ جو ایمان لے آئے ہیں وہ دوسروں کو شرک کی تاریکی سے نکالیں۔

پوشیدہ نمازیں

نماز کا وقت آتا تو یہ اہلِ ایمان اپنے رُفقار کے ساتھ کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے۔

اور چھپ چھپا کر رکوع و سجود کی لذتیں اُٹھاتے۔ کامل ابن اثیر[۹۵] کا بیان ہے کہ رسول اللہ شروع دن سے کعبۃ اللہ جاتے اور چاشت کی نماز پڑھتے۔ قریش چاشت کی نماز کو نہیں روکتے تھے۔ جب آنحضرتؐ کوئی اور نماز پڑھتے تو حضرت علیؓ اور حضرت زیدؓ پہرہ دیتے تھے۔

مُستحق دعوت

ان ہی دنوں ایک مرتبہ حضور اکرمؐ اور حضرت علیؓ ایک درّہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اتفاقاً ادھر ابوطالب آنکلے۔ اس وقت تک حضرت علیؓ نے اپنے ماں باپ اور عزیزوں پر اپنا اسلام لانا ظاہر نہیں کیا تھا۔ جب نماز ختم کرلی تو پوچھا یہ کیا دین اور کیسی عبادت ہے؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا یہی اللہ کا دین ہے۔ یہی ابراہیمؑ کا دین ہے۔ اسی طرف بُلانے کے لئے میں رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ آپ سب سے زیادہ اس دین کی طرف بُلائے جانے کے مستحق ہیں۔ آپ اس ہدایت اور دینِ برحق کو قبول کیجئے اور میرے مُعین و مددگار بن جائیے۔ جواب دیا میں اپنا آبائی دین تو نہیں چھوڑ سکتا۔ البتہ جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ پھر اپنے بیٹے سے کہا کہ محمدؐ تم کو بھلائی اور خیر کی طرف بُلاتے ہیں تم ان کا ساتھ نہ چھوڑنا۔[۹۶]

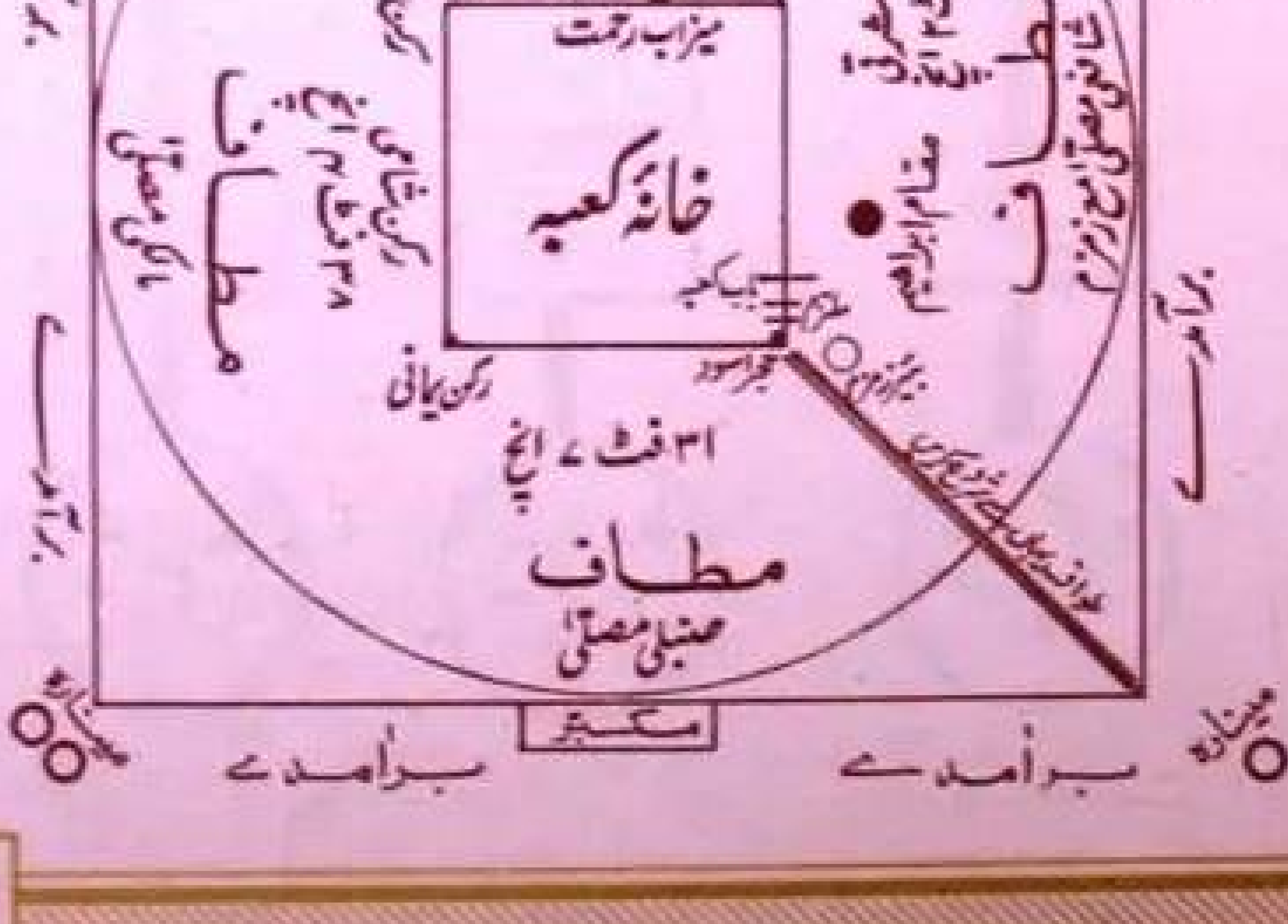

رسولِ اکرمؐ اور چہار صحابہ کرامؓ کا تعلقِ نسبی

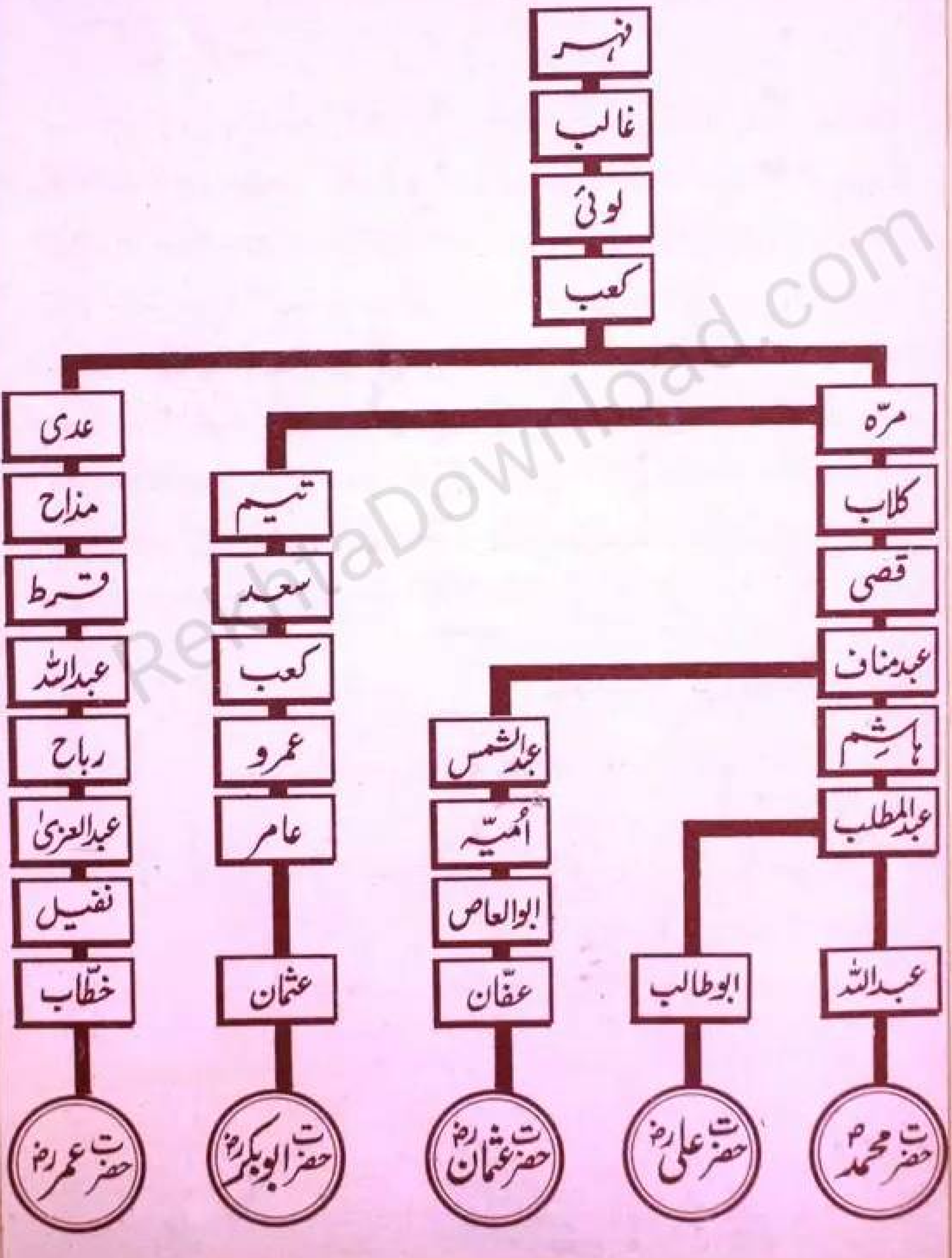

سابقینِ اوّلین

مس خام کو جس نے کندن بنایا

بعثت کے ابتدائی تین سال خفیہ دعوت و تبلیغ کے دن ہیں۔ اس زمانے میں سب سے پہلے جن لوگوں نے اپنے اسلام کو ظاہر کیا وہ سات اشخاص ہیں۔ رسول اللہ۔ حضرت ابوبکرؓ اور ان کے آزاد کردہ غلام حضرت بلالؓ بن رباح۔ حضرت خبابؓ ابن ارت۔ یاسرؓ بن عامر۔ حضرت عمارؓ ابن یاسر۔ حضرت صہیبؓ بن سنان۔ حضرت سمیہؓ بنت سلم (یہ چاروں ابو حذیفہ بن مغیرہ کے حلیف تھے) مکہ سے باہر والوں میں یہ شرف ابوذر غفاریؓ کو حاصل ہوا۔ اسلام لانے میں سبقت کرنے والوں میں سے چند کا تذکرہ درج کیا جاتا ہے۔

حضرت عثمانؓ بن عفان

بنی امیہ کی ذی مرتبت شخصیت تھے۔ قریش کی سپہ سالاری اسی قبیلہ کے تفویض تھی۔ آپ کا نام عثمان، کنیت ابوعمرو اور لقب غنی تھا۔ ۳۴ سال کی عمر میں حضرت صدیق اکبرؓ کی تبلیغ کے نتیجے میں ایمان لانے والے اوّلین مسلمانوں میں سے ہیں۔ مسلمان ہونے پر اہل خاندان نے بڑی تکلیفیں دیں۔ مجبور ہو کر پہلی بار اپنی زوجہ حضرت رقیہؓ بنتِ رسولؐ کے ساتھ حبشہ ہجرت کی۔ دوسری مرتبہ یثرب کی جانب ہجرت کی۔ جنگ بدر کے بعد حضرت رقیہؓ کے انتقال پر حضور اکرمؐ نے وحی الٰہی کی بنا پر اپنی صاحبزادی اُم کلثومؓ کا آپ سے نکاح فرمایا۔ اسی شرف کی بنا پر آپ کو ذوالنورین یعنی دو نور والے کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت طلحہؓ ابن عبیداللہ

حضرت طلحہؓ ہجرت سے ۲۴ سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئے۔ بنی تیم یعنی خاندانِ حضرت

ابو بکرؓ سے تعلق تھا۔ آپ کی کنیت ابو محمد تھی۔ بارگاہِ نبویؐ سے طلحہ الخیر ابو الجواد اور طلحہ الفیاض کے القاب عطا ہوئے۔

ابتدائی ایمان لانے اور اسلام کی خاطر کفارِ قریش کی سختیاں برداشت کرنے والوں میں سے ہیں۔ پیشہ تجارت تھا اور دُور دراز کے سفر کرتے تھے۔ جب حضور اکرمؐ ہجرت پر تھے تو شام آتے ہوئے راستے میں ملے اور آپ کی خدمت میں شامی کپڑوں کے تحائف پیش کئے۔ مکہ پہنچ کر اپنا کاروبار سمیٹا اور خود بھی مدینہ ہجرت کی۔

جنگِ بدر کے موقع پر حضرت سعیدؓ بن زید کے ساتھ قافلہ قریش کی ٹوہ لگانے کی خدمت پر مامور تھے۔ واپس آئے تو جنگ ختم ہو چکی تھی۔ حضور اکرمؐ نے غنیمت میں حصہ اور ثواب کی نوید سُنائی۔

جنگِ احد میں غیر معمولی فدویت، جاں نثاری اور بہادری کا مظاہرہ کیا۔ جب جنگ کا پانسہ پلٹا تو حضرت طلحہؓ پروانہ وار شمعِ رسالت کی حفاظت میں سینہ سپر رہے۔ تیروں کی بارش کو اپنے ہاتھوں اور پیٹھ پر روکا۔ حضورؐ کو اپنی پیٹھ پر سوار کر کے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ اس موقع پر ارشاد ہوا، طلحہؓ کے لئے جنت واجب ہو گئی۔ اس دن ان کے جسم پر ستّر سے زیادہ زخم آئے۔ اسی لئے حضرت ابو بکرؓ فرماتے ہیں کہ اُحد کا دن سچ پوچھو تو طلحہؓ کا دن تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ انھیں صاحبِ احد کہتے تھے۔ بعد میں تمام غزوات میں حضورؐ کے ساتھ شریک رہے۔ انھوں نے چار نکاح کئے۔ ان کی ہر بیوی رسول اللہؐ کی کسی نہ کسی زوجہ کی بہن تھی۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص

حضرت سعدؓ حضور اکرمؐ کے اعلانِ نبوت سے ۱۹ سال پہلے مکہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا اصلی نام مالک تھا۔ لیکن ابی وقاص نام زیادہ مشہور ہوا۔ دادا کا نام وہب تھا جو حضورؐ کے نانا تھے۔ قریش کی شاخ بنی زہرہ کے چشم و چراغ تھے۔ کنیت ابو اسحاق تھی۔

۱۹ سال کی عمر میں ایمان لائے۔ ساتویں مسلمان تھے۔ والدہ ناراض بہت ہوئیں اور دانا پانی چھوڑ دیا۔ لیکن آپ استقامت سے جمے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر خوشنودی کا اظہار کیا۔

مدافعتِ اسلام میں اُٹھنے والی پہلی ضرب آپ ہی کی تھی۔ جس نے مکہ کی سرزمین میں کافر کا خون بہایا۔ راہِ خدا میں چلنے والا پہلا تیر آپ ہی کے کمان سے نکلا۔ بلا کے تیر انداز تھے۔

غزوۂ اُحد میں ایک ہزار تیر چلائے۔ اس موقع پر اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "اے سعد! تیر پر تیر چلا، تجھ پر میرے ماں باپ قربان"۔ یہ فضیلت کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔ ہر غزوہ میں رسولؐ اللہ کے ساتھ رہے۔ فنونِ سپہ گری میں کمال حاصل تھا۔ شہسوارانِ اسلام میں ان کی بڑی شہرت تھی۔ فتح مکہ کے دن مہاجروں کے تین جھنڈوں میں سے ایک ان کے ہاتھ میں تھا۔ عہدِ فاروقی میں ان ہی کو سلطنتِ عجم کو پارہ پارہ کرنے اور پایۂ تخت مدائن کو فتح کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔

حضرت زبیرؓ ابن عوّام

حضرت زبیرؓ کا تعلق قریش کے خاندان بنی اسد سے تھا۔ ان کے والد عوام اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے حقیقی بھائی اور حضور اکرمؐ کی پھوپھی حضرت صفیہ کے شوہر تھے۔ اس طرح ذاتِ نبویؐ کے ساتھ ان کی متعدد نسبتیں تھیں۔ حضرت زبیرؓ صرف ۱۶ سال ہی کے تھے کہ نورِ ایمان نے ان کے خانۂ دل کو منور کیا۔ اس طرح وہ سابقون الاوّلون میں شمار ہوتے ہیں۔ ذوالہجرتین ہیں۔ یعنی اللہ کی خاطر مدینہ اور حبشہ ہجرت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

آپ کی شادی حضرت ابوبکرؓ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماءؓ سے ہوئی۔ ان سے نامور صاحبزادے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ پیدا ہوئے۔ ان ہی کے نام پر ابو عبداللہ کُنیت تھی۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی ان ہی کی نسبت سے اُمِ عبداللہ کنیت اختیار کی۔ حضرت زبیرؓ حواریِ رسولؐ کے لقب سے مشہور ہیں۔ عہدِ نبوت کے تمام غزوات میں ممتاز حیثیت سے شریک رہے۔ شجاعت و دلیری کے یادگار واقعات ان سے منسوب ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر اس دستہ کے علمبردار تھے۔ جس میں خود حضور رسالت مآبؐ موجود تھے۔

عہدِ فاروقی میں جنگِ یرموک میں بے پناہ شجاعت کا مظاہرہ کیا اور رومیوں کے دل دہلا دیئے۔

اپنی زندگی کے آخری دن اپنے ایک بیٹے سے فرمایا۔ میرے جسم میں کوئی جگہ ایسی نہیں حتیٰ کہ شرمگاہ بھی جو رسولؐ اللہ کی محبت میں زخمی نہ ہوئی ہو۔

جتنے دلیر تھے اتنے ہی سخی اور فیاض تھے۔ جنگ جمل میں شریک تھے۔

حضرت علیؓ نے ایک حدیث یاد دلائی تو اسی وقت میدان جنگ سے علیحدہ ہوگئے۔ اور حجاز کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستے میں عمرو ابن جرموز نے عین اس وقت شہید کیا جب بارگاہ حق میں سربسجود تھے۔ یہ ۳۶ھ کا واقعہ ہے اس وقت عمر ۶۴ سال کے لگ بھگ تھی۔

حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجرّاح

حضور اکرمؐ کے دار ارقم میں پناہ گزین ہونے سے قبل حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجرّاح، حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف، حضرت ابو سلمہؓ، حضرت عثمانؓ ابن مظعون اور حضرت عبیدہؓ ابن الحارث، یہ سب ایک ساتھ مل کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے اسلام پیش فرمایا اور اس کے احکام سے باخبر کیا۔

آپ کا اسم گرامی عامر اور کُنیت ابو عبیدہ تھی۔ باپ کا عبداللہ اور دادا کا نام الجرّاح تھا حضور اکرمؐ سے ۳ سال عمر میں چھوٹے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ مدینہ ہر دو ہجرتیں کیں۔ تمام غزوات میں دادِ شجاعت دی۔

جنگِ بدر میں حق کی خاطر خون کے رشتے کی بھی پرواہ نہ کی۔ راہ خدا میں کافر باپ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔ یومِ احد میں رسول اکرمؐ کی پیشانی مُبارک سے خود کی کڑیاں نکالتے ہوئے آپ کے دو دانت شہید ہوئے۔ فتحِ مکّہ کے موقع پر آپ کو پیدل دستہ کا امیر مقرر کیا گیا۔

حضور اکرمؐ سے نجران کے عیسائیوں نے درخواست کی کہ ایک امین شخص کو ہمارے ساتھ بھیجیے۔ تو آپؐ نے حضرت ابو عبیدہؓ کا انتخاب فرمایا۔ اسی لئے آپ کو امینُ الاُمّت کہا جاتا ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ انھوں نے مجاہدوں کی سپہ سالاری سے فتوحاتِ اسلامی کا دائرہ وسیع کیا اور فوجی نظام کو مستحکم کیا۔ وہ فنونِ جنگ کے ماہر اور تجربہ کار سپہ سالار تھے۔ ۱۸ ہجری میں طاعون کی وبا پھیلی اس میں مُبتلا ہوئے اور بہ موضع فحل میں وفات پائی۔ عمر ۵۸ سال کے لگ بھگ تھی۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف

ایام جاہلیت میں آپ کا نام عبد عمرو تھا۔ حضور اکرمؐ نے بدل کر عبدالرحمٰن کردیا۔ کُنیت ابو محمد تھی۔ قریش کی ذیلی شاخ بنی زہرہ سے تعلق تھا۔ عمر میں حضور اکرمؐ سے دس سال چھوٹے تھے۔

سِنِ شعور کو پہنچے تو مروجہ سپاہیانہ فنون میں کمال حاصل کیا۔ اور آبائی پیشہ تجارت کو اختیار کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تبلیغ سے ۳۰ سال کی عمر میں مسلمان ہو کر ابتدائی اہلِ

ایمان میں شامل ہوئے۔
اللہ کی راہ میں حبشہ اور مدینہ ہجرت سے ذوی الہجرتین کا شرف حاصل کیا۔
تمام غزوات میں شرکت کی۔ جنگِ احد میں فداکاری کے نتیجہ میں پاؤں پر کاری زخم لگا۔ جس سے ہمیشہ کے لئے لنگ پیدا ہوگیا۔
۶ھ ہجری میں دومۃ الجندل کی مہم پر امیر بناکر بھیجے گئے۔ حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے عمامہ باندھا۔ اور ہاتھ میں علم دے کر دعا فرمائی۔
انھیں غزوۂ تبوک کے موقع پر بڑا منفرد اعزاز حاصل ہوا۔ حضور اکرم کی عدم موجودگی میں لوگوں نے آپ کو نمازِ فجر کا امام بنالیا اور نماز شروع کردی۔ اتنے میں رسول اللہؐ آئے اور ان کے پیچھے ایک رکعت ادا فرمائی۔ حضورؐ کے مرض الموت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بھی یہ شرف حاصل ہوا۔
مدینہ ہجرت کرکے آئے تو حضرت سعدؓ بن ربیع انصاری کے بھائی بنائے گئے۔ انھوں نے ایثار و قربانی کی ایک نئی مثال قائم کی۔ ہر چیز کے دو حصے کئے۔ انتہا یہ کہ دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دینے پر بھی آمادہ ہوگئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے نے خیر و برکت کی دعا کے ساتھ سب کچھ لوٹا دیا اور بازار کا راستہ دریافت کیا۔ یہاں گھی اور پنیر کی تجارت شروع کی۔ رفتہ رفتہ بہت بڑے مالدار تاجر بن گئے۔ راہِ خدا میں بے دریغ خرچ کرتے تھے۔
عہد صدیقی اور فاروقی میں خلفائے راشدہ کے مشیر رہے۔ حضرت عثمانؓ کے انتخاب میں بڑی ہی سوجھ بوجھ اور کدوکاوش سے رائے عامہ معلوم کی۔ اور اس اہم مسئلہ کو بڑی خوبی سے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔
۷۵ سال کی عمر میں ۳۵ ہجری میں مدینہ میں پیوندِ خاک ہوئے۔

حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالاسد

حضور اکرمؐ کے رضاعی بھائی تھے۔ حضرت ثویبہؓ نے ان کو دودھ پلایا تھا۔ بنی مخزوم سے تعلق تھا۔ حضرت اُمِ سلمہؓ کے پہلے شوہر تھے۔ ان کا کنبہ مکہ سے ہجرت کرنے والا سب سے پہلا خاندان تھا۔ مدینہ پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد انتقال ہوگیا۔ وقت انتقال آنکھیں کھلی تھیں۔ حضورؐ آئے اور انھیں بند کیا۔ گھر والے رونے لگے تو فرمایا۔

"بھلائی کی دُعا کرو کیونکہ فرشتے تمہاری دُعا پر آمین کہتے ہیں"۔ پھر آپؐ نے اس طرح دُعا فرمائی "اے اللہ! ابوسلمہ کو بخش دے، ہدایت والوں میں ان کا درجہ بلند فرما، ان کے پسماندگان میں تو خلیفہ بن جا۔ اے ربّ العالمین! ہم کو اور ان کو بخش دے"۔ ان کی بیوہ امّ سلمہؓ نے دُعا کی "اے اللہ! میری مُصیبت کا اَجر دے اور اس سے بہتر چیز عطا فرما"۔ انھیں اپنے شوہر کے انتقال کا بڑا صدمہ تھا۔ کچھ عرصہ بعد حضور اکرمؐ نے ان سے نکاح کرلیا۔ حضرت ابوسلمہؓ سے ایک بیٹی تھی۔

حضرت عثمانؓ ابن مظعون

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ تیرہ آدمیوں کے بعد ایمان لائے۔ حضرت عثمانؓ ابن مظعون نے زمانۂ جاہلیت ہی میں شراب چھوڑ دی تھی۔ کسی نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ ایسا کام کیوں کروں کہ عقل کھو بیٹھوں۔ حبشہ کے پہلے قافلۂ ہجرت کے ساتھ تھے۔ بنی جمح سے تعلق تھا۔ ابوالسائب کنیت کرتے تھے۔ اپنے بیٹے سائب کے ساتھ حبشہ گئے۔ وہاں سے لوٹے اور پھر دوسری ہجرت مدینہ کی طرف کی۔ جنگِ بدر میں شریک تھے۔ اس کے بعد ۲ھ ہجری میں مدینہ میں انتقال کرنے والے پہلے مہاجر ہیں۔ جنت البقیع کے قبرستان کو آباد کرنے والے پہلے مدفون۔ حضورؐ نے ان کو اپنا سلف صالح فرمایا۔ اور غسل وکفن کے بعد ان کی پیشانی کو چوما۔ ان کی قبر کی شناخت کے لئے پتھر کا نشان رکھا۔ فضلاءِ صحابہ میں شمار ہوتا تھا۔ زہد کے خیال سے خصّی بننے کا ارادہ کیا۔ حضورؐ نے منع فرمایا اور بجائے اس کے روزے زیادہ رکھنے کا مشورہ دیا۔ آپ کے چار بھائی تھے۔ چاروں قدیم الاسلام ہیں۔ بقیہ تین عبداللہؓ۔ سائبؓ اور قدامہؓ ہیں۔ چاروں نے حبشہ اور مدینہ ہجرت کی۔

حضرت عبیدہؓ بن حارث بن عبدالمطلب

حضور اکرمؐ کے چچازاد بھائی تھے۔ بنی عبدمناف میں سب سے کمسن تھے۔ بڑے خوش اندام اور خوب رُو تھے۔ ابومعاویہ کنیت تھی۔ قدیم الاسلام ہیں۔ ہجرتِ مدینہ کے وقت ان کے دونوں بھائی طفیل اور حصین ان کے رفیقِ سفر تھے۔ حضورؐ ان کی خاص طور پر قدر و منزلت فرماتے۔ یہ حضورؐ سے دس سال بڑے تھے۔ مدینہ سے دشمن کے تجسّس کے لئے بھیجی جانے والی مہم کے سالار بنائے گئے۔ اہلِ بدر میں سب سے زیادہ عمر والے تھے۔

عام لڑائی سے پہلے مبارزت میں حضورؐ نے انھیں شیبہ بن ربیعہ کے مقابلہ میں بھیجا۔ جس نے آپ کے پاؤں پر کاری زخم لگایا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے شیبہ کو قتل کیا۔ فتح کے بعد لوٹتے ہوئے زخموں کی تاب نہ لاکر مقام صفراء میں داعئ اجل کو لبیک کہا اور وہیں سپردِ خاک کردیئے گئے۔ بوقتِ انتقال عمر ۶۳ سال تھی۔

حضرت سعیدؓ بن زید

آپ کے والد زید اپنے آپ کو دینِ ابراہیمی کا پیروکار بتاتے تھے۔ اکثر کعبۃ اللہ سے پشت لگائے بیٹھا کرتے اور کہتے اے خدا! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تجھے کس طریقہ سے عبادت پسند ہے تو میں اسی طرح کرتا۔ لیکن میں نہیں جانتا۔ پھر وہ اپنی ہتھیلیوں پر سجدہ کرتے۔ جب تک زندہ رہے تلاشِ حق میں مصروف رہے۔

حضرت سعیدؓ اس مؤحد باپ کے بیٹے تھے جن کا تعلق بنی عدی سے تھا۔

مکہ میں پیدا ہوئے۔ ابوالاعور ان کی کنیت تھی۔ حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی تھے اور بہنوئی بھی۔ دونوں میاں بیوی ابتدائے تبلیغ ہی میں ایمان لائے۔ حضرت خبابؓ بن ارت سے کلام اللہ پڑھا کرتے تھے۔ فاطمہؓ بنتِ خطاب جو حضرت زیدؓ کی بیوی تھیں حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کا باعث ہوئیں۔

ہجرت کے اذنِ عام پر مکہ کو خیرباد کہا اور مدینہ چلے آئے۔ حق و باطل کے پہلے معرکہ کے موقع پر قریش کے قافلہ کا پتہ لگانے شام بھیجے گئے۔ جب لوٹے تو جنگِ بدر کا خاتمہ فتح پر ہوچکا تھا۔ حضورِ اکرمؐ نے بدر کی غنیمت میں حصہ بھی دیا تھا اور ارشاد فرمایا۔ جہاد کے اجر سے محروم نہ رہوگے۔ اس کے بعد تمام غزوات میں حضورؐ کے ہم رکاب رہے۔

عہدِ فاروقی میں یرموک اور دمشق کے معرکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور دادِ شجاعت دی۔

باختلافِ روایات ۵۰ ہجری تا ۵۵ ہجری کے درمیان ستر سال کی عمر میں عقیق کے مقام پر انتقال فرمایا۔

حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص

آپ کا تعلق بنی امیہ سے تھا۔ ابوسعید کنیت تھی۔ تینوں بھائی اسلام لائے اور

جلیل القدر خدمات انجام دیں۔ آپ قریش کے ان گنے چنے لوگوں میں تھے جو بعثت نبوی کے وقت اچھی طرح لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

ایک خواب دیکھ کر ایمان لائے۔ خواب میں ایک غار دیکھا جو آگ سے دہک رہا تھا اور ان کے والد انھیں اس میں دھکیل رہے تھے اور حضور اکرمؐ انھیں روک رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ سے ذکر کیا جو خواب کی تعبیر کے ماہر تھے تو انھوں نے کہا کہ تم ضرور داخلِ اسلام ہوگے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان کی دولت لوٹ لی۔ یہ ابتدائی تبلیغ کے دن تھے۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی وحی کو لکھنے کی سعادت ان کے حصہ میں آئی۔ ان کی بیوی ہمینہ بنت خلف بھی مسلمان ہوئیں۔

اسلام لانے پر باپ نے بہت ایذائیں دیں۔ چھڑی سے اس قدر مارا کہ سر زخمی ہوگیا۔ کھانا پینا بند کر دیا۔ دوسرے بچوں سے کہا کہ کوئی ان سے بات بھی نہ کرے۔ آخر کو گھر سے نکال باہر کیا۔ وہ حضورؐ کے در پر آن پڑے۔ ان کا باپ بیمار ہوا تو اس نے عہد کیا کہ اگر اس مرض سے اچھا ہوگیا تو مکہ میں محمدؐ کے خدا کی عبادت نہیں ہونے دوں گا۔ بیٹے نے دُعا مانگی اے اللہ! انھیں اس مرض سے اُٹھنے کے ہی قابل نہ بنا۔ چنانچہ اسی میں وہ مرگیا۔ آخر تنگ آکر حبشہ کی جانب دوسری ہجرت کرنے والوں میں شامل ہوگئے۔ وہاں سے غزوۂ خیبر کے موقع پر مدینہ لوٹے۔ بدر میں شرکت کی محرومی پر وہ بہت متاسف تھے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ اوروں نے صرف ایک ہجرت کا شرف حاصل کیا ہے اور تم نے دو کا۔ ان کی صاحبزادی امِّ خالد کی ولادت حبشہ ہی میں ہوئی۔ سنہ ہجری میں جب حبشہ سے مدینہ آئیں تو حضورؐ نے انھیں زرد رنگ کا قمیص پہنایا۔ جس سے وہ بے حد خوش ہوئیں۔ پھر حبشی زبان میں فرمایا "یا امِّ خالد! سنہ سنہ۔" امِّ خالد بڑا خوبصورت ہے نا۔

حضور اکرمؐ نے انھیں مراسلت کا عہدہ عطا فرمایا۔ تحریری نامہ و پیام کی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۹ سنہ ہجری میں ثقیف کا وفد مدینہ آیا تو رسولِ اکرمؐ کے درمیان رابطہ کی خدمات انجام دیتے رہے۔ جب وہ ایمان لائے تو معاہدہ تحریر کرنے کا شرف بھی آپ کے حصہ میں آیا۔ یمن والوں کو جو امان نامہ دربارِ نبوت سے عطا ہوا تھا اس کے کاتب بھی آپ ہی تھے۔

حضور اکرمؐ نے انھیں یمن کا گورنر بنایا۔ وصالِ نبوی کے بعد واپس آگئے۔ عہدِ صدیقی

میں فتنۂ اِرتداد کو ختم کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ معرکہ فحل میں رومیوں کے خلاف دادِ شجاعت دیتے ہوئے جان و تن کا نذرانہ پیش کیا۔

حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم

بعض نے ساتواں اور بعض نے گیارہواں مسلمان لکھا ہے۔ بنی مخذوم سے تعلق تھا۔ والدہ بنی سہم سے تھیں۔ آپ کی کنیّت ابوعبداللہ تھی۔ تقریباً ڈھائی سال کی خفیہ تبلیغ کے بعد آپ کے گھر کو مسلمانوں کا مرکز اور دارالتبلیغ بنایا گیا۔ یہاں حضور اکرمؐ آٹھ مسلمانوں کے ساتھ آئے۔ روز کوئی نہ کوئی خفیہ طور پر آکر مسلمان ہوتا۔ ان میں آخری حضرت حمزہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ہیں جن کا ۴۰ واں نمبر تھا۔ ان کا گھر حضورؐ کے شعب ابی طالب میں جانے تک مسلمانوں کی پناہ گاہ رہا۔ مدینہ جانے والے اوّلین مہاجروں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ حضورؐ نے انھیں مدینہ کے محلّہ بنی زریق میں مستقل قیام کے لئے زمین عطا فرمائی۔ جنگِ بدر سے لے کر تبوک تک ہر معرکہ میں سرفروشی اور جانبازی کا حق ادا کیا۔ بڑے پرہیزگار اور عبادت گزار تھے۔ ایک بار حصول ثواب کے لئے مسجد اقصیٰ میں نماز کا ارادہ کیا۔ حضورؐ نے فرمایا مسجدِ نبوی کی ایک نماز مسجدِ حرام (بیتُ اللہ) کے سوا تمام دُنیا کی مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔ ۵۵ھ ہجری میں ۸۵ سال کی عمر میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔

حضرت نُعیمؓ بن عبداللہ

حضرت عمرؓ کے قبیلہ بنو عدی سے تعلق تھا۔ اپنے اسلام کو ابتدا میں چھپائے رکھا۔ حضرت عمرؓ کو اس وقت خبر ہوئی جب وہ حضورؐ کے نقشِ وجود کو مٹانے کے لئے نکلے تھے۔ ہجرت کا حکم آیا تو انھوں نے بھی ارادہ کیا۔ بنی عدی کی بیواؤں اور یتیموں نے روک لیا اور کہا آپ جس دین پر چاہیں چلیں۔ جب تک ہماری گردنیں نہیں کٹیں گی، آپ پر آنچ نہیں آئے گی۔ اس طرح روک دیئے گئے۔

۶ھ ہجری میں مدینہ گئے۔ حضورؐ نے گلے لگا کر بوسہ دیا اور فرمایا تمہارا قبیلہ تمہارے حق میں میرے قبیلہ سے بہتر تھا۔ اس کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے جنت میں "نحمہ" (کھنکھارنے کی آواز) سُنی ہے۔ اسی وقت سے ان کا لقب نحام ہو گیا۔ وہ اپنے قبیلے کی بیواؤں اور یتیموں کی بڑی فیاضی سے مدد کرتے تھے۔

حضرت بلال حبشیؓ

حضرت بلالؓ کے والد رباح اصل کے اعتبار سے حبشی تھے۔ اپنی بیوی حمامہ کے ساتھ مکّہ میں سکونت پذیر تھے۔ بنی جمح کے غلام تھے۔ ان کے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام بلالؓ رکھا گیا۔

داعیِ اسلام نے خفیہ تبلیغ شروع کی تو یہ بھی ایمان لائے۔ "سابقون الاوّلون" میں شمار ہوتا ہے۔ چونکہ غلام تھے اس لئے ان کے مالک اُمیّہ بن خلف نے ظلم و ستم کی حد کر دی۔ حضرت بلالؓ بڑی ثابت قدمی سے ہر آفت کو جھیلتے ہوئے دین پر قائم رہے۔ بالآخر حضرت ابوبکرؓ نے مُنہ مانگی گراں قدر رقم دے کر انھیں خریدا اور راہِ خدا میں آزاد کر دیا۔ ان کی والدہ حمامہؓ بھی اسلام لے آئیں۔ مکّہ چھوڑنے کا حکم ملا تو ہجرت کرنے والی دوسری جماعت میں شریک تھے۔ ہر غزوہ اور جہاد میں حصّہ لیا۔

اذان کی ابتدا ہوئی تو رسول اللہؐ نے حضرت بلالؓ کو مسجدِ نبوی کا پہلا مؤذّن مقرر فرمایا۔ فتحِ مکّہ کے موقع پر کعبۃُ اللہ میں حضور اکرمؐ کے ساتھ نماز پڑھنے اور پھر اس کی بلندیوں پر چڑھ کر اذان کہنے کا شرف بھی ان کے حصّہ میں آیا۔

غزوات میں مالِ غنیمت کے نگراں ہوتے۔ عام دنوں میں حضور اکرمؐ کے گھریلو اخراجات کے ذمّہ دار اور وفود کی سربراہی کی خدمات انجام دیتے۔

عہدِ فاروقی میں شام کے جہادوں میں حصّہ لیا۔ قبلۂ اوّل فلسطین آزاد ہوا تو بیتُ المقدس کی مسجدِ اقصیٰ میں بھی نعرۂ اذان بلند کرنے کا شرف ان ہی کو حاصل ہوا۔

۶۳ سال کی عمر میں ۲۰ ہجری میں دمشق میں راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔

حضرت خبابؓ ابنِ ارتّ

قبیلہ تمیم سے تھے۔ غلام بنا کر مکّہ میں فروخت کئے گئے۔ آہن گری پیشہ تھا۔ صدائے حق کانوں میں پڑی تو نتائج سے بے پرواہ ہو کر دامنِ نبوّت پکڑ لیا۔ دین کے لئے بڑی بڑی مصیبتیں اٹھائیں۔ جب تکالیف برداشت سے باہر ہو گئیں تو عرض کیا۔ یارسول اللہ! اب تو ظلم کی حد ہو چکی۔ آپؐ اللہ سے دعا کیوں نہیں فرماتے؟ یہ سُن کر چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ فرمایا، تم سے پہلے جو اہلِ ایمان تھے

ان پر اس سے زیادہ ظلم ہو چکے ہیں۔ ان کے گوشت کو لوہے کی کنگھیوں سے نکالا جاتا تھا۔ ان کے سروں پر آرے چلائے جاتے۔ پھر بھی وہ دین سے نہ پھرتے تھے۔ یقین جانو اللہ تعالیٰ اس کام کو پورا کر کے رہے گا۔ یہاں تک ایک وقت آئے گا کہ ایک آدمی تنہا صنعاء سے حضرموت تک بے کھٹکے سفر کرے گا اور اللہ کے سوا اسے کسی دوسرے کا خوف نہ ہوگا۔ مگر تم جلد بازی کرتے ہو۔

آخری عمر میں کوفہ چلے گئے۔ ۳۷ھ ہجری میں سخت بیمار ہوئے تکلیف اس قدر بڑھی کہ گھبرا کر کہنے لگے اگر حضورؐ نے موت کی دُعا کرنے کی ممانعت نہ کی ہوتی تو مرنے کی دعا مانگتا۔ عیادت کو لوگ آئے اور کہا اب آپ بہت جلد اپنے دوستوں سے مل جائیں گے۔ یہ سُنا تو رونے لگے فرمایا۔ موت سے ڈر کر نہیں روتا بلکہ تم نے ان کی یاد دلائی ہے، جو اس دنیا سے اجر کے مستحق اُٹھے۔ مجھے خوف ہے کہیں ثواب آخرت کے بدلے مجھے یہ دنیا نہ ملی ہو۔

جنّت البقیع کا قبرستان

حضرت ابوذر غفاریؓ

آپ کا نام بریر یا جندب تھا۔ بنی غِفار سے تعلق تھا۔ غور و فکر کرنے کے بعد خدا پرستی کی طرف مائل ہوئے۔ انہی دنوں اللہ کے رسول آخریں مبعوث ہوئے۔ تلاشِ حق میں ابو ذرؓ مکہ آئے اور دولتِ ایمان سے سرفراز ہوئے۔ ابتدائی مسلمانوں میں شمار ہوتا ہے۔ کعبۃ اللہ میں جاکر اپنے ایمان کا بَرمَلا اعلان کیا۔ کفّار ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ انھیں لہُو لہان کر دیا۔ حضور اکرمؐ کے حکم سے اپنے قبیلے میں لَوٹ گئے اور تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔

جنگِ خندق کے بعد مدینہ پہنچے اور اپنے آپ کو حضور اکرمؐ کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔

غزوات میں صرف جنگِ تبوک میں شرکت کا حال ملتا ہے۔ حضور اکرمؐ آپ پر بہت شفقت فرمایا کرتے تھے۔ مرض الموت میں انھیں یاد کیا۔ زہد و تقویٰ کی بنا پر حضور اکرمؐ نے "مسیحُ الاسلام" کا لقب عطا فرمایا۔ بڑے سے بڑے آدمی کے سامنے حق بات کہنے سے نہیں ڈرتے تھے۔

حضور اکرمؐ کے وصال کے بعد شام میں سکونت اختیار کی۔ جہاں سرمایہ داروں پر تنقید کرنے لگے۔ امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے مدینہ واپس بُلوالیا اور ان کے لئے بیتُ المال سے وظیفہ مقرر کیا۔ آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ مرتے دم تک سرمایہ داری اور دولت جمع کرنے کی شدید مخالفت کرتے رہے۔ اپنی تمام زندگی توکل، قناعت اور فقر و فاقہ سے گزاری اور اسی کی تبلیغ کرتے رہے۔ اسی سال ان کے بڑے بھائی حضرت انیسؓ بن جنادہ بھی ایمان لائے۔ ان کا قبیلہ مکہ اور مدینہ کے درمیان اس مقام پر بستا تھا۔ جہاں سے تجارتی شاہراہ شام کو جاتی تھی۔ دونوں بھائیوں کی تبلیغ سے تمام قبیلہ نے اسلام قبول کیا۔

حضرت عبداللہؓ ابن مسعود

آپ کا نام عبداللہؓ اور کنیّت ابو عبدالرحمٰن تھی۔ اِبنِ اُمِّ عَبد کے نام سے یاد

اس کتاب کا کوئی ہدیہ نہیں ہے
عازمینِ حج کو تحفۃً دی جاتی ہے

کئے جاتے تھے۔ اوائلِ اسلام میں ایمان لائے۔ ابتدا میں بھیڑ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ جب ایمان لائے تو زبانِ نبوت سے اِرشاد ہوا "تم تعلیم یافتہ لڑکے ہو" قبیلہ ہذیل سے تھے۔

جوش ایمانی میں حرمِ کعبہ میں بہ آوازِ بلند سورہ رحمٰن کی تلاوت کی اور کفار کے ظلم وستم کا نشانہ بنے۔ ذوی الہجرتین ہیں۔ تمام غزوات میں شریک رہے۔ غزوۂ بدر میں ابوجہل کا سر تن سے جُدا کرکے خدمتِ نبوی میں پیش کیا۔

ہمیشہ حضورؐ کی خدمت میں مصروف رہے۔ آپ کا شمار خدام میں ہوتا ہے۔ وقت بے وقت حاضر ہونے والے مقرّبانِ بارگاہ میں سے تھے۔ کبھی کبھی حضورؐ ان سے فرمائش کرکے کلامُ اللہ سُنا کرتے تھے۔ ارشادِ نبوی تھا کہ چار آدمیوں سے قرآن سیکھو۔ جن کے نام یہ ہیں:

(۱) عبداللہؓ ابن مسعود (۲) ابیؓ ابن کعب

(۳) سالم مولیٰؓ ابی حذیفہ (۴) معاذؓ ابن جبل

فاروق اعظمؓ نے انھیں کوفہ کا قاضی اور بیتُ المال کا محافظ مقرر کیا۔ وہ دس سال تک اس خدمت پر مامُور رہے۔ احادیث کثرت سے روایت کرنے والے صحابہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ۸۴۸ احادیث آپ سے مروی ہیں۔ قرآن کے قاری، دین کے فقیہہ اور سُنّت کے زبردست عالِم تھے۔ ۶۳ سال کی عمر میں ۳۳ھ ہجری میں مدینہ میں داعئ اجل کو لبیک کہا۔

حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب

ایک دفعہ ابوطالب اپنے بیٹے جعفرؓ کے ساتھ گزر رہے تھے۔ دیکھا حضرت علیؓ حضورؐ کے دائیں جانب کھڑے مشغولِ عبادت ہیں۔ جعفرؓ کو مخاطب کرکے کہا کہ تم بائیں جانب کھڑے ہوکر نماز میں شریک ہوجاؤ اور اپنے چچازاد بھائی کے قوّتِ بازو بن جاؤ۔

حضرت جعفرؓ نماز میں شامل ہوگئے اور یوں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ حضرت علیؓ سے عمر میں دس سال بڑے تھے۔ طیار لقب تھا۔ ان کی بیوی حضرت اسماءؓ بنت عمیس بھی انہی دنوں شرفِ ایمان سے بہرہ افروز ہوئیں۔ اس کے بعد کفّار کا دستِ ستم ان پر بھی دراز ہونے لگا۔ ایک دن حضورؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا۔ یارسولُ اللہ اجازت دیجئے کہ کسی ایسی سرزمین میں چلا جاؤں جہاں اللہ کی بے خوف عبادت کرسکوں۔ فرمایا تم

بھی حبشہ چلے جاؤ۔ وہ امن کی سرزمین ہے۔ چنانچہ اپنی بیوی کے ساتھ مہاجرین کے دوسرے قافلے میں شامل ہوگئے۔ مشرکینِ مکہ مسلمانوں کے مکہ سے جانے پر سخت برہم ہوئے۔ نجاشی شاہ حبشہ کے پاس قیمتی تحفوں کے ساتھ سفارشات بھیجی اور ان کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ نجاشی نے حالات سے آگاہی کے لئے مسلمانوں کو طلب کیا۔ اس موقع پر مہاجرین کی ترجمانی کے لئے حضرت جعفرؓ کو منتخب کیا گیا۔ دربارِ نجاشی میں ایسی مؤثر تقریر سے اسلام کی وکالت کی کہ دلوں میں حرارتِ ایمانی پیدا ہوگئی۔ نجاشی بے حد متاثر ہوا اور قریش کا وفد بے نیل ومرام واپس کردیا گیا۔ تقریباً ۱۴ سال حبشہ میں رہے اور خیبر کی فتح کے بعد ۷ھ ہجری میں مدینہ آئے۔ حضورؐ نے انھیں گلے لگایا۔ پیشانی چومی اور فرمایا "میں نہیں جانتا کہ مجھے جعفرؓ کے آنے کی زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر کی فتح کی۔" ایک سال کے بعد جنگِ موتہ جمادی الاول ۸ھ ہجری میں رومی افواج کی صفیں چیرتے ہوئے مردانہ وار شہید ہوئے۔ بدن زخموں سے چھلنی ہوگیا تھا۔ ہاتھ یکے بعد دیگرے کٹ گئے تھے مگر اس جانباز نے توحید کا علم سرنگوں ہونے نہیں دیا۔

حضرت عبداللہؓ ابن جحش

ان کی والدہ حضور اکرمؐ کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب ہیں۔ دارالارقم میں جانے سے پہلے اس وقت ایمان لائے جبکہ مسلمان گنتی کے چند تھے۔ حالت کفر میں مربع نام تھا۔ ہادیٔ برحقؐ نے عبداللہؓ نام رکھا۔ دین کی خاطر دو مرتبہ حبشہ اور تیسری مرتبہ مدینہ ہجرت کی۔ ان کا لقب المجدع فی اللہ ہے۔ ہجرت کے سترہویں مہینے ایک مہم پر گیارہ مہاجرین کے ساتھ امیر بناکر نخلہ روانہ کئے گئے۔ یہاں اتفاقاً طائف سے آنے والے مشرکین کے قافلہ سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ مال غنیمت اور قیدی لے کر مدینہ آئے۔ یہیں مسلمانوں کے ہاتھوں پہلا قتل عمرو بن حضرمی کا ہوا۔ جو بعد میں جنگِ بدر کی وجہ بنا۔ اس مہم میں پہلی بار ساتھیوں نے انھیں "امیرالمومنین" کہا جو بعد میں حضرت عمرؓ نے بحیثیت خلیفہ اپنے لئے پسند فرمایا۔ بدر میں شریک ہوئے اور احد میں ۳ھ ہجری کو جامِ شہادت نوش فرمایا۔ لاش کا مثلہ کیا گیا۔ یہ اور حضرت امیر حمزہؓ ایک ہی قبر میں میدانِ احد میں دفن کئے گئے۔ وقتِ شہادت عمر ۴۰ سال سے کچھ زیادہ تھی۔ حضرت زینبؓ بنت جحش آپ کی ہمشیرہ تھیں۔ جو حضرت زیدؓ ابن حارثہ سے طلاق کے بعد امّ المومنین بنیں۔ ان کے بھائی

ابو احمدؓ بن جحش بھی قدیم الاسلام اور ذوالہجرتین ہیں۔

حضرت سائبؓ، حضرت عبداللہؓ ابن مظعون ——
حضرت قدامہؓ ابن مظعون اور حضرت سائبؓ بن عثمانؓ

یہ تینوں مظعون کے بیٹے اور حضرت عثمانؓ کے بھائی ہیں۔ تینوں قدیم الاسلام ہیں۔ بنی جمح کے چشم و چراغ تھے۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون کے صاحبزادے کا نام بھی سائبؓ تھا اور وہ بھی ابتدائی ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔ ان سب نے راہِ حق میں ستائے جانے کی بنا پر حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ دوسری ہجرتِ مدینہ کا شرف بھی انھیں حاصل ہوا۔ سب کے سب میدانِ بدر میں حق کی حمایت کے لئے شمشیر بکف تھے۔ ان کی بہن حضرت عمرؓ کی زوجہ اور ام المومنین حضرت حفصہؓ کی والدہ ہیں۔ حضرت عمرؓ کی بہن صفیہؓ بنت خطاب کا نکاح حضرت قدامہؓ بن مظعون سے ہوا۔ انھیں حضرت عمرؓ نے حاکمِ بحرین بنایا۔ پھر معزول کر دیا۔ شراب پینے کے جرم میں ان پر حد جاری کر دی۔ وہ ۳۶ھ ہجری میں ۶۸ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ عبداللہؓ ابن مظعون نے ۶۰ سال کی عمر میں ۳ھ ہجری میں وفات پائی۔ حضرت سائبؓ بن مظعون کا سال وفات معلوم نہیں۔ حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے سائبؓ نے حبشہ کی جانب دو ہجرتیں کیں۔ جنگ یمامہ ۱۱ھ ہجری میں مسیلمہ کذاب سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ اس وقت عمر صرف ۳۰ سال تھی۔

حضرت مسعودؓ بن ربیعہ

رسول اللہ کے دارالارقم میں آنے سے پہلے ایمان لائے۔ ان کے والد کا نام ربیع اور ربیعہ بیان کیا جاتا ہے۔ بنو قارہ میں سے تھے جو قبیلہ خذیمہ بن مدرکہ کی شاخ ہے۔ اسی لئے ان کو قاری کہا جاتا ہے۔ مدینہ ہجرت کی اور مواخات میں عبید بن تیہان کے بھائی بنائے گئے۔ حق و باطل کے پہلے معرکہ بدر میں حصہ لیا۔ ۶۰ سال سے کچھ زیادہ عمر میں ۳۰ ہجری میں انتقال ہوا۔

حضرت خنیسؓ بن خذافہ سہمی

بنی سہم سے تعلق تھا۔ حضورؐ کے دارالارقم میں آنے سے پہلے اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔

مشرکین نے جینا دوبھر کردیا۔ تو حبشہ کی دوسری ہجرت کرنے والوں میں شامل ہوگئے۔ حضرت عمرؓ کے داماد تھے۔ حضرت حفصہؓ سے نکاح ہوا تھا۔ بدر اور احد کے معرکوں میں شرکت کی۔ جنگِ احد میں کاری زخم لگا اور اسی سے کچھ عرصہ بعد انتقال کیا۔ اس کے چند ماہ بعد ان کی بیوہ حضرت حفصہؓ کو امّ المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت عیاشؓ بن ربیعہ

ابوجہل اور حضرت عیاشؓ نے ایک ہی ماں کا دودھ پیا تھا۔ ایک اسلام کا بیری اور دوسرا پیروکار بنا۔ اس زمانے میں دینِ حق قبول کیا جبکہ اس کا نام لینا تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف تھا۔ حضورؐ کے دارالارقم میں آنے سے پہلے ایمان لائے۔ ابوجہل نے اس درجہ تنگ کیا کہ حبشہ کی جانب ہجرت کرگئے۔ ابوجہل کے ایک اور صلبی بھائی حضرت سلمہؓ بن ہشام مخزومی بھی اسی دور میں ایمان سے بہرہ یاب ہوئے اور ہر طرح کی سختیاں برداشت کیں۔ آخر کو دل برداشتہ ہوکر حبشہ ہجرت کی۔

راہِ حق میں پہلی ضرب

خفیہ طریقے پر دعوت و تبلیغ کو ڈھائی سال گزرے تھے اللہ کے رسولؐ کی ہدایت پر اس زمانے میں اکثر لوگ اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے۔ نماز کا وقت آتا تو چھپتے چھپاتے کسی گھاٹی میں نکل جاتے اور اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتے۔ ان ہی دنوں ایک عظیم واقعہ پیش آیا۔ جس نے اہلِ ایمان کو ایک مرکز عطا کیا۔ ایک دن کچھ مسلم نوجوان جن میں حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص، حضرت عمارؓ ابن یاسر، حضرت عبداللہؓ ابن مسعود، حضرت خبابؓ ابن ارت اور حضرت سعیدؓ بن زید شامل تھے۔ نماز کے لئے نکلے تو مکّہ سے کچھ دُور ایک گھاٹی میں پہنچے۔ اللہ کے یہ نیک بندے ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوگئے۔ اتنے میں ادھر کا فروں کی ایک ٹولی آنکلی۔ انھیں رکوع و سجود کرتے دیکھا تو آوازے کسنے اور نماز کا مذاق اُڑانے لگے۔ مسلمان برداشت کرتے رہے کہ مُفت کا جھگڑا کون مول لے۔ قہقہوں کا طوفان، لعن و طعن کے تیر، بےجا مذاق اور آوازے۔ اہلِ ایمان بھی انسان تھے، جذبات واحساسات سے ملو، سہتے تو کہاں تک سہتے۔ آخر صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا تو ان میں سے ایک ۱۹ سالہ نوجوان سعدؓ بن ابی وقاص عالمِ جوش میں اُٹھا۔ سامنے اُونٹ کا ڈھانچہ پڑا تھا اس کے

جبڑے کی مضبوط ہڈی اُٹھائی۔ حریفوں میں سب سے زیادہ پیش پیش بنی تیم کا عبداللہ بن خطل تھا، اس کے سر پر بھرپور ضرب لگائی۔ جو سامنے آیا پٹ گیا۔ حق و باطل کی آویزش میں اسلام کی حمایت میں پہلی ضرب اس کی تھی۔ جس کی قسمت میں فاتحِ ایران بننا تھا۔ یہ کسی مردِ حق کے ہاتھوں کافر کے خون کی پہلی دھار تھی جو بلد الامین کو لالہ زار کر گئی۔[۹۶]

دارالارقم

اس واقعہ کے فوری بعد کسی بھی ناخوشگوار تصادم سے بچنے کے لئے حضور اکرم حضرت ارقمؓ کے کوہ صفا پر واقع مضبوط قلعہ نما مکان میں منتقل ہوگئے۔ یہ کعبۃ اللہ کے بالکل مقابل لیکن محفوظ جگہ میں تھا۔ جب رسول اللہ یہاں منتقل ہوئے تو آٹھ صحابہ ساتھ تھے۔ آپؐ نے یہاں ایک مہینہ قیام فرمایا۔ ہر روز کوئی نہ کوئی جویائے حق آتا اور ایمان لاتا۔ تا ایں کہ ان کی تعداد ۳۸ ہوگئی۔ دارالارقم میں ایمان لانے والے ۳۹ ویں صحابی حضرت امیر حمزہؓ اور چالیسویں حضرت عمرؓ ہیں۔ ان دنوں جو بھی مسلمان ہوتا یہیں ٹھہر جاتا۔ سوائے غلاموں کے جو اپنے آقاؤں کو چھوڑ نہیں سکتے تھے۔ لیکن انھیں جب بھی موقع ملتا وہ اس دارالاجتماع میں آجاتے۔ یہاں ہر گھڑی اللہ کے رسولؐ کی صحبت ہوتی۔ جس سے ان کے دل صیقل ہوتے۔ ان میں جرأت ایمانی پیدا ہوتی۔ صحابہ علانیہ تبلیغ کی اجازت مانگتے لیکن آپؐ کچھ دن اور محتاط رہنے کا حکم دیتے۔ یہیں صحابہ کرام کو جمع ہونے کی ہدایت کی گئی۔ تاریخ اسلام میں دارالارقم کو اسلام کے پہلے مرکز کی حیثیت سے لازوال شہرت حاصل ہوئی۔ آنحضرتؐ کا مکان "دارخزیمہ" بھی قریب تھا۔ حج کے موقع پر خانۂ کعبہ کی زیارت کو آنے والے اکثر اسی راستے سے گزرتے تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ اس گھر میں حضور اکرمؐ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ بہت سے لوگوں بشمول حضرت عمرؓ، حضرت مصعبؓ بن عمیر یہیں ایمان لائے۔ "اصابہ" میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کے بعد مسلمان جہاں چاہتے جمع ہوتے۔ یہیں اہلِ ایمان مُعلّم کتاب و حکمت سے وحیٔ الٰہی سُنتے۔ آپؐ کے ارشادات کو گرہ میں باندھتے اور نماز کا وقت آتا تو امام الانبیاء کے پیچھے صف بنا کر رکوع و سجود کی لذتیں اُٹھاتے۔ حضرت ارقمؓ نے اسے مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اسے تاریخ اسلام کا پہلا وقف کہا جاسکتا ہے۔ واقدی نے حضرت ارقمؓ کی دستاویزِ وقف پڑھی تھی جو اس طرح تھی:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ وہ تحریر ہے جس کا عزم ارقم نے اپنے مکان کی نسبت کیا ہے جو کوہ صفا کے کنارے پر ہے کہ وہ مقدس جگہ کے طور پر ہبہ کیا گیا۔ نہ تو اس کی بیع ہو اور نہ وارثت میں تقسیم ہو۔"

اسے اب دارالاسلام کے نام سے پکارا جانے لگا۔ جو ان دنوں تازہ نفس حلقہ بگوشانِ اسلام کا مامن تھا۔ دورِ عباسیہ میں خلیفہ منصور نے حضرت ارقمؓ کی اولاد سے عقیدتاً خریدا۔ خلیفہ مہدی نے اپنی بیوی خیزراں والدۂ ہارون الرشید کو دے دیا۔ جس کے نام پر یہ "دار خیزراں" کہلانے لگا۔ خیزراں نے اس کی جدید تعمیر کرائی اور یہاں مسجد بنوادی۔ ترکی دور میں تحفظ کے بعد سعودی دور میں اس کی تزئین ہوئی۔ جب حرم کعبہ کی توسیع ہوئی تو یہ مکان اور مسجد ڈھ گئے۔ اب یہ جگہ تلاش سے بھی نہیں ملتی۔

جنھیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی

فرزندانِ بکیر

حضور اکرمؐ جب دارالارقم میں اُٹھ آئے تو متلاشیانِ حق چھپتے چھپاتے یہاں کشاں کشاں چلے آتے اور متاعِ ایمان سے بہرہ یاب ہوتے۔ یہاں سب سے پہلے ایمان لانے کا شرف حضرت عاقلؓ بن بکیر کو حاصل ہوا۔ ان کا پہلا نام غافل تھا۔ حضورؐ نے نقطہ بدل کر عاقل بنادیا۔ ان کے تینوں بھائیوں ایاسؓ، خالدؓ اور عامرؓ بھی داخلِ اسلام ہوئے۔ ایاسؓ شعر بھی کہتے تھے۔ چاروں بھائیوں نے حق و باطل کے پہلے معرکہ بدر میں حصہ لیا۔ حضرت عاقلؓ ۳۴ سال کی عمر میں میدانِ بدر میں شہید ہوئے۔ بقیہ تینوں نے احد، خندق اور دیگر مشاہد میں بھی ہم رکاب نبیؐ ہونے کی سعادت حاصل کی۔ ان کا تعلق قبیلہ بنو لیث سے تھا۔ جو بنو عدی کے حلیف تھے۔

حضرت طلیبؓ

دارالارقم میں ایمان لانے والوں میں شمار ہوتا ہے۔ حضورؐ کی پھوپھی اروی بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے تھے۔ ماں سے کہا کہ میں رسولِ برحق کا پیرو ہوگیا ہوں۔ فرمایا تم نے اپنے بھائی کی مدد کرنے میں بہت اچھا کام کیا۔ مجھے مردوں کی سی طاقت ہوتی تو اپنے

بھتیجے کی مدافعت کرتی۔ بیٹے نے پوچھا پھر کون سی چیز مانع ہے۔ کہا میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ میری دوسری بہنیں کیا کرتی ہیں۔ وہ مرتے دَم تک آپ کی تائید کرتی رہیں۔ اپنے بچّوں کو آپؐ کے احکام کی بجاآوری اور مدد کا حکم دیا۔ ان کے ایمان لانے کی روایت بھی ملتی ہے۔

حضرت مُصعبؓ بن عمیر

بنو عبدالدار کے خوبرو، بجیلے اور خوش پوشاک جوان تھے۔ دار لارقم میں آکر مسلمان ہوئے۔ دین کی خاطر اہلِ خانہ کی ناراضگی کی پرواہ نہ کی۔ ماں نے قیدِ تنہائی میں ڈال دیا۔ موقع ملا تو بھاگ نکلے۔ حبشہ ہجرت کی۔ لوٹ کر آئے تو پھر سلسلۂ جور و جفا تھا اور وہ تھے۔ تنگ آکر دوسری بار بھی حبشہ چلے گئے۔ حضورؐ شعب ابی طالب سے نکلے تو دن رات آپؐ کے ساتھ رہنے لگے۔ ۱۲ھ ہجری نبوّت میں دوسری بیعتِ عقبہ کے موقع پر اہلِ یثرب کی درخواست پر انھیں معلّمِ کتاب و حکمت کا مُبلّغ بناکر یثرب بھیجا گیا۔ حُسنِ تدبیر سے اسلام کی تبلیغ کی۔ اوس و خزرج کے بااثر لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ جب ان کی تعداد چالیس ہوگئی تو رسولؐ اللہ سے اجازت کے بعد حضرت سعدؓ ابن خیثمہ کے مکان پر پہلی باجماعت نمازِ جمعہ کی بنا ڈالی۔ اس کی امامت کا شرف بھی انھیں حاصل ہوا۔

معرکۂ بدر میں مہاجرین کا سب سے بڑا عَلم اُٹھائے ہوئے تھے۔ اُحد میں بھی علمبردار بنائے گئے۔ جس ہاتھ میں جھنڈا بلند کر رکھا تھا کافر عبداللہ ابن قمیّہ نے اسے کہنی سے کاٹ ڈالا۔ مجاہد نے اسے دوسرے ہاتھ میں سنبھال لیا۔ زبان پر آیاتِ الٰہی کا وِرد تھا۔ ابن قمیّہ نے اپنے گھوڑے کو موڑ کر پھر حملہ کیا۔ اب مجاہد کا دوسرا ہاتھ بھی کٹ کر گر گیا۔ حق کے علم بردار نے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں کو جوڑ کر لوائے نبوی کو اونچا رکھا۔ ابن قمیّہ غصّہ سے لال پیلا ہوگیا۔ دُور ہی سے نیزہ تان کر پھینکا جو حضرت مصعبؓ کا سینہ چھیدتا ہوا نکل گیا۔

سرورِ عالمؐ نے اس پیکرِ علم و عمل کی لاش دیکھی تو فرمایا "میں نے مکّہ میں تم جیسا حسین اور خوش لباس کوئی اور نہ دیکھا تھا۔ لیکن آج دیکھتا ہوں تمہارے بال گرد آلود ہیں اور تمہارے جسم پر ایک ہی چادر ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر رہوگے۔"

حضرت صہیبؓ بن سنان رومی

حضرت عمارؓ ابن یاسر کہتے ہیں کہ دارالارقم کے دروازے پر صہیبؓ رومی سے میری ملاقات ہوئی۔ پوچھا کس ارادے سے آئے ہو؟ انھوں نے الٹ کر یہی سوال دُہرایا۔ دونوں ایک ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ کے والد سنان یا چچا لبید شہنشاہِ ایران کی طرف سے اُبلّہ کے حاکم تھے۔ ابھی صہیبؓ چھوٹے تھے کہ اہلِ روم نے ایران کے علاقہ پر غارت ڈالی۔ مال واسباب کی لُوٹ کے ساتھ کمسن صہیبؓ کو بھی اٹھا کر لے گئے۔ غلام بنالیا۔ بچپن سے سنِ شعور تک رومیوں میں پرورش پائی۔ بنو کلب نے انھیں خرید کر مکہ میں عبداللہ ابن جدعان کے ہاتھ بیچ ڈالا۔

مکہ میں صدائے توحید بلند ہوئی تو از خود لبیک کہا۔ چونکہ مکہ میں ان کا کوئی حامی نہ تھا۔ اس لئے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا۔ غیرتِ ایمانی نے گوارہ نہ کیا تو کھُلم کھُلا اعلان کیا۔ یہ بات آ بیل مجھے مار، یا بھڑوں کے چھتے کو ہاتھ لگانے سے کم نہ تھی۔ بدبختوں نے مار مار کر لہولہان کر دیا۔ پانی میں غوطے دیئے۔ گرم ریت پر لٹایا۔ بت نئے ستم ڈھائے۔ سب کچھ برداشت کیا لیکن صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ رسول اللہ فرمایا کرتے کہ صہیبؓ روم کا پہلا پھل ہے۔

بڑے محنتی اور ہُنرمند تھے۔ تھوڑی سی مدّت میں کافی دولت جمع کر لی۔ ہجرت کا حکم آیا تو سب کچھ چھوڑ کر خالی ہاتھ قبا میں حضورؐ سے آملے۔ قرآن میں ان کے ایثار کی تعریف آئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا تم نے بڑی پُرمنفعت تجارت کی ہے۔ ہر غزوہ میں شریک رہے۔ اور تیر اندازی کے جوہر دکھائے۔ بڑے حاضر جواب، پُرمزاح، مہمان نواز اور بہادر انسان تھے۔ ایک بار حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا اگر تم نے صہیبؓ، بلالؓ اور سلمانؓ فارسی کو ناراض کردیا تو اپنے رب کو ناراض کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے انھیں بسترِ مرگ پر انتخابِ خلیفہ تک مسجدِ نبوی میں امامت کے فرائض تفویض کئے۔ ۷۲ سال کی عمر میں ۳۸ھ ہجری میں انتقال کیا اور جنتُ البقیع میں دفن ہوئے۔

ان کے علاوہ اس زمانے میں دولتِ ایمان سے سرفراز ہونے والوں میں حضرت عبداللہؓ ابن ام مکتوم، ہشیمؓ (ابوحذیفہ) بن عتبہ، عبداللہؓ بن حذافہ سہمی، عبداللہؓ بن مخزومہ، عامرؓ بن ابی وقاص، عامرؓ بن ربیعہ، عمیرؓ بن ابی وقاص، حاطبؓ بن حارث، حاطبؓ بن عمرو، سلیطؓ

بن عمرو عامری، واقدؓ بن عبداللہ تمیمی، خالدؓ بن حزام رضوان اللہ اجمعین شامل ہیں۔ ان میں سے کچھ دارالارقم میں جانے سے پہلے اور کچھ بعد میں ایمان لائے۔

تسکینِ اضطراب

پہلی وحی کے نزول کے بعد کئی مہینوں تک کوئی اور وحی نازل نہیں ہوئی۔ یہ دورِ فترتِ وحی یا انقطاعِ وحی کہلاتا ہے۔ ان دنوں حضورؐ کا دل تو یہی چاہتا تھا کہ جبرئیلؑ آئیں، پیغامِ خدا لائیں۔ جب کئی دن تک پیامِ الٰہی نہیں آیا تو آپؐ سوچنے لگے کہیں میرا رب مجھ سے ناراض تو نہیں ہو گیا۔ کیا مجھ میں کوئی کمی پائی گئی ہے کہ توجہ ہٹالی گئی۔ یا مجھ سے کوئی خطا سرزد ہو گئی کہ وحی رُک گئی۔ کتاب التعبیر صحیح بخاری میں لکھا ہے۔ "اور وحی کا آنا رُک گیا۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ کو اس کا غم ہوا۔ آپؐ کئی مرتبہ گھر سے روانہ ہوئے کہ اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے گرادیں۔ لیکن جب کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھتے تو وہاں جبرئیلؑ نمودار ہوتے اور دلاسا دیتے۔ اے محمدؐ! آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔" پھر کچھ دنوں کے لئے وحی رُک جاتی۔ پھر آپؐ مضطرب نکلتے تا اس کہ حضرت جبرئیلؑ تسکین دیتے کہ واقعی آپ پیغمبرِ خدا ہیں۔ بات یہ تھی کہ نزولِ وحی کا سلسلہ کسی ناراضی کی وجہ سے نہیں روکا گیا تھا بلکہ اس میں مصلحت یہ تھی کہ آپؐ میں قوتِ برداشت پیدا ہو اور ساتھ ہی آتشِ شوق فروزاں ہو۔

مُعلّم اسرافیلؑ

ایک روایت یہ بھی ہے کہ آغازِ نبوّت سے آغازِ رسالت تک اس تین سالہ دور میں حضرت اسرافیلؑ آپؐ کی تعلیم کے لئے مقرر کئے گئے۔ نبوّت کے بعد حضورؐ کے اقوال اور اعمال میں زندگی کے ہر شعبے کے متعلق علم و دانش کا جو ہمہ گیر اور اتھاہ خزانہ ملتا ہے جس سے حدیث و سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور جس کی کوئی نظیر کسی دوسرے انسان کے اقوال و اعمال میں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ میں بھی نہیں ملتی۔ وہ ضرور غیب سے آپ پر القا ہوئے ہوں گے اور کیا عجب ہے کہ اس خزانے کو آپؐ کے سینے میں بھر دینے کی خدمت اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرافیلؑ سے لی۔"

(سیرت سرورِ عالم جلد دوم ص۱۴۶)

سلسلۂ وحی وسکینہ

انقطاعِ وحی کی مدّت میں محدّثین کا اختلاف ہے۔ کم سے کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ تین سال بتلائی جاتی ہے۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاریؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں زمانۂ فترت میں ایک راستہ پر جاتا تھا کہ میں نے اچانک ایک آواز سُنی۔ سر اٹھاکر دیکھا تو وہی فرشتہ جو غار میں آیا تھا (حضرت جبرئیل) زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ سورۂ تکویر آیت ۲۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور تحقیق آپ نے فرشتہ کو افقِ مُبین پر دیکھا" اس وقت وہ اپنی اصلی شکل میں نمودار ہوئے تھے۔ حضرت جبرئیلؑ کو اس حالت میں دیکھ کر آپؐ ڈر گئے۔ حتیٰ کہ آپ پر لرزہ طاری ہوگیا۔ اسی حالت میں گھر تشریف لائے اور فرمایا۔ مجھے اُڑھادو۔ مجھے اُڑھادو۔ اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔ گھروالوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ اسی حالت میں تھے کہ سورۂ المدثر کی ابتدائی سات آیات نازل ہوئیں۔

معمارِ حرم باز بہ تعمیرِ جہاں خیز

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝
وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝

"اے اوڑھ لپیٹنے والے اُٹھو۔ اور خبردار کرو۔ اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو۔ اپنے کپڑے پاک رکھو اور گندگی سے دُور رہو، اور احسان نہ کرو زیادہ حاصل کرنے کے لئے اور اپنے رب کی خاطر صبر کرو۔

اِس وحی کے نزول سے حضورؐ کا فریضۂ رسالت شروع ہوتا ہے۔

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ خطاب میں اظہارِ محبّت ہے۔ کہاں اوڑھ لپیٹ کر لیٹ گئے۔ کارِ عظیم کے لئے پورے عزم سے اٹھنا ہے۔

قُمْ — اُٹھو (یعنی بُرائی کے مقابلے میں کمربستہ ہوجاؤ)

فَأَنْذِرْ ۝ — اور متنبہ کرو۔ لوگوں کو احساس دلاؤ کہ آخرکار ان کے اعمال کی جواب دہی ہوگی۔

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ — اور اپنے رب کی (قول اور فعل) سے کبریائی کا اعلان کرو۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ اور اپنے لباس کو پاک رکھو۔ ظاہر کی طرف توجہ دلائی گئی۔
وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ اور (ہر قسم) کی آلودگی سے دُور رہو۔ یعنی باطن کو بھی پاک رکھو
وَلَا تَمْنُنْ کارِ نبوّت کا احسان لوگوں پر مت جتاؤ۔ اور نہ یہ خیال آئے کہ اس میں جان لڑا کر اپنے رب پر کوئی احسان کیا جارہا ہے۔
تَسْتَكْثِرُ ۝ جان جوکھوں کے اس کارِ عظیم میں اپنے رب کی خاطر ہر مشکل اور تکلیف پر صبر کرو۔

وحیِ الٰہی نے تزکیہ کا نظامِ عمل عطا فرمایا۔ اصلاحِ نفس اور تکمیلِ ذات کے لئے واضح ہدایتیں ان کے ساتھ میدانِ عمل میں سرگرم ہونے کا حکم ملا۔ سُورہ عَلَق کی پہلی وحی میں انسانیت کے لئے "صحیح علم" کو شرط قرار دیا گیا۔ یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ مقامِ علم کے اعتراف کے باوجود تکمیلِ انسانیت کے لئے ضرورت "عملِ صحیح" کی ہے۔ سُورۂ مدثر کی سات آیات اسی کی ترجمان ہیں۔ ان دونوں کے امتزاج سے "صراطِ مستقیم" حاصل ہوتی ہے۔[۹۸]

لائحہ عمل

سورۂ مدثر مقصدِ رسالت کا لائحہ عمل ہے:۔

(۱) نافرمانوں کو انجام سے ڈرانا۔
(۲) اللہ تعالیٰ کی کبریائی، عظمت و جلال اور ربُوبیت کا اعلان کرنا۔
(۳) لوگوں کو اعتقاد، اعمال، اخلاق کی ظاہری اور باطنی نجاستوں سے پاک کرنا۔
(۴) دعوت و تبلیغ سے نہ ان پر احسان جتلانا اور نہ ان سے کسی فائدہ کی توقع رکھنا۔
(۵) اس کام میں جس قدر بھی مصائب اور شدائد پڑیں انھیں برداشت کرنا۔

اس نصبُ العین کی بجا آوری میں حیاتِ طیبہ کے ۲۳ سال صرف ہوئے اور حجۃ الوداع کے موقع پر سُورۂ مائدہ کی آیت ۳

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ

تکمیلِ دین کے مُژدہ کے ساتھ نازل ہوئی۔

RekhtaDownload.com

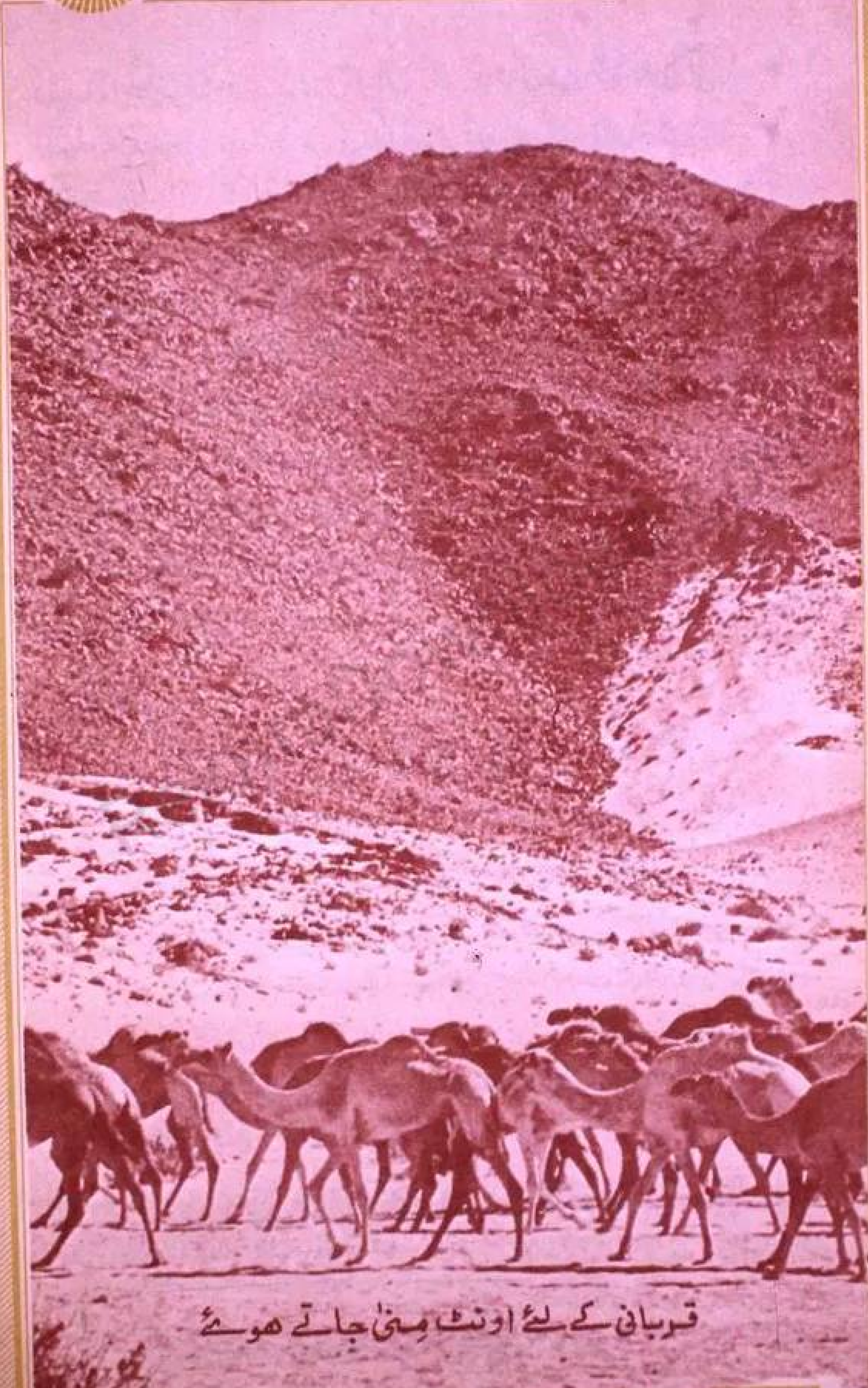

قربانی کے لئے اونٹ منیٰ جاتے ہوئے

نبوّت کا چوتھا سال

سورۂ مدثر میں منصبِ رسالت کی انجام دہی کا لائحہ عمل عطا ہوا۔ اس کے بعد سورۂ الشعرا کی آیات ۲۱۴ اور ۲۱۵ نازل ہوئیں:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ○ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

"اور سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈر سناؤ اور جو مومن تمہارے پیرو ہوں ان سے بتواضع پیش آؤ۔"

لذّتِ کام و دہن

ابنِ اسحاق لکھتے ہیں اس کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خیال کیا اگر اپنی دعوت علانیہ پیش کروں گا تو مجھے قوم کی طرف سے ناروا سلوک سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس لئے میں نے توقف کیا۔ یکایک جبرئیلؑ آگئے اور کہا اے محمدؐ! اگر آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل نہ کی تو آپ کا رب آپ کو عذاب دے گا۔ یہ سُن کر حضورؐ نے حضرت علیؓ کو بلایا اور فرمایا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو متنبہ کروں۔ ہمارے لئے ایک صاع کھانا ایک مسلّم بکرے کا پکا ہوا گوشت اور دودھ کا انتظام کرو۔ پھر بنی عبدالمطلب کو بلا بھیجو۔ کوئی چالیس اہلِ خاندان جمع ہوئے اور سیر ہو کر کھایا۔ جوں ہی طعام ختم ہوا، ابو لہب اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا یہاں سے چل دو۔ کہیں ان کا جادو تم پر چل نہ جائے۔ اس سے پہلے کہ آپ اپنی دعوت پیش فرماتے۔ محفل منتشر ہو گئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دوسرے دن حضرت علیؓ کو اہتمام طعام کا حکم دیا۔ ضیافت سے فارغ ہوئے تو داعئ حق نے خطاب فرمایا۔ اے بنی عبدالمطلب! مجھے کسی ایسے عرب جوان کا علم نہیں جو اپنی قوم کے لئے میری لائی ہوئی دعوت سے بہتر لائحہ عمل لایا ہو۔ میں تمہارے لئے دنیا اور آخرت میں کامیابی کا خیر خواہ ہوں۔ اے اولادِ عبدالمطلب! اے عباس! اے صفیہ میری پھوپھی! اور اے فاطمہ میری بیٹی! تم لوگ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ کیوں کہ میں اللہ کی پکڑ سے تم کو بچانے کا اختیار نہیں رکھتا۔ البتہ میرے مال میں جو چاہو مانگ سکتے ہو۔ یقین جانو یہ دینِ حق کی دعوت ہے۔ تم میں سے کون ہے جو میرا ساتھ دے سکتا ہے اور کون ہے جو میرا بھائی ثابت ہو۔

اہل مجلس پر سناٹا تھا۔ ایسے میں حضرت علیؓ اُٹھے اور عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ آپؐ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ یہ میرا بھائی اور مددگار رہے گا۔ لوگو! تم اسی کی سُن لو۔ اسی کی بات مانو۔ ابولہب نے ابوطالب کو مخاطب کرکے کہا۔ لو اور سُنو۔ اب تم اپنے بیٹے کی فرمانبرداری کروگے؟ یہ کہتے ہوئے قہقہہ لگاکر ہنسنے لگا اور محفل درہم برہم کردی۔

اس کے بعد سورۂ حجر کی تاکیدی آیت ۹۴ نازل ہوئی۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

پس جو حکم تم کو اللہ کی طرف سے مِلا ہے وہ (لوگوں کو) سُنادو۔ اور مُشرکوں کا ذرا خیال نہ کرو۔

نگاہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز

ایک دن صبح سویرے آپ نے صفا کی چوٹی سے پکارا "یاصباحاہ!" "یاصباحاہ!" (ہائے صبح کا خطرہ) یہ نعرہ اس وقت لگایا جاتا ہے جب کوئی شدید خطرہ لاحق ہو۔ عرب چوں کہ رات میں شب خوں نہیں مارتے تھے۔ اس لئے ہتھیار کھول دیتے تھے۔ شب خوں کا وقت صبح کا مقرر کررکھا تھا۔ جب کبھی یہ نعرہ لگایا جاتا تو صبح کا ڈاکہ سمجھا جاتا۔ حضورؐ نے ان کی بداعمالیوں سے آنے والے عذاب کے حملے سے ڈرانے کے لئے

یہ نعرہ لگایا۔ تمام اہلِ شہر دامنِ صفا میں سمٹ آئے۔ فرمایا۔ لوگو! اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کی اُس جانب ایک بھاری لشکر تم پر حملہ کرنے کے لئے تیار کھڑا ہے تو کیا تم میری بات کو سچ مانو گے؟" سب نے بیک زبان جواب دیا۔ تم صادق ہو اور امین بھی۔ ہم نے تمہیں کبھی جھوٹ کہتے نہیں سُنا۔ اور تم بلندی سے دوسری طرف بھی دیکھ سکتے ہو۔

فرمایا۔ تو سُنو! میں تمہیں شدید عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ اپنی جانوں کو بچاؤ۔ اللہ نے مجھے اپنے قریب ترین عزیزوں کو خبردار کرنے کا حکم دیا۔ تم قریش کے لوگ میرے اقارب ہو۔ میں تم کو اللہ سے کچھ دلوانے اور آخرت میں تمہیں کسی حصہ سے بہرہ ور کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اِلّا یہ کہ تم لاالٰہ الا اللہ کے قائل ہو جاؤ۔ تب میں تمہارے رب کے ہاں اس کی شہادت دوں گا۔ اس کلمہ کی بدولت عرب تمہارے تابع اور عجم تمہارا مطیع ہو جائے گا۔

شامتِ اعمال

یہ سُن کر آپ کا چچا ابولہب بولا" ستیاناس جائے تیرا۔ تیرا تمام دن ہلاکت و بربادی میں گزرے۔ کیا تو نے اسی لئے ہمیں جمع کیا تھا" یہ کہہ کر غصہ میں مارنے کے لئے پتھر ہاتھ میں اُٹھایا۔ بدبخت ابولہب کی گستاخی کا جواب بارگاہ حق سے غیظ و غضب بن کر "سورۂ لہب" کی صورت میں نازل ہوا۔ اس میں اس کی بیوی اروی یا حمنہ بنت حرب جو اُمِ جمیل کی کُنیت سے مشہور تھی۔ اس کو" لگائی بجھائی کرنے والی" جہنمی کہا گیا۔ یہ بات جب اس تک پہنچی تو ہاتھ میں پتھر لئے حضورؐ کی تلاش میں نکلی۔ اس وقت حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ صحنِ کعبہ میں بیٹھے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے دیکھا کہ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح ان ہی کی طرف بڑھتی چلی آرہی ہے۔ عرض کیا یارسول اللہ! آپ کی چچی کے تیور بگڑے ہوئے ہیں۔ فرمایا۔ فکر نہ کرو وہ مجھے دیکھ نہ پائے گی۔ ایک فرشتہ مجھے چھپائے ہوئے ہے۔

وہ قریب آئی اور حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا۔ تمہارے دوست کدھر ہیں۔ میں نے سُنا ہے انھوں نے میری ہجو کی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا اِس گھر کے رب کی قسم انھوں نے تمہاری کوئی ہجو نہیں کی۔ غصہ میں اس نے کہا ہم مذمّم کے مُنکر ہیں۔ اس کے دین کے دشمن ہیں۔ نفرت سے حضورؐ کو محمدؐ (ستودہ خصال) کی بجائے مذمّم (بُرا۔ مذموم) کہا۔ بعد میں آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کے سب وشتم

کو مجھ سے پھیر دیا۔ وہ مذمّم کو بُرا کہتے ہیں اور میں محمدؐ ہوں۔

پہاڑی کا واعظ

یہ پہاڑی کا وعظ محض خُطبہ نہیں بلکہ بُنیادی صداقتوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ جبلِ صفا کی بلندی سے خطاب مقامِ نبوّت کی رفعت ہے۔ جہاں سے صرف اللہ کا رسول دنیا و عقبیٰ، غیب و شہود اور حال و مستقبل کو یکساں دیکھتا ہے۔ برملا اعلان کہ آخرت میں نبی کا رشتہ دار ہونا کچھ کام نہ آئے گا۔ کام آنے والی شئے ایمان اور عمل ہے۔

کوہِ صفا کی پہلی للکار نے اہلِ مکہ کو چونکا دیا۔ ساری قوم نے بڑی خاموشی سے نذیر و بشیر کی باتیں سُنیں بجز ابولہب۔

ایک آواز اور سینکڑوں سُننے والے۔ جتنے مُنہ اتنی زبانیں۔ دعوتِ حق کا گلی گلی چرچا ہونے لگا۔ لوگوں کو ایک نیا موضوع ہاتھ آیا۔ اللہ کی عظمت سے وہ ناآشنا نہیں تھے۔ لیکن یہ ڈرانے والا رسول، یہ اعمال کی جواب دہی کے لئے مَر کر زندہ ہونا۔ دوزخ کا دردناک عذاب۔ یہ باتیں سمجھ میں نہیں آرہی تھیں۔ لاکھ ان پر سوچنا نہیں چاہتے لیکن کان پڑی آواز بیکار نہ گئی۔ ہونٹوں نکلی کوٹھوں چڑھی۔ بات پھیلنے لگی۔ اس میں ان کے لئے بظاہر جگڑنے کی کوئی بات نہ تھی۔

جہنّم کا ایندھن

چند دن گزرے کہ نذیرِ قوم (ڈرانے والا) کو حکم آیا:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝ (سورۂ انبیا، آیت ۹۸)

ترجمہ: "اور جس کو اللہ کے سوا تم پُوجتے ہو جہنّم کے ایندھن ہوں گے۔ اور تم سب اس میں داخل ہو کر رہو گے۔"

بس یہ اعلان جلتی پر تیل کا کام کر گیا۔ کعبہ کے یہ ۳۶۰ معبود یہی تو ان کی کمائی کا ذریعہ تھے۔ ان ہی کی پُوجا کے لئے تمام عرب ٹوٹ پڑتا تھا۔ ان ہی سے قریش

کی سارے عرب میں ساکھ قائم تھی۔ یہ نیا اعلان تو ان کی جڑیں کاٹ رہا تھا۔ بتوں کی خدائی کے پردے میں خود ان کی حاکمیت کے پیروں تلے زمین نکل رہی تھی۔ تمام سردارانِ قریش بات کی تہہ تک پہنچ گئے۔ معاملہ ان کی معیشت اور اقتدار کا تھا۔ اس احساس نے ان کی آنکھوں پر تعصب کا چشمہ چڑھا دیا۔ ان کی نظریں یکسر بدل گئیں۔

اوّلیں شہید

بشیر و نذیرؐ نے صفا کی بلندیوں سے حکمِ الٰہی کو نشر فرمایا۔ اہلِ ایمان کو فتحِ عرب و عجم کی بشارت دی۔ نافرمانوں کو عذابِ نار سے ڈرایا۔ اہلِ ایمان کی ایک جماعت جس کی تعداد ابھی چالیس تک بھی نہیں پہنچی تھی۔ حق کے بول بالے کے لئے تیار تھی۔ کوہِ صفا پر سنّتِ ابراہیمی ادا ہوگئی۔ مصلیٰ ابراہیم پر کھڑے ہوکر حرم میں اعلائے کلمۃ الحق کا وقت بھی آن پہنچا تھا۔ ایک دن حرمِ کعبہ میں جاکر توحید کا اعلان فرمایا۔ کفارانِ قریش کے نزدیک یہ حرم کی توہین تھی۔ ہر طرف سے پل پڑے۔ ایک ہنگامۂ آہ و بکا برپا ہوا۔ اہلِ ایمان کو اطلاع ہوئی تو دوڑے آئے۔ ان ہی میں حضرت حارث بن ابی ہالہ (حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر کی اولاد) بھی تھے۔ شمعِ رسالت کو بچانے کے لئے پروانہ وار ٹوٹ پڑے۔ ہر طرف سے تلواریں پڑیں۔ جاں نثار نقدِ جان ہار گیا۔ حرمِ کعبہ میں حق و باطل کی پہلی آویزش میں کسی حق پرست کا یہ اوّلیں نذرانۂ جان و تن تھا۔

پہلا وفد پہلا تقاضہ

بات بڑھ گئی تھی۔ رؤسائے قریش نے مشورہ کیا۔ ایک ذی مرتبت وفد ابو طالب کے پاس آیا۔ اس میں عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ (بنی عبد الشمس) ابوالبختری بن ہشام (بنی اسد) اسود بن مطلب (بنی اسد) ولید بن مغیرہ (بنی مخزوم) عاص بن وائل سہمی (بنی سہم) نبیہ بن حجاج اور ابو سفیان بن حرب (بنی امیّہ) منبہ بن حجاج شامل۔ انھوں نے کہا کہ اے ابو طالب تمہارا بھتیجہ ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے۔ ہمارے دین میں عیب نکالتا ہے۔ ہمارے آبا و اجداد کو گمراہ قرار دیتا ہے۔ اس سے ہمیں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ بہتر ہے تم انھیں ان باتوں سے روکو۔ ورنہ ان کی حمایت سے الگ ہو جاؤ۔ ہم صرف تمہاری خاطر چپ ہیں۔ ابو طالب نے انھیں نرمی سے سمجھایا اور بڑی خوش اسلوبی سے ان کے مطالبہ کو

ٹال دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح تبلیغ میں مصروف رہے۔

حقِ ہمسائیگی

ابو لہب اور عقبہ ابن ابی معیط حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی تھے۔ ایک دیوار اس کے گھر سے ملتی، ایک دیوار اُس کے گھر سے ملتی۔ اب یہ لوگ شرارت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ گھر میں گندگی پھینکتے۔ دروازوں کے پاس کوڑا کرکٹ ڈالتے۔ کبھی کبھی ان کی حرکات سے تنگ آکر آپ باہر نکلتے اور فرماتے۔ "اے عبد مناف! یہ کون سا حقِ ہمسائیگی ہے۔"

ایک دن ابو لہب آیا اور کہنے لگا کہ اگر میں آپ کے دین میں داخل ہو جاؤں تو مجھے کیا ملے گا۔ حضورؐ نے فرمایا جو دوسرے ایمان لانے والوں کو ملے گا۔ یہ سُن کر نخوت وکبر کے پتلے نے کہا "بُرا ہو اس دین کا جس میں بڑے اور چھوٹے سب برابر ہوں۔

ذہنی اذیت

سُورۂ لہب کے نزول نے میاں بیوی کو دشمنی میں شدید کر دیا تھا۔ قبل از بعثت حضور اکرمؐ کی دونوں صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ ابو لہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے منسوب تھیں۔ بیٹوں پر دباؤ ڈال کر یہ نسبتیں توڑ دیں۔ مقصد صرف اللہ کے رسولؐ کو ذہنی اذیت دینا تھا۔

اسی طرح کا دباؤ حضرت ابو العاصؓ پر ڈالا کہ بنتِ رسولؐ حضرت زینبؓ کو طلاق دے دیں لیکن انھوں نے مان کر نہ دیا اور صاف کہہ دیا کہ قریش کی کوئی عورت زینبؓ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہ دونوں صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ کے عقد نکاح میں آئیں۔ اور "ذی النورین" بنا گئیں۔ تمام انبیاء اور صحابہ میں حضرت عثمانؓ ہی ایک ایسے خوش قسمت انسان ہیں جن کی زوجیت میں کسی پیغمبر کی دو صاحبزادیاں آئی ہوں۔

اور نہ وہ ناراض ہوا

جندب بن ابو سفیانؓ راوی ہیں کہ ان ہی دنوں ایک بار حضور اکرمؐ بیمار ہو گئے تو دو تین دن نمازِ تہجد نہ پڑھ سکے۔ ابو لہب ایک دیوار بیچ پڑوسی تھا۔ نمازِ تہجد میں تلاوتِ

کلامِ الٰہی کی آواز اس تک پہنچتی تھی۔ اس کی بیوی اُمِ جمیل آئی اور طنزاً کہنے لگی۔ اے محمدؐ! میں اُمید کرتی ہوں کہ تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے۔ میں نے دو تین راتوں سے اسے پڑھاتے نہیں سُنا۔ اس کے بعد سُورۂ والضحیٰ کا نزول ہوا۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کی قسم کھاکر فرمایا کہ تجھے تیرے رب نے نہیں چھوڑا اور نہ تجھ سے ناراض ہوا۔ بعض مفسّرین سُورۂ والضحیٰ کو دَورِ فترت سے متعلّق کرتے ہیں۔

حضرت عمروؓ بن عبسہ

بعثت کے چوتھے سال تبلیغ کے سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عکّاظ کے میلے میں تشریف لے گئے تو وہاں قبیلہ بنی سُلیم کے ایک نیک فطرت بدوی سے ملاقات ہوئی۔ یہ عمروؓ بن عبسہ تھے۔ گفتگو کے بعد انھوں نے پوچھا کون کون آپ پر ایمان لایا ہے۔ ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ تھے۔ آپؐ نے ان کی طرف اشارہ فرمایا۔ زبانِ نبوّت سے وحیٔ الٰہی سُن کر عرض کیا اے اللہ کے نبیؐ میں بھی آپ پر ایمان لاتا ہوں۔ یہ زمانہ مسلمانوں پر سخت اِبتلا کا تھا۔ فرمایا فی الحال اپنے قبیلہ میں واپس چلے جاؤ۔ جب تم سُنو کہ میں غالب آگیا ہوں تو پھر میرے پاس چلے آنا۔ گھر سے نکلے تو خالی ہاتھ تھے واپس ہوئے تو دولتِ ایمان سے مالامال۔ فتحِ مکّہ سے کچھ دنوں پہلے مدینہ میں خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں۔ فرمایا۔ ہاں تم وہی ہو جو مکّہ میں مجھ سے ملے تھے۔ عرض کیا۔ جی ہاں! اے اللہ کے رسولؐ! آپ کو اللہ نے جو علم دیا ہے وہ تھوڑا سا مجھے بھی سِکھا دیجئے۔ انھوں نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں حضرت امیر معاویہؓ والیٔ شام کی قیادت میں رومیوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیا۔ بعض نے انھیں حضرت ابوذر غفاریؓ کا اخیافی بھائی لکھا ہے۔

اپنی سَر اے ھمیں لکھیں۔

مقامِ ابراھیمؑ

نبوّت کا پانچواں سال

ابتر

سورۂ کوثر کا نزول بھی اسی زمانے میں ہوا جب کہ تمام قریش حضورؐ کے مخالف ہو گئے تھے۔ آپ کی ایک ایک تکلیف پر اظہارِ مسرت کیا کرتے تھے۔ ان ہی دنوں حضورؐ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ بچپن میں انتقال فرما گئے۔ غم و اندوہ کے اس واقعہ پر آپ کے دو نوں پڑوسی بے حد خوش ہوئے۔ ابولہب ہر چند آپ کا چچا تھا لیکن جب اسے پتہ چلا تو دوڑا دوڑا مشرکین کے پاس گیا اور انھیں بتایا کہ "آج رات محمدؐ لاولد ہو گئے۔ یا ان کی جڑ کٹ گئی"۔ یہی بات دوسرے پڑوسی عقبہ ابن معیط سے بھی منسوب کی جاتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایسی خوشی منانے والا شخص بنی سہم کا سردار عاص بن وائل تھا۔ جس نے کہا تھا "محمدؐ ابتر ہیں۔ ان کا کوئی بیٹا نہیں ہے جو ان کا قائم مقام بنے۔ جب یہ مر جائیں گے تو ان کا نام و نشان دنیا سے مِٹ جائے گا اور ان سے تمہارا پیچھا چھوٹ جائے گا"۔ ابوجہل بھی انہی لوگوں میں سے ایک تھا جو یہ بات کہتے پھرتے تھے۔

خیرِ کثیر

ان ہی دنوں یثرب کا یہودی سردار کعب بن اشرف مکہ آیا۔ قریش نے اسے گھیر لیا اور بتایا کہ بھلا دیکھو تو سہی یہ شخص جو قوم سے کٹ گیا ہے۔ اپنے آپ کو ہم سے بہتر سمجھتا ہے۔ حالانکہ ہم کعبہ کے متولّی اور بیتُ اللہ کے محافظ ہیں۔ یہودی نے ان کی تصدیق کی۔ یہ وہ دل شکن حالات تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرمؐ پر سورۂ کوثر نازل فرمائی اور آپؐ کو خیرِ کثیر کی خوشخبری دی۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ کی پیشین گوئی کس طرح

پوری ہوئی۔ ان مشرکوں کی آل اولاد کا پتہ تک نہیں۔ اس کے برعکس حضورؐ کی رُوحانی اولاد مسلمانوں کی صُورت میں کروڑوں کی تعداد میں ہر زمانہ میں اور قیامت تک حضورؐ کا نہ صرف نام لیتی رہے گی بلکہ آپ کے فرمُودات واحکامات پر حتیٰ الامکان عمل کرنے کو سعادتِ دارین سمجھتی رہے گی۔

دوسرا وفد — دوسرا مطالبہ

حضور اکرمؐ نے تبلیغ میں شدت پیدا کر دی۔ بُتوں کی بے بسی کا پردہ چاک کیا۔ یہ حال دیکھ کر مشرکین کا دوسرا وفد بنی ہاشم کے سردار کی خدمت میں آیا۔ یہ وہی بنی قریش کے سربرآوردہ اشخاص تھے۔ اس دفعہ انھوں نے ابوطالب سے کہا کہ آپ ہمارے بزرگ عزّ وشرف، مرتبہ اور حیثیت میں ہم سب میں مُمتاز ہیں۔ ہم آپ ہی کا لحاظ کر کے چُپ ہیں۔ پچھلی بار بھی ہم نے آپ کی توجہ مبذول کی تھی لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ یا تو آپ اپنے بھتیجے کو اس کام سے روک دیں یا پھر درمیان سے ہٹ جائیں۔ یہاں تک کہ دونوں گروہوں میں سے کوئی ایک برباد ہو جائے۔" اس کے بعد بڑے ناراض ہو کر وہ سب چلے گئے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ابوطالب نے ان کی موجودگی میں اپنے بیٹے عقیل کو بھیجا۔ کہ محمدؐ کو بُلا لاؤ۔ سخت دُھوپ میں آپ تشریف لائے۔ ابوطالب نے سردارانِ قریش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ان کو اذیت دینا بند کر دو۔ آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی اور فرمایا کیا تم لوگ یہ سورج دیکھ رہے ہو؟ کہا "ہاں" فرمایا جس طرح یہ آفتاب اپنے شعلے روکنے پر قادر نہیں اسی طرح میں بھی اپنے کام کو چھوڑنے پر قادر نہیں۔ یہ کہتے ہوئے آپ وہاں سے تشریف لے گئے۔ ابوطالب نے اہلِ وفد سے کہا میرے بھتیجے نے آج تک کوئی بات جھوٹ نہیں کہی۔ یہ جواب سُن کر وہ اپنا مُنہ بسورتے چلے گئے۔

یہ دھمکی ایسی نہ تھی کہ ابوطالب چشم پوشی کر جاتے۔ انھوں نے حضورؐ کو پھر بلایا اور کہا کہ قوم کے معزز سرداروں سے میں تنہا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ میں سہار نہ سکوں۔ اب وہ مجھ سے صاف صاف کہہ گئے ہیں۔ میں اپنے آپ کو اب بے بس پاتا ہوں۔

رَزمِ حق و باطل

حضورؐ نے ان کے پائے ثبات میں لغزش دیکھی تو پُرعزم اور پُریقین لہجہ میں ارشاد

فرمایا: "خدائے ذوالجلال کی قسم! اگر وہ لوگ میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب رکھ دیں اور چاہیں کہ میں تبلیغ سے باز آجاؤں تو یہ ناممکن۔ اب یا تو اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب فرمادے گا یا میں اس راہ میں قربان ہو جاؤں گا۔

چٹان کی طرح اٹل عزم و یقین کی مانند لہجہ اور عزیمت و استقلال سے آراستہ تیور دیکھے تو ابو طالب نے کہا جاؤ اور جو چاہو کرو، میں تمہیں کسی قیمت پر اُن کے حوالے نہیں کر سکتا۔

دینِ خدا کے دشمن

اب دونوں طرف سے شدّت کا اظہار ہونے لگا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حق کہنے اور دعوت و تبلیغ میں شدّت اختیار کرنے لگے اور کفار ایذا رسانی میں شدید ہونے لگے۔ ان دشمنانِ خدا، رسولِ خدا اور دینِ خدا میں پیش پیش حسب ذیل سردار تھے جو ہاتھ دھو کر اہلِ اسلام کے پیچھے پڑے ہوئے تھے:

بنی اسد کا	اسود بن المطلب
بنی زہرہ کا	اسود بن عبدیغوث
بنی سہم کا	عاص بن وائل - حارث بن قیس بن عدی
بنی ہاشم کا	ابولہب بن عبدالمطلب
بنی جمح کا	امیہ بن خلف - اُبَی ابن خلف
بنی عبدالدار کا	نضر بن حارث
بنی سہم کا	مُنبّہ بن الحجاج - جُنبیہ بن الحجاج
بنی اسد کا	ابوالبختری بن ہشام
بنی مخزوم کا	عمرو بن ہشام یعنی ابوجہل - زبیر بن ابی امیہ ولید بن مغیرہ - ابوقیس بن الفاکہ بن مغیرہ سائب بن صیفی بن عابد - اسود بن عبدالاسد
بنی امیہ کا	عاص بن سعید بن عاص - عقبہ بن ابی معیط حکم بن العاص
بنی ثقیف کا	عدی بن حمراء
الہذلی کا	ابن الاصدی

ان کے علاوہ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اسلام دشمنی میں تو ان کے ساتھ تھے لیکن اس درجہ شدت پسند نہ تھے۔ یہ لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی نہیں کرتے تھے۔

بنی عبدالشمس بن عبدمناف سے	عتبہ بن ربیعہ
بنی عبدالشمس بن عبدمناف سے	شیبہ بن ربیعہ
بنی امیہ سے	ابوسفیان بن حرب

دشمنی میں جو حد درجہ آگے بڑھ گئے تھے۔ ان میں ابوجہل ابن ہشام، عقبہ ابن ابی معیط اور ابولہب تھے۔

ابوجہل

عمرو بن ہشام بنی مخزوم کے سرداروں میں سے تھا۔ ذی مرتبت، ذی عقل اور ذی حشم، لباس اور سواری کا خاص اہتمام کرتا تھا۔ خاندانی عصبیت کا دلدادہ، کبر و نخوت کا پتلا۔ دبلا پتلا، رُوکھا پھیکا، کڑک دار آواز اور سخت لہجے والا۔ دینِ حق کا بیری اور ازلی دشمن تھا۔ چالاکی اور ہوشیاری کی بنا پر قریش نے اسے ابوالحکم کا لقب دیا تھا۔ تعصب اور ضد کی وجہ سے اسے اسلام میں کوئی خوبی دکھائی نہ دی۔ اسی لئے داعیٔ حق ؐ نے اسے ابوجہل کا لقب دیا تھا۔ علاوہ ازیں وہ بڑا سرکش، شیخی خورا، بداخلاق، بدزبان اور شقی القلب تھا۔

ایک دفعہ اراش کا رہنے والا ایک شخص اونٹ بیچنے کے لئے مکہ آیا۔ ابوجہل نے اس سے کچھ اونٹوں کا سودا کیا۔ اونٹ اپنے قبضے میں کر لئے۔ دام طلب کئے تو لیت و لعل کرنے لگا۔ آخر تنگ آکر حرم میں جس وقت تمام سردار جمع تھے۔ اس نے فریاد کی۔ اتفاق سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف رکھتے تھے۔ کسی نے شرارتاً اشارہ کیا کہ یہ صاحب تم کو قیمت دلوا سکتے ہیں۔

وہ اراشی حضورؐ سے دادخواہ ہوا۔ آپ فوراً اس کے ساتھ ہو لئے۔ قریش کے سرداروں نے پیچھے ایک آدمی لگا دیا۔ آپؐ نے ابوجہل کے گھر پر دستک دی۔ پوچھا کون ہے؟ فرمایا۔ محمدؐ۔ فوراً کنڈی کھولی۔ آپؐ کو دیکھتے ہی اس کا رنگ فق ہو گیا۔ فرمایا اس اراشی کا حق ادا کرو۔ اُلٹے پاؤں اندر گیا اور رقم لا کر دے دی۔ قریش کے مخبر نے بے چون و چرا تعمیل کی داستان سب کو سُنائی۔

یتیم کا حق

ایک یتیم ابوجہل کی کفالت میں تھا۔ اس نے یتیم کا مال ہتھیالیا اور اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ وہ ایک ایک کی دُہائی دیتا لیکن ابوجہل کی سرکشی کے سامنے کوئی اس کے حق کا طرف دار نہ ہوتا۔ شرارتاً کسی نے اس یتیم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ آپ فوراً اس کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے بدترین دشمن کے گھر تشریف لے گئے۔ حضورؐ کے کہنے پر ابوجہل نے یتیم کا مال واپس کر دیا۔ قریش تو موقع کی تلاش میں تھے۔ ابوجہل سے کہا کہ تو دین سے پھر گیا جو محمدؐ کی باتیں ماننے لگا ہے۔ کہا یہ بات نہیں، بلکہ جب وہ کسی کا حق دِلوانے آتے ہیں تو انھیں دیکھ کر ایک ہیبت سی مجھ پر طاری ہو جاتی ہے اور میں ان کے کہنے پر عمل کرنے پر مجبور ہو جاتا ہوں۔

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ بنی زبید کا ایک شخص تین بڑھیا اُونٹ فروخت کرنے کے لئے مکّہ لایا۔ ابوجہل نے بڑھ کر اس کی بولی لگائی جو بہت کم تھی۔ اب کسی اور سردار نے جرأت نہ کی کہ قیمت بڑھاتا۔ اس شخص نے حرم میں آکر اس ظلم پر دُہائی دی۔ اتفاق سے حضورؐ بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ پوچھا کس نے تم پر ظلم کیا۔ عرض کیا، سردار ابوالحکم نے۔ حضورؐ نے مناسب قیمت پر اس سے تینوں اونٹ خرید لئے۔ ابوجہل دیکھتا ہی رہ گیا۔ لوگوں نے اس پر آوازے کسے کہ شائد تم اب محمدؐ کی پیروی کرنے لگے ہو۔ کہا یہ بات نہیں بلکہ میں نے جب محمدؐ کی طرف دیکھا تو ان کے ساتھ کچھ نیزہ بردار نظر آئے اور مجھے یوں لگا کہ اگر میں اس وقت کچھ کروں تو وہ مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے۔ اسی لئے میں خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔

زخاکِ مکّہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی است

ابوجہل کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درجہ دشمنی کیوں تھی اس کا راز اس واقعہ سے ملتا ہے۔ اللہ کے رسولؐ اکثر آخر شب تہجّد کی نماز میں قرآن بالجہر (آواز سے) تلاوت کیا کرتے تھے۔ قرآن کی کشش اور لحنِ رسولؐ کی حلاوت، اکثر کفار اُسے چُھپ کر سُنا کرتے۔ ایک بار ابوجہل، ابوسفیان اور اخنس بن شریق الگ الگ چُھپ کر سُننے لگے۔ صبح ہوئی تو ایک دوسرے کو پہچانا۔ یہ تینوں اسلام کے دشمن تھے۔ عہد کیا

میدانِ بدر

کہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے۔ رات آئی تو رہا نہ گیا۔ ہر ایک نے سمجھا دوسرا نہیں آئے گا۔ صبح ہوئی تو تینوں موجود تھے۔ اگلے دن کے لئے پختہ وعدے کے ساتھ جُدا ہوئے۔ قرآن کی کشش تیسری رات بھی انھیں کھینچ لائی۔ شرمندہ شرمندہ ایک دوسرے سے مُنہ چھُپائے رخصت ہوئے۔ آخر اخنس بن شریق ابوسفیان کے گھر گیا۔ پوچھا رات تم نے محمدؐ کو سُنا۔ اس کلام کے بارے میں اپنی رائے کا سچ سچ اظہار کرو۔ ابوسفیان نے جواب دیا حق یہ ہے کہ بہت اعلیٰ دارفع کلام ہے کچھ تو سمجھا اور کچھ عقل میں نہیں آیا۔ اخنس نے کہا واقعی میری بھی یہی رائے ہے اب وہ ابوجہل کے پاس آیا اور اس سے بھی یہی سوال کیا۔ جواب ملا اصل بات یہ ہے کہ ہم سے اور بنو عبد مناف سے مقابلہ تھا۔ کھانے کھلانے میں، عطا و بخشش میں۔ ہر بات میں ہم دونوں برابر رہے۔ اب وہ کہتے ہیں کہ ہم میں نبی ہے جس کے پاس وحی آتی ہے۔ لات و ہبل کی قسم میں جان دے دوں گا مگر مرتے مرتے بھی اس کی تصدیق نہیں کروں گا اور وہ اس عہد پر آخر دم تک قائم رہا۔

فرعونِ وقت

۲ھ ہجری میں حق و باطل کا معرکہ بدر کے میدان میں ہوا۔ جنگ کا ہمہمہ ختم ہوا تو مجاہد اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کوئی دیکھے تو ابوجہل کس حال میں ہے؟ حضرت عبداللہؓ ابن مسعود تلاش میں نکلے۔ دیکھا کشتوں کے ڈھیر پر پڑا ہے لیکن ابھی جان باقی ہے۔ ابن مسعودؓ نے داڑھی پکڑ کر پوچھا۔ کہا تو ابوجہل ہے؟ بولا کیا ہوا اگر کسی کو اس کے قوم کے آدمی نے قتل کر دیا۔ فرمایا تو اپنی قوم کے آدمی کے ہاتھوں قتل نہیں ہوا بلکہ انصار میں سے معاذؓ و معوذؓ نے تجھے اس انجام تک پہنچایا ہے۔ کہا کاش! میں کاشتکاروں کے ہاتھوں مارا نہ جاتا۔ رسی جل گئی پر بل نہ گیا تھا۔

حضرت عبداللہؓ ابن مسعود نے اس کا سر کاٹنے کا ارادہ کیا تو اس وقت بھی اس کو اپنے مرتبہ اور سرداری کا احساس تھا۔ رعونت کے ساتھ بولا دیکھو میرا سر گردن کے آخری حصہ سے کاٹنا تاکہ مقتولین کے سروں میں سب سے اونچا معلوم ہو۔ حضرت عبداللہؓ ابن مسعود نے اس کا سر تن سے جُدا کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا ڈالا۔ دیکھا تو فرمایا "یہ اس عہد کا فرعون تھا" اس موقع پر حضور اکرمؐ نے حضرت عمارؓ ابن یاسر کو طلب فرمایا وہ آئے تو ارشاد ہوا کہ دیکھو تمہاری ماں کے قاتل کا اللہ نے فیصلہ فرما دیا۔

نقشہ مسجد الحرام ___ مکۂ مکرمہ

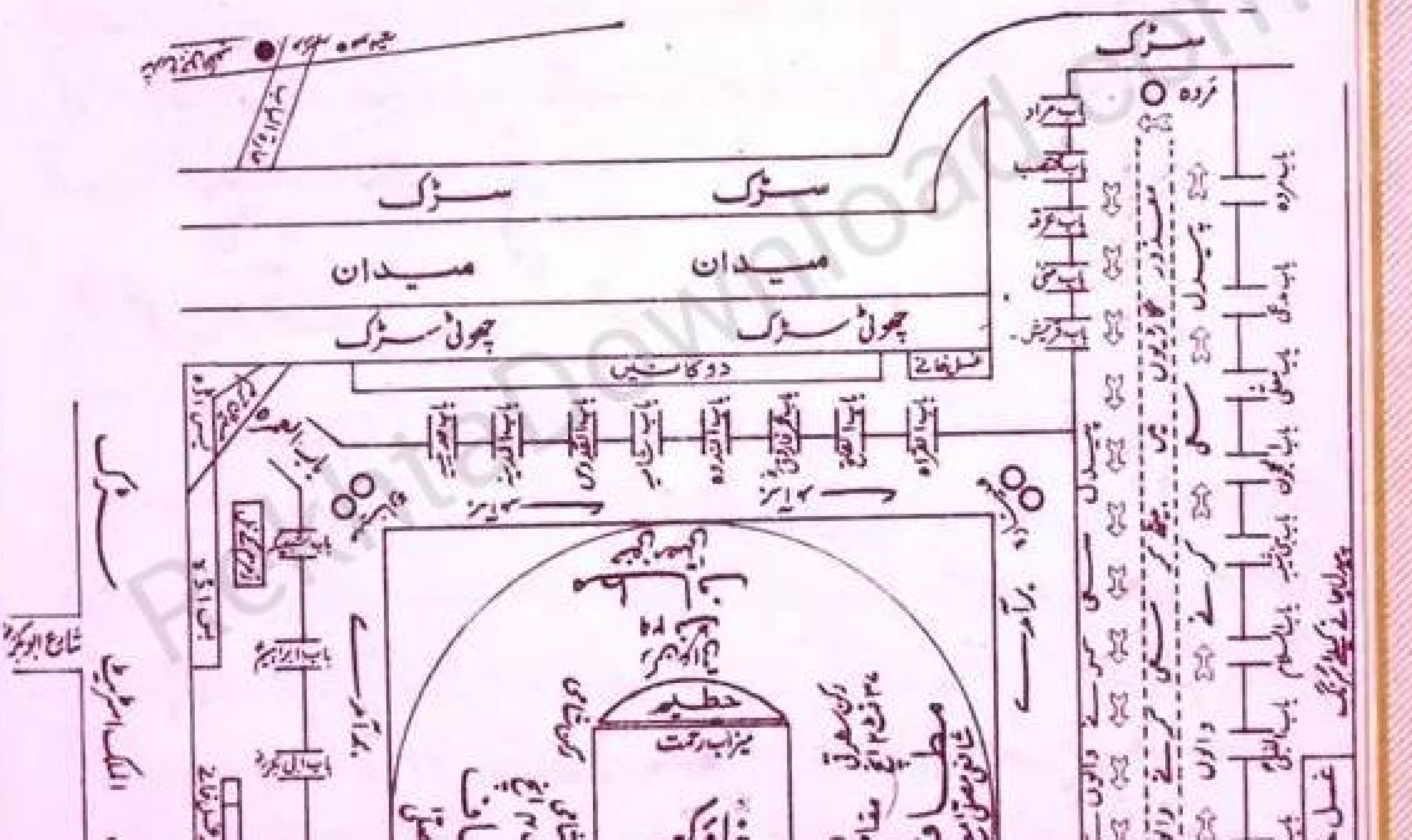

عقبہ ابن ابی معیط

عقبہ ابن ابی معیط بھی اسلام دشمنی میں حد سے بڑھ گیا تھا۔ اس کا نام ابان بن ابی عمرو بن اُمیہ بن عبدالشمس تھا۔ کنیت ابو ولید تھی۔ یہ حضورؐ کا ایک دیوار بیچ پڑوسی تھا۔ آپؐ فرمایا کرتے میں دو بدترین پڑوسیوں کے درمیان رہتا تھا۔ ابولہب اور عقبہ۔ یہ دونوں میرے گھر میں گندگی پھینکا کرتے۔ وہ ابوجہل کے ساتھ مل کر آپؐ کی شان میں گستاخی کیا کرتا۔ کبھی کبھی گستاخی سے ایذارسانی پر اُتر آتا۔ حضورؐ ہر ایذا کو برداشت کر لیتے۔ کسی کو بُرا تک نہ کہتے۔ ایک دن حضورؐ حرمِ کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے کہ عقبہ ابن ابی معیط آیا۔ ابوجہل جو پہلے ہی سے صحنِ کعبہ میں دوسرے سرداروں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ عقبہ سے کہا وہ دیکھو اونٹ کی تازہ اوجھ پڑی ہے۔ کیسا مزہ آئے گا اگر یہ محمدؐ کی گردن پر رکھ دی جائے۔ عقبہ بوجھ اٹھا لایا اور عین اس وقت جب کہ حضورؐ حالتِ سجدہ میں تھے۔ بدبخت نے یہ گندگی گردن پر رکھ دی۔ جس کے بوجھ سے حضورؐ سر بھی نہ اٹھا سکے۔ سب کفار قہقہہ پر قہقہہ لگانے لگے۔ کسی نے اس کی اطلاع گھر پر کر دی۔ حضرت فاطمہؓ دوڑی دوڑی آئیں اور اس بوجھ کو ہٹایا۔ حضرت عبداللہؓ ابن مسعود کہتے ہیں میں غلام اور مجبور آدمی تھا حضورؐ کی مدد نہ کر سکا۔ حضورؐ کی اس حالت پر مجھے بے حد تکلیف ہوئی۔

اہانتِ نماز کا انجام

جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ کیونکہ انھوں نے نماز کی اہانت کی تھی۔ اس لئے تین مرتبہ فرمایا "اَللّٰھُمَّ علیک بقریش" جب کفارانِ قریش نے یہ سُنا تو لرز گئے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ کی دُعا قبول ہوتی ہے۔ یہ اجمالی بددُعا تھی۔ اس کے بعد دو جماعتوں کو آپؐ نے نام بنام بددُعا دی۔ اَللّٰھُمَّ علیک بابی جہل بن ہشام وعقبہ بن ربیعہ وشیبہ بن ربیعہ و ولید بن عقبہ، عقبہ بن ابی معیط، اُبَیّ بن خلف، عمارہؓ بن ولید۔ حضرت عبداللہؓ ابن مسعود کہتے ہیں خدا کی قسم جن جن کو آپؐ نے بددُعا دی تھی وہ بدر کے دن قتل ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک کو مُنہ کے بل گھسیٹ کر میدانِ بدر کے گڑھوں میں ذلت سے ڈالا گیا۔ اُبَیّ بن خلف کا تو جوڑ جوڑ علیحدہ ہو گیا تھا۔

ازلی بدبخت

عقبہ ابن ابی معیط ایک روز حضورؐ کے پاس آ کر کچھ دیر بیٹھا اور آپؐ کی باتیں سُنتا رہا۔ اس کی خبر اس کے جانی دوست اُبی بن خلف کو ہوگئی۔ وہ فوراً عقبہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا ہبل کی سوگند اُس وقت تک تجھ سے بات نہ کروں گا جب تک محمدؐ کے مُنہ پر تھوک نہ آئے۔ وہ بدبخت دوست کی خاطر یہ حرکت کر گزرا۔ حضورؐ پر وحی نازل ہوئی۔

"اور اُس دن کو یاد کرو کہ جس دن حسرت اور ندامت سے اپنے ہاتھ مُنہ میں کاٹے گا اور کہے گا اے کاش میں رسولؐ کے ساتھ اپنی راہ بناتا اور کاش فلاں کو اپنا دوست نہ بناتا۔ اس کم بخت نے مجھے اللہ کی نصیحت سے گمراہ کیا۔"

ایک دن تاجدارِ حرمؐ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے عقبہ بن ابی معیط آیا اور گردن مبارک پر چادر ڈال کر بیچ دینے لگا تا ایں کہ گلا گھونٹنے سے آپؐ کی آنکھیں نکل پڑیں۔ اتفاقاً حضرت ابو بکرؓ کا ادھر سے گزر ہوا۔ پیچھے سے آ کر اس کے شانے کو پکڑ لیا اور دھکا دے کر چادر کا سرا چھین لیا۔ بل کھول دیئے اور ان ظالموں کو مخاطب کر کے وہی بات کہی جو مومن آلِ فرعون نے کہی تھی۔

تم ایک شخص کو محض اس جرم میں قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے "میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے پاس واضح دلائل لے کر آیا ہے۔"

عقبہ جنگ بدر میں قید ہوا۔ مقام صفراء میں اسے سُولی پر چڑھایا گیا۔ کہتے ہیں یہ پہلا شخص ہے جسے عہدِ اسلام میں پھانسی دی گئی۔

ستم پیشہ

حجاج بن سہمی کے بیٹے نُبیّہ اور مُنبّہ بھی حضورؐ کو ایذائیں دیتے اور طنز سے کہتے کہ اللہ کو تیرے سوا کوئی اور نہیں مِلا جسے نبی بناتا۔ مُنبّہ اور اس کا بیٹا عاص بن مُنبّہ جنگ بدر میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ مشہور زمانہ تلوار ذوالفقار، عاص ہی کی تھی جو مال غنیمت میں ملی اور حضورؐ نے حضرت علیؓ کو عنایت فرمائی۔ فقار ریڑھ کی ہڈی کو کہتے ہیں چونکہ اس تلوار میں دندانے بنے ہوئے تھے اور اپنی نوعیت کی خاص تلوار تھی اسی لئے ذوالفقار

نام دیا گیا۔

اسود بن عبدیغوث، استہزاء کرنے والوں میں سے تھا۔ کہتا اے محمدؐ! کیا آج آپ نے آسمان والوں سے بات نہیں کی۔ نادار مسلمانوں پر ہنستا کہ یہ سلطنت عجم کے مالک ہوں گے۔ لُو لگنے سے اس کا چہرہ لال ہو گیا۔ گھر والوں نے پہچاننا تک نہیں۔ نکال دیا۔ جبرئیل علیہ السّلام کے اشارے سے اُسے آکلہ کی بیماری ہو گئی۔ بدزبانی کرنے والے کا مُنہ پیپ سے بھر گیا اور وہ اسی میں مر گیا۔

ولید بن مغیرہ، بنی مخزوم کا سردار تھا۔ بنی قریش مل کر کعبہ کا غلاف تیار کرتے تو ولید اکیلا یہ کام کرواتا۔ اسی لئے اسے عدل کے لقب سے یاد کیا جاتا۔ ہجرت کے تین ماہ بعد ۹۵ سال کی عمر میں مرا۔ اس کے بیٹے نامور جنرل حضرت خالدؓ بن ولید ہیں جو اسلام قبول کر کے سیف اللہ کہلائے۔

نضر بن الحرث، کا تعلق بنی عبدالدار سے تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانے اور صحابہؓ کو ایذا دینے میں سب سے بڑھا ہوا تھا۔ یہودیوں اور نصرانیوں سے میل جول رکھتا تھا۔ ان ہی سے نبی کے ظہور کا ذکر سُنا تھا۔ اسی نے کہا تھا کہ محمدؐ پرانے افسانے سُناتے ہیں۔ بدر میں گرفتار ہوا اور اس کی گردن اُڑا دی گئی۔

اسود بن مطلب، بھی مذاق اُڑانے والوں میں سے تھا۔ مسلمانوں کی طرف اشارہ کر کے کہتا کہ زمین کے بادشاہ آئے ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے خزانوں پر قبضہ کریں گے۔ آپؐ کو دیکھ کر سیٹیاں اور تالیاں بجاتا۔ اندھا ہو کر مرا۔

مطعم بن عدی، بھی ایذا اور گالیاں دینے اور دوسروں سے یہی کام کروانے والوں میں سے تھا۔ جنگِ بدر میں حضرت حمزہؓ نے قتل کیا۔

خلف کے دونوں بیٹے اُبیّ اور اُمیّہ سردارانِ مکّہ میں سے تھے۔ بڑے شریرالنفس، مذاق اُڑانے والوں اور جھٹلانے والوں میں پیش پیش تھے۔ ایک دن اُبیّ ران کی بوسیدہ ہڈی لایا اور اسے ریزہ ریزہ کرتے ہوئے کہنے لگا کیا آپ کا رب اِس چورے کو پھر سے جوڑ دے گا۔ اسی وقت قلبِ اطہر پر وحی کا نزول ہوا "تو کہہ دیجئے اے رسولؐ کہ ان کو وہی اللہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلے پیدا کیا تھا۔" اس بدبخت کو حضورؐ نے جنگِ اُحد میں چھوٹے نیزہ سے قتل کیا۔ اس کا بھائی اُمیّہ جنگِ بدر میں حضرت بلالؓ کی نشان دہی پر مارا گیا۔ حضرت بلالؓ اس کے غلام تھے جن پر اس نے ظلم کے پہاڑ توڑے تھے۔

عینی شاہد

حضرت عروہؓ ابن زبیرؓ نے حضرت عبداللہؓ ابن عمرو بن العاص سے پوچھا جو ایذائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئیں اور آپ نے دیکھیں ان میں سب سے زیادہ کون سی تھیں۔ کہا ایک دن اشراف قریش مقام حجر پر مسجد الحرام میں بیٹھے تھے اور آپؐ کا تذکرہ تھا کہ ہمارے معبودوں کو بُرا کہتا ہے۔ ہماری یکجہتی پراگندہ کر رہا ہے۔ اتنے میں آپؐ تشریف لائے۔ حجرِاسود کو بوسہ دیا اور کعبۃ اللہ کا طواف کیا۔ لوگوں نے زور زور سے آوازے کسنا شروع کر دیئے۔ آپؐ برداشت کرتے رہے لیکن ان کی آوازیں بڑھنے لگیں۔ آخر تیسرے طواف پر آپؐ رُکے اور عالمِ جلال میں فرمایا "سُن لو اے قریشیو! اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ میں تمہارا پیامِ قتل لے کر آیا ہوں" یہ سُن کر کافروں پر لرزہ طاری ہو گیا۔ آوازیں بند ہو گئیں۔ ایسے سہم گئے جیسے کوئی پرندہ ان کے سر پر بیٹھا ہو۔ جو اُن میں سب سے زیادہ دریدہ دہن تھا وہ خوشامد سے کہنے لگا۔ ابوالقاسمؐ! آپ تو جاہل نہیں ہیں۔ اپنے گھر چلے جائیے۔

دوسرے دن پھر اہلِ قریش حجر میں اکٹھا ہوئے۔ مقامِ حجر حطیم اور دیوارِ کعبہ کی درمیانی جگہ کو کہتے ہیں۔ حطیم اس حصہ کا نام ہے جو کمان نما دیوار اور کعبۃ اللہ کے درمیان ہے۔ یہ حصہ پہلے کعبہ میں داخل تھا۔ قریش نے تعمیرِ نو کے وقت روپیہ کی کمی کی وجہ سے کعبہ میں شامل نہیں کیا بلکہ ایک کمان کی شکل کی منڈیر سے گھیر دیا۔ سب لوگ حجر میں بیٹھے کل کی دھمکی پر خائف ہونے پر ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ اتنے میں آپؐ آتے ہوئے نظر آئے۔ پچھلے دن کی خفت مٹانے سب کے سب ایک دم جھپٹے۔ اور آپؐ کو گھیرے میں لے لیا۔ پوچھا کیا تم ہمارے معبودوں کو بُرا کہتے ہو۔ آپؐ نے پُرعزم لہجہ میں فرمایا "ہاں" اتنے میں ایک شخص بڑھا اور آپ کی ردا کا دامن پکڑا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ بے اختیار رونے لگے اور ان سے کہا۔ خدا تم کو غارت کرے۔ کیا تم اس شخص کو اس لئے ہلاک کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔"

حضرت ابوبکرؓ کو سینہ سپر دیکھ کر وہ لوگ پلٹ گئے۔ یہ کفارانِ قریش کا شدید ترین سُلوک تھا جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ۹۹

ماہیتِ قلب

رکانہ بن یزید بن ہاشم قریش کا شہ زور پہلوان تھا۔ سخت عداوت رکھتا تھا۔ ایک بار حضورؐ سے کسی پہاڑی میں ملاقات ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا۔ رکانہ اب تمہارے ایمان لانے کا وقت قریب آگیا ہے۔ کہا اگر آپ مجھے کشتی میں پچھاڑ دیں تو اپنی نصف بکریاں دے دوں گا۔ آپؐ نے اُسے پٹخ دیا۔ اس نے دوسری دفعہ لڑنے کو کہا۔ آپؐ نے اِس دفعہ بھی پچھاڑ دیا۔ آپ اہلِ مکّہ سے کیا کہیں گے؟ فرمایا میں یہ کہوں گا کہ میں نے رکانہ کو چت کر دیا اور آدھی بکریاں حاصل کیں۔ عرض کیا ایسا نہ کہئے بلکہ یہ کہئے اس نے مجھے دے دیں۔ آپؐ نے فرمایا جھوٹ کیوں بولوں۔ رکانہ نے کہا بے شک آپ جھوٹ نہیں بولتے یہ کہہ کر ایمان لے آیا۔

محاذ آرائی

کفر نے حق کے خلاف محاذ بنایا تو اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق ایک ایک محاذ پر ڈٹ گئے اور اپنی اپنی شخصیت کا پورا وزن رسولؐ دشمنی کے پلڑے میں ڈال دیا۔ راہِ مخالف میں پہلا مرحلہ استہزاء سے شروع ہو کر آخر کار غُنڈہ گردی تک پہنچتا ہے۔

استہزاء (طنز اور دشنام طرازی) کے محاذ پر جو لوگ آگے آگے تھے ان میں بنی مخزوم سے ولید بن مغیرہ، بنی سہم سے عاص بن وائل، بنی اسد سے اسود بن المطلب، بنی خزاعہ سے حارث بن طلاطلہ، بنی زہرہ سے اسود بن یغوث قابلِ ذکر ہیں۔

دشمنانِ رسول کا حشر

ہر تیرِ طنز اور سنگِ دشنام کا ہدف ذاتِ اقدس تھی۔ کبھی "صابی" یعنی بے دین اور مُرتد کہہ کر پکارا جا رہا تھا۔ کبھی "ابن ابی کبشۃ" کہہ کر گالی دی جا رہی تھی۔ ابن ابی کبشۃ ایک بدنام مگر مشہور شخص تھا جس نے عرب کے آبائی دین کے خلاف "شعریٰ" نامی ستارے کی پرستش شروع کی۔ اس طرح آپؐ کو گم کردہ راہ کبشۃ کا بیٹا یا پیروکار کہہ کر طعنہ دیا گیا۔ مجنون اور دیوانہ کہہ کر پکارا گیا۔ کاہن کا لقب دیا گیا جو پُراسرار غیب داں اور مجذوب جیسے ہوتے ہیں۔ مراقبوں، مکاشفوں کے ذریعہ اپنی رُوحانیت کا سکّہ بٹھاتے ہیں۔ ذو معنی بات کہتے ہیں

Rekhta Download.com

کہ ہر طرح کا مطلب نکلے۔ ساحر کا نام دیا گیا کہ سارا کرشمہ جادو کا ہے۔ سحر سے لوگوں کو قابو کر لیتے ہیں۔ جب لسانِ وحیٔ ترجمان سے قرآن سُن کر لوگ سر دُھننے لگتے تو کہا جاتا "شاعر" ہے۔ لفظ و بیان کا جال پھیلاتا ہے۔ یہ بھی کہا کوئی "جن" آتا ہے اور سکھا جاتا ہے۔ کبھی کہتے ایک رومی و نصرانی غلام "جبرا" ہے جو تنہائی میں ساری باتیں سکھاتا ہے۔ یمامہ کا "الرحمٰن" نامی شخص ہے جو سکھاتا پڑھاتا ہے۔ اس سارے پروپیگنڈے کا مطلب یہ تھا کہ محمدؐ آلہ کار ہیں کسی بیرونی ہستی کے جو ہمارے معاشرے کے در پے آزار ہے۔ رہی قرآن کی اثر آفرینی تو یہ وحیٔ الٰہی نہیں بلکہ کسی جن کا اثر یا پھر نصرانی یا یمامہ والے کا کام ہے۔ وحی تو محض ڈھونگ ہے۔ اس طرح کذب کا درپردہ الزام لگایا کرتے۔

وادیٔ خیال میں بھٹکنے والے —— محاذِ شعر گوئی

عرب کے ماحول میں شاعری کا وہی مقام تھا جو ہمارے معاشرے میں ابلاغِ عامہ کا ہے۔ شعر سکۂ رائج الوقت کی طرح چلتا۔ اس کی کاٹ تلوار سے زیادہ تیز ہوتی۔ زبان تازیانہ کا کام کرتی۔ اِس محاذ پر بنی قریش کے جن لوگوں نے جھنڈے گاڑے ان میں ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب (چچازاد) عمرو بن العاص اور عبداللہ بن زبعری اور باہر والوں میں کعب بن زہیر ہیں۔ ان کی تمام تر صلاحیتیں داعیٔ حقؐ اور پیروانِ حق کے خلاف لفظ و بیان کے ہتھیار چلانے میں صرف ہوئیں۔ چراغِ حق کو شعر کی پھونکوں سے بجھانا چاہا۔

ان کے علاوہ ابوالطیب، متنبی، دعبل، ابو نواس، اصمعی، ابو دلامہ اور تغلب نے اہانتِ رسول اور مذمتِ اسلام کے لئے ایک مہم شروع کی۔ ان کے اشعار ایک دوسرے کو دلیر بناتے۔ وہ ٹولیاں بنا کر پہاڑوں میں نکل جاتے تاکہ فراغت سے ہجویہ شعر کہیں اور ترنم کی مشق کریں۔ شعری اعتبار سے ان کا کلام آراستہ اور برجستہ ہوتا۔ دیگر کفار مسلمانوں پر جملے کسنے میں ان سے مدد لیتے۔ سڑکوں اور بازاروں میں گا گا کر سُناتے۔ کبھی قرآن کریم کی کسی آیت کے ساتھ ایک مصرع جوڑ دیتے۔ یہ شعراء حضور اکرمؐ پر کاہن ہونے کا الزام لگاتے۔ ایسے سورۃ الشعراء کی آیات ۲۲۱ تا ۲۲۶ نازل ہوئیں جس میں کاہن اور رسول کا فرق بتلایا گیا ہے۔ کاہن کے تصورات تو شیاطین کے علم پر مبنی ہوتے ہیں جو بعثت سے پہلے عجلت

میں ملائکہ سے کچھ سُن لیتے اور کاہن تک پہنچا دیتے۔ رسول تو ہر بات وحیِ الٰہی کی بنیاد پر کہتے ہیں۔ اس سورۃ میں شاعروں کے بارے میں ارشاد ہوا کہ ان کے راستے پر تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں۔ یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اور ان کی پیروی کرنے والے بھی۔ شاعر لوگ تو خیالی مضامین کے ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جن پر خود عمل نہیں کرتے۔ ان آیات کے نزول کے بعد حضرت حسّان اور حضرت عبداللہ ابن رواحہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! ہم شاعر کی حیثیت سے مرنا نہیں چاہتے۔ فرمایا' تم ان شاعروں میں نہیں ہو جنھیں اللہ تعالیٰ نے "الغاوٗن" فرمایا ہے۔ تمہارے اشعار مشرکوں پر تیر و سناں سے زیادہ سخت ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کی آخری آیت نازل فرمائی۔

ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے انصار میں حضرت حسانؓ ابن ثابت، عبداللہؓ ابن رواحہ اور کعبؓ بن مالک کی زبان شعر بطور تیغ جوہر دار محاذ شعر گوئی پر مدافعت کے لئے عطا فرمائی۔ حضرت حسانؓ مشرکوں کے نسب پر حملہ کرتے۔ حضرت ابنؓ رواحہ کفار کو گمراہ ہونے پر ملامت کرتے۔ حضرت کعبؓ لڑائی کی دھمکیاں دے کر دہشت زدہ کرتے۔

دو۲ دشمن

بنی ہاشم سے دو دشمنِ دین حق نکلے۔ ایک چچا ابولہب۔ جو تاریخ اسلام میں ضلالت اور گمراہی کا نشان بنا۔ جو ازل سے شیطان مردود کی طرح بدبختی کا مجسمہ ہے۔ بنی ہاشم سے دوسرا دشمن دین حق چچازاد اور دودھ شریک بھائی ابوسفیان ابن حارث ہے۔ جس نے حضرت حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں بے حد محبّت کرتا تھا۔

FOR FREE DISTRIBUTION
TO HAJ PILGRIMS.

اعلانِ نبوّت کے بعد ایک دَم دشمن بن گیا۔ بیس سال تک داعیٔ اسلام اور دینِ اسلام کی ہجو کی۔ شعر کے ایسے تیر و نشتر چلائے کہ قلبِ محمدؐ چھلنی ہو گیا تھا۔ فتحِ مکہ سے قبل ماہیتِ قلب ہوئی اور عبداللہ ابن ابی اُمیہ (پھوپھی زاد جو ام المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ کے سوتیلے بھائی تھے) کے ساتھ مکہ و مدینہ کے درمیان جحفہ کے قریب نیق العقاب میں بیعت کے لئے حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے ان دونوں سے ملنے سے انکار فرما دیا۔ کیونکہ انھوں نے بہت تکلیفیں پہنچائی تھیں۔ ابوسفیان نے کہا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا قصور معاف نہیں کیا تو میں چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ ریگستان میں چلا جاؤں گا اور تڑپ تڑپ کر جان دے دوں گا۔ حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی طرح جا کر کہو کہ ہم گنہگار تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر غالب کیا۔ اب آپ جو چاہیں کریں۔ جس ذاتِ اقدسؐ پر سورۂ یوسف نازل ہوئی اس رحمتِ عالمؐ کی زبان سے کلمۂ یوسف ہی نکلا "لاتثریب علیکم الیوم" آج کے دن تم پر کوئی عتاب نہیں ہے۔ اللہ تم کو معاف کرے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔" قصور معاف ہو گیا تو مدح میں شعر کہے۔ ہجوِ جہالت کی معذرت کی۔ اس کے بعد تمام عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندگی کے مارے سر تک نہیں اُٹھایا۔

بصیرتِ نبویؐ

خطابت ہمیشہ سے اہلِ عرب کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ شاعر اور خطیب یہی دو قبیلہ کی زبان سمجھے جاتے۔ انھیں حسب و نسب، عزّت و آبرو کا محافظ سمجھا جاتا۔ عکّاظ، مجنّہ اور ذُوالمجاز کی منڈیوں میں دن میں تجارتی کاروبار ہوتا تھا تو رات میں شعر و سخن اور خطاب کی مجلسیں جمتیں۔ اسلام کے خلاف زہر اُگلنے والے خطیبوں میں سہیل بن عمرو کا نام ملتا ہے۔ جنگِ بدر کے موقع پر گرفتار ہو کر آیا تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ مجھے اجازت دیجئے کہ اس کے اگلے دانت اکھاڑ دوں یا اس کی زبان مَسل دوں تاکہ کبھی بھی آپ کی شانِ اقدس میں گستاخی نہ کر سکے۔ فرمایا مُثلہ نہ کرو (اعضاء نہ بگاڑو) کہیں اللہ میرا مُثلہ نہ کرے۔ اگرچہ میں اس کا نبی ہوں۔ شاید وہ کبھی کسی ایسے مقام پر کھڑا ہو جو تمہیں پسند آئے۔ بصیرتِ نبویؐ وہ دن دیکھ رہی تھی، جب سہیلؓ فتحِ مکہ کے موقع پر ایمان لائے۔ حضورؐ کے دنیا سے گذر جانے کے بعد فتنۂ ارتداد پھیلا۔ مکہ کے لوگ ایک بار پھر اشرار کے ہاتھوں میں کھیل گئے۔ تو یہی سہیلؓ بن عمرو سینہ سپر ہو گئے اور کہا اے اہلِ مکہ! تم اسلام میں بہت آخر میں

داخل ہوئے کہیں اس سے نکل جانے والوں میں پہلے نہ ہو جانا۔ اگر کسی نے ایسی بات بھی کی تو اس کی گردن اُڑا دی جائے گی۔

گردابِ بلا

کفارانِ قریش نے دیکھا کہ داعیٔ حق پر ہم جتنی زیادتی کرتے ہیں اعلائے کلمۃ الحق میں وہ اتنے ہی سرگرم ہو جاتے ہیں۔ سوچا اب ان لوگوں کو بھی مزا چکھانا چاہئے جو ان کے دین میں شامل ہیں۔ سب سر جوڑ کر بیٹھے اور طے کیا کہ اپنے خاندان میں جو لوگ "صابی" ہو گئے ہیں ان کو اسلام سے پھرنے کے لئے دباؤ ڈالا جائے۔ پہلے انھیں پیار و محبت، تحریص و ترغیب ورنہ زور و زبردستی سے نئے دین سے منحرف کیا جائے۔ وہ غلام جنھوں نے اسلام قبول کیا ہے اپنے مالک کا حکم نہ مانیں تو عبرتناک سزائیں دی جائیں تاکہ انھیں دیکھ کر دوسرے دہل جائیں۔ اور دائرۂ اسلام میں آنے سے پہلے اپنے انجام کو سوچنے پر مجبور ہو جائیں۔ اس فیصلہ کے ساتھ ہی ظلم و ستم چکی کے دو پاٹ بن کر اہلِ ایمان کو پیسنے لگے۔ ابتلا و آزمائش کا یہ دَور بہت سخت تھا۔

... دَار و رَسَن کی آزمائش ہے

نوفل بن خویلد بن عدویہ جو اسدِ قریش (قریش کا شیر) کہلاتا تھا۔ اس نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ کو پکڑ کر باندھ دیا۔ حالانکہ دونوں بنی تیم کی ذی مرتبت ہستیاں تھیں۔ کنبے کے کسی شخص نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ حضرت طلحہؓ کا بھائی عثمان بن عبداللہ بہت ہی سخت مزاج تھا ان پر بڑا تشدّد کرتا لیکن توحید کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اُتر جاتا۔

حضرت عثمانؓ بن عفّان، دولت و ثروت کی وجہ سے بنی اُمیہ میں باوقار اور معزز تھے لیکن ان کا چچا الحکم ان کو رسّی سے باندھ کر مارتا۔ کہتا جب تک اس دین کو ترک نہیں کروگے تب تک نہیں چھوڑوں گا۔ والدہ کو اس درجہ صدمہ ہوا کہ گھر چھوڑ کر اپنے بھائی عامر بن کریز کے پاس اُٹھ آئیں۔ سال بھر بیٹے کا مُنہ نہ دیکھا، مجبور ہو گئیں تو واپس آئیں۔

حضرت زبیرؓ ابن عوام کا چچا انھیں بوری میں لپیٹ کر لٹکا دیتا اور نیچے چٹائی جلا کر دھونی دیتا۔ مطالبہ کرتا کہ اسلام سے پھر جاؤ۔ وہ سب کچھ برداشت کرتے اور کہتے

میں ہرگز ہرگز بُت پرستی نہیں کروں گا۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص صرف ۱۹ سال کے تھے اور ماں کے حد درجہ فرمانبردار تھے۔ ماں نے ان کے دین بدلنے کی بات سُنی تو بات چیت اور کھانا پینا چھوڑ دیا۔ تین دن تک بے آب و دانہ رہیں۔ ہر طرح دباؤ ڈالا لیکن بیٹے کی جبینِ استقلال پر شکن تک نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ شانِ استقامت پسند آئی۔ اور اہلِ ایمان کے لئے قانون بنا "اگر والدین تجھ کو میرے ساتھ شرک پر مجبور کریں تو اس میں ان کی اطاعت نہ کرو۔"

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف ۳۰ سال کے تھے اور تاجر کی حیثیت میں دُور دُور تک جانے پہچانے جاتے تھے۔ لیکن ان پر عرصۂ حیات اِس درجہ تنگ کر دیا گیا تھا کہ گھر بار اہل وعیال کو چھوڑ کر دیس نکالا لیا اور حبشہ کی جانب ہجرت کی۔

عتبہ بن ربیعہ رئیسِ قریش تھا۔ اسلام کی مخالفت میں اپنا سب کچھ صرف کر دیا۔ لیکن خود عتبہ کے لختِ جگر ابوحذیفہؓ داعیٔ اسلام کے حلقہ بگوش تھے۔ باپ نے ہر ظلم کر کے دیکھ لیا تھا۔ مُنحرف نہ کر سکا۔ زندگی دو بھر کر دی تو اسیرِ پنجۂ جفا ہو کر اپنی صاحبِ ایمان بیوی کے ساتھ کس مپرسی کے عالم میں ایک نہیں دو بار حبشہ کی جانب سفر کی صعوبتیں برداشت کیں۔

حضرت مصعبؓ بن عمیر ناز و نعمت سے پلے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ مکّہ میں مصعبؓ سے زیادہ کوئی حسین، خوش پوشاک اور پروردۂ نعمت نہیں ہے۔ خوشرو پھر جامہ زیب۔ عِطر ایسا عمدہ لگاتے کہ جدھر سے نکلتے لگتا قافلۂ گُل گزرا ہے۔ اپنے اسلام کو گھر والوں سے پوشیدہ رکھا۔ کلید بردارِ کعبہ چچازاد بھائی عثمان طلحہ نے نماز پڑھتے دیکھ لیا۔ ماں کو خبر دی۔ سخت اذیتیں دیں اور قیدِ تنہائی میں ڈالے گئے۔ وہاں سے بھاگ نکلے اور مہاجرین حبشہ میں شامل ہو گئے۔

جو چُپ رہے گی زبانِ خنجر لہُو پکارے گا آستیں کا

یہ تو وہ تھے جو اعلیٰ گھرانوں کے چشم و چراغ تھے۔ اُن بلاکشانِ توحید کی داستانیں رونگٹے کھڑا کر دیتی ہیں جو طبقۂ غلامان سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن میں گلِ سرسبد سیدنا بلالؓ ہیں۔

ع کسی کے شوق میں جس نے مزے ستم کے لئے

یہ داموں بکے تھے۔ موٹے موٹے ہونٹ، سیاہ فام لیکن آئینۂ دل صاف شفاف۔ آفتابِ نبوتؐ کی پہلی کرن سے ظلمت کدۂ دل روشن ہوگیا۔ غلاموں میں ایمان لانے والے اوّلین فرد۔ حبشہ کا پہلا پھل۔ اُمیہ بن خلف مالک تھا۔ ظلم توڑنے پہ آیا تو انتہا کردی۔ تپتی ریت، جلتے سنگ ریزوں اور دہکتے انگاروں پر لٹائے گئے۔ سینے پر وزنی سل رکھ دیا گیا۔ گائے کی کھال میں سی دیئے گئے۔ ننگے بدن پر ببول کے کانٹے چبھوئے گئے۔ رات آتی تو پاؤں میں بیڑی، ہاتھ میں ہتھکڑی اور گلے میں طوق ڈال کر تنگ و تاریک کوٹھری میں بند کردیا جاتا۔ غلاموں کو حکم تھا کہ باری باری کوڑے مارے جاؤ۔ تاکہ اسلام سے باز آجائے۔ یہاں تک کہ لوہے کی جلتی زرہ پہنائی گئی۔ مُطالبہ صرف یہ تھا کہ اللہ کا انکار کرد اور بُتوں کا اقرار۔ وہ اقرار کرانے کے لئے نت نئے ستم ڈھانے سے نہیں تھکتا۔ اور یہ لڑکھڑاتی زبان سے "اَحد اَحد" کرنے سے نہیں تھکتے۔ ایک دن کتبِ سماوی کے عالم ورقہ بن نوفل نے دیکھا کہ کرب سے کراہ رہے ہیں۔ قریب پہنچے اور کان میں چپکے سے کہا۔ اس مصیبت سے بچنے کے لئے وہ کہہ دو جو یہ ظالم چاہتے ہیں۔ اس سے ایمان نہیں جاتا۔ کہا وہ زبان جو وحدہٗ لاشریک لہٗ کا اقرار کرچکی ہے کسی اور کو اپنا اللہ نہیں مان سکتی۔ ان کی حالت دیکھ کر تھرّا اُٹھے۔ کچھ دیر کھڑے ہوکر ان کی "اَحد اَحد" کی صدا سُنی۔ پھر کہا اے بلالؓ اَحد اَحد کہے جاؤ۔ واللہ اگر اس حالت میں مرجاؤگے تو ہم تمہاری قبر کو بارگاہِ الٰہی میں وسیلۂ رحمت بنائیں گے۔ اُمیہ نے دیکھا کہ اب بھی یہ اَحد اَحد کی رَٹ لگائے ہوئے ہیں تو گلے میں رسّی باندھی اور لڑکوں کے حوالے کردیا کہ گلی کوچوں میں گھسیٹتے پھریں۔ خونِ بلالؓ سے مکّہ کے کوچہ و بازار لالہ زار ہوگئے۔ فتحِ مکّہ کے دن اسی خون کو گواہی دینا تھا۔ راہِ حق میں ستائے جانے والے کا اعزاز دیکھئے — کہ کعبۃ اللہ کی دیواروں پر چڑھ کر اللہ اکبر اللہ اکبر کی گواہی دی۔ بیت اللہ میں یہ پہلی اذانِ بلالؓ۔

ایک دن وادیٔ بطحا میں مشقِ ستم بنائے جارہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ ادھر سے گزرے۔ ان سے یہ منظر دیکھا نہ گیا۔ اُمیہ بن خلف کو ایک تنومند رومی غلام نسطاس اور مُنہ مانگے دام چالیس اوقیہ نقد دے کر انھیں خریدا اور راہِ خدا میں آزاد کردیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا تو فرمایا "ابوبکرؓ مجھے بھی اس میں شریک کرلو" عرض کیا یارسول اللہؐ میں انھیں آزاد کراچکا ہوں۔ قسمت دیکھئے کہ ظالم اُمیہ بن خلف میدانِ بدر میں اسی ستم رسیدہ غلام کے ہاتھوں فی النّار و سقر ہوا۔

حضرت ابوبکرؓ کے والد ابو قحافہ نے سُنا کہ اتنا کچھ دے کر بلالؓ کو خریدا ہے۔ تو کہا اچھا غلام خریدتے تو بہت نفع ہوتا۔ جواب دیا میں نے نفع کے لئے نہیں رضائے الٰہی کے لئے خریدا ہے۔

حضورؐ نے فرمایا۔ خدا ابوبکرؓ پر رحم کرے۔ اپنی دختر کا مجھ سے نکاح کیا۔ ہجرت میں میری مدد کی اور بلالؓ کو اپنے مال سے خرید کر آزاد کیا۔

حضرت بلالؓ کے ساتھ حضرت ابوفکیہہؓ بھی خُفیہ طور پر ایمان لائے۔ اُمیّہ کو معلوم ہوا تو آدمیوں کو حکم دیا کہ پاؤں میں رسّی باندھو اور رمضا تک گھسیٹتے لے جاؤ۔ مُردہ جانوروں کی طرح گرم اور تپتی ریت پر لِٹائے جاتے۔ پیاس سے زبان باہر نکل پڑتی۔ حسرت سے ایک ایک کا مُنہ تکتے۔ لیکن ظالموں کو رحم نہ آتا۔ راستے میں ایک "گبریلا" جارہا تھا۔ اُمیّہ نے کہا تیرا خدا یہی تو نہیں۔ کہا میرا اور تیرا خُدا اللہ ہے۔ غصہ میں اس زور سے گلا گھونٹا کہ لوگ سمجھے دَم نکل گیا۔ اس حالتِ جانکاہ میں مُبتلا تھے کہ حضرت ابوبکرؓ نے مُنہ مانگی قیمت دے کر راہِ خدا میں آزاد کردیا۔

حضرت زنیرہؓ بنی عدی کی کنیز تھیں۔ اسلام لانے سے پیشتر حضرت عمرؓ اس پر بڑا ظلم ڈھاتے۔ اسلام سے پھیرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ ابو جہل بھی مارتا۔ ایک بار اتنا مارا کہ آنکھیں جاتی رہیں۔ مشرکین نے طعنہ دیا کہ لات و عزیٰ نے اندھا کردیا۔ کہا ان بُتوں کو اس کی خبر بھی نہیں۔ میرا معبود چاہے تو ان آنکھوں کو روشن کرسکتا ہے۔ صبح ہوئی تو بینائی لَوٹ آئی۔ ابوجہل نے کہا دیکھو محمدؐ کا جادُو چل گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے انھیں بھی خرید کر آزاد کردیا۔

حضرت حمامہؓ کو بھی سخت سے سخت عذاب اور تکلیف دی جاتی۔ حضرت ابوبکرؓ کی رضائے الٰہی کی خواہش نے انھیں بھی آزادی دِلائی۔

ایک کافرہ کی لونڈیاں مسلمان ہوگئیں۔ تو اس نے ہر طرح سَتانا شروع کردیا۔ حضرت ابوبکرؓ کو خبر ہوئی تو مُنہ مانگی قیمت پر خرید کر آزاد کردیا۔ جو بھی سِتم کیش مسلمان کافروں کے پنجہ میں گرفتار ہوتا تو حضرت ابوبکرؓ کا سرمایہ اس کے لئے پروانۂ آزادی خریدتا۔ اسی لئے ارشادِ نبویؐ تھا کہ جتنا نفع مجھ کو ابوبکرؓ کے مال نے دیا اور کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا۔

خبّاب ابن ارتؓ "سادس الاسلام" یعنی ایمان لانے والوں میں چھٹے کہلاتے ہیں۔ غلام بناکر مکّہ میں فروخت کئے گئے۔ اُمِ انمار بنتِ سباع نے خریدا۔ آہن گری کا پیشہ اختیار کیا۔ تلواریں بنا بناکر فروخت کرتے تھے۔ صَدائے حق کانوں میں پڑی تو نتائج سے بے پروا ہوکر اسلام کا اعلان کیا۔ پھر کیا تھا مال و دولت، ننگ و ناموس ہر چیز سے ہاتھ دھونا پڑا۔ قریش میں ان کا کوئی آدمی حامی و مددگار نہ تھا۔ تختۂ مشق بنے اور وہ دردناک سزائیں اٹھائیں

کہ الامان والحفیظ۔ دہکتے انگاروں پر ننگی پیٹھ لٹائے جاتے۔ سینہ پر بھاری پتھر رکھ کر ایک آدمی کھڑا ہوتا۔ گوشت کباب کی مانند جل اُٹھتا۔ زخموں کی رطوبت آگ بجھا دیتی۔ پیٹھ ایسی تھی جیسے برص کے دھبے۔ اُمّ انمار دہکتی سُلاخوں سے سر داغتی۔

عرض کیا یارسول اللہ! میرے لئے دُعا فرمایئے کہ اللہ اس عذاب سے نجات دے۔ دُعا فرمائی الٰہی خبابؓ کی مدد کر۔ صبر و شُکر کے ساتھ یہ ساری مصیبتیں جھیلتے رہے۔ قدرت کا انتقام دیکھئے۔ اُمّ انمار کے دماغ میں پھوڑا نکل آیا۔ کُتّوں کی طرح بھونکنے لگی۔ علاج سر کو داغنا ٹھہرا اور یہ خدمت حضرت خبابؓ کے سپرد کی گئی۔ چند دنوں میں تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ سچ ہے اللہ کے انصاف میں دیر ہے اندھیر نہیں۔

عاص بن وائل نے ان سے تلواریں خریدیں۔ قرض اس کے ذمے تھا۔ جب تقاضا کرتے تو جواب ملتا محمدؐ کا ساتھ چھوڑ دو تو پیسے ملیں گے۔ جواب دیتے تم جب تک مر کے دوبارہ زندہ نہ ہو گے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ نہیں ہو سکتا۔ کہتا ٹھیک ہے جب دوبارہ زندہ ہوں گا تو تمہارا قرض چکا دوں گا۔

ہمہ خانہ آفتاب

راہِ خدا میں ظلم و ستم کی چکّی میں پسنے والا ایک ایسا ہی تاریخِ اسلام کا مُمتاز گھرانا حضرت یاسرؓ، حضرت سُمیّہؓ اور حضرت عمارؓ پر مشتمل تھا۔ باپ، ماں اور بیٹا سب ہی دینِ حق کے شیدائی تھے۔

حضرت یاسرؓ اور ان کی زوجہ سمیّہؓ بنت سَلَم قدیم الاسلام ہیں۔ حضرت یاسرؓ یمن کے رہنے والے تھے۔ مکّہ آئے تو ابو حذیفہ مخزومی کے حلیف ہو گئے۔ انھوں نے اپنی باندی سمیّہؓ سے ان کا بیاہ کر دیا۔ سمیّہؓ ایران کے علاقے کسکر کی خاتون تھیں کسی طرح طائف پہنچیں تو سُمیّہؓ نام دیا گیا۔ ان کے دونوں بیٹے حضرت عمارؓ اور عبداللہؓ ایمان لے آئے۔

اسلام کی وجہ سے ان کو طرح طرح کی اذیّتیں دی جاتیں۔ تمام گھرانہ ہی تختۂ مشقِ ستم بنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی حالتِ زار دیکھتے تو فرماتے اے آلِ یاسرؓ صبر کرو۔ تمہیں بشارت ہو جنّت تمہاری منتظر ہے۔ حضرت سمیّہؓ ان سات دلیروں میں سے ایک تھیں جنھوں نے بڑی دلیری سے اسلام کا اظہار کیا۔

پہلی شہید خاتون

اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، اور حضرت لبابہؓ زوجہ حضرت عباسؓ کے بعد حضرت سمیہؓ تیسری صاحبِ ایمان ہیں۔ حضرت فاطمہؓ بنتِ خطاب (حضرت عمرؓ کی بہن) اور حضرت اسماءؓ بنت ابو بکرؓ۔ حضرت اسماءؓ بنت عمیس۔ حضرت اُمِ ایمنؓ۔ حضرت اسماءؓ بنت سلامہ۔ حضرت فکیہؓ بنتِ یسار۔ حضرت رملہؓ بنت ابی عوف اور حضرت امینہؓ بنتِ خلف، ابتدائی ایمان لانے والی خواتین ہیں۔ حضرت سمیہؓ کے شوہر حضرت یاسرؓ اور بیٹا عبداللہؓ گردابِ اذیّت میں ظلم سہتے سہتے جنّت کو سدھارے۔ حضرت سمیہؓ معمّر خاتون تھیں۔ اپنے بیٹے عمارؓ پر تشدد نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ ایک مرتبہ بیٹے کی محبّت میں ابوجہل کو بُرا بھلا کہہ دیا۔ اس بے عزتی پر وہ آتشِ زیرپا ہوگیا۔ پھر کر دحشت اور درندگی کے عالم میں ستر عورت کی ایسی نازک جگہ نیزہ مارا کہ جسم کے پار ہوگیا۔ بوڑھی جان پانی بھی نہ مانگ سکی۔ راہِ حق میں پہلی خاتون شہید حضرت سمیہؓ ہی ہیں۔ ۹۵

اے آگ ٹھنڈی ہو جا

ماں کے بعد بیٹا مشقِ ستم بنا۔ حضرت عمارؓ بے یار و مددگار تھے۔ طرح طرح کی اذیتیں دی جاتیں۔ گھنٹوں پانی میں غوطے دیئے جاتے۔ تپتی ریت اور چلچلاتی دھوپ میں کھڑا کر دیا جاتا۔ جلتی آگ پر لٹا دیا جاتا۔ دَم کھنچ کر آنکھوں میں آتا۔ لیکن زبان پر اللہ کا نام ہوتا۔ مچھلی کی طرح تڑپ رہے ہوتے۔ ہائے بےبسی کہ اُٹھ بھی نہیں سکتے۔ ایسے میں رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے، ان کے سر پر ہاتھ پھیرا دُعا فرمائی۔

"اے آگ! تو ابراہیم علیہ السلام کی طرح عمارؓ پر بھی ٹھنڈی ہو جا۔"

ایک بار مشرکوں نے پانی میں اتنے غوطے دیئے کہ حواس کھو بیٹھے۔ اس حالت میں جفاکاروں نے زبان سے وہ اقرار کروالیا جو اُن کو پسند تھا۔ حضرت عمارؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سراپا گریہ و ندامت تھے۔ پوچھا کیا خبر ہے؟ عرض کیا بُری خبر ہے زبان دل کا ساتھ نہ دے سکی۔ فرمایا اپنے دل کو کس طرح پا رہے ہو۔ عرض کیا ایمان سے بھرا ہوا۔ رحمتِ عالمؐ نے شفقت سے ان کے آنسو پونچھے۔ اور فرمایا "کچھ مضائقہ نہیں اگر کبھی ایسا پھر ہو تو یہی کرو۔" اس کے بعد سورۂ نحل کی آیت ۱۰۶

نازل ہوئی "جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کا انکار کرے گا مگر وہ جو مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے۔" (اس سے کوئی مواخذہ نہیں)۔ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ط

معززگھرانوں کے مسلمانوں پر ظلم، غلاموں پر بے پناہ زیادتی اور حضرت سمیہؓ کی مظلومانہ شہادت نے حالات کا رُخ موڑ دیا۔ مکہ کی زمین تنگ ہوگئی اور فضا ظلم و ستم سے بھر گئی۔ یہ بھی پتہ چلا کہ بنی مخزوم نے بعض اہلِ ایمان کے قتل کا منصوبہ بنایا ہے۔ یہ تھے وہ حالات کہ جب رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔

"اگر تم لوگ سرزمینِ حبشہ کو چلے جاؤ تو بہتر ہوگا۔ وہاں کے بادشاہ کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ وہ سچائی والی سرزمین ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان آفتوں سے جن میں تم مُبتلا ہو کوئی کشائش پیدا کردے۔"

ہجرتِ حبشہ

سابقینِ اوّلین وہ خوش قسمت افراد ہیں جن کا تزکیۂ قلب و نفس خود معلّمِ کتاب و حکمت نے فرمایا تھا۔ مسلمانوں کی مکّی زندگی آج کی اصطلاح میں عدمِ تشدد کی حکمتِ عملی تھی۔ جسم و جاں پر تو وہ ہر مصیبت خندہ پیشانی سے جھیل رہے تھے لیکن دل پر گرانی تھی تو اس بات سے کہ کفّارِ قریش نے فرائضِ دین کی ادائی پر بھی پہرے بٹھا رکھے تھے۔ اہلِ ایمان کی استقامت نے ظلم وستم کی چکّی تیز کردی تھی۔ وہ کفر و شرک کے فتنوں سے گھبرا اُٹھے۔ ان ہی دنوں اطلاع ملی کہ بنی مخزوم نے اپنے قبیلے کے تین مسلمانوں حضرت ولیدؓ بن ابو لید۔ سلمہؓ بن حشام اور حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ کے قتل کا منصوبہ بنایا ہے۔ ایسے میں سُورۂ عنکبوت کی ۵۶ تا ۶۰ آیات نازل ہوئیں۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ○

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ○

"اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو۔ میری زمین وسیع ہے۔ پس میری ہی بندگی بجالاؤ۔ ہر متنفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ پھر تم سب ہماری طرف ہی پلٹ کر لائے جاؤ گے۔"

ہجرت کا اشارہ پاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ ایمان سے فرمایا کہ تم رُوئے زمین پر مُنتشر ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تم سب کو عنقریب جمع کرے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہاں جائیں؟ آپؐ نے حبشہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ وہ آپ کا سب سے پسندیدہ ملک تھا جس کی جانب ہجرت کی جاتی۔ مزید ارشاد فرمایا۔

"سرزمینِ حبشہ میں ایسا بادشاہ حکمراں ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ پس تم اس کے ملک میں چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا کر دے جس میں تم مبتلا ہو۔"

اس حکم کا باعث یہ نہیں تھا کہ اہلِ ایمان کے پائے ثبات متزلزل ہو گئے ہوں۔ ہر چند ابتلا و آزمائش کے یہ دو سال قیامت سے کم نہ تھے۔ اس کے باوجود نہ کوئی مسلمان راہِ حق سے پھرا۔ نہ ہی کسی نے سپر ڈالی۔ صبر و شکر سے جو بپتا پڑی جھیلتے رہے۔ حضورؐ کا انھیں حبشہ کی طرف بھیجنا اس مصلحت پر مبنی تھا کہ ایک نئی سرزمین میں تبلیغ کی جائے۔ ساتھ ہی اللہ کے نیک بندوں کی ایک جماعت ہر طرح کے خطرات سے محفوظ رہے۔ مسلمانوں کو یہ سبق دینا بھی مقصود تھا کہ اگر ظلم اتنا بڑھ جائے کہ اللہ کا نام لینے کی بھی آزادی نہ ہو تو وہاں سے ہجرت کر کے کسی محفوظ مقام پر اپنی تنظیم کرنا چاہیے۔ اجازت پاکر ایک ایک دو دو مسلمان چھپتے چھپاتے مکّہ سے بندرگاہ شعیبہ (جدّہ) میں جمع ہونے لگے۔ ان میں سوار بھی تھے اور پیادہ بھی۔ [۱۰۱]

راہِ حق کا پہلا مہاجر جوڑا

سب سے پہلے ہجرت کے ارادے سے مکّہ سے باہر نکلنے والے حضرت عثمانؓ بن عفّان اور ان کی زوجہ حضرت رقیہؓ بنتِ رسولؐ ہیں۔ عرصے تک ان کے بارے میں کوئی اطلاع نہ ملنے پر حضورؐ بے حد مضطرب تھے۔ ایک مسافر عورت نے بتایا کہ میں نے بچشمِ خود انھیں کشتی میں سوار ہوتے دیکھا ہے۔ یہ سُن کر ارشاد فرمایا "لوط (علیہ السلام) کے بعد راہِ حق میں اپنی اہلیہ کے ساتھ ہجرت کرنے والا پہلا شخص عثمانؓ ہے۔ یہ رجب کا مہینہ اور نبوّت کا پانچواں سال تھا اور عیسوی سن ۶۱۴ء تھا۔

عشقِ بلاخیز کا قافلۂ سخت جاں

شعیبہ کی بندرگاہ میں جمع ہونے والے کل ۱۱ مرد اور ۴ عورتیں تھیں۔ اتفاق سے تجارتی کشتیاں کوچ کے لئے تیار کھڑی تھیں۔ ان مہاجرین کو نصف دینار کے عوض حبشہ لے جانا منظور کر لیا۔ مشرکین مکہ کو خبر ہوئی تو انھیں پکڑنے کے لئے آدمی دوڑائے۔ وہ جب پہنچے تو کشتیاں ساحل سے لنگر اُٹھا چکی تھیں۔

ایمان کے رہزنوں کی دست بُرد سے بچ کر سچائی کی سرزمین پر خوشبوئے توحید لے کر پہنچنے والے اوّلین مہاجروں کے قافلہ کے امیر ایک روایت کے بموجب عثمانؓ ابن عفّان ہیں اور دوسری روایت حضرت عثمانؓ ابن مظعون کے بارے میں ہے۔

دنیا وطن پر سب کچھ قربان کرتی ہے لیکن انبیاء نے اعلیٰ قدر اور برتر نصب العین پر وطن کو بھی قربان کرنا سکھایا۔ ان مسلمانوں نے محض دین کی خاطر وطن چھوڑا۔ عزیز و اقارب کو خیرباد کہا۔ گھربار کے عیش پر لات ماری۔ مال و جائیداد سے مُنہ موڑا۔ اس لئے قرآن میں جہاد کے بعد اہم ترین عبادت ہجرت قرار دی گئی ہے۔ مہاجر ہر سہارے سے ہاتھ اُٹھا کر فی سبیل اللہ سر ہتھیلی پر لے کر نکلتا ہے۔ جہاد ایمان کی خاطر جان کی بازی ہے اور ہجرت دین کی خاطر تمام مادّی وسائل کو داؤ پر لگانا ہے۔ راہِ حق کے ان مہاجرین کو تاریخ نے یہ شرف بھی عطا کیا کہ انھوں نے پیامِ توحید کے ایوان عالمگیر کی پہلی اینٹ رکھی۔ افریقہ کے برّ اعظم میں ایمان کی شمع روشن کی۔ ایک عیسائی مملکت میں پناہ لینے کے لئے چلے تو عقائد کی رہنمائی کے لئے سُورۂ مریم کا نزول ہو چکا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت واضح کر دی گئی تھی۔ اور اہلِ کتاب سے عمدہ طریقہ سے بحث کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

اجنبی سرزمین پر عشقِ الٰہی سے سرشار قافلہ جن مئے توحید کے بلانوشوں پر مشتمل تھا ان کے اسماءِ گرامی درج ذیل ہیں:

مرد	قبیلہ
۱۔ حضرت عثمانؓ بن عفّان	بنی اُمیہ
۲۔ حضرت ابو حذیفہؓ بن عتبہ	بنی عبدالشمس
۳۔ حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالاسد	بنی مخزوم

۴۔ حضرت عامرؓ بن ربیعہ	بنی عدی کے حلیف	
۵۔ ابوسبرہؓ بن ابی رہم عامری	بنی عامر	
۶۔ حضرت زبیرؓ ابن عوّام	بنی اسد — حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حضورؐ کی پھوپھی صفیہ کے بیٹے۔	
۷۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف	بنی زہرہ — حضورؐ کے ننھیالی رشتہ دار	
۸۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون	بنی جمح — مشہور صحابی	
۹۔ حضرت ابو حاطبؓ بن عمرو	—	
۱۰۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر	بنی عبدالدار — ہاشم کے پوتے	
۱۱۔ حضرت سہیلؓ بن بیضاء	بنی حارث	

عورتیں	قبیلہ	شوہر کا نام
۱۔ حضرت رقیہؓ بنتِ محمدؐ	بنی ہاشم	حضرت عثمانؓ
۲۔ سہلہؓ بنت سہیل	بنی عامر	حضرت ابوحذیفہؓ
۳ اُمِ سلمہؓ بنت اُمیہ	بنی مخزوم	حضرت ابوسلمہؓ
۴ لیلیٰؓ بنت ابی حشمہ	بنی عدی	حضرت عامرؓ

ان مہاجرین حبشہ میں اکثر صاحبِ حیثیت ہیں۔ جیسے رئیسِ مکّہ عتبہ کے صاحبزادے ابوحذیفہؓ۔ سرزمینِ حبشہ میں ان کے ایک لڑکا محمد بن ابی حذیفہ پیدا ہوا۔ معلوم ہوتا ہے بُت پرستوں کے ہاتھوں بڑے خاندان والے بھی ستائے جاتے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کے ایک قریبی عزیز کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ حضرت لیلیٰؓ بنت ابن حشمہ اپنے شوہر حضرت عامرؓ بن ربیعہ کے ساتھ ہجرت کی تیاری کر رہی تھیں۔ ان کے شوہر باہر گئے ہوئے تھے کہ عمرؓ آئے۔ اندازہ لگایا کہ سفر کا ارادہ ہے۔ پوچھا عبداللہ کی ماں کیا مکّہ چھوڑ رہی ہو؟ ہاں، تم لوگوں نے زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ اللہ کی زمین میں کہیں نکل جائیں گے۔ ان کا یہ پرعزم جواب حضرت عمرؓ کو متاثر کر گیا۔ بہت ملول وہاں سے چُپ چاپ نکل گئے۔ شوہر آئے تو بیوی نے تذکرہ کیا۔ شوہر نے پوچھا کیا تمہیں اس کے مسلمان ہونے کی توقع ہے۔ جواب دیا ہاں۔ کہا ناممکن۔ وہ اس وقت تک ایمان نہیں لائے گا جب

خطاب کا گدھا مسلمان نہ ہوجائے۔ غلامی کی زنجیر میں جکڑے ہوئے اہل ایمان کا ذکر ہی کیا کہ ان پر راہِ فرار بھی بند تھی۔ آزاد کردہ غلام شاید حضورؐ سے دُور ہونا پسند نہ کرتے۔ لذّتِ دیدار اور کسبِ درد بھی ایک نشۂ سرمدی ہے۔ بعض نے حضرت عبداللہؓ ابن مسعود اور ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام بھی لکھے ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ عبداللہؓ ابن مسعود ہجرت کرنے والی دوسری جماعت میں شریک تھے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ ایمان لاکر یمن میں مقیم تھے۔ وہاں اپنے اہل قبیلہ کو مسلمان بھی کیا۔ ان کے ساتھ بحری راستے سے مکّہ کے لئے نکلے تو طوفان نے کشتی کو حجاز کے بجائے حبشہ پہنچادیا اور وہاں حضرت جعفرؓ کے ساتھ رہ گئے۔ پھر انہی کے ساتھ ۷ ہجری میں مدینہ آئے۔ [۱۲]

رجب میں یہ قافلہ حبشہ پہنچا اور سکون کے ساتھ رہنے لگا۔ تین چار مہینے گذرے تھے کہ مشرکین کے مسلمان ہونے کی اطلاع ملی۔

پہلا سجدۂ تلاوت

داعیِٔ اسلامؐ کی دلی خواہش یہ تھی کہ کفارِ قریش ایمان لے آئیں۔ قرآن نازل ہوتا تو آپؐ کوشش فرماتے کہ انھیں سُنائیں تاکہ ان کے دل نرم ہوجائیں۔ ان ہی دِنوں

بدر کا میدان

سورۂ نجم کا نزول ہوا تو آپ نے اسے صحنِ کعبہ میں قریش کے مجمع میں پڑھا۔ ایک تو سورت کا صوتی آہنگ اور پھر مہبطِ وحیؐ کی پُر تاثیر زبان تلاوت لحنِ داؤدی بن گئی۔ وجد کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ اب جو سجدہ والی آیت آئی تو آپ نے سجدہ کیا۔ حاضرین میں مسلم اور مشرک سب بے اختیار سجدہ میں چلے گئے۔ عتبہ بن ربیعہ، ولید بن مغیرہ اور اُمیہ بن خلف نے کبر کی وجہ سے صرف خاک ہاتھ میں لے کر ماتھے پر مل لی۔ اللہ کی دین کہ جنھوں نے سجدہ کیا بعد میں ایمان سے سرفراز ہوئے بجز ان مغروروں کے۔ حضرت عبداللہؓ ابن مسعود کہتے ہیں کہ یہ پہلی سورت ہے جو آپ نے کفار میں علی الاعلان سنائی۔ اور پہلی سورت ہے جس میں آیتِ سجدہ نازل ہوئی ۵؁ نبوی یہ واقعہ مہاجرینِ حبشہ کو اس طرح پہنچا کہ آپس میں مصالحت ہوگئی، بلکہ سب مسلمان ہوگئے۔ وطن میں رہنے کی فطری خواہش نے واپسی پر مجبور کیا۔ مکّہ کے قریب پہنچے تو حقیقت مختلف نکلی۔ واپس جانا بڑا کٹھن تھا۔ عرب کے دستور کے مطابق بغیر کسی کے جوار میں آئے یا کسی قبیلے سے منسلک ہوئے بغیر زندگی ناممکن تھی۔ چند نے ہمت کی۔ باقی حسبِ دستور کسی کے جوار میں شہر میں داخل ہوئے تاکہ ظلم سے محفوظ رہیں۔ عربوں میں پناہ اور جوار کی ذمّہ داری ایک ایسی عجیب وفاداری تھی کہ کوئی پناہ دیئے ہوئے شخص کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھتا تو پناہ دہندہ اسے اپنی بے عزتی سمجھتا۔ بدسلوکی کرنے والا بڑے جُرم کا مرتکب سمجھا جاتا۔

حلاوتِ ایمان

حضرت عثمانؓ بن مظعون، ولید بن مغیرہ کی پناہ میں مکّہ میں داخل ہوئے اور آرام سے رہنے لگے۔ ایمان نے مُشرک کی پناہ پر ٹوکا۔ ولید سے کہا کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی پناہ نہیں چاہتا۔ دونوں نے حرم میں جا کر برأت کا اعلان کیا۔ کچھ دنوں بعد مشہور شاعر لبید بن ربیعہ مکّہ آیا۔ ایک مجلس میں اپنا کلام سُنا رہا تھا۔ اس نے مصرعہ پڑھا۔

الا کل شیئ ما خلا اللہ باطلا خبردار رہو اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔

حضرت عثمانؓ بن مظعون کے ایمان نے داد دی۔ بالکل سچ کہا۔ شاعر نے دوسرا مصرعہ پڑھا۔

وکل نعیم لا محالۃ زائل اور ہر نعمت لامحالہ زائل ہونے والی ہے۔

ان کے ایمان نے آواز دی۔ یہ جھوٹ ہے، جنّت کی نعمت لازوال ہے۔

لبید نے طعنہ دیا اے قریش تمہاری مجالس پہلے تو ایسی نہ تھیں اور اُٹھنے لگا۔ اس پر

ایک شخص نے حضرت عثمانؓ بن مظعون کے زوردار تھپڑ رسید کیا۔ ان کی ایک آنکھ نیلی پڑ گئی۔ شاعر نے کہا داد کا جواب مل گیا۔ کہا میری دوسری آنکھ بھی اپنی ساتھی کے حشر کی منتظر ہے۔ لوگ بول اُٹھے۔ تم ایسے ذمہ میں تھے جو تمہاری حفاظت کا ضامن تھا۔ کہا میں اللہ کے سوا کسی کی پناہ کا محتاج نہیں۔

ایمان کا نشہ کچھ ایسا ہوتا ہے کہ ترشیٔ جور و جفا سے اور بڑھتا ہے۔ راہِ حق کی ضرب نے ایمان میں حلاوت پیدا کر دی۔ دل کی کیفیت شعر کے قالب میں ڈھل گئی۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون نے شعر کہے۔

اے ابن مغیرہ! جو کچھ تم کہہ رہے ہو مجھے اس کی خواہش نہیں ہے۔ میں نے تو حضرت احمدؐ کا دامن مضبوطی سے تھام لیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عظیم الشان رسُول ہیں۔ ہر وہ شخص جو تلاوت کا خواہش مند ہے وہ آپ سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔

وہ تو آپؐ کی شیریں کلامی کی وجہ سے آپؐ کا عاشق ہے اور آپؐ جو بات بھی فرماتے ہیں وہ سچائی پر مبنی ہے۔ ؎۱۰۴

وہی صبح وہی شام

قریش کا ظلم کسی ایک کو بھی راہِ حق سے پھیر نہ سکا بلکہ اہلِ ایمان کا ذوقِ عمل اور تیز ہو گیا۔ صحابہؓ نے آپس میں کہا۔ کہ مکّہ کی سرزمین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی نے علانیہ بلند آہنگی سے قرآن نہیں سُنایا۔ یہ پُرخطر کام کون انجام دے گا؟ حضرت عبداللہؓ ابن مسعود نے حامی بھری۔ سب نے کہا کہ یہ جُرأت تو وہ کرے جس کا خاندان وسیع اور حامی زیادہ ہوں۔ فرمایا "اللہ میرا محافظ ہے"۔

دوسرے دن جب صحنِ حرم میں قریش کی ٹولیاں اپنے اپنے خاندانوں میں بیٹھ کر گپ شپ کرنے لگیں تو حضرت عبداللہؓ مقامِ ابراہیمؑ پر پہنچے اور خوش الحانی سے سُورہ رحمٰن کی تلاوت کرنے لگے۔ پلٹ کر اہلِ قریش نے پوچھا۔ "یہ ابنِ اُمِّ عبد (کنیت) کیا کہہ رہا ہے؟ کسی نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو کتاب اُتری ہے وہ سُنا رہا ہے۔ یہ سُننا تھا کہ سب پل پڑے۔ لہو لہان کر دیا۔ مگر ان کی زبان پر کلام اللہ اس وقت تک جاری رہا جب تک سُورت ختم نہ ہوئی۔ خستہ و زخمی لوٹ کر اپنے ساتھیوں میں پہنچے تو سب نے

کہا کہ ہیں جس کا ڈر تھا وہی ہوا۔ کہا آج سے بڑھ کر یہ دشمن میری نظر میں کبھی اتنے حقیر نہ تھے۔ کہو تو کل پھر سُنا دوں؟ جواب مِلا۔ اس قدر کافی ہے۔ تم نے وہ کچھ ان کو سُنا دیا جس کے سُننے کے وہ رَوادار نہ تھے۔

طلبِ صادق

ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں قریش کے چند سردار جن میں عتبہ، شیبہ، ابوجہل، اُمیہ ابن خلف وغیرہ شامل تھے آپ سے اسلام کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ حضورؐ کی یہ دِلی خواہش تھی کہ ان سرداروں میں سے کوئی مُسلمان ہو جائے تاکہ اسلام کو تقویت حاصل ہو۔

اس لئے زیادہ تر توجہ ان ہی پر تھی۔ ایسے میں حضرت اِبنِ اُمِ مکتومؓ آئے جو نابینا تھے۔ انھیں پتہ نہ تھا کہ محفل میں کون بیٹھا ہے۔ آتے ہی سوال کیا۔ یارسول اللہ مجھے وہ عِلم سِکھایئے جو اللہ نے آپ کو سِکھایا ہے۔ اس موقع پر نابینا نووارد کا گفتگو میں یوں مُداخلت کرنا آپؐ کو پسند نہ آیا۔ ان کی جانب کوئی اِلتفات کئے بغیر آپؐ نے رُوئے سخن رؤسائے قریش ہی کی جانب رکھا۔ اس اعراض پر سُورۂ عَبَسَ نازل ہوئی جس میں تبلیغ کا یہ نکتہ سمجھایا گیا کہ اصل اہمیت طلبِ صادق کی ہے۔ با اثر یا بے اثر ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

"وہ ترش رُو ہوئے اور مُنہ پھیر بیٹھے اس بات پر کہ وہ نابینا ان کے پاس آگیا۔ آپ کیا جانیں شاید وہ سُدھر جائے یا نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کے لئے سُودمند ہو۔ جو شخص خود آپ کے پاس دَوڑا آتا ہے اور وہ ڈر رہا ہوتا ہے اس سے آپ بے اعتنائی کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں یہ تو ایک نصیحت ہے جس کا جی چاہے اسے قبول کرے۔"

اس فہمائش کے بعد حضورؐ فوراً حضرت ابنِ اُمِ مکتومؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ انھیں واپس اپنی مجلس میں لائے۔ ان کے لئے اپنی رِدا زمین پر بچھائی۔ پھر ایسا طالبِ حق حضورؐ کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ ان آیات کی قرآن مجید میں موجودگی حضور اکرمؐ کی صداقت کا مُنہ بولتا ثبوت ہے۔ کوئی انسان اتنی اخلاقی جرأت نہیں رکھتا کہ اپنی ذاتی کوتاہی کا ذِکر بَرملا گوارہ کرے۔ یہ حوصلہ صرف انبیاء کا ہوتا ہے۔ اور دوسری بات جو اس فہمائش کی قرآن مجید میں

موجودگی سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن ہر طرح مکمل اور محفوظ ہے۔

کلیدِ کعبہ

قریش اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات بڑے کشیدہ تھے۔ حضورؐ کا کعبۃ اللہ میں داخلہ بھی انھیں گوارہ نہیں تھا۔ ان دنوں ہر پیر اور جمعرات کو بیتُ اللہ کا دروازہ کھولا جاتا اور لوگ اندر داخل ہوتے۔ ایک دن آپؐ تشریف لائے اور لوگوں کے ساتھ اندر جانا چاہا۔ عثمان بن طلحہ دربانؔ کلید بردارِ کعبہ نے آپؐ کو اندر جانے سے روک دیا اور بڑی سختی سے پیش آیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی غیر دن میں دروازہ کھولنے کی خواہش کی۔ اس نے صاف انکار کردیا۔ آپ نے فرمایا۔ اے عثمان! تو دیکھے گا کہ ایک دن یہ کُنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں اپنے اختیار سے جسے چاہے دوں گا۔

عثمان نے ترشی سے کہا ایسا ہوا تو وہ دن سارے قریش کے لئے بڑی ذلت اور تباہی کا دن ہوگا۔ فرمایا۔ نہیں، بلکہ وہ قریش کی عزّت کا اصلی دن ہوگا اور وہ آباد اور باعزّت ہوں گے۔ عثمان کہتے ہیں یہ بات میرے دل میں نقش ہوگئی۔ اور ایسا لگا جیسے یہ ہوکر ہی رہے گا۔

حُسنِ سلوک کا دن

مکّہ فتح ہوگیا تو طوافِ کعبہ کے موقع پر عثمان ابن طلحہ کو بیتُ اللہ کا دروازہ کھولنے کا حکم دیا گیا۔ چابی ان کی ماں کے پاس تھی۔ مانگنے گئے تو ماں نے دینے سے انکار کردیا۔ بڑی مشکل سے لے آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی۔ آپ نے چابی ہاتھ میں لے لی۔ بیتُ اللہ کھولا گیا تو حضرت اسامہؓ اور حضرت بلالؓ کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ تطہیرِ کعبہ کے بعد باہر تشریف لائے۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا سقایہ کے ساتھ ساتھ کعبہ کی دربانی بھی بنی ہاشم میں جمع فرمادیجئے۔ ارشاد ہوا عثمان ابن طلحہ کہاں ہیں؟

حاضر ہوئے تو فرمایا۔ یہ لو اپنی کلید آج حُسنِ سلوک اور پاسِ وفا کا دن ہے۔ اسے ظالم کے سوا کوئی اور تم سے نہیں چھینے گا۔ اللہ نے تمہیں اپنے گھر کا امین بنایا ہے۔

اِس گھر سے جو آئے وہ نیکی کے ساتھ کھاؤ۔ عثمان کہتے ہیں میں سراپا شکر جانے لگا۔ کچھ دُور گیا تھا کہ آپؐ نے آواز دی۔ قریب پہنچا تو فرمایا کیا تجھے وہ دن یاد ہے۔ جب میں نے کہا تھا کہ تو دیکھے گا یہ کلید ایک دن میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا عطا کروں گا۔ دل کا نقش گواہی بن کر زبان پر آیا" نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور آپؐ اس کے سچے رسول ہیں۔ ۱۰۵

حدودِ حرم اور میقات کا نقشہ

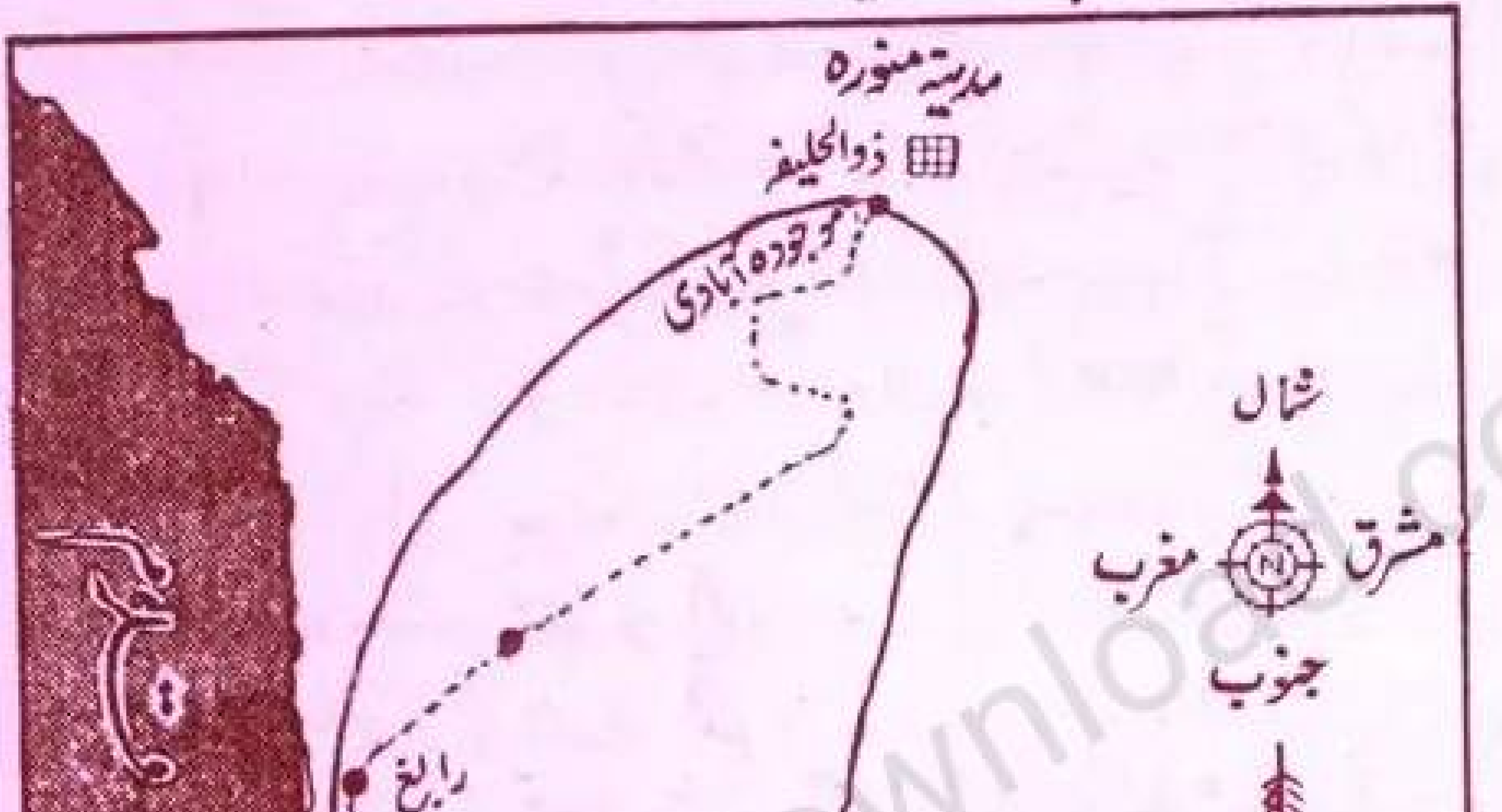

_______ خطِ میقات جہاں سے احرام باندھتے ہیں۔

.... حدودِ حرم کا خط

.... مسافروں کے راستے

سیرتِ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

ہجرتِ حبشہ سے مسجدِ قبا تک

باب سوم

نقل نامہ مبارک: جس کو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر لگا کر سن ۷ ہجری میں قبط کے بادشاہ مقوقس حاطب بن ابو طبقہ عمرو بن عمیر بن مسلمہ کے پاس ارسال فرمایا تھا۔ یہ مبارک خط ایک فرانسیسی سیاح نے سفر قبط میں جو مصر کے شہروں میں سے ہے۔ جمیم کے گرجا میں ایک قبطی راہب سے خریدا۔ اور پھر سلطان عبدالمجید خان صاحب اے دولتِ عثمانیہ کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان نے باادب استادہ ہو کر سر آنکھوں پر ہدیہ قبول فرما کر تبرکاتِ نبوی میں شامل کیا۔ کسی حاکم نے بایں خیال کہ اس تبرک بابرکت سے کوئی محروم نہ رہے ۶۶

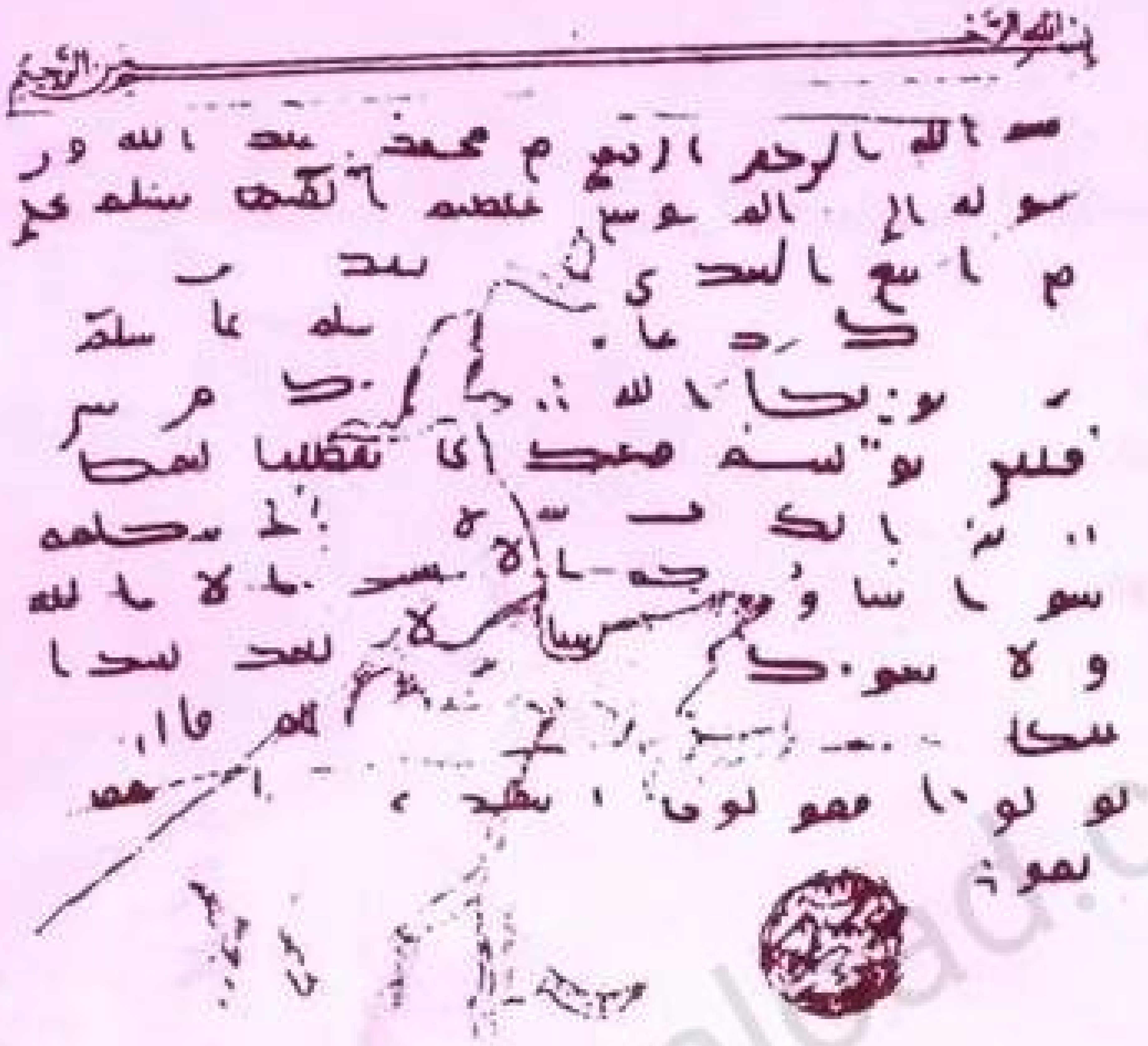

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ مِنۡ مُحَمَّدٍ عَبۡدِ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ اِلَی الۡمُقَوۡقِسِ
بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خدا کے بندے اور اس کے رسول محمد کی جانب سے
عَظِیۡمِ الۡقِبۡطِ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡھُدٰی۔ اَمَّا بَعۡدُ فَاِنِّیۡ اَدۡعُوۡکَ
مقوقس بادشاہ قبط کی طرف سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد پس میں تجھ کو دعوت
بِدِعَایَۃِ الۡاِسۡلَامِ اَسۡلِمۡ تَسۡلَمۡ یُؤۡتِکَ اللّٰہُ اَجۡرَکَ مَرَّتَیۡنِ فَاِنۡ
اسلام دیتا ہوں، اسلام لے آ سلامت رہے گا اور خدا تعالیٰ تجھے دوہرا ثواب دے گا اور اگر اسلام
تَوَلَّیۡتَ فَعَلَیۡکَ مَا یُفۡجِعُ الۡقِبۡطَ یٰۤاَھۡلَ الۡکِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰی
نہ لایا تو تیرے اوپر تمام قبط کو درد پہنچانے والا مصیبت ہو گی۔ اے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف
کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۢ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشۡرِکَ بِہٖ
جو ہم تم میں برابر مشترک ہے وہ یہ کہ سوائے خدا کے کسی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو
شَیۡئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا
شریک نہ کریں اور آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں سوائے خدا کے۔ پس اگر اہل کتاب
فَقُوۡلُوا اشۡھَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ۝
نہ مانیں تو کہہ دے اہل کتاب گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔

۶۶ اور ہر شخص کے پاس اپنے سچے رسول کریم صلعم کی یادگار ہو۔ زر کثیر صرف کر کے فوٹو مطابق اصل مع کاغذ کے شکن دھبہ وغیرہ کے بھی چھپوایا۔ ہماری خوش قسمتی کہ اس کا فوٹو ہندستان میں بھی پہنچا۔ جس کی نقل یہ ہے۔ یہ تحفہ مبارک ہر مرض کا شافی طبیب ہو گا جس مریض کے پاس ہو وہ جلدی شفا پاوے۔ خزانہ میں رکھنا باعث برکت ہو۔ تجارت میں روز افزوں ترقی ہو۔ حاکم مہربان ہو۔ بے اولاد صاحب اولاد ہو۔ اگر کسی کا بچہ سوکھ کر مرجاتا ہو تو خدا کے فضل سے وہ اس مرض سے نہ مرے گا پس جس گھر میں سند مہر نبوت رسول پاک کی ہوگی۔ وہاں ہر طرح کی برکت اور خوشی ہوگی اس کی ہر حاجت بر آئے گی۔

نبوّت کا چھٹا سال

....ہم تو سفر کرتے ہیں

قریش کے ظلم و تعدّی کا بادل پیہم برس کر بھی نہ کھُلا اور ایک بار پھر ان کے رویّے میں سختی کے آثار ظاہر ہونے لگے حالانکہ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی کی پناہ میں تھا۔ مصائب اور تشدّد میں اپنے ہی عزیزوں نے ایذا رسانی کی سابقہ حد توڑ دی اور مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا۔ حبشہ سے لَوٹے ہوئے مہاجروں کو وہاں کا امن و امان، لوگوں کا حُسنِ سلوک اور آزادی سے فرائضِ دین کی بجا آوری یاد آنے لگی۔ یہ سُن کر اوائلِ ۶ سنہ نبوّت میں حضورؐ نے مظلوموں کو دوبارہ حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے عرض کیا یارسول اللہ نجاشی کے پاس ہماری پہلی ہجرت اور یہ دوسری اس طرح ہو رہی ہے کہ آپ ہمارے ہمراہ نہیں۔ فرمایا تم لوگ اللہ کی طرف اور میری طرف ہجرت کرنے والے ہو تمہیں ان دونوں ہجرتوں کا ثواب ملے گا۔ اس دفعہ بھی ہجرت کو روکنے، مشکلات پیدا کرنے اور تعاقب کرنے کی پوری کوشش کی گئی بلکہ یہ روانگی پہلے سے بھی زیادہ دشوار تھی اس کے باوجود ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں بچ بچا کر حبشہ میں جمع ہو گئے۔ عورتوں میں قریش سے تعلق رکھنے والی گیارہ اور بقیہ بیرونی تھیں۔ ان میں پہلے مہاجروں میں سے اکثر دوبارہ شامل ہو گئے۔ دوسری بار بھی حضرت عثمانؓ نے مع زوجہ حضرت رقیہؓ۔ حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالاسد مع زوجہ ام سلمہؓ ہجرت کی۔ عبیداللہ بن جحش مع زوجہ ام حبیبہؓ بنت ابو سفیان بھی مہاجروں میں شامل تھے۔ ابو سلمہؓ اور عبیداللہ کی وفات کے بعد یہ دونوں خواتین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے شرف سے ممتاز ہوئیں۔ ابو جہل کے سوتیلے بھائی حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ، رئیسِ مکہ عتبہ کے صاحبزادے حضرت ابو حذیفہؓ، حضرت مصعبؓ بن عمیر، حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت

زبیرؓ ابن عوام، حضرت عبدالرحمنؓ ابن عوف، حضرت عبداللہؓ ابن مسعود، حضرت مقدادؓ ابن عمرو، حضرت علیؓ کے بڑے بھائی حضرت جعفرؓ بن ابوطالب اور حضرت خالدؓ بن حزام ابن خویلد (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) قابلِ ذکر ہیں۔ خالدؓ کی وفات حبشہ جاتے ہوئے راستے میں سانپ کے کاٹنے سے ہوئی۔ ان ہی کے متعلق سورۂ نساء کی آیت "اور جو کوئی اپنے گھر سے ہجرت کرکے اللہ اور رسولؐ کی طرف چلا پھر آپکڑے اس کو موت تو مقرر ہوچکا اس کا ثواب اللہ کے ہاں" نازل ہوئی۔

ان کے علاوہ قابلِ ذکر حضرت علیؓ کے بڑے بھائی حضرت جعفرؓ بن ابوطالب ہیں جن کی بیوی حضرت اسماءؓ بنت عُمیس کے بطن سے حبشہ میں تین بیٹے پیدا ہوئے۔

حضرت جعفرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے نام ایک تعارفی خط بھی دیا تھا۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے اپنی تصنیف "رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی" میں طبری ابن القیم قسطلانی اور قلقشندی کے حوالے سے یہ خط نقل کیا ہے۔

تعارفی خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد رسول اللہ کی طرف سے نجاشی اصحم بادشاہِ حبشہ کے نام۔

میں اس خدا کی تعریف تمہیں لکھتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو بادشاہِ مقدس، سلامتی والا، امان دہندہ اور سلامت رکھنے والا ہے اور میں اقرار کرتا ہوں کہ مریم کے بیٹے عیسیٰ رُوح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں جن کو پاک اور بُرائی سے محفوظ مریم بتول کی طرف ڈالا گیا تو وہ خدا کی رُوح اور پھونک سے حاملہ ہوئیں جیسا کہ خدا نے حضرت آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا تھا۔ میں تجھے خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف بُلاتا ہوں اور یہ کہ تو میری اتباع کرے اور مجھ پر نازل شدہ چیز پر ایمان لائے کیوں کہ میں خدا کا رسول ہوں اور میں تجھے اور تیرے لشکروں کو خدائے عزوجل کی طرف بُلاتا ہوں۔ میں نے پیام پہنچادیا اور بہی خواہی کی ہے۔ اب تم میری بہی خواہانہ نصیحت کو قبول کرو۔ اور میں نے تمہارے پاس اپنے چچازاد بھائی جعفر کو بھیجا ہے۔ جس کے ہمراہ چند مسلمان بھی ہیں۔ جب وہ تیرے پاس آئیں تو ان کی

مہمان داری کر اور تکبر چھوڑ دے سلام اس پر جو ہدایت پر چلے۔"
ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ عام طور پر مورخ اس خط کو ۶ ہجری کا بتاتے ہیں جو درست نہیں۔ آخری جملہ صاف بتلا رہا ہے کہ یہ تعارفی خط ہے۔ اس کے واقف کارانہ انداز سے یہ گمان بھی ہوتا ہے کہ نبوت سے پہلے آنحضرتؐ خود حبشہ تشریف لے گئے اور بعض دیگر مکی تاجروں کے ساتھ نجاشی سے شخصی تعارف حاصل کیا تھا۔ آپ کا مہاجرین سے چلتے وقت واقفانہ انداز میں فرمانا کہ "حبشہ میں ایک ایسے بادشاہ کی حکمرانی ہے جس کے ملک میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔" اس کی مزید تائید کرتا ہے۔ احادیثِ نبوی میں بعض وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے چند حبشی الفاظ بھی مروی ہیں۔

سچائی کی سرزمین

حبشہ کی سرزمین مکہ کی غربی جانب سوڈان کے صحرائی علاقہ کے درمیان بحر احمر سے بحر قلزم کی طرف واقع ہے۔ اہلِ عرب کے حبشہ سے تعلقات بہت قدیم ہیں۔ حضور اکرمؐ کے پردادا ہاشم کو قیصرِ روم نے تجارتی کارواں شام لانے کا پروانہ عطا کیا اور اپنے زیرِاثر فرمانروائے حبش کے نام سفارشی خط بھی لکھا۔ قریش کے تجارتی مال پر ٹیکس نہ لینے کا فرمان حاصل کرنے کے بعد کارواں حبشہ بھی جانے لگے۔ وہ عموماً چمڑے، گوند، لوبان، اونی کپڑے اور قبائیں بیچنے لے جاتے اور ان کے بدلے غلہ حاصل کرتے۔

حبشہ جانے کے دو راستے تھے۔ کاروانوں کا بری راستہ فلسطین سے مصر اور پھر حبشہ کو جاتا تھا۔ بحری راستے سے کشتیاں (جدہ) شعیبہ سے چلتیں اور باب المندب سے ہوتے ہوئے حبشہ کی کسی بندرگاہ میں پہنچ جاتیں۔ دارالسلطنت اکسوم سے قریب بندرگاہ کا نام ادولس تھا۔ سمندری سفر نسبتاً خراب اور طوفانی ہواؤں کی زد میں ہوتا۔ اس کے باوجود عرب بحری سفر اور سمندر سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ اکثر مکی تاجر نجاشی سے شخصی تعارف بھی رکھتے تھے۔ نجاشی شاہِ حبشہ کا لقب تھا جس طرح کسریٰ شاہ ایران اور ہرقل (قیصر) شاہ روم کے القاب تھے۔ نجاشی دراصل حبشی زبان کے لفظ نجوس یا ینگوش کا معرب ہے۔ اس کے معنی بادشاہ کے ہیں۔ چوتھی صدی عیسوی میں اتھاناسیوس سکندریہ کا لارڈ پادری تھا۔ اس نے ۳۳۰ء میں حبشہ کے دارالسلطنت اکسوم میں پہلا بشپ بھیجا تھا۔ یہاں کی نصرانیت مسیحی فرقہ پرستوں کی لڑائیوں سے پاک تھی۔ حبشیوں کا قول ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی ملکہ بلقیس شاہان حبش کی

نسل سے تھیں جو یمن میں آباد ہوگئیں۔ شاہ جسٹی نین اوّل کی درخواست پر ۵۲۵ء میں شاہِ حبشہ نے یمن کے نصرانیوں کی مدد کے لئے حملہ کیا۔ یہاں بحیثیت فاتح پچاس سال تک حکومت کی۔ اسی زمانہ میں حبشی گورنر ابرہہ نے کعبۃ اللہ ڈھا کر صنعار کا کلیسا آباد کرنا چاہا تھا۔ اس وقت حضورؐ کے دادا عبدالمطلب قریش کے سردار تھے۔ ۵۷۰ء

نجاشی ——— اوّلین مؤحّد بادشاہ

اس زمانے میں اکسوم حبش کا پایۂ تخت تھا جو آج بھی ایک معمولی بستی کے طور پر ابی سینا کے شمال مشرقی حصّہ میں موجود ہے۔ بعد میں عدیس آبابا دارالحکومت بنا۔ اس وقت کے نجاشی حکمرانوں کا نام اصحمہ تھا۔ ابن اسحاق نے "مصحمہ" لکھا ہے۔ عربی زبان میں یہ لفظ عطیہ کے ہم معنی ہے۔ اس فرمانروا کے عدل وانصاف کی دُور دُور تک شہرت تھی۔ اس کا باپ بھی بادشاہ تھا جس کا وہ اکلوتا لڑکا تھا۔ اس کے چچا کے بارہ بیٹے تھے۔ اہل حبشہ نے سوچا اگر اس کے بھائی کو فرمانروا بنا دیا جائے تو اس کی کثرتِ اولاد کی وجہ سے حکومت زیادہ دن قائم رہے گی اور کوئی اختلاف نہ ہوگا۔ چنانچہ اس کے باپ کو قتل کر کے اس کے چچا کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ اصحمہ چچا کے گھر میں پرورش پاتا رہا۔ اپنی عقلمندی اور اخلاق سے بہت جلد چچا کا منظورِ نظر ہوگیا۔ قوم نے یہ دیکھا تو سوچا کہ اگر یہ چچا کے بعد تخت پر بیٹھا تو ہمارا حشر بُرا ہوگا۔ سازش کر کے اسے ملک بدر کرنے کا حکم جاری کروایا۔ زبردستی ایک تاجر کے ہاتھ سات سو درہم میں فروخت کر کے کشتی پر سوار کر دیا۔

اتفاق سے اس دن بدلی گھر آئی۔ بادشاہ موسم سے لطف اُٹھا رہا تھا کہ بجلی گری اور وہ لقمۂ اجل بن گیا۔ لوگوں نے اس کے بچّوں کو بادشاہ بنانا چاہا تو سب کو نااہل اور احمق پایا۔ آخر کشتی سے اصحمہ کو اُتار لائے اور تختِ سلطنت پر بٹھا دیا۔ تاجر نے رقم مانگی تو ٹکا سا جواب دیا۔ مقدمہ بادشاہ کی عدالت میں پیش ہوا۔ نجاشی نے حکم دیا کہ اس تاجر کی رقم واپس کر دی جائے۔ ورنہ غلام اس کے حوالے کر دیا جائے۔ جسے وہ اپنے ساتھ جہاں چاہے لے جائے۔ یہ فیصلہ سُن کر لوگوں نے سات سو درہم واپس کر دیئے۔ ۶۱۵ء

حبشہ کی دوسری ہجرت سے مکّہ کے ہر گھر میں کُہرام مچ گیا۔ ہر خاندان کا کوئی نہ کوئی فرد اس میں شامل تھا۔ مسلمان حبشہ پہنچے اور آرام وسکون کے ساتھ رہنے لگے۔ یہ سُن کر اہلِ مکّہ کے سینے پر سانپ لوٹنے لگا۔ انھیں یہ اندیشہ بھی دامن گیر ہوا کہ کہیں یہ حبشہ میں جمع

ہو کر ایک طاقت نہ بن جائیں اور حبشیوں کی مدد سے ہم پر دھاوا نہ بول دیں۔ دارالندوہ میں غور ہوا۔ طے کیا گیا کہ دانشوروں کا ایک وفد نجاشی کے دربار میں روانہ کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے عمرو بن العاص (مشہور سیاس بعد میں فاتح مصر) اور عبداللہ بن ابی ربیعہ (ابوجہل کا ماں جایا بھائی) کو بہت سے تحفوں کے ساتھ حبشہ روانہ کیا گیا۔ نجاشی کے لئے اعلیٰ درجہ کے دباغت کئے ہوئے چمڑے بطور تحفہ بھیجے گئے۔ دونوں نے پہلے نجاشی کے اُمراء اور مذہبی پیشواؤں سے ملاقات کی۔ انھیں تحفے پیش کر کے ہموار کیا اور درخواست کی کہ جب ہم نجاشی کے دربار میں اپنا معروضہ پیش کریں تو اس کی تائید کریں۔

گلوئے عدل پر ایسی عدالت اِک چھری سمجھی

دربار میں باریابی حاصل کی تو پہلے حسبِ دستور سجدہ کیا پھر عرض پرداز ہوئے۔ شاہا! ہم میں سے چند نادانوں نے اپنا آبائی دین چھوڑ دیا ہے۔ انھوں نے آپ کا مذہب بھی اختیار نہیں کیا۔ ایک نیا دین گھڑ لیا ہے۔ اب آپ کے ہاں پناہ لے رکھی ہے۔ ہماری قوم کے اشراف اور سربرآوردہ لوگوں نے آپ سے درخواست کی ہے کہ انھیں ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ درباریوں نے حسبِ وعدہ وفد کے مطالبہ کی تائید کی۔ پادریوں نے کہا چونکہ یہ لوگ ہمارے دین میں داخل نہیں ہوئے اس لئے ان کی حفاظت کی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی۔ یہ سُن کر نجاشی نے کہا کہ انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے انھیں بھی صفائی کا موقع دیا جائے۔ یہ بات قریشی وفد کو ناگوار گزری۔ اصل بات یہ تھی کہ ایک مذہبی آدمی نئے مذہب کے بارے میں معلومات کرنے کی فطری خواہش بھی رکھتا تھا۔

نجاشی کا قاصد مسلمانوں کو دوسرے دن دربار میں حاضری کا حکم سُنا گیا۔ اہلِ ایمان نے آپس میں مشورہ کیا کہ عیسائی حکمراں کے آگے کس طرح گفتگو کی جائے۔ طے پایا کہ اللہ کے رسول نے جو تعلیم دی ہے اس سے سرِ مُو انحراف نہ کیا جائے چاہے نجاشی ہمیں اپنے ملک سے نکال ہی کیوں نہ دے۔ پھر ان لوگوں نے حضرت جعفرؓ ابن ابی طالب کو اپنا ترجمان بنایا۔ ابن اسحاق نے عروہ ابن زبیرؓ ابن عوام کے حوالے سے لکھا ہے کہ "نجاشی سے ساری گفتگو حضرت عثمانؓ ابن عفان نے کی۔ (سیرۃ ابن اسحاق ص۲۳۱ نقوش رسول نمبر جلد ۱۱)۔

اللہ والے

دوسرے دن جب مہاجرین دربار میں حاضر ہوئے تو دروازے پر بلند آواز سے صدا دی۔ بادشاہ سلامت! اللہ والوں کا گروہ اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے۔ نجاشی نے یہ آواز سُنی تو چوبدار سے کہا۔ ان سے کہو ایک بار پھر ان کلمات کو دُہرائیں۔ جب دوبارہ آواز آئی تو جواب میں نجاشی نے کہا "اللہ کے حکم سے داخل ہو جاؤ اور تم اس کی ہی حفاظت میں ہو۔" مہاجر صحابہ "السلام علیکم" کہتے ہوئے دربار میں داخل ہوئے۔ اُمراء کو یہ انداز پسند نہ آیا۔ ایک امیر نے پوچھا کہ تم نے شاہِ ذیجاہ کو سجدہ نہیں کیا۔ جواب دیا ہم سوائے اللہ کے اور کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔ خود اپنے رسولؐ کو بھی اسی طرح سلام کرتے ہیں جو اہلِ جنت کا طریقہ ہے۔ نجاشی نے پوچھا۔ تم میں سے دروازے پر اجازت طلب کرنے والا کون تھا؟ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب آگے بڑھے۔ کہا اپنے موقف کی وضاحت کرو۔ عرض کیا۔ پہلے میں سفارتِ مکّہ سے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ اجازت پا کر سوال کیا۔ ۱۰۹

رُخ موڑ دیا اس نے مورخ کے قلم کا

کیا ہم میں کوئی غلام ہے جو اپنے مالک کو جُل دے کر آیا ہے؟ ایسا ہو تو اے بادشاہ آپ کو حق ہے کہ اسے مالک کو لوٹا دیں۔ عمرو بن العاص نے کہا۔ تم میں سے کوئی بھی غلام نہیں۔ سب آزاد اور اشراف ہیں۔

پوچھا۔ کیا ہم میں سے کسی نے کوئی قتل کیا ہے کہ قصاص یا خون بہا سے بچنے کے لئے بھاگ آیا ہو؟ اگر ایسا ہو تو بے شک اسے واپس کیا جانا چاہیے۔

جواب ملا۔ تم میں سے کسی پر ایسا کوئی الزام نہیں۔

اچھا تو ہم میں سے کوئی کسی کا مال لے کر فرار تو نہیں ہوا؟ جس کی طلب میں تم یہاں آئے ہو۔ سفارت کے پاس ایک دوسرے کے مُنہ دیکھنے کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔

اس جرح نے اہلِ دربار پر مسلمانوں کی اخلاقی حیثیت واضح کر دی۔ اب نجاشی بول اُٹھا۔ پھر اے قریشیو! تم ان سے کیا چاہتے ہو؟

عمرو بن العاص نے عرض کیا۔ اے بادشاہ! ہم اور یہ اپنے آباؤ اجداد کے دین پر تھے۔ انھوں نے اسے چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کیا ہے۔

نجاشی نے حضرت جعفرؓ سے مخاطب ہوکر کہا۔ سچ سچ بتاؤ پہلے تمہارا دین کیا تھا اور اب تم نے کون سا دین اختیار کرلیا ہے؟ حضرت جعفرؓ نے جواب دیا۔ ہم نے اپنے آباواجداد کے بُت پرستی کے دین کو چھوڑ دیا ہے۔ اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کو اختیار کرلیا ہے۔ جسے ہمارے رسولؐ نے سکھایا ہے۔ ان پر اللہ کی ایک کتاب بھی اُتر رہی ہے جو کہ حضرت مسیح ابنِ مریمؑ کی کتاب انجیل جیسی ہے اور اس کے موافق بھی ہے۔

نجاشی نے کہا "تم نے ایک امرِ عظیم کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ اب ذرا رُک جاؤ"۔ پھر اس نے ناقوس بجانے کا حکم دیا۔ اس کی آواز سُنتے ہی راہب، مذہبی پیشوا اور علماء دربار میں جمع ہوگئے۔ اب نجاشی ان سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگا۔ تمہیں اس اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے حضرت عیسٰیؑ پر انجیل مقدس کو نازل فرمایا" کیا حضرت عیسٰی علیہ السلام اور روزِ قیامت کے درمیان کوئی اور نبی بھی آئے گا؟ انھوں نے کہا۔ قسم ہے اللہ کی۔ ایک رسول ضرور آئے گا۔ ان کی آمد کی بشارت یسوع مسیح علیہ السلام نے دی ہے اور فرمایا جو اس رسول پر ایمان لائے گا وہ مجھ پر ایمان لائے گا۔ جو ان کے ساتھ کفر کرے گا وہ مجھ سے کفر کرے گا۔ ﷺ

حضرت جعفرؓ کی طرف رُوئے سخن پھیرتے ہوئے کہا۔ اب مجھے بتاؤ وہ کس بات کا حکم دیتا ہے اور کن چیزوں سے منع کرتا ہے۔

مسلمانوں کے خطیب نے ایک برجستہ تقریر کی جس میں عرب جاہلیت کی حالت اور اسلامی تعلیمات کا بہترین خلاصہ پیش کیا۔ جسے اہلِ بلاغت نے "ابلغ الخطبات" کی سند بخشی ہے حضرت امِ سلمہؓ جو دربارِ نجاشی میں موجود تھیں اور بعد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے شرف سے اُمّ المومنین بنیں ان کی سند سے یہ خطبہ درج کیا جاتا ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا

"اے بادشاہ! ہم جاہلیت میں پڑی قوم تھے۔ بُت پرست اور مُردار خور تھے۔ بیحیائی کے کام کرتے۔ قطع رحمی کرتے تھے۔ پڑوسی کا کوئی حق نہ پہچانتے تھے۔ طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ ہم اسی حال پر تھے کہ اللہ نے ہماری طرف خود ہم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جس کے حسب و نسب، صداقت و دیانت، تقویٰ اور پاک دامنی سے ہم خوب واقف ہیں۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا کہ ہم اس کی توحید کے قائل ہوں۔ اس کی عبادت کریں۔ پتھروں اور بتوں کی پوجا چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے تھے۔ اس نے ہمیں راست گوئی،

امانت داری، صلۂ رحمی، حقوقِ ہمسائیگی اور عہدو پیمان کی پاسداری کا حکم دیا۔ حرام افعال اور خونریزی سے منع کیا۔ اس نے ہمیں تاکید کی کہ بے حیائی سے بچو۔ جھوٹ نہ بولو۔ یتیموں کا مال نہ کھاؤ۔ پاک دامن عورتوں پر بدنامی کے داغ نہ لگاؤ۔ وعدے پورے کرو۔ گناہوں سے دُور رہو۔ حکم دیا کہ صرف ایک خدا کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراو۔ نماز پڑھو۔ زکوٰۃ دو۔ روزے رکھو۔ اس نے جس چیز کو حرام بتایا، ہم نے حرام جانا۔ جس چیز کو حلال بتایا، ہم نے اسے حلال جانا۔ ہم اس پر ایمان لائے۔ شرک اور بُت پرستی چھوڑدی۔ بُرے کاموں سے باز آئے۔ اس پر قوم ہماری دشمن ہوگئی اور ہمیں مجبور کررہی ہے کہ ہم وحدہٗ لاشریک کی عبادت چھوڑدیں۔ لکڑی اور پتھر کی مُورتیں پُوجیں۔ ہم نے قوم کے ہاتھوں بہت ظلم سہے۔ انھوں نے ہماری زندگی اجیرن کردی۔ ہمارے دین کے راستے میں حائل ہوگئے۔ آخر مجبور ہوکر ہم آپ کے ملک میں نکل آئے۔ دوسروں کے بجائے آپ کے ہاں آنا پسند کیا اور آپ کی پناہ لی، اس اُمید پر کہ شاہا! یہاں ہم پر ظلم نہ ہوگا۔“ [111]

قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

تقریر نے سماں باندھ دیا۔ اب نجاشی نے کہا ذرا ہمیں وہ کلامِ الٰہی بھی سُناؤ جو تمہارے رسول پر اُترا ہے۔ حضرت جعفرؓ نے کامیاب خطیب کی طرح موقع محل، فرمانروا اور مسیحی دربار کی رعایت سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا اور سُورۂ مریم کا ابتدائی حصّہ منتخب کیا۔ ایسی خوش الحانی سے تلاوت کی کہ کوئی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ نجاشی کے آنسوؤں نے اس کی داڑھی تر کردی۔ پادری بھی اپنی آنکھوں پر قابو نہ رکھ سکے۔ ان کے آنسوؤں سے ان کے صحیفے بھیگ گئے۔ نجاشی کی رُوح کی گہرائیوں میں جو تاثر پیدا ہوا وہ الفاظ بن کر اس کی زبان پر آیا: ”خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو وہی رسول ہیں جن کی خبر یسُوع مسیح علیہ السلام نے دی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اس رسول کا زمانہ ملا۔“ پھر قریش کے سفیروں سے مخاطب ہو کر کہا۔ تم واپس چلے جاؤ۔ بخدا میں انھیں ہرگز ہرگز تمہارے حوالے نہ کروں گا۔

مہاجروں سے مخاطب ہوکر بولا۔ جاکر میری مملکت میں امن کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ پھر تین بار کہا کہ کوئی تمہیں گالی بھی دے گا تو اس پر تاوان لگے گا۔ یہ سن کر خجالت کی چادریں ملبوس دونوں سفیر دربار سے بے آبرو ہوکر باہر نکلے۔

عقل عیّار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے

عمرو بن العاص نے رات انگاروں کے بستر پر کاٹی۔ کباب سیخ کی طرح پہلو بدلتے اور دماغ لڑاتے رہے۔ صبح اپنے ساتھی سے کہا اُعل ھُبَل (ھُبل بلند رہے) آج نجاشی کے پاس ایسی بات کروں گا کہ ان کی جماعت کو جڑ سے اُکھاڑ دوں گا۔ اس کانٹے کا ان کے پاس کوئی منتر نہیں ہوگا۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ نے کہا۔ ایسا نہ کرو۔ وہ ہمارے مخالف ضرور ہیں لیکن قرابت دار ہیں اور ان کا یہ ہم پر حق ہے۔ عمرو بن العاص نے کہا۔ بخدا میں ایسا ہی کروں گا۔

دوسرے دن دربار میں پھر رسائی حاصل کی۔ بزعمِ خود ترکش و تدبّر کا وہ تیر چلایا جو زہر میں بجھا ہوا ہی نہیں تھا بلکہ بے خطا بھی تھا۔ عرض کیا۔ اے بادشاہ! وہ حضرت مسیح کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں جن کا زبان سے نکالنا بھی مشکل ہے۔ نجاشی کو برانگیختہ کرنے اور اس کے اندر مذہبی تعصب کی آگ بھڑکانے کے لئے بڑا نفسیاتی حربہ تھا جو بنی قریش کے سیاستداں نے آزمایا۔

مسلمان پھر دربار میں طلب کئے گئے۔ ان کو جب صورت حال معلوم ہوئی تو تردد ہوا۔ کہ حضرت عیسیٰؑ کے "ابن اللہ" سے انکار پر نہ جانے نجاشی کیا قیامت برپا کردے۔ اُم المومنین اُم سلمہؓ فرماتی ہیں کہ اس سے بڑی مصیبت ہم پر اس سے پہلے نازل نہیں ہوئی تھی۔ آخر ہم نے طے کیا کہ حق بات بتائیں گے جو قرآن اور رسول نے بتائی ہے۔

ناقوس بجا۔ تمام راہب اور علماء دربار میں جمع ہوئے۔ نجاشی نے حضرت جعفرؓ سے پوچھا۔ عیسیٰؑ ابن مریم کے بارے میں تم لوگوں کا عقیدہ کیا ہے؟ حضرت جعفرؓ نے فرمایا۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں وہ اس کی طرف سے ایک رُوح اور کلمہ ہیں جسے اللہ نے کنواری مریمؑ پر القا کیا تھا۔ ١١٢

حدودِ شام وسحر سے نکل گئے کچھ لوگ

یہ کلمات سُن کر نجاشی نے ایک لکڑی اُٹھائی اور کہا کہ جیسا کہ تم نے کہا حضرت عیسیٰؑ ہمیشہ اس لکڑی کی طرح ثابت و سالم رہے مگر پادریوں نے اس میں سوراخ کردیئے۔ اس پر حضرت جعفرؓ نے کہا مگر ہم اصل پر قائم ہیں۔ ایک دوسری روایت یہ ہے کہ نجاشی نے زمین پر سے ایک تنکا اُٹھایا اور کہا کہ واللہ! جو تم نے کہا ہے حضرت عیسیٰؑ اس سے اس

تنکے بھر بھی زیادہ نہیں۔ یہ سُن کر پادری اور راہب پیچ وتاب کھانے لگے۔ ان کے نتھنوں سے خرخراہٹ کی آہٹ آنے لگی۔ ان کی پرواہ کئے بغیر نجاشی نے کہا۔ مسلمانو! میں تمہیں اور پیغامِ محمدیؐ کو خوش آمدید کہتا ہوں بلکہ اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور یہ وہی ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں پاتے ہیں اور اس کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی۔ اگر میں حکومت کے جھنجھٹ میں پھنسا نہ ہوتا تو خود حاضر ہو کر ان کی جوتیاں اُٹھاتا اور ان کے لئے وضو کا پانی لاتا۔

جاؤ اور میری حکومت میں امن سے رہو۔ جو تمہیں بُرا کہے گا سزا پائے گا اور یہ کلمہ تین بار دہرایا۔ میں یہ بات پسند نہیں کروں گا کہ مجھے سونے کا پہاڑ مل جائے اور اس کے عوض تم میں سے ایک آدمی کو ستاؤں۔ بخدا! اللہ تعالیٰ نے جب میرا ملک واپس کیا تو اس نے مجھ سے کوئی رُشوت نہیں لی تھی کہ میں اس کے معاملے میں رُشوت لوں۔ اللہ تعالیٰ نے میرے معاملے میں لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہیں کی تھی کہ میں اس کے معاملے میں لوگوں کی خواہشات کی پیروی کروں۔

اس کے بعد نجاشی نے حکم دیا کہ قریش کے وفد کے تمام تحائف واپس کر دیئے جائیں۔ اور انھیں ملک چھوڑنے کو کہا۔ حضرت اُمِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد ہم لوگ وہاں بہترین ملک میں بہترین پڑوسی کے ساتھ مقیم رہے۔ اس دوران میں نجاشی کا ایک دشمن حبشہ پر حملہ آور ہوا۔ اس وقت مسلمانوں نے جنگ میں شرکت کی۔ یہ جنگ ہمارے لئے سب سے زیادہ اہم جنگ تھی کیوں کہ ہمیں اس وقت یہ خوف تھا کہ نجاشی تو ہمارے حقوق پہچانتا ہے اس پر کہیں ایسا شخص غالب نہ آجائے جو ہمارے حقوق کو پہچانتا ہی نہ ہو۔ ۱۱۳

شمع ہدایت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ اپنے اصحاب کو حبشہ ہجرت کی اجازت دی۔ معلوم ہوا کہ دین داروں کے درمیان رشتہ بہ نسبت بُت پرستوں اور مُنکروں کے زیادہ قابلِ اعتماد ہوتا ہے۔ آسمانی ادیان کے ماننے والے اللہ، رسول، کتابوں اور یومِ آخر پر متفق ہیں اس لئے دُنیوی معاملات میں اشتراک کے زیادہ پہلو رکھتے ہیں۔ ان کے برعکس بُت پرستوں ملحدوں اور منکروں سے زبان و وطن، رنگ اور نسل کی یکسانیت کے باوجود ان کے درمیان رشتے ناپختہ اور ناقابلِ اعتماد ہیں۔

سیرتِ نبویؐ میں مہاجرین کا حبشہ میں قیام مسلمانوں کے لئے نمونہ ہے کہ غیر مسلم مملکت میں کس طرح رہیں۔ مکہ کا قیام غلبۂ کفر میں رہنے کا نمونہ ہے۔ مدینہ کا قیام اپنی حکومت میں رہنے کا نمونہ ہے۔ ہر نمونہ ملّت کی انفرادیت اور جُداگانہ تشخص کا مظہر ہے۔

حبشہ میں قریشی وفد کی ناکامی بلکہ ذلت آمیز شکست سیاست کے بیرونی محاذ پر اسلام کی اہم کامیابی تھی۔ قریش کے مقابلے میں ان کی جُداگانہ حیثیت تسلیم کر لی گئی۔ نصرانی حکمراں نے بُت پرستوں کے مقابلے میں ان کے موقف کو حق مانا۔ اس طرح مسلمانوں کو قومی تشخص حاصل ہوا۔ نجاشی کے حصے میں دولتِ ایمان مُنفرد انداز میں آئی۔ وہ صرف وحیٔ الٰہی کو سُن کر اقرار کرتا ہے کہ اس کلام میں وہی رُوح بول رہی ہے جو مسیح علیہ السلام میں گویا ہوئی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے بغیر آپ پر ایمان لاتا ہے۔

اچھا تم کو ہمارا اسلام

حبشہ میں برسرِ دربار گفتگو نے آخری نبی کے مبعوث ہونے کی خبر عام کر دی۔ حق کے متلاشی نصاریٰ کا ایک بیس رُکنی وفد مکہ پہنچا۔

مسجدِ حرام میں آپؐ تشریف فرما تھے کہ یہ لوگ آئے۔ صحنِ کعبہ میں بیٹھے۔ قریش اپنی مجلسوں سے ان نوواردوں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ بڑی دیر تک سوالات کرتے رہے۔ آخر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام دی اور انھیں اللہ کا کلام سُنایا۔ مہبطِ وحی کی لسانِ حق ترجمان سے قرآن سُن کر ان پر کیفیت گریہ طاری ہوگئی۔ بے اختیار ایمان لے آئے۔ جب اُٹھ کر جانے لگے تو ابوجہل نے چند قریشیوں کے ساتھ انھیں جا پکڑا۔ کہنے لگا تم سا احمق گروہ میں نے نہیں دیکھا۔ تمہارے ہم وطنوں نے تو تمہیں دریافت حال کے لئے بھیجا تھا۔ اس شخص کی باتوں میں آکر اپنے اچھے بھلے دین کو چھوڑنے کو تو نہیں کہا تھا۔ جواب دیا۔ ہم نادانی میں تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتے اور نہ بھلائی سے محروم رہ سکتے ہیں۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں۔ تم اپنے اعمال کے جوابدہ ہو۔ اچھا تم کو ہمارا اسلام!

نجاشی نے بھی سات راہبوں اور پانچ پادریوں پر مشتمل ایک وفد تحقیق کے لئے مکہ بھیجا۔ تاکہ اسے ٹھیک ٹھیک خبر دیں۔ لسانِ وحی ترجمان سے قرآن سُن کر ان کی حالت بھی دِگرگوں ہوگئی۔ عُلما کہتے ہیں کہ سورۂ مائدہ کی آیت ۸۳ اور الفرقان کی آیت ۶۳ نجاشی اور اس کے رُفقا کے بارے میں نازل ہوئی۔

RekhtaDownload.com

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

"جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ حق شناسی کے اثر سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں وہ بول اٹھتے ہیں کہ پروردگار! ہم ایمان لائے۔ ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔"

وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝

اور جاہل ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو ہمارا سلام۔ (۱۱۲)

جوابی خط

ڈاکٹر حمید اللہ نے اپنی کتاب "رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی" میں طبری اور ابن اسحاق کے حوالے سے نجاشی کے جوابی خط کو بھی نقل کیا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ اسی وفد کے ذریعہ روانہ کیا گیا ہو۔ خط کا مضمون درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بخدمت محمدؐ رسول اللہ — از طرف نجاشی اصحم بن ابجر

تجھ پر اے نبیؐ سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں، اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی۔

یا رسول اللہ! آپ کا خط مجھے ملا۔ جس میں حضرت عیسیٰؑ کا ذکر تھا۔ زمین اور آسمان کے مالک کی قسم آپ کی بیان کردہ چیز سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام رتی بھر بھی زیادہ نہیں ہیں وہ ویسے ہی تھے جیسے آپ نے فرمایا۔ ہم نے آپ کے فرستادوں سے تعارف حاصل کیا۔ اور آپ کے چچازاد بھائی اور اس کے ساتھیوں کی مہمانداری کی۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ سچے اور تصدیق یاب رسول ہیں۔ میں نے آپ کے چچازاد بھائی اور اس کے ساتھیوں سے بیعت کی اور اس کے ہاتھوں خدائے رب العالمین کے سامنے سر اطاعت تسلیم کیا۔ میں نے آپؐ کی خدمت میں اپنے بیٹے ارحا بن اصحم بن ابجر کو بھیجا ہے۔ اس کے بعد نجاشی نے

RekhtaDownload.com

ذات کے سوا کسی کا مالک نہیں اگر آپ چاہیں میں آپ کے پاس آجاؤں گا کیونکہ میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ جو فرماتے ہیں حق ہے۔

والسلام علیک یارسول اللہ! ﷺ

نجاشی کا بیٹا

نجاشی نے اپنے ایک بیٹے کو ساٹھ آدمیوں کے ساتھ ایک کشتی میں حجاز روانہ کیا مگر وسطِ سمندر میں کشتی مع تمام مسافروں کے ڈوب گئی۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ نجاشی کا ایک اور بیٹا ابو نیزر مکّہ کے ایک تاجر کے پاس پایا گیا۔ حضرت علیؓ نے اسے خرید کر آزاد کر دیا۔ یہ اس حُسنِ سلوک کا بدلہ تھا جو مسلمانوں سے حبشہ میں کیا گیا۔ یہ لڑکا قد آور اور خوبصورت نوجوان تھا۔ اس کے پاس حبشہ سے کچھ لوگ آئے اور ایک مہینہ تک رہے۔ انھوں نے کہا کہ حبشہ کی حکومت میں بگاڑ اور فساد رُونما ہو چکا ہے۔ تم ہمارے ساتھ چلو۔ ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنالیں گے اس نے جواب دیا۔ اب اللہ نے مجھے اسلام سے مشرف فرمایا ہے میں واپس نہیں جاؤں گا۔ وہ لوگ مایوس ہو کر چلے گئے۔ تاریخ مدینہ میں لکھا ہے کہ نجاشی کے بیٹے نے حضرت علیؓ سے موالات یا بھائی چارہ کر لیا تھا۔ ؎

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کرنے کی خبر حبشہ پہنچی تو مہاجرین میں سے ۳۳ مرد اور آٹھ خواتین مدینہ روانہ ہو گئے۔ جن میں ۲۴ صحابہ کو جنگِ بدر میں شرکت کا شرف بھی حاصل ہوا۔

حدودِ وقت سے آگے نکل گیا ہے کوئی

جنگِ خندق ۵ھ میں قریش کا دس ہزار کا لشکر مدینہ سے ناکام اور نامُراد واپس ہوا۔ اس ہزیمت سے عمرو بن العاص بہت متاثر ہوئے۔ ان کا بیان ہے میں نے قریش کے ان اشخاص کو جو مجھے مانتے اور میری بات سُنتے تھے جمع کر کے کہا تم لوگ یقین جانو کہ محمدؐ کی بات تمام باتوں پر بلند ہو گی۔ اس میں کسی انکار کی گنجائش نہیں۔ میری رائے مانو تو ہم لوگ نجاشی کے پاس چل کر قیام کریں۔ اگر ہماری قوم پر محمدؐ غالب آگئے تو ہم وہیں ٹھہر جائیں گے۔ کیوں کہ نجاشی کی ماتحتی میں رہنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ماتحتی سے کہیں زیادہ پسندیدہ ہے۔ اگر ہماری قوم غالب ہوئی تو ہم ممتاز لوگ ہیں۔ قوم ہمیں خوشی سے واپس قبول کرے گی۔ اس رائے سے

سب نے اتفاق کیا۔ تحفہ میں نجاشی کے لئے عمدہ قسم کا چمڑہ فراہم کیا گیا۔ ہم لوگ دربار میں جا رہے تھے کہ عمرو بن اُمیہ ضمری کو نکلتے دیکھا جو تاجدارِ مدینہ کا سفیر بن کر آئے تھے۔ میں نجاشی کی خدمت میں باریاب ہوا۔ حسبِ معمول اسے سجدہ کیا۔ پوچھا میرے لئے کیا تحفہ لائے ہو؟ عرض کیا اعلیٰ درجہ کا بہت سا چمڑا۔ دیکھ کر باغ باغ ہو گیا۔ میں نے اس کی خوشی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے عرض کیا کہ ابھی ایک شخص دربار سے نکلا ہے اس نے ہمیں بڑی تکلیف دی ہے۔ ہمارے حوالے کر دیجئے تاکہ اس کا سر قلم کر کے قریش کا کلیجہ ٹھنڈا کریں۔ یہ سُن کر وہ بے حد غضبناک ہو گیا اور اس زور سے اپنا ہاتھ ناک پر مارا میں سمجھا کہ وہ ٹوٹ جائے گی۔ میں نے کہا شاہا! یہ درخواست حضور کو اتنی ناگوار گزرتی تو کبھی نہ کرتا۔ بولا تم چاہتے ہو میں ایسے شخص کے قاصد کو تمہارے حوالے کر دوں جس کے پاس وہ ناموسِ اکبر آتا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتا تھا۔ عرض کی عالی جاہ! کیا وہ واقعی ایسا ہے۔ فرمایا۔ اے عمرو! تیری حالت قابلِ افسوس ہے۔ میری مان تو اس کی پیروی کر۔ خدا کی قسم وہ حق پر ہے اور اپنے تمام دشمنوں پر غالب آئے گا۔ میں نے کہا اگر ایسا ہے تو ان کی طرف سے آپ میری بیعت لیجئے۔ اس نے ہاتھ بڑھایا اور میں نے اسلام کی بیعت کر لی ساتھیوں کو چھوڑ کر میں مدینہ روانہ ہو گیا۔ راستہ میں خالد بن ولید مکہ سے آتے ہوئے ملے۔ پوچھا کہاں کا قصد ہے؟ کہا پانسہ پلٹ چکا ہے اب بغیر لیت و لعل کے اسلام قبول کر لینا چاہئے۔ میں بول اُٹھا اسی ارادہ سے میں بھی جا رہا ہوں۔ ہم دونوں ایک ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہلے خالد نے بیعت کی۔ میری باری آئی تو عرض کیا یارسول اللہ! میں بیعت کی نیّت سے آیا ہوں بشرطیکہ آپ میرے پچھلے اور اگلے گناہ معاف فرمائیں۔ فرمایا۔ عمرو! بیعت کر لو۔ اسلام پچھلے گناہوں کو دھو دیتا ہے۔ ہجرت ماقبل لغزشوں کو مٹا دیتی ہے۔ میں نے یہ سُن کر بیعت کر لی اور مکہ لَوٹ گیا۔ چند دنوں بعد ہجرت کر کے مدینہ آ گیا۔ [۱]

نامۂ رسول بنامِ نجاشی

صلحِ حدیبیہ کے بعد تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط سلاطین کو ارسال فرمائے اس میں ایک خط بادشاہ حبشہ کے نام بھی ہے۔ جسے عمرو بن امیہ ضمری کی معرفت محرم ۷ھ میں روانہ کیا گیا۔ غالباً یہی موقع تھا کہ عمرو بن العاص نے انھیں دربار سے نکلتے دیکھا۔ ابنِ اسحاق نے خط کا مضمون یوں درج کیا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ مکتوب اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نجاشی اصحم بادشاہِ حبش کے نام ہے :

سلامتی ہے اس کے لئے جو راہِ راست کی پیروی کرے۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس بات کی شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ اولاد ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں تمہیں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، بیشک میں اللہ کا رسول ہوں۔ تم اسلام قبول کرو تمہیں سلامتی حاصل ہو جائے گی اور اے اہلِ کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔ اگر تم نے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا تو تمہاری قوم نصاریٰ کا گناہ بھی تم پر ہوگا۔ ﷺ

حضرت اُمِّ حبیبہؓ کو پیامِ نکاح

اس خط سے پہلے اور بعد بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو خطوط بھیجے ہیں ایک خط میں عبیداللہ بن جحش کے مُرتد ہو کر مَر جانے کے بعد ان کی بیوہ اُمِّ حبیبہؓ بنت ابو سفیان کو نکاح کا پیغام دینے کیلئے لکھا تھا۔ نجاشی نے اپنی خاص لونڈی ابرہہ کو ام حبیبہؓ کے پاس بھیجا۔ وہ رسول اللہ کے پیغام کی خبر سُن کر بہت خوش ہوئیں۔ اپنے زیورات انعام میں ابرہہ کو عطا کئے۔ اپنے ماموں زاد بھائی خالدؓ بن سعید العاص کو اپنا وکیل بنایا۔ نجاشی نے حضرت جعفرؓ اور دیگر صحابہ کو جو وہاں موجود تھے بُلایا۔ سب کے سامنے نکاح کی رسم ادا کروائی خود خطبہ پڑھا۔ اپنے پاس سے ۴سو دینار مہر ادا کیا۔ یہ مہر جب ام حبیبہؓ کے پاس آیا تو انھوں نے پچاس دینار ابرہہ کو دینے چاہے لیکن اس نے نجاشی کے ایماء پر انکار کر دیا بلکہ جو زیور پہلے دیئے تھے وہ بھی واپس کر دیئے اور کہا میں شاہی توشہ خانہ کی مہتمم ہوں۔ میں بھی محمد رسول اللہ کی تصدیق کرتی ہوں۔ ان پر ایمان لاتی ہوں۔ آپ میرا اسلام رسول اللہ کو پہنچا دیں۔ ام حبیبہؓ نے اس کا وعدہ کیا۔ مدینہ پہنچ کر سلام پہنچایا۔ حضورؐ نے اس کا جواب دیا۔

حضرت اُمِّ حبیبہؓ بیان کرتی ہیں کہ نجاشی نے بہت سا عود، عنبر، مشک اور دیگر چیزیں تحفہ میں دیں۔ حضورؐ مدینہ میں اُمِّ حبیبہؓ کے پاس عُود جلتا ہوا اور ان کو عنبر مَلا ہوا دیکھتے جو نجاشی

RekhtaDownload.com

کا تحفہ تھا تو خوش ہوتے۔ ابوسفیان کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے اس نکاح کو پسند کیا اور کہا یہ وہ نر ہے جس کی ناک میں نکیل نہیں ڈالی جا سکتی۔

بدر کی جنگ میں جب قریش کو شکست ہوئی تو انھوں نے ایک اور سفارت حبشہ روانہ کی تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنا غصہ مہاجرین حبشہ پر اتاریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی تو مدینہ کے قریب کے ایک غیر مسلم سردار عمرو بن امیہ ضمری کو سفیر بنا کر بھیجا۔ نجاشی نے فتح پر خوشی کا اظہار کیا اور اس دفعہ بھی قریش کو منہ کی کھانی پڑی۔ [119]

دُعائے مغفرت

۶ھ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفیر حبشہ بھیجا کہ وہاں کے پناہ گزینوں کو مدینہ لائے۔ نجاشی نے بڑی گرم جوشی سے مسلمانوں کو رخصت کیا۔ انھیں تحائف دیئے اور اپنے جہازوں میں مدینہ روانہ کیا۔ یہ جہاز ساحل بُولا پر جس کا نام الجار بھی ہے لنگر انداز ہوئے۔ سواریوں پر خشکی کا سفر طے کیا۔ نجاشی کا بیٹا اور بہت سے حبشی بھی مدینہ آئے۔ جب یہ لوگ محرم ۷ھ ہجری میں مدینہ پہنچے تو حضورؐ خیبر کی مہم پر تشریف لے گئے تھے۔ یہ سب خیبر گئے۔ بجز اُم حبیبہؓ وہ مدینہ ہی میں رہیں۔ حضورؐ واپس آئے تو ملیں۔ خیبر زیر ہو چکا تھا۔ ایسے میں حضرت جعفرؓ پہنچے تو حضورؐ نے انھیں گلے لگایا اور فرمایا میں نہیں جانتا کہ مجھے خیبر کی فتح سے زیادہ مسرت ہوئی ہے یا جعفرؓ کے آنے سے۔ حضورؐ نے خیبر کی غنیمت میں مہاجرین حبشہ کا حصہ بھی لگایا۔ نجاشی کے قاصد نے عرض کیا میرے بادشاہ نے اللہ کی وحدانیت، آپ کی رسالت کے ساتھ آپ سے درخواست کی ہے کہ دُعائے مغفرت فرمائیں۔ آپؐ اسی وقت اُٹھے۔ وضو کیا اور تین بار دُعا فرمائی۔ اے اللہ! نجاشی کی مغفرت فرما۔ سب مسلمانوں نے آمین کہا۔ [120]

ذُوالہجرتین

حضرت جعفرؓ کی زوجہ حضرت اسماءؓ بنت عمیس جب حضورؐ سے ملیں تو عرض کیا یارسول اللہ مہاجرین مدینہ میں سے کچھ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم مہاجرین اولین میں سے نہیں ہیں اور خود فخر کرتے ہیں۔ فرمایا۔ یہ بات نہیں ہے بلکہ تمہاری دو ہجرتیں ہیں۔ تم نے سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کی جبکہ ہم مکہ میں مظالم کا شکار تھے۔ اور بعد ازاں

تم لوگوں نے مدینہ کی جانب ہجرت کی۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن عوف نے حضرت عثمانؓ کے بارے میں فرمایا کوئی شخص بھی دونوں ہجرتوں یعنی ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ مدینہ کی فضیلت کے باب میں اس شیخ (حضرت عثمانؓ) کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

بغاوت

آخری دور میں نجاشی کے خلاف بغاوت ہوگئی۔ مذہبی پیشواؤں کے زیرِ اثر لوگوں نے کہا تم نے دین سے علیحدگی اختیار کرلی۔ لہٰذا اب تمہاری اطاعت نہیں کریں گے۔ یہ دیکھ کر نجاشی نے ایک کاغذ منگوایا اور اس پر لکھا "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰؑ ابن مریم اس کے بندے، رُوح اور کلمہ ہیں۔" اس تحریر کو اپنی قبا کے اندر رکھ لیا۔ ادھر مسلمانوں کے لئے کشتیاں ساحل پر تیار کیں اور کہا کہ اس میں سوار ہو جائیں۔ اگر میں نے شکست کھائی تو آپ لوگ جدھر چاہیں چلے جائیں۔ فتح پائی تو حبشہ ہی میں ٹھہرے رہیں۔ ان انتظامات کے بعد وہ باغی گروہ کی جانب روانہ ہوا اور ان سے پوچھا تم نے مجھے کیسا پایا؟ جواب ملا بہت اچھا۔ کہا پھر بغاوت کیسی؟ انھوں نے کہا تم نے ہمارا دین چھوڑ دیا ہے اور حضرت عیسیٰؑ کو بندہ کہتے ہو۔ پوچھا تم کیا سمجھتے ہو؟ جواب ملا اللہ کا بیٹا۔ نجاشی نے قبا میں رکھی تحریر پر ہاتھ رکھ کر سر جھکایا وہ سمجھے ہمارے عقیدے پر قائم ہے۔ اس طرح بغاوت فرو ہوگئی۔ ۱۳۱

پہلی غائبانہ نمازِ جنازہ

۹ھ کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو باہر نماز پڑھنے کی جگہ لے گئے صفیں سیدھی کیں اور نمازِ جنازہ کی نیت کی اور چار تکبیریں کہیں۔ جب فارغ ہوئے تو صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے کس کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی۔ فرمایا تمہارے بھائی نجاشی کی جو آج فوت ہوا ہے۔

خلفائے راشدین کے زمانے میں مسلمان فتح کے جھنڈے لہراتے ہر سمت میں نکل گئے۔ لیکن انھوں نے بھول کر بھی حبشہ کی جانب نظر نہیں اٹھائی۔ یہ دراصل اس حسنِ سلوک

اور میزبانی کا احترام تھا جو نجاشی نے مہاجرینِ حبشہ سے رَوا رکھی تھی۔

ابوطالب کے پاس تیسرا وفد ___ نعم البدل

حبشہ سے عمرو بن العاص اور ولید بن ربیعہ بے نیل مرام لوٹے۔ قریش نے نامُرادی کا حال سُنا تو آگ بگولہ ہو گئے۔ سر جوڑ کر بیٹھے۔ سوچا اگر نیا دین اسی طرح بڑھنے لگا تو پھر ہمارا نام ونشان مِٹ جائے گا۔ بنی ہاشم کے سربراہ کی پشت پناہی تمام کام بگاڑ رہی ہے۔ اگر ابوطالب ان کا ساتھ نہ دیتے تو یہ سب کچھ چھوڑ دیتے پھر سب کچھ ٹھیک ہو جاتا۔ پچھلی بار ابوطالب سے ہم نے زور دے کر کہا تھا کہ اِنھیں آبائی دین کی بُرائی سے روکو۔ اگر وہ اُن کی زبان بندی نہیں کر سکتے تو ہمارے حوالے کر دیں۔ آخر محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کا بیٹا ہے نہیں۔ چلو انھیں نعم البدل کی پیش کش کریں۔ قریش کا تنومند، حسین، ذہین اور دولت مند نوجوان بطورِ لے پالک رکھ لیں۔

وہ جُھنڈ کے جُھنڈ ابوطالب کے پاس پہنچے۔ ساتھ وہ نوجوان ولید بن مغیرہ کا بیٹا عمارہ بھی تھا۔ ابوطالب سے کہا دیکھو تم ہمارے ہم مذہب ہو۔ ضد چھوڑ دو۔ تمہارے بھتیجے نے قوم کی لُٹیا ڈبو دی ہے ہر گھر میں پھُوٹ ڈال دی ہے۔ اس وجہ سے ہمارے بھائی بند حبشہ چلے گئے ہیں۔ آبائی دین کے دشمن کو ہمارے حوالے کر دو۔ اس کے بدلے تمہیں قریش کا بہترین جوان عطا کرتے ہیں، اسے اپنا بیٹا بنا لو۔ عمارہ تمہارا کلیجہ ٹھنڈا کرے گا۔ اس سے اچھا نعم البدل ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ اسے قبول کر لو۔ اور بدل میں محمدؐ کو ہمیں دے دو۔

ابوطالب یہ تجویز سُن کر چکرا گئے۔ دو ٹوک جواب دیا "چہ خوب! یہ کیسے ممکن ہے کہ میں تو اپنے پالے ہوئے بیٹے کو قتل کے لئے تمہارے حوالے کر دوں اور تمہارے بیٹے کو پالنے پوسنے کے لئے اپنے پاس رکھ لوں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟"

مطعم بن عدی نے کہا میں دیکھتا ہوں تم کوئی بات قبول نہیں کرتے۔ ہماری نظر میں یہ تجویز منصفانہ بھی ہے اور عادلانہ بھی۔ یہی ایک طریقہ کار اس مصیبت سے رہائی کا ہے جو تمہارے بھتیجے نے برپا کر رکھی ہے۔ ابوطالب نے واضح الفاظ میں کہا کہ مجھے تمہاری تجویز منظور نہیں۔ خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

یہ بات فطری محبت کے علاوہ عربی غیرت اور روایتی وقار کے بھی خلاف تھی۔ قریش کا پہلا وفد تبلیغ سے روکنے کی دلیل کے ساتھ آیا۔ ابوطالب نے باتوں کے ایسے طوطے مینا

بنائے کہ خاموش واپس ہوا۔ دوسرے وفد نے دھمکی دی کہ بیچ سے ہٹ جاؤ۔ ہم نبٹ لیں گے۔ تیسرے وفد نے ترغیب کا جال نعم البدل کی شکل میں بچھایا۔

اٹھو ورنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی

پے در پے سورتوں کا نزول ہو رہا تھا۔ تبلیغ بھی زوروں پر تھی اور مخالفت بھی شدت پر۔ اتنے میں حج کا زمانہ قریب آگیا۔ دارالندوہ میں ذی اثر لوگ جمع ہوئے۔ بنی مخزوم کا معمر سربراہ ولید بن مغیرہ صدر بنا۔ کہا حج کے لئے آنے والے لوگوں کو خبردار کرنا ضروری ہے۔ بہتر ہے سب ایک رائے پر متفق ہوجائیں۔ تاکہ اعتبار قائم رہے۔ بتاؤ کیا کہو گے؟

ایک نے کہا ہم انھیں کاہن مشہور کریں گے۔ بولا کاہنوں کو ہم نے دیکھا ہے۔ ان میں ایسی کوئی علامت نہیں۔ نہ وہ فقرے جوڑتے ہیں اور نہ گنگناتے ہیں۔ دوسرے نے کہا۔ تو پھر مجنوں بنادو۔ کہا۔ وہ تو دیوانوں کی سی بہکی بہکی باتیں بھی نہیں کرتے۔ تیسرے نے کہا۔ شاعر کہنا کیسا رہے گا؟ کہا۔ مجھ سے بڑھ کر کوئی شعر سے واقف ہے؟ ان کا کلام شعر تو نہیں۔ لوگ بولے۔ ساحر کہنا درست ہوگا۔ بولا ذرا غور کرنے دو۔ اس میں کچھ مناسبت ہے۔ کہیں گے۔ ایسا کلام پیش کرتا ہے جو آدمی کو آدمی سے جدا کر دیتا ہے کنبوں میں پھوٹ ڈال دیتا ہے۔ طے پایا کہ یہی بات کہی جائے۔

سورۂ مدثر کی آیات ۱۱ تا ۲۶ میں نام لئے بغیر اس کا نقشہ کھینچا گیا ہے فرمایا۔

" اس نے سوچا اور کچھ بات بنانے کی کوشش کی۔ تو خدا کی مار اس پر۔ کیسی بات بنانے کی کوشش کی۔ ہاں خدا کی مار اس پر۔ کیسی بات بنانے کی کوشش کی۔ پھر لوگوں کی طرف دیکھا۔ پھر پیشانی سکیڑی اور منہ بنایا پھر پلٹا اور تکبر میں پڑ گیا۔ آخرکار بولا۔ یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک جادو جو پہلے سے چلا آرہا ہے۔ یہ تو ایک انسانی کلام ہے۔"

جب حج کا موسم آیا تو قریش نے اپنے آدمی راستوں پر بٹھا دیئے۔ جو ادھر سے گزرتا اس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتے کہ یہ ساحر ہے اس سے بچے رہنا۔ ان کے اس شر سے خیر ہی نکلا۔ اس طرح حضورؐ کا نام سارے عرب میں پھیل گیا۔ آنے والوں میں متلاشیانِ حق ہوتے تو پوچھ پوچھ کر دامنِ نبوی سے وابستہ ہوجاتے۔

راہِ حق کا متلاشی ـــــ ضمادؓ بن ثعلبہ

حضرت ضمادؓ کا قبیلۂ ازدشنؤہ سے تعلق تھا۔ آسیب کا علاج کرتے تھے۔ منتر اور جھاڑ پھونک کے لئے مشہور تھے۔ کبھی کبھی مکہ آتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت ہی سے حضورؐ سے شرف دوستی تھا۔ اسی زمانے میں مکہ آئے۔ دیکھا لڑکوں کا ایک غول آپ کے پیچھے ہے۔ کوئی ساحر، کوئی مجنون، کوئی کاہن، کوئی دیوانہ کہہ کر پکارتا ہے۔ ضمادؓ ساتھ ہولئے۔ جب مجمع چھٹ گیا تو قریب آئے اور کہا "اے محمدؐ! میں آسیب کو جھاڑتا ہوں۔ بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے میرے ہاتھ سے شفا دیتا ہے۔ بتایئے آپ کو کیا مرض ہے؟ فرمایا۔

"ہم سب اللہ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ اسی سے مغفرت کے خواستگار ہیں اور نفسوں کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ جس کو ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسولِ برحق ہیں۔"

حضرت ضمادؓ نے کہا ان ہی کلمات کو پھر سے پڑھئے۔ آپؐ نے دُہرایا۔ عرض کیا۔ ایکبار اور اعادہ فرمایئے۔ تیسری بار سُنا تو عرض کیا "میں نے کاہنوں کی باتیں، ساحروں کے منتر، شاعروں کا کلام سُنا ہے لیکن ان کے مثل کچھ نہیں سُنا۔ یہ کلمات دریائے فصاحت کی تہہ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ کان کے پردوں سے ٹکرانے کی بجائے دل کی گہرائیوں میں سکینت بن کر اترتے ہیں۔ یارسول اللہ! اپنا ہاتھ بڑھایئے میں آپ سے اسلام کی بیعت کرتا ہوں۔ فرمایا اور اپنی قوم؟ عرض کیا اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت کرتا ہوں۔ ۱۲۲

حضرت حمزہؓ دامنِ نبوّت میں

بنی ہاشم کی حمیّت کے محافظوں میں حضرت حمزہؓ سب سے آگے تھے۔ سپاہی منش آدمی تھے۔ صبح ہوتی تو بیت اللہ کا طواف کرتے اور شکار کے لئے نکل جاتے۔ شام کو لوٹتے تو طواف کے بعد دارالندوہ میں سرداروں سے ملتے ہوئے گھر لوٹتے۔ ان کی شجاعت اور دلیری قریش میں مسلّم تھی۔

ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صفا کی پہاڑی پر سے گزر رہے تھے کہ ابوجہل کا سامنا ہوا۔ وہ تو دینِ خدا اور رسولِ خدا کا دشمن تھا۔ اس کے سینے میں نفرتوں کا لاوا ابک رہا تھا

حضورؐ کو تنہا پا کر گالیاں دینے لگا۔ دین پر آوازیں کسنے لگا۔ آخر میں پتھر سے زخمی کر دیا۔ آپؐ سب کچھ خاموشی سے برداشت کرتے رہے۔ دُور سے عبداللہ ابن جدعان کی آزاد کردہ لونڈی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ جب حمزہؓ شکار سے لوٹے تو لونڈی نے انھیں سارا ماجرہ سُنایا۔ حمزہؓ کے خون نے جوش مارا اور حمیّتِ خاندانی سے مُشتعل ہو کر ابوجہل کی تلاش میں نکلے۔ دیکھا وہ بنی مخزوم کے حلقے میں بیٹھا ہے۔ سیدھے وہیں پہنچے اور کمان اس کے سر پر دے ماری۔ ہاشمیوں کا دبدبہ حمزہ کے زورِ بازو سے قائم تھا۔ لوگ حمایت میں اُٹھے۔ ابوجہل ہمت کا ہیٹا نہ تھا۔ لیکن تھا بڑا موقع شناس۔ اس لئے ساتھیوں کو بولنے دیا۔ "حمزہ کیا تم نے بھی باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے؟ کہا ہاں! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی حقانیت ظاہر ہو گئی تو کون اس سے باز رکھ سکتا ہے اگر تم سمجھتے ہو تو مجھے روک کر دیکھو۔ جذبات کے اس لاوے نے دیدۂ بینا کو وا کر دیا۔ ابوجہل نے کہا ابو عمارہ کو چھوڑ دو۔ میں نے ہی ان کے بھتیجے پر زیادتی کی تھی۔

اس کے بعد حضرت حمزہؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اے برادر زادے خوش ہو جاؤ کہ میں نے ابوجہل سے تمہارا بدلہ لے لیا ہے؟ فرمایا۔ چچا میں تو اس وقت خوش ہوتا جب آپ دینِ اسلام کے سُتون بن جاتے۔ یہ سُن کر حضرت حمزہؓ نے کلمۂ شہادت پڑھا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حمزہؓ اپنے گھر گئے۔ ترکِ دین نے وسوسے کی شکل اختیار کر لی۔ رات بھر بے چینی رہی۔ علی الصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دارالارقم میں حاضر ہوئے اور رہنمائی چاہی۔ آپ نے اُنھیں سمجھایا۔ اللہ کا خوف دِلایا اور ایمان کی بشارت دی۔ حمایتِ ہاشمیت، تائیدِ حق میں بدل گئی۔ ان کے ایمان لانے سے اسلام کو قوّت اور شوکت ملی۔ اب قریش نے سمجھ لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قوّت کے ساتھ حفاظت و حمایت بھی حاصل ہو گئی ہے۔ یہ بات قریش کی سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک حقیقی چچا اور وہ بھی عُمر میں بڑا، دلیر و شجاع کس طرح اپنے بھتیجے کے آگے سر جھکا سکتا ہے۔

اس کے بعد قریش نے آنحضرتؐ کو ستانا چھوڑ دیا۔ حمزہؓ نے غزوۂ بدر میں عتبہ کو واصلِ جہنم کیا۔ ۳ھ ہجری میں غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ حضورؐ نے سیدالشہدا کا خطاب دیا۔ اسداللہ ان کا لقب تھا۔ حضورؐ کے چچا تھے اور عمر میں دو سال بڑے تھے۔ ثوبیہ کا دودھ پیا تھا اس طرح حضورؐ کے رضاعی بھائی بھی ہوتے تھے۔

نیا دام لائے پُرانے شکاری

قبائل میں تبلیغ روکنے کی کوشش ناکام ہوگئی۔ حضرت حمزہ رضؓ بن عبد المطلب بھی ان کی صفوں میں شامل ہو گئے۔ تمام تدبیریں اُلٹی ہوگئیں۔ ایک دن قریش کے تمام سردار صحنِ کعبہ میں بیٹھے ہوئے اس مسئلہ پر غور کر رہے تھے۔ دوسری جانب بیت اللہ کے سائے میں حضورؐ تنہا تشریف فرما تھے۔ ایک دَم سے جہاندیدہ رئیس عتبہ بن ربیعہ نے کہا۔ دیکھو محمدؐ اکیلے ہیں تم لوگ مجھے اختیار دو تو راست گفتگو کروں۔ چند تجویزیں ذہن میں ہیں شاید کوئی قابلِ قبول ہو اور ہم اس قصہ کو چُکالیں۔ سب نے کہا اے ابوالولید! تم ہم سب میں زیادہ سمجھ دار اور سخن ساز ہو۔ جو تم مان لوگے ہم اس پر عمل کریں گے۔ عتبہ کے سر سے یہ تمام پانی گزر چکا تھا۔ ابوطالب نے دلیل رَد کر دی۔ دھمکی بے اثر نکلی۔ ترغیب مسائل حل نہ کر سکی۔ اب اس کے ترکشِ تدبیر میں ایک ہی تیر تھا۔ براہ راست تحریص کا حربہ بلکہ پھندا۔ بڑے یقین سے عتبہ اپنے حلقے سے اُٹھ کر حضورؐ کے پاس آیا اور مدبرانہ انداز میں گویا ہوا۔

اے بھتیجے! تمہاری شرافتِ نسبی سے ہم واقف ہیں۔ تمہاری عزت و وقار ہم سے پوشیدہ نہیں۔ لیکن تم اپنی قوم پر کیا مصیبت لے آئے ہو۔ قریش کے گھر گھر میں جدائی ڈال دی ہے۔ معبودوں کی بُرائی کرتے ہو۔ آبائی دین کو غلط کہتے ہو۔ باپ دادا کو گمراہ کہتے ہو تم ہی کہو یہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟ ذرا میری بات غور سے سُنو۔ اگر کوئی تجویز منظور ہو تو یہ سارا فساد رُک جائے گا۔ فرمایا ابوالولید میں سُن رہا ہوں۔ کہے جاؤ۔

اے ابنِ عم! جو کام تم نے شروع کر رکھا ہے اس کا مقصد کیا ہے؟ مال و دولت چاہیئے تو ہم سب مل کر تمہیں مالا مال کر دیں۔ بادشاہت چاہیئے تو یہ بھی منظور ہے۔ عورتوں کی خواہش ہے تو حسین ترین عورتیں حاضر کر سکتے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی چیز کی تمنا نہیں بلکہ کوئی جن یا آسیب آتا ہے تو ہم جھاڑ پھونک سے تمہارا علاج کرائیں گے۔ جو کلام جن تمہیں دے جاتا ہے اس سے تمہارا سینہ ابل پڑتا ہے۔ اے ابن عبد اللہ! مجھے اپنی ذات کی قسم! اسی لئے شاید تم ایسا کلام پیش کرنے پر قدرت رکھتے ہو جس پر دوسرا قادر نہیں ہے۔[۱۳۲]

ارشاد ہوا کیا تم نے اپنی بات پوری کر لی۔ کہا ہاں۔ مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ دیا۔ فرمایا اب ذرا میری بات بھی غور سے سُنو۔ یہ کہہ کر سورۂ حٰمٓ کی تلاوت شروع فرما دی۔ عتبہ ہمہ تن گوش دونوں ہاتھ پیچھے زمین پر ٹیکے لسانِ وحی ترجمان سے کلامِ الٰہی سُنتا رہا۔

RekhtaDownload.com

"اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔ حٰمٓ۔ یہ کتاب خدائے رحمٰن ورحیم کی طرف سے اُتری ہے۔ ایسی کتاب جس کی آیتیں واضح ہیں۔ قرآن عربی ان لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں، بشارت بھی سُناتا ہے اور خوف بھی دلاتا ہے۔ لیکن ان میں سے اکثروں نے مُنہ پھیر لیا اور وہ سُنتے ہی نہیں اور کہنے لگے جس چیز کی طرف تم ہمیں بُلاتے ہو اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں پر بوجھ ہے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ ہے تو تم اپنا کام کرو ہم اپنا کام کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ میں بھی آدمی ہوں جیسے تم۔ ہاں مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود خدائے واحد ہے تو سیدھے اسی کی طرف متوجہ رہو اور اسی سے مغفرت مانگو اور مُشرکوں پر افسوس ہے.....

اگر یہ لوگ سرکشی کریں تو خدا کو بھی اس کی پرواہ نہیں۔ جو فرشتے تمہارے پروردگار کے پاس ہیں وہ دن رات اس کی تسبیح کرتے ہیں اور کبھی تھکتے ہی نہیں"

جو دِلوں کو فتح کرے وہی فاتحِ زمانہ

حٰم السجدہ کی ۳۸ آیات کی تلاوت فرمائی۔ دورانِ تلاوت آپ نے جب تیرہویں آیت پڑھی "پھر اگر یہ مُنہ پھیر لیں تو کہہ دو کہ تمہیں ایسی چنگھاڑ کے عذاب سے آگاہ کرتا ہوں جیسا عاد و ثمود پر اچانک آیا تھا" عتبہ نے بے اختیار آپ کے مُنہ پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا "خدا کے لئے اپنی قوم پر رحم کرو" بعد میں قریش سے بیان کیا۔ تم لوگ تو جانتے ہی ہو جو بات محمدؐ کی زبان سے نکلتی ہے پوری ہو کر رہتی ہے۔ میں ڈر گیا کہیں ہم پر اچانک عذاب نہ ٹوٹ پڑے۔ ہادیٔ برحق نے آخری آیت سُنا کر سجدہ کیا۔ سر اُٹھا کر فرمایا۔ اے ابوالولید! تم نے میرا جواب سُن لیا۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔

عتبہ کا دل نیک اور طبیعت شریف تھی۔ مسحور ہو کر اپنے ہم نشینوں کی طرف پھرا۔ یہ عرب تو وہ تھے جو دل کی تحریر ماتھے کی لکیروں سے پڑھ لیا کرتے تھے۔ چشم و ابرو اور آواز کے زیرو بم کو تاڑ لیتے تھے۔ دُور ہی سے عتبہ کو دیکھ کر کہہ اُٹھے۔ واللہ عتبہ کا چہرہ بدلا ہوا ہے۔ یہ اب وہ شخص نہیں رہا جو یہاں سے گیا تھا۔ عتبہ ان کے درمیان آکر چُپ بیٹھ گیا۔ سراپا اشتیاق سرداروں نے پوچھا۔ کیا گفتگو ہوئی؟ عتبہ نے بغیر پس و پیش اپنی رائے کا برملا اظہار کر دیا۔

اظہارِ حقیقت

اے ابنائے قریش! ابھی میں نے جو کلام سُنا ہے اس جیسا کبھی نہیں سُنا۔ بخدا نہ وہ شعر ہے نہ سحر، کہانت بھی نہیں۔ میں تو ان سب سے واقف ہوں وہ تو کچھ اور ہی چیز ہے۔ میری مانو تو اس شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اس کے پیچھے نہ پڑو۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کلام اثر کئے بغیر نہ رہے گا۔ اگر عرب اس پر غالب آگئے تو وہ جان سے گیا اور تم سستے چھوٹے۔ اگر وہ حاوی ہوگیا تو تمہارا بول بالا ہوگا۔ اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی۔ تم مانو تو یہ گھاٹے کا سَودا نہیں۔ زمانہ شناس، جہاں دیدہ اور دُور بیں عتبہ کی نگاہیں بہت دُور کسی امرِ عظیم کو دیکھ رہی تھیں۔ ایمان شکن ترغیبات اور دنیا طلب تحریصات کے دام پر دانہ پڑا کا پڑا ہی رہا۔ آپ کے پُر اثر کلام نے عتبہ جیسے فصیح قریش سے اپنا لوہا منوالیا۔ لسانِ وحی ترجمان تو دِلوں کو فتح کرتی ہے۔ اہلِ مجلس نے مذاق میں بات اُڑادی۔ اس کی زبان کا جادُو تم پر بھی چل گیا۔ اپنے بیٹے ابو حذیفہؓ کی طرح یہ بھی ہاتھ سے نکلتا دکھائی دیتا ہے۔

عتبہ کی مصالحانہ کوشش بے اثر ثابت ہوئی۔ قریش کے معمر سردار ابھی آپؐ سے پوری طرح مایوس نہیں ہوئے تھے۔ چاہتے تھے کہ کوئی قدرِ مُشترک نکل آئے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کا طواف فرما رہے تھے کہ الاسود بن عبد المطلب بن اسد۔ ولید بن مغیرہ۔ اُمیہ بن خلف اور العاص بن وائل سہمی کا سامنا ہوا۔ معًا ایک مصالحانہ خیال ان کے ذہن میں آیا۔ کہا اے محمدؐ! اچھا آؤ ہم اس ذات کی پرستش کریں جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ تم بھی ان کی پرستش کرو جن کی ہم پُوجا کرتے ہیں۔ ہم اور تم۔ دونوں ایک دوسرے کے معاملوں میں شریک ہوجائیں۔ اس طرح تمہاری عبادت بہتر ہے تو ہم اس سے مستفیض ہوں گے۔ ہماری پرستش اچھی ہے تو تم فائدہ پہنچے گا۔ ۱۲۵

ریت کی دیوار

دوسری روایت یہ ہے کہ قریش نے آپؐ سے درخواست کی کہ آپ ہمارے بُتوں کی مذمت سے باز آجائیں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو ہمارے اور آپ کے درمیان ایک اور معاملہ طے کرلیا جائے۔ ایک سال آپؐ ہمارے بُتوں کی پرستش کیجئے اور ایک سال ہم آپؐ کے معبود کی عبادت کریں گے۔ اس تجویز کے جواب میں قلبِ اطہر پر سُورۂ کافرون کا نزول ہوا۔ ایک اور

روایت کے بموجب سورۂ زمر کی آیات ۶۴ تا ۶۶ نازل ہوئیں۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ○ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ◎

"آپ ان سے کہہ دیجئے اے نادانو! کیا تم مجھ کو غیر اللہ کی عبادت کا مشورہ دیتے ہو۔ اور (اے محمدؐ) تمہاری طرف اور ان پیغمبروں کی طرف جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل برباد ہو جائیں گے۔ اور تم زیاں کاروں میں ہو جاؤ گے۔ بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکر گزاروں میں ہو۔"

اب ان کافروں کو دو ٹوک الفاظ میں جواب مل گیا۔ ان کی اُمیدوں پر اوس پڑ گئی۔ کچھ دو اور کچھ لو کے امکانات کی بنیاد پر مصالحت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔[۱۲]

اُمّت کا پہلا مُبلّغ

بیا جاناں تماشا کن کہ در انبوہ جانبازاں بصد سامانِ رُسوائی سرِ بازار می رقصم

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ جمع تھے۔ ان کی جملہ تعداد ۳۹ تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اسلام کا بر سرِ عام اعلان کیا جانا چاہئے۔ فرمایا۔ ابھی ہماری تعداد تھوڑی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے دوبارہ درخواست کی۔ حضورؐ نے پھر انکار فرمایا۔ لیکن حضرت ابو بکرؓ برابر اصرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ دار الارقم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ مسلمانوں کو حکم دیا کہ صحنِ کعبہ میں ایک ساتھ بیٹھ جائیں۔ مشرکین بڑی تعداد میں اپنے اپنے قبائل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بیتُ اللہ کے قریب حضرت ابو بکرؓ خطبہ دینے کھڑے ہو گئے۔ ان کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ اسلام کے پہلے مبلغ نے بلند آواز سے اللہ عزّ وجل کی حمد و ثنا کی پھر کفار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کے لئے بُلایا۔ یہ سُن کر مُشرک ہر طرف سے ابو بکرؓ، حضور اکرمؐ اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ اُن کی زد و کوب سے کوئی نہ بچا۔ عتبہ بن ربیعہ نے حضرت ابو بکرؓ کو نشانہ

بنایا۔ بڑی بے دردی سے مارا۔ یہاں تک کہ ناک چپٹی ہو کر ان کے گال کے برابر ہو گئی حضرت ابو بکرؓ کے قبیلہ بنی تیم کو خبر ہوئی تو مدد کو دوڑ پڑے۔ دوسرے قبائل کو زبردستی ہٹا کر انھیں گھر لے گئے۔ اس قدر ضرب آئی تھی کہ حضرت ابو بکرؓ بے ہوش ہو گئے تھے اور بظاہر بچنے کی اُمید نہ تھی۔ بنی تیم نے لوگوں سے کہنا شروع کیا۔ اگر ابو بکرؓ فوت ہو گئے تو ہم عتبہ کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

حضورِ آیۂ رحمت میں لے چلو مجھ کو

آپ کے والد ابو قحافہ اور اہلِ قبیلہ حضرت ابو بکرؓ کے اطراف حلقہ باندھے کھڑے تھے۔ بڑی دیر بعد ہوش آیا۔ آنکھیں کھولیں۔ لب ہلے تو زبان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تھا۔ پوچھا وہ کیسے ہیں؟ بنی تیم کے لوگ یہ سُن کر ناراض ہوئے اور ملامت کرنے لگے کہ اس شخص کے پیچھے اپنے آپ کو تباہ کر دیا۔ وہاں سے چلے گئے۔ آپ کی والدہ ام الخیر قریب آئیں تو ان سے بھی یہی سوال کیا۔ انھوں نے کہا مجھے پتہ نہیں۔ اس کے بعد ماں نے کچھ کھلانا چاہا تو صاف اِنکار کر دیا اور کہا کہ آپ عمر کی بہن فاطمہؓ بنت خطاب کے پاس جائیں اور حضورؐ کی خیریت دریافت کریں۔ وہ گئیں اور انھیں ساتھ لے آئیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان سے پوچھا بتاؤ رسول اللہ پر کیا گزری؟ فاطمہؓ نے کہا۔ بحمد اللہ صحیح و سالم ہیں۔ پوچھا کہاں ہیں؟ کہا ارقم کے مکان میں۔ اب دونوں خواتین نے مل کر اصرار کیا کہ کچھ کھالو۔ فرمایا میں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ جب تک رسول اللہ کو دیکھ نہ لوں کچھ نہیں کھاؤں گا۔ رات کا انتظار کیا گیا تاکہ چہل پہل کم ہو جائے۔ دونوں کا سہارا لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے۔ چہرۂ انور دیکھتے ہی جھک پڑے اور آپؐ کی جبینِ مبارک کا بوسہ لیا۔ حضورؐ نے ابو بکرؓ کی حالت دیکھی تو آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان! اس خبیث نے میرا حلیہ بگاڑ دیا۔ لیکن مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں آپ سلامت ہیں تو ہزار ابو بکر آپ پر قربان۔ یہی دن تھا جب اپنے بیٹے کی استقامت دیکھ کر آپ کی والدہ اُم الخیر بنت صخرہ ایمان لائیں۔

تسکینِ اضطراب

اہلِ ایمان میں فدائے رسول حضرت ابو بکرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ محبوب ربّ المشرقین

والمغربین کی پیشانی مُبارک کا بوسہ لیا۔ چہرۂ انور کو آخری بار چُومنے کا شرف بھی اس رفیقِ قبر کے حصہ میں آیا۔ اللہ کے آخری نبیؐ بسترِ مرگ پر تھے۔ حضرت ابو بکرؓ مسجدِ نبوی میں نماز پڑھاتے رہے۔ ایک دن افاقہ ہوا تو نمازِ فجر کے بعد بیٹی حضرت عائشہؓ سے اجازت لے کر مقامِ سُنح اپنے گھر گئے۔ چاشت کے وقت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ حضرت سالمؓ بن عبید نے آ کر بتایا تو فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ آئے۔ لوگوں کے ہجوم کو چیرتے ہوئے حجرے میں داخل ہوئے۔ اللہ کے رسولؐ یمنی چادر اوڑھے ابدی نیند سو رہے تھے۔ بڑھ کر رُخِ روشن سے چادر سرکائی اور جھک کر پیشانی مُبارک کو بوسہ دیا۔[۱۲۷]

دیکھئے اِس بحر کی تہہ سے اُچھلتا کیا ہے؟

مکہ میں جب سورۃ الانبیاء کی آیت ۹۸ کا نزول ہوا۔

اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَہَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَہَا وٰرِدُوْنَ ○

"تم اور تمہارے معبود (بُت) دوزخ کا ایندھن ہیں اور تم اس میں داخل ہو گے۔"

تو ابوجہل بے حد چراغ پا ہوا۔ سرداروں کے اجتماع میں بڑی برہمی سے کہنے لگا۔ اے قریش! محمدؐ تمہارے معبودوں کی توہین کرتا ہے اور تمہارے آباواجداد کو دوزخ کا ایندھن بتلاتا ہے۔ اب باتیں بہت ہو چکیں۔ پانی سر سے گزر چکا۔ سُن لو، جو انھیں قتل کرے گا اسے سَو اونٹ سُرخ اور سیاہ بال والے دوں گا۔ اس کے علاوہ ایک ہزار اوقیہ چاندی۔ بنی عدی کا ۲۶ سالہ تند خو سردار کھڑا ہوا اور کہا۔ اے ابوالحکم! پکی بات ہے؟ ابوجہل نے ہاتھ پکڑا اور انھیں لے کر بیت اللہ کے اندر گیا اور بُتوں کے سامنے قسم کھائی۔[۱۲۸]

کُفر سے وابستگی نے مادّی اشیاء کو مقصود بنا دیا تھا۔ گلے میں برہنہ شمشیر ڈال کر گھر سے نکلے۔ قدرت ان کے فیصلہ پر خنداں تھی۔ کارپردازانِ قضا و قدر ان کی گردنِ کُفر اُڑانے والے تھے۔ ۱۲۔ ربیع الاول ۱۱ھ ہجری کو یہی شخص تیغ بکف لوگوں سے عالمِ جذب میں کہہ رہا تھا۔ جو شخص کہے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے اس کا سر تن سے جُدا کروں گا آج کُفر کی سیاہ چادر میں لپٹا ہوا یہ شخص سَو سُرخ اُونٹ اور ہزار اوقیہ چاندی کے لئے چراغِ حق کو گُل کرنے کے درپے تھا۔ ایران کی فتح کے بعد کروڑوں روپے کے زر و جواہر اُن کے قدموں میں ڈھیر تھے۔ دیکھ کر بے اختیار رونے لگے۔ فرمایا یہ متاعِ دنیا

یہ ترغیبیں دوزخ کا ایندھن ہیں۔

یہ مال و دولت، یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں، لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ

حضرت عمرؓ کا ایمان

شمشیر برہنہ حمائل کئے شکارِ حق کے لئے نکلے۔ راستے میں بنی زہرہ کے نُعیمؓ بن عبداللہ النحّام سے مڈبھیڑ ہوئی۔ ان کے تیور بدلے دیکھے تو پوچھا کدھر کا ارادہ ہے؟ جواب ملا چراغِ اسلام بجھانے کا۔ حضرت نعیمؓ کا ماتھا ٹھنکا۔ اگر یہ کام کر گزرو تو بنی ہاشم اور بنی زہرہ تمہیں یوں آزادی سے گھومنے پھرنے کے لئے چھوڑ دیں گے؟ پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سُنا تو غصہ سے بے قابو ہو گئے۔ سیدھے بہن کے گھر پہنچے۔ اندر سے ایسی آواز آ رہی تھی جیسے کوئی کسی سے کچھ پڑھ رہا ہو۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو خاموشی چھا گئی۔ بات یہ تھی کہ جب کوئی محتاج شخص مسلمان ہوتا تو حضورؐ اسے کسی آسودہ حال صحابی کے سپرد کر دیتے تاکہ اس کی ضروریات کی کفالت کرے۔ اُمّ انمار کے غلام حضرت خبابؓ ابن ارتؓ ایمان لائے تو اُنھیں حضرت سعیدؓ بن زید کے سپرد کیا گیا۔ یہ دونوں ان ہی سے قرآن سیکھ رہے تھے۔ ۱۲۹ھ

ہیرے کا جگر پھول کی پتّی سے کٹ گیا

دروازہ کھلا۔ پوچھا یہ کیسی آوازیں آ رہی تھیں۔ جواب ملا۔ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ کہا چھپاؤ نہیں مجھے پتہ چل گیا ہے کہ تم دونوں بھی گمراہ ہو چکے ہو۔ بہنوئی حضرت سعیدؓ بن زید نے فرمایا۔ گمراہی کا دین وہ ہے جس پر تم چل رہے ہو۔ یہ سُننا تھا کہ عمرؓ آپے سے باہر ہو گئے۔ بے تحاشہ زدوکوب کیا۔ آپ کی بہن فاطمہؓ بچانے آئیں تو انھیں بھی لہولہان کر دیا۔ زخمی بہن نے پوری استقامت سے کہا۔ عمر! جو چاہو کرو۔ اب اسلام دل سے نکلنے کا نہیں۔ لفظوں کے تیر نشانے پر بیٹھے۔ قاہر و جابر بھائی کا ہیرے جیسا سخت دل بہن کے پھول کی پتّی جیسے بول سے کٹ گیا۔ غصہ کو لگام دی۔ ہاتھ رُک گئے۔ ذہن نے کروٹ بدلی۔ پوچھا وہ کیا چیز تھی جو تم لوگ پڑھ رہے تھے؟ فرمایا۔ کلامُ اللہ وحیٔ الٰہی۔ کہا ذرا میں بھی تو دیکھوں؟ فرمایا۔ جب تک پاک نہ ہو جاؤ ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ پوچھا۔ اس کا طریقہ؟

فرمایا۔ وضو اور غسل۔ فرطِ تجسّس نے آمادۂ غسل کیا۔ پانی نے جسم کی گندگی کے ساتھ ذہن کی بھی آلودگی دھو ڈالی۔ غسل خانے سے نکلے تو بہن نے محسوس کیا کہ بھائی کا چہرہ ہی بدل گیا ہے۔ چہرے کے رنگ سے دلی کیفیت کو بھانپ لیا۔ بصد احترام ہرن کی کھال پر مرقوم سُورۂ طٰہٰ پیش کی۔ جس کی میاں بیوی حضرت خبابؓ بن ارتؓ کے سامنے تلاوت کر رہے تھے۔ پڑھنے لگے تو ذہن کے گھور اندھیارے چھٹنے لگے۔ دل کی دنیا دِگرگُوں ہو گئی۔ ابھی وہ

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ○

"تحقیق میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس میری عبادت کرو۔ میری یاد کے لئے نماز قائم رکھو" بے اختیار پکار اُٹھے۔ کیا ہی اچھا اور بزرگ کلام ہے۔ پتھر دل موم ہو گیا۔ مجھے فوراً محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو۔ کلام اللہ کی تاثیر کہ صدف دل وا ہو گیا۔ آیاتِ ربانی آبِ نیساں کی صورت قلب عمرؓ میں گوہرِ نایاب بن گئے۔

مُرادِ رسُولؐ

یہ سُن کر چھپے ہوئے خبابؓ بن ارتؓ باہر آئے۔ عرض کیا ابھی جمعرات کی بات ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا کے دامن میں دُعا مانگی تھی۔ خداوندا! عمر ابن ہشام (ابوجہل) اور عمر ابن خطاب دونوں میں سے جسے تو عزیز رکھتا ہو اس کے ذریعہ اسلام کی دستگیری فرما۔ ابن عساکر فرماتے ہیں کہ بذریعۂ وحی اللہ تعالیٰ نے قلب اطہر پر القا فرما دیا کہ ابوجہل ایمان نہیں لائے گا۔ تو آپ نے یہ خاص دُعا فرمائی۔

"اے اللہ خاص عمر بن خطّاب سے اسلام کو قوت دے۔" [۱۳۱]

پوچھا اس وقت میرے آقا کہاں ہیں؟ کہا ارقم بن ارقم کے مکان میں۔ دُعا قبولیت کے بھیس میں مجسّم ہو کر دار الارقم چلی۔ دروازہ پر دستک دی۔ اندر آنے کی اجازت چاہی۔ عمرؓ کو گلے میں برہنہ تلوار کے ساتھ دیکھا تو دار ارقم کے مکینوں میں ہراسانی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ سب کی نظریں ابو عمارہ امیر حمزہؓ کی جانب اٹھیں جو ابھی تین دن پہلے اہلِ ایمان کی صفوں میں شامل ہوئے تھے۔ فرمایا۔ آتا ہے تو آنے دو۔ ادب سے پیش آیا تو عزت ملے گی گستاخی کی تو اسی کی تیغ سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ دو آدمیوں نے عمرؓ کے دونوں بازو پکڑ کر حضورؐ کے آگے کھڑا کر دیا۔ فرمایا انھیں چھوڑ دو۔ کُرتا پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ اور فرمایا۔

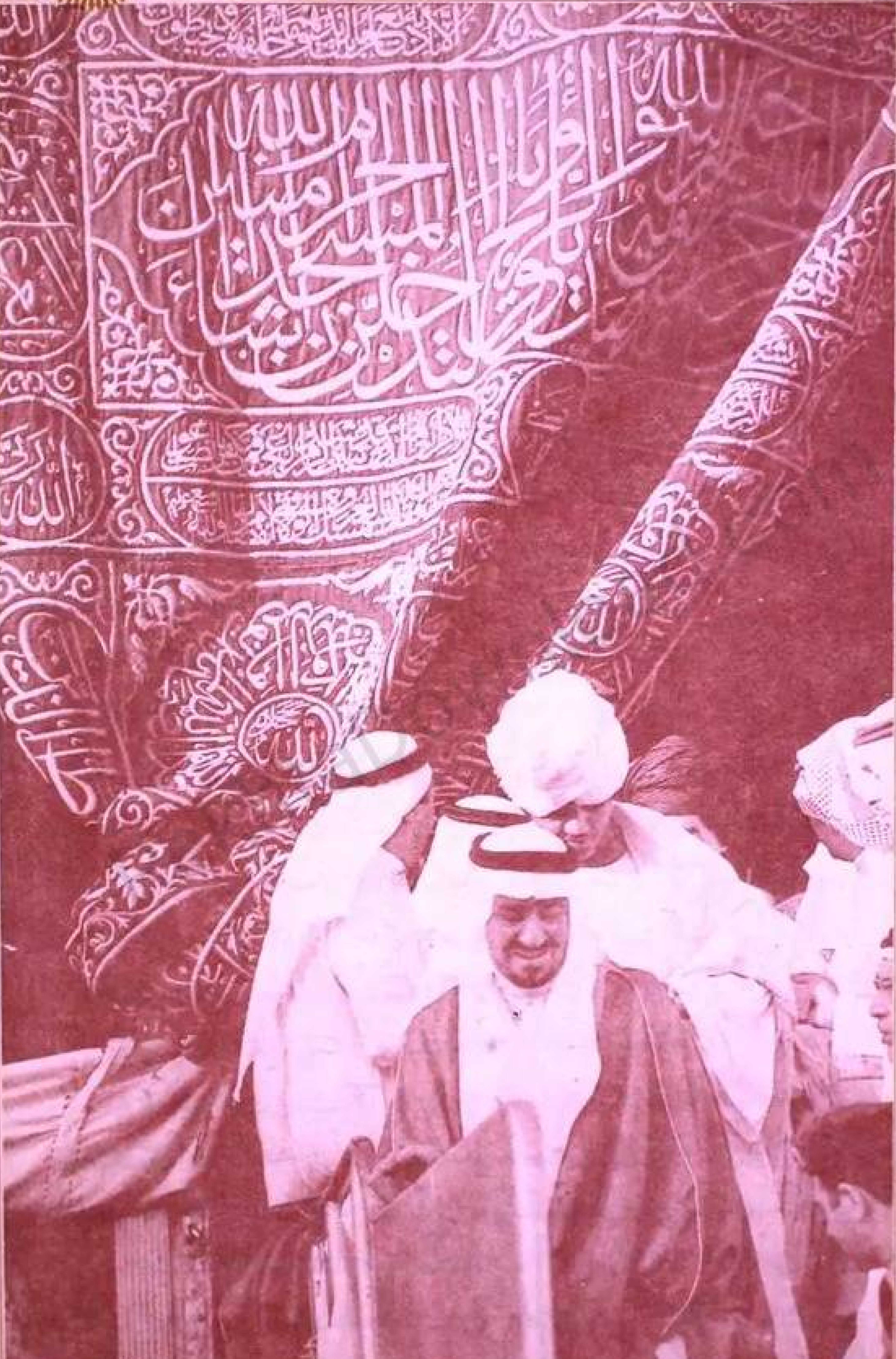

غسلِ کعبہ کے بعد بادشاہ بابِ کعبہ سے باہر آتے ہوئے

اے عمرؓ! کیا تم باز نہیں آؤ گے جب تک اللہ تعالیٰ تم پر کوئی آفت نازل نہ کردے جس طرح ولید بن مغیرہ پر عذاب نازل ہوا۔ پھر دُعا فرمائی۔ بارالٰہ! عمر میرے در پر آگیا ہے اسے ہدایت دینا تیرا کام ہے۔ ان الفاظ کا زبانِ وحیِ ترجمان سے نکلنا تھا کہ کلمۂ شہادت عمرؓ کی زبان پر جاری ہوگیا۔ ساکنانِ دارارقم نے بے اختیار اللہ اکبر کا نعرہ لگایا جس میں اللہ کے آخری رسولؐ کی آواز بھی شامل تھی۔ اس پُر شکوہ تکبیر کی گونج سے وادیٔ بطحا لرز اٹھی۔ عرض کیا۔ یارسولؐ اللہ! کفار تو لات و عُزیٰ کی پوجا علانیہ کریں اور ہم اللہ وحدہٗ کی عبادت چھُپ کر کریں۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ اب تو بیتُ اللہ میں عبادت ہوگی۔

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا عام دیدارِ یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا وہ راز اب آشکار ہوگا

حرم میں پہلی نماز باجماعت

اہلِ ایمان دارارقم سے نکل کر بیتُ اللہ میں اس شان سے داخل ہوئے کہ ستاروں کے ہجوم کے درمیان ماہ نبوت تھا۔ دائیں جانب ابوبکرؓ، عمرؓ اور حمزہؓ تلوار سونتے آگے آگے چل رہے تھے۔ کفار تو کسی اور خبر کے انتظار میں تھے۔ اس منظر پر ان کی آنکھوں کو یقین نہ آتا تھا۔ عمرؓ نے آواز لگائی۔ خبردار جس نے حرکت کی اس کا سر تن سے جُدا کردیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ قریش کو اتنا تکدر اس وقت، اس دن سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔

امام الانبیاءؐ کے پیچھے پہلی بار حرم کعبہ میں مسلمانوں نے علانیہ نماز باجماعت ادا کی۔ حضرت عمرؓ کو ملاکر ان کی تعداد چالیس تھی۔ یہی موقع تھا کہ زبانِ وحی ترجمان نے خطاب کے بیٹے کو "فاروق" (حق و باطل میں حدِ فاصل قائم کرنے والا) کہہ کر پکارا۔ یہ ذی الحجہ کا مہینہ تھا اور حضرت حمزہؓ کو ایمان لائے صرف تین دن ہوئے تھے۔ ۱۳۲

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جبریل امینؑ نازل ہوئے اور فرمایا اے محمدؐ! تمام اہلِ آسمان عمرؓ کے ایمان لانے پر مسرور اور شاداں ہیں۔ اسی دن سورۂ انفال کی آیت ۶۴ بھی اُتری۔ جس میں صحابہ کو پہلی بار مومن کہہ کر پکارا گیا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

اے نبی آپؐ کو اللہ اور آپؐ کے مومن متبعین کافی ہیں۔ ۱۳۳

حضرت صہیبؓ بن سنان رومی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے ایمان لے آنے کے بعد اسلام کی دعوت عمومی دور میں داخل ہوئی۔ اب غلام اور مظلوم مسلمانوں میں اتنی ہمت پیدا ہوگئی تھی کہ صحنِ کعبہ میں حلقہ بنا کر بیٹھنے لگے۔ بے خوف و خطر طواف بھی کرنے لگے۔ کسی کافر نے بُرا کہا تو اُلٹ کر جواب بھی دینے لگے۔ حضرت عبدؓاللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کے بعد سے ہم برابر غالب آتے گئے۔ ان کا ایمان اسلام کی فتح۔ ان کی ہجرت تائیدِ ایزدی اور ان کی خلافت اللہ کی رحمت تھی۔

صحیح بخاری میں حسنؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن اسلام بذاتِ خود اہلِ محشر میں عمرؓ کو ڈھونڈتا ہوا آئے گا اور پھر ان کا ہاتھ تھام کر عرشِ الٰہی تک پہنچے گا اور عرض کرے گا۔ اے مالکِ یوم الدین! میں چھپا ہوا تھا۔ سہما ہوا تھا۔ سمٹا ہوا تھا۔ اس شخص نے مجھے غلبہ دیا۔ اب اسے اس کے عمل کی جزا دے۔ چنانچہ ابھی حساب ہی ہو رہا ہوگا کہ فرشتے انھیں خلدِ بریں میں پہنچا دیں گے۔

حضرت عمرؓ کے حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے ہی فضا ان کے خلاف ہوگئی۔ مشرکین بہت بڑی تعداد میں وادیٔ صفا میں دارارقم کے پاس حضرت عمرؓ کے قتل کے ارادے سے جمع ہوگئے۔ "صبا عمر، صبا عمر" (عمر نے گمراہی کی) کے نعرے لگانے لگے۔ اتنے میں بنی سہم کے سردار عاص بن وائل (حضرت عمروؓ بن العاص کے والد) کا ادھر سے گزر ہوا۔ لوگوں سے پوچھا۔ کس لئے جمع ہوئے ہو؟ کہا بے دین عمر کو قتل کریں گے۔ عاص بن وائل نے کہا۔ کوئی عمر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میں نے اسے پناہ دی۔ یہ سُن کر لوگ وہاں سے چلے گئے۔

.....گھر ہونے تک

حضرت عمرؓ نے سوچا اسلام لانے کے جرم میں دوسرے مسلمانوں کو تو مارا پیٹا جاتا ہے لیکن مجھے کوئی ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔ دین کی خاطر ستائے جانے کی لذت اُٹھانے کی خاطر ایک افواہ پھیلانے والے فرد جمیل بن معمر الجمعی کے پاس کعبہ میں اس وقت پہنچے جب قریش اپنے اپنے اہل قبائل کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ جمیل سے کہا میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ یہ سُننا تھا کہ وہ زور زور سے چلّانے لگا۔ عمر نے بھی وہی حرکت کی۔ وہی جرم کیا۔ صابی ہوگیا۔ پھر کیا تھا ہر طرف سے لوگ جھپٹ پڑے اور مجھ سے دست و گریباں ہوگئے۔ یہ دیکھ کر ان کے ماموں عاصی بن ہاشم بن مغیرہ نے کھڑے ہو کر اعلان کیا میں نے

اپنے بھانجے کو پناہ میں لیا۔ کوئی اسے ہاتھ نہ لگائے۔ ہر ایک نے اپنے ہاتھ روک لیے۔ اب میں نے مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ کوئی ان پر ہاتھ اٹھائے تو وہ بھی انھیں ماریں۔ پھر ایک دن میں اپنے ماموں کے پاس گیا جبکہ وہ دوسرے سرداروں کے ساتھ حجرِ اسود کے قریب بیٹھا تھا اور کہا مجھے تمہاری امان کی ضرورت نہیں۔ اس نے مجھے بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن میں نے وہیں اس کی حمایت سے برأت کا اعلان کر دیا۔ کیوں کہ میں اللہ کی پناہ چاہتا تھا۔

مسند احمد اور طبرانی کی روایت حضرت عمرؓ کی زبانی ہے کہ میں ایک داعیٔ اسلام کو ستانے کے ارادے سے گھر سے نکلا۔ دیکھا آپ رکنِ یمانی اور رکنِ اسود کے درمیان اس طرح نماز پڑھ رہے تھے کہ کعبۃ اللہ بھی سامنے ہے اور بیت المقدس بھی۔ میں نے سوچا سُنوں تو وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ کعبہ کے غلاف کے اندر ہو کر میں آپ کے قریب تر ہو گیا۔

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر

میں نے سُنا آپ سورۂ الحاقہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ قرآن کے پُر تاثیر کلام کو سُن کر بے اختیار میرے دل نے گواہی دی۔ یہ شخص یقیناً شاعر ہے۔ یہ خیال ادھر میرے ذہن میں ابھرا کہ اُدھر زبانِ نبوت سے تلاوت میں آیات ۴۰ اور ۴۱ ادا ہوئیں۔

إِنَّهُۥ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۝

"یہ ایک رسول کریم کا قول ہے کسی شاعر کا نہیں۔ تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو۔" دل نے آواز دی 'اگر شاعر نہیں تو کاہن ضرور ہے۔ ادھر لسانِ وحی ترجمان سے نکلا (آیت ۴۲)

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝

"اور نہ کسی کاہن کا قول ہے، تم لوگ کم ہی غور کرتے ہو۔"

یوں لگا جیسے میرے سوالوں کا جواب مل رہا ہو۔ پھر یہ کیا چیز ہے؟ حرم کی پرسکون فضا تاروں کی چھاؤں میں خالقِ ارض و سما کے ترجمان نے ارشاد فرمایا (آیت ۴۳)

تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ "یہ کلام رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔"

نورِ قرآن آبِ نیساں کی طرح صدفِ دل کو وا کر کے اس میں محفوظ ہو گیا۔ قطرہ کو گہر بننے میں ابھی کچھ وقت درکار تھا۔

ابھی تو معرکہ ہائے سخن کچھ اور بھی ہیں

بنی عبدالدار کا سردار نضر بن حارث تجارتی سفر پر اکثر فارس جایا کرتا تھا کسرائے عجم کی داستانیں اُسے ازبر تھیں۔ قرآن نے عاد و ثمود اقوامِ سلف کے بارے میں جو واقعات بیان کئے اس پر "اساطیر الاولین" کی پھبتی کستا اور ان کے مقابل شاہانِ فارس کی کہانیوں کو اہلِ مکہ کے ذہنی تعیّش کا ذریعہ بناتا۔ اس نے اسلام کی طرف مائل ہونے والے نوجوانوں کو پھانسنے کے لئے حسین مُطرباؤں اور کافرادا مُغنّیاؤں کو جمع کر کے محفلِ رقص و سرود اور بزمِ ناؤ نوش کا انتظام کیا۔ مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے۔ پھر کہتا یہ دعوتِ لذّت و کیف اچھی ہے یا دعوتِ اسلام۔ قرآن نے سُورۂ لقمان کی آیت ۶ میں نضر بن حارث کے کردار کی عکاسی کی ہے۔

" اور لوگوں میں ایک کردار ایسا بھی ہے جو دل بہلا دے کے افسانوں کا خریدار ہے تاکہ ان کے ذریعہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے بغیر سمجھے بوجھے بہکائے اور مذاق اُڑائے۔ شرابِ طہور کے دلدادہ اس دامِ ناؤ نوش میں کیا گرفتار ہوتے۔"

کچھ دنوں بعد یہ محفلیں اُجڑ گئیں۔ ع اِک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے۔ ۱۳۵

دارالندوہ کی مشورہ گاہ میں ایک بار پھر بااثر سردار جمع ہوئے۔ طے ہوا کہ سب مل کر محمدؐ سے براہ راست گفتگو کریں۔ آدمی بھیج کر آپ کو بُلوایا گیا۔ تشریف لائے تو ان ہی تجاویز کا اعادہ کیا گیا جسے عتبہ نے پیش کیا تھا۔ سب سُن کر آپ نے فرمایا۔ نہ مجھے زور چاہیئے۔ نہ زر چاہیئے۔ نہ زن چاہیئے اور نہ زمین چاہیئے۔ اللہ نے مجھے اپنا رسول بنایا ہے اور مجھ پر کتاب اتاری ہے تم نے قبول کیا تو دنیا اور عقبیٰ کی بھلائی پاؤ گے۔

قریش نے یہ جواب سُن کر کہا اچھا اگر یہ منظور نہیں تو ایک کام کرو۔ تم جانتے ہو کہ ہمارا شہر کس قدر چھوٹا ہے۔ معیشت کے لئے لمبے لمبے اور تکلیف دہ سفر کرنے پڑتے ہیں تمہیں جس نے رسول بنا کر بھیجا ہے اس سے کہو کہ مکّہ کے اطراف والے پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دے۔ دجلہ و فرات کی طرح دریا جاری کر دے تاکہ ہماری زمینیں زرخیز ہو جائیں۔ تم کہتے ہو مَر کر زندہ ہوں گے اس سے کہو کہ ہمارے آبا اور خصوصًا قصیّ بن کلاب کو ضرور زندہ کرے تاکہ ہم لوگ اس سے تمہاری تصدیق کروائیں۔

داعیٔ حق نے فرمایا کہ یہ میرا کام نہیں۔ مجھے جن باتوں کو تم تک پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ میں نے پہنچا دیں۔ نہ مانو تو صبر کروں گا تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارا تمہارا فیصلہ کر دے۔

دانشورانِ کفر نے کہا اچھا اگر تم ہمارے لئے دعا نہیں کرسکتے تو اپنے لئے ہی دعا کرو کہ آسمان سے کوئی فرشتہ نازل ہو اور تمہاری تصدیق کرے۔ کیا تمہارا رب تمہیں بڑے بڑے باغات، محلات، سونا چاندی کا خزانہ بھی نہیں دے سکتا؟ تم ہماری طرح بازاروں میں کسبِ معاش میں پھرتے رہتے ہو؟ ان حالات میں ہم کس طرح تمہیں اللہ کا فرستادہ رسول اور پیغمبر مان لیں؟

آپؐ نے فرمایا۔ میرے دنیا میں آنے کا یہ مقصد بھی نہیں۔ مجھے تو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ تم مانو تو تمہارا فائدہ ہے نہ مانو تو صبر کروں گا۔ فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے۔ قریش نے کہا کہ اچھا تو اپنے معبود سے کہہ کر ہم پر کوئی عذاب ہی لے آؤ۔ فرمایا۔ اس کا اللہ ہی کو اختیار ہے۔ چاہے مہلت دے یا فوری نازل کردے۔

عبداللہ بن ابی امیہ (حضورؐ کا پھوپھی زاد بھائی اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کا بھائی) کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ اے محمدؐ! تمہاری قوم نے اتنی ساری باتیں پیش کیں لیکن تمہیں کوئی بھی منظور نہیں۔ اب اگر تم سیڑھی لگا کر آسمان پر جاؤ۔ وہاں سے اپنی نبوت کا پروانہ لاؤ۔ ساتھ میں چار فرشتے بھی تصدیق کے لئے آئیں تب بھی میں تمہاری تصدیق نہیں کروں گا۔ ۱۵ سال بعد یہی عبداللہؓ فتح مکہ کے موقع پر حاضر ہوا اور رو رو کر برا حال کرلیا۔ حضورؐ نے منہ پھیر لیا۔ آخر ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کی سفارش پر معاف فرمادیا۔ عجیب و غریب مطالبے کرنے والا آج خود عفو کا طالب تھا۔

آخر کو قریش نے کہا۔ چونکہ تم اپنے معبود سے ہماری کسی بات کو پورا نہیں کراسکے۔ لہٰذا ہم نے جو سنا ہے وہ درست ہے کہ یمامہ کا رحمٰن تمہیں یہ ساری باتیں سکھا جاتا ہے۔ ہم تو رحمٰن پر کبھی ایمان نہیں لانے کے۔ محمدؐ! آج ہم نے اپنے تمام عذر تم سے بیان کردیئے۔ ہمیں اپنے بتوں کی قسم ہم تمہیں رحمٰن کی تعلیم کی اشاعت کبھی نہ کرنے دیں گے حتیٰ کہ ہم مرجائیں یا تم مرجاؤ۔

ان میں سے ایک نے کہا ہم ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں جو خدا کی بیٹیاں ہیں۔ دوسرا بولا محمدؐ! جب تک خدا اور فرشتے ہمارے سامنے نہ آجائیں ہم تمہاری بات کا یقین نہیں کریں گے۔ یہ سن کر حضورؐ ان کی مجلس سے اٹھ گئے۔ ۱۳۶

... رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے

سب سر جوڑ کر بیٹھے اور طے ہوا کہ یثرب کے یہودی احبار (علماء) سے جو آسمانی کتابوں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں مشورہ کیا جائے۔ چنانچہ جہاں دیدہ نضر بن حارث (بنی عبدالدار) اور دشمن ازلی عقبہ بن ابی معیط (بنی امیہ) یثرب روانہ ہوئے۔ احبار نے غور کرکے

انھیں ایک سوالنامہ دیا۔

۱۔ وہ کون لوگ ہیں جو غار میں چھپے تھے اور ان کا کیا قصہ ہے ؟

۲۔ وہ کون شخص ہے جس نے مشرق سے مغرب تک رُوئے زمین کو چھان مارا ؟

۳۔ رُوح کیا شے ہے ؟

ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ اگر پہلے اور دوسرے کا جواب دیں اور تیسرے پر سکوت فرمائیں تو سمجھ لینا یہ نبیٔ مرسل ہیں۔

آپس میں صلح و مشورہ کے بعد ایک دن کفار آپ کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے اور کہا ہم ایک فیصلہ کُن بات کرنے آئے ہیں۔ پھر تینوں سوالات پیش کئے۔ آپ نے فرمایا کل اس کا جواب دوں گا۔ انشاء اللہ کہنا بھول گئے۔ چند دن تک وحی کا نزول ہی نہیں ہوا۔ اس پر مکّہ والوں نے لوگوں کو بھڑکانا شروع کیا کہ محمدؐ نے کل کا وعدہ کیا تھا۔ اب پندرہ دن ہو گئے۔ آپؐ کو وحی کا یہ انقطاع بہت گراں گزرا۔ آخر سورۂ کہف نازل ہوئی۔ جس میں پہلے سوال کا جواب اصحابِ کہف کا واقعہ تھا اور دوسرے کے جواب میں ذوالقرنین کا قصہ تھا۔ تیسرے سوال کے جواب میں آیت اتری۔

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ آپ کہہ دیجئے کہ رُوح ایک چیز ہے اللہ کے حکم سے۔

انشاء اللہ کے بارے میں وحی نازل ہوئی سورۂ کہف آیت ۲۳

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۝

"کسی شے کے بارے میں یہ ہرگز نہ کہو کہ میں یہ کروں گا مگر انشاء اللہ اس کے ساتھ ضرور ملالو۔ اور اگر بھول جاؤ تو جب یاد آئے تو اسی وقت انشاء اللہ کہو تاکہ اس بھول کی تلافی ہو جائے"۔[۱۳۷]

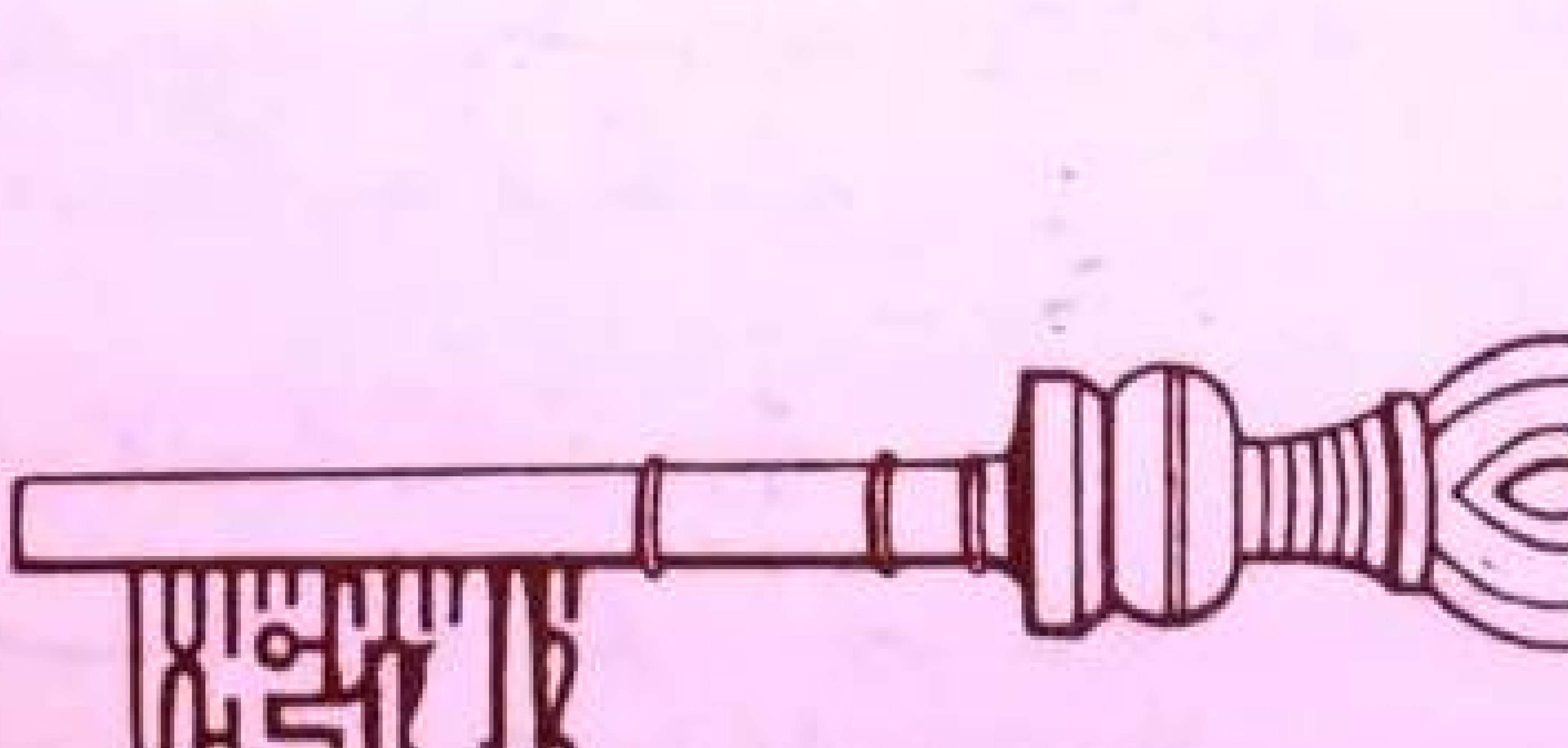

RekhtaDownload.com

نبوت کا ساتواں سال

خطرے کی گھنٹی

قریش کا رویہ دن بدن سخت تر ہوتا جارہا تھا۔ معاندانہ سرگرمیاں اور سازشیں تیز سے تیز تر ہوتی جارہی تھیں۔ اس سے بنی ہاشم کا سردار کس طرح اپنی آنکھیں بند کرلیتا؟ تجربہ کی روشنی میں خطرہ کو بھانپ لیا۔ اب انھوں نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو جمع کیا۔ عصبیتِ قبیلہ کی بنیاد پر سب ایک ہوگئے۔ بجز ابولہب۔ اس معاملہ میں کافر و مسلم کا سوال نہ تھا۔ یہ دینی مسئلہ نہیں تھا بلکہ قبیلہ کی حمایت کا سوال تھا۔ دوسرے قبائل نے اسے بنی ہاشم کے اقتدار کا مسئلہ سمجھا۔ انھیں وہ واقعہ بھولا نہ تھا جبکہ ایک بار ابوطالب کو شبہ ہوگیا تھا کہ حضورؐ قتل کردیئے گئے ہیں۔ سردارِ خاندان نے نوجوانوں کو جمع کیا اور کہا کوئی ہتھیار اپنے کپڑوں میں چھپالو۔ بنی ہاشم کے دشمن بنی مخزوم ہیں۔ ابوجہل ہی سے یہ قتل ممکن ہے۔ حکم دیا اس کی مجلس کے کسی فرد کو زندہ نہ چھوڑنا۔ یہ سب مل کر چلے کہ راستے میں حضورؐ کے آزاد کردہ غلام زیدؓ ابن حارثہ مل گئے۔ معلوم ہوا آپؐ بخیریت گھر پہنچ گئے ہیں۔ ابوطالب آپؐ کا ہاتھ پکڑ کر حرم میں آئے قریش کے لوگوں سے کہا۔ ان جوانوں کو دیکھو۔ انھوں نے کپڑا ہٹایا تو اندر آبدار خنجر لٹک رہے تھے۔ اگر تم نے محمدؐ کو قتل کردیا تو ایک کو بھی جیتا نہ چھوڑوں گا۔ ہم لڑ لڑ کر ختم ہوجائیں گے۔ قریش کو احساس تھا کہ بنی ہاشم کے کسی فرد پر ہاتھ ڈالنا کوئی آسان کام نہیں۔

قبائلی عصبیت

اسی سال ابوطالب نے قصائد لکھ کر بنی ہاشم کو ان کی عظمت کا احساس دِلایا۔ یہ اشعار کعبہ میں بلند آواز میں پڑھے گئے۔ حمیت و عصبیت کی آگ بھڑکا کر قریش کو یقین دِلایا گیا کہ کوئی قبیلہ ان کی طرف ٹیڑھی نظر ڈالے تو اس کی آنکھ پھوڑ دی جائے۔ سوائے ابولہب کے

سب ان کے گرد جمع ہو گئے۔ ابولہب کو غیرت دلانے کے لئے ابوطالب نے اشعار بھی کہے۔

۱۔ میں اس سے کہتا ہوں اے ابومعتب (ابولہب کی کنیت) اپنی قوم کو جتھ بندی سے مستحکم بنا لیکن میری نصیحت کہاں اور وہ کہاں ؟

۲۔ بیتُ اللہ کی قسم ! تم نے جھوٹ کہا کہ ہم سے محمدؐ کو چھین لیا جائے گا ؟ حالانکہ تم نے راستے کے پاس دُھواں دھار گرد و غُبار کا تاریک دن دیکھا ہی نہیں ؟

۳۔ خدا کی قسم ! وہ اپنی جمعیّت کے ساتھ تجھ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ مجھے دفن کر کے مٹّی میں ٹیک لگا کر لٹا نہ دیا جائے۔

ابوطالب کی کوششوں سے بنی ہاشم۔ بنی مطلب اور بنی عبدمناف کی عصبیت جاگ اُٹھی۔ اس سے قدرت نے نبیٔ ہاشمی و مطلبی کے لئے ڈھال کا کام لیا۔ اسی زمانے میں ابوطالب نے اپنا مشہور لامیہ قصیدہ لکھا جو ۹۴ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

ابوطالب کا قصیدۂ لامیہ

۱۔ اور جب میں نے قوم (کفارانِ قریش) کو دیکھا کہ محبّت سے ناآشنا ہے اور تمام اسباب و وسائل کو منقطع کر رہی ہے۔

۲۔ انھوں نے ہمارے ساتھ عداوت اور ایذا کو کھُلّم کھُلاّ اختیار کر رکھا ہے اور نہایت سخت دشمن کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔

۳۔ بیتُ اللہ کے پاس میں نے اپنے خاندان اور قبیلہ کے افراد کو جمع کیا اور میں نے بیتُ اللہ کے غلاف کے پردوں کو تھام لیا۔

۴۔ میں جبلِ نور کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اور اس کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جس نے کوہ ثبیر کو اس کی جگہ نصب کر دیا ہے اور اس کے ساتھ بھی پناہ مانگتا ہوں جو نیکی کے لئے حرا میں آتا جاتا ہے۔

۵۔ اور میں اس کے گھر کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں جو وادیٔ مکّہ میں سے اس بات کا مستحق ہے اور اللہ کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔ بے شک اللہ کسی بات سے غافل نہیں ہے۔

۶۔ بیتُ اللہ کی قسم ! تمہاری اُمّیدیں باطل ہیں کہ ہم مکّہ چھوڑ دیں گے۔ یاد رکھو۔ جب بھی

ہم یہاں سے کُوچ کریں گے تو تمہیں بھی حزن و ملال اور غموں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

۷۔ بیت اللہ کی قسم! تمہاری یہ بات بھی باطل ہے کہ محمدؐ غالب نہ آئیں گے۔ حالانکہ ہم نے تو ابھی تک تیروں اور نیزوں کے ساتھ آپ کا دفاع کیا ہی نہیں ہے۔

۸۔ بخدا! ہم کبھی بھی محمدؐ کو تمہارے سپرد نہ کریں گے خواہ ہمارے درمیان معرکہ گرم ہوجائے آپ کی حفاظت کے لئے ہم کثرت سے آپ کے گِرد و پیش جمع ہو جائیں گے حتیٰ کہ اپنے بچوں اور بیویوں سے بھی غافل ہوجائیں گے۔

۹۔ اللہ کی قسم! جس چیز کو میں دیکھ رہا ہوں اگر طُول پکڑ گئی تو ہماری تلواریں یقیناً تمہارے مُعززین کا کام تمام کردیں گی۔

۱۰۔ تمہارا باپ نہ ہو! کیا قوم نے ایسے معزز سردار کو چھوڑ دیا ہے جو کہ قابلِ حفاظت چیزوں کی حفاظت کرنے والا مصلح ہے۔ اپنے اُمور کو دوسروں کے سپرد کرنے والا نہیں ہے۔

۱۱۔ وہ گورے مکھڑے والا جس کے رُوئے زیبا کے واسطے سے ابرِ رحمت کی دُعائیں مانگی جاتی ہیں۔ وہ یتیموں کا سہارا۔ وہ بیواؤں اور مسکینوں کا سرپرست ہے۔

۱۲۔ آلِ ہاشم کے تباہ لوگ اس سے فریاد رسی کرتے ہیں اور وہ ہاشمی اُن کے نزدیک نہایت قابلِ احترام اور صاحبِ نعمت ہے۔

۱۳۔ اے عتبہ! تو ہمارے بارے میں کسی کٹر دشمن، حاسد، کاذب، بغض اور مصیبتیں برپا کرنے والے کی بات کو نہ سُن۔

۱۴۔ ابو سفیان! میرے پاس سے نہایت سرکش اور مُتکبر انسان کی طرح اعراض کرتے ہوئے گزرا۔ وہ بخدا ٹھنڈے پانی کی طرح بھاگ گیا اور گمان کرتا ہے کہ میں تم سے غافل ہوں۔

۱۵۔ اے مطعم! میں نے تمہیں کسی مشکل کے دن اور سخت آلام و مصائب کے وقت ذلیل نہیں کیا تھا یعنی تم مجھے ذلیل نہ کرو۔ اگر لوگوں نے تمہیں تکلیف پہنچائی ہے تو مجھے بھی تکلیف پہنچی ہے اور میں جب مغلوب ہوں گا تو میں تمہارے سوا کسی سے التجا نہیں کروں گا۔

۱۶۔ اے عبدِ مناف! تم بہترین قوم ہو۔ تم اپنے معاملہ میں کسی طفیلی کو شرکت کی اجازت نہ دو۔

۱۷۔ زہیر ہمارا بہترین ہمشیر زادہ ہے اور بلاشک وہ نیام سے نکلی ہوئی شمشیرِ یکتا ہے۔

۱۸۔ میری عُمر کی قسم! مجھے احمد "صلی اللہ علیہ وسلم" اور اس کے بھائیوں سے بے پناہ محبت ہے جس طرح ایک محبِّ مخلص کی عادت ہوتی ہے۔

۱۹۔ لوگوں میں احمدؐ جیسا کون ہے؟ اور کوئی ہے جس کے بارے میں اُمّید لگائی گئی ہو جو اس کے ہم پلّہ ثابت ہوسکے جب حکّامِ تفاضل کے وقت تقابل کر رہے ہوں؟

۲۰۔ وہ صاحبِ حکمت و رشد و عدل ہے۔ باوقار ہے اور ایسے خدا کو اس نے دوست بنا رکھا ہے جو اس سے غافل نہیں ہے۔

۲۱۔ اللہ کی قسم! اگر میں کوئی ایسی قابلِ ملامت چیز نہ لاسکا جو ہمارے قبائل کے سرداروں کے سر آتی ہو تو زمانہ بھر اور ہر حال میں ہم ان کے تابع رہیں گے اور میں یہ سچ کہتا ہوں مذاق نہیں۔

۲۲۔ ان سب نے معلوم کر لیا کہ ہمارا بیٹا ہمارے نزدیک راست باز ہے اور وہ باطل اقوال کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

۲۳۔ میں نے اپنے نفس کے ساتھ ان کی حفاظت کی ہے اور اپنی تمام تر قوتیں صرف کر کے ان کا دفاع کیا ہے۔

ہاشمی اقتدار

اس پُرزور اور پُرتاثّر قصیدے نے قبائلی وقار کی خاطر مُنتشر قوتوں کو یکجا کر دیا۔ بنی ہاشم۔ بنی مطلب اور بنی عبدِ مناف تینوں گھرانے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے متحد ہوگئے۔ اب انھیں محسُوس ہوا کہ معاملہ اسلامی وقار کا نہیں بلکہ ہاشمی اقتدار کا ہے۔ اس میں مومن اور کافر کی تمیز نہیں۔ اسلام اور کُفر کی جنگ نے ہاشمی اور غیر ہاشمی کا رُوپ دھار لیا۔ اہلِ کفر نے موقع سے یوں فائدہ اُٹھایا کہ تمام مسلمانوں کی بجائے صرف بنی ہاشم کے بائیکاٹ کی تحریک کی۔ جو ہاشمی نہ تھا خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو اس کا سزاوار نہیں سمجھا گیا۔ تمام مسلمانوں کو نشانہ بنانا ممکن بھی نہ تھا کیونکہ دس قبائل اور ان کے حلیفوں میں کوئی بھی ایسا قبیلہ نہ تھا جہاں ایک یا دو فرد مسلمان نہ ہوئے ہوں۔ بنی عبد الشمس کے عتبہ کا بیٹا ابو حذیفہؓ مسلمان ہو کر حبشہ ہجرت کر چکا تھا۔ بنی مخزوم کے ابوجہل کا سگا بھائی سلمہؓ بن ہشام۔ سوتیلا بھائی عیاشؓ بن ربیعہ۔ بنی اُمیّہ کے حضرت عثمانؓ اور ابو سفیان کی بیٹی (اُمِّ حبیبہؓ) اور داماد۔ اس طرح بہت سے بااثر لوگوں کے اعزّہ و اقارب مسلمان ہوگئے تھے۔

ان سے تعرض کے معنی خانہ جنگی تھی۔ دانشورانِ کفر نے بنی ہاشم ہی کو ہدف بنانے میں گہری سیاسی نکتہ رسی سے کام لیا۔ ایک یہ کہ داعیٔ اسلام اسی گھرانے کا چشم و چراغ ہے۔ دوسرے بحیثیت سربراہِ قبیلہ ابوطالب نے بار بار کی درخواست کو ٹھکرا دیا۔ قبیلوی نظام میں سربراہ افراد قبیلہ کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ انھیں یہ فائدہ بھی حاصل ہوگیا کہ اسلام کی عالمگیر تحریک کو قبیلۂ ہاشمی کی تحریک بنادیا اور اس کے خلاف انھیں دوسرے قبائل کو متحد کرنے کا موقع مل گیا۔ بنی ہاشم کو یوں بے بس کر دیا جائے تو خود بخود محمدؐ کو ان کے حوالے کر دیں گے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت حمزہؓ، حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص وغیرہ کے ربط کو عام مسلمانوں سے منقطع کر دیا۔ خیال تھا اس طرح اسلام محدود اور کمزور پڑ جائے گا۔ ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ آزادانہ میل جول ختم ہونے سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے ذی مرتبت سرداروں سے مل کر متحدہ محاذ بنانے کے امکانات ختم ہوگئے۔ ذاتِ نبوت کی نظر بندی کے بعد دوسرے شعوب و قبائل میں بکھرے مسلمانوں پر سختی اور دباؤ آسان ہو جائے گا۔ وہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں فریاد سے محروم ہو جائیں گے۔ اس طرح ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تو وہ مجبور ہو کر یا تو ہماری شرط مان لیں گے یا پھر مکہ ہی چھوڑ دیں گے۔ مخالفین کو اس بات کا بھی گمان تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مصیبتوں اور سختیوں سے گھبرا کر سپر ڈال دیں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ دعوت و تبلیغ ہی سے کنارہ کش ہو جائیں۔ انھیں اس بات کا بھی یقین تھا کہ قبیلہ والے کب تک ان کا ساتھ دے کر زندگی کی لذتیں خود پر حرام کر لیں گے؟ محصورین انھیں ایک نہ ایک دن گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور کر دیں گے؟ البتہ ایک خطرہ یہ تھا کہ کہیں بنی ہاشم جوشِ حمیت میں اسلام نہ قبول کر لیں۔ غرض دانشورانِ قریش کا اشہبِ فکر میدانِ تدبیر میں ہر سمت سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ ع نہ ہاتھ باگ پہ ہے نہ پا ہے رکاب میں۔

کس سے پیمانِ وفا....

اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک عہدنامہ مرتب ہوا جو بنی ہاشم، بنی مطلب اور بنی عبدِ مناف کے خلاف تھا۔ یہ مقاطعہ کسی خاص مدت کے لئے نہیں تھا بلکہ غیر معینہ مدت کے لئے تھا۔ جب تک خود محصورین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالے نہ کر دیں۔

مقاطعہ کی اہم شرائط حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ کوئی ان کے ساتھ لین دین اور خرید و فروخت نہیں کرے گا (تاکہ ذریعۂ معاش تباہ ہو)

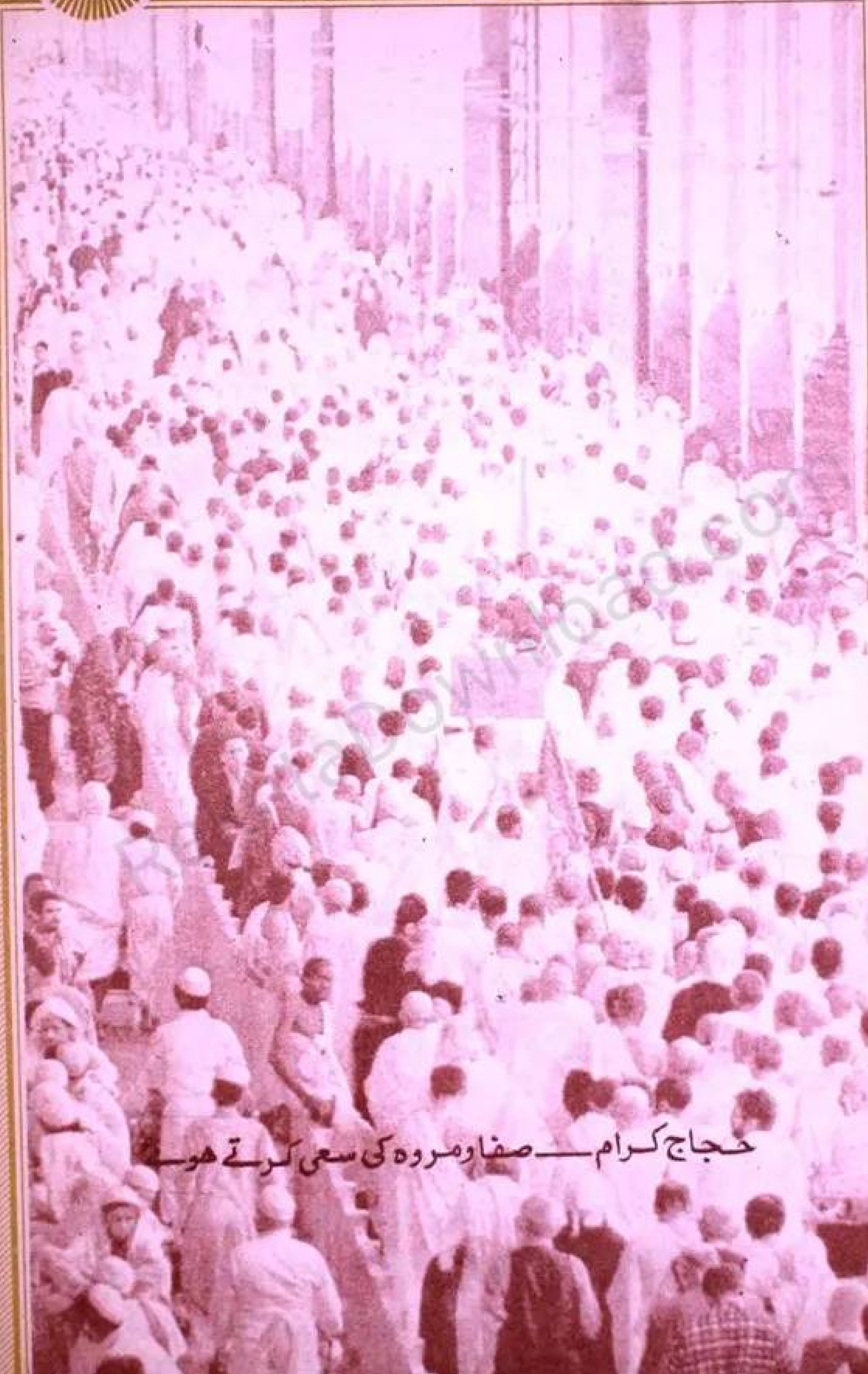
حجاج کرام ـــــ صفا و مروہ کی سعی کرتے ہوئے

۲۔ کوئی نہ ان کی لڑکیوں سے عقد کرے گا اور نہ اپنی بیٹی دے گا۔ (تاکہ صلۂ رحمی باقی نہ رہے)
۳۔ ان سے بات چیت بھی نہیں ہوگی (تاکہ تعلقات منقطع ہوجائیں)
۴۔ انھیں اپنی مجلسوں میں بھی بیٹھنے نہ دیا جائے گا (تاکہ کوئی متاثر نہ ہو)
۵۔ ان کے پاس اگر کوئی حمایتی خوراک پہنچانا چاہے تو وہ بھی نہ پہنچنے دیا جائے (تاکہ بھوک سے تنگ آجائیں)
۶۔ انھیں گلی۔ بازاروں میں گھومنے پھرنے نہ دیا جائے (تاکہ سب سے روابط ختم ہوجائیں)

کس کس کی مُہر ہے سرِ محضر لگی ہوئی

دانشورانِ کفر نے جو گرگِ باراں دیدہ تھے۔ بہت غور و فکر کے بعد جنگ کا خطرہ مول لئے بغیر ایک حل ڈھونڈ نکالا۔ تمام اسلام دشمن قریشی اور کنانی، خیف بنی کنانہ میں جمع ہوئے۔ بُت پرستی پر جمے رہنے کی قسمیں کھائیں۔ اس جگہ کو ابطح اور محب بھی کہتے ہیں جو مقابر کے قریب ہے۔ یہیں بیٹھ کر تاریخ کے پہلے "بائیکاٹ" کا فیصلہ کیا گیا اور مقاطعہ کا تحریری عہد نامہ مختصر اور جامع الفاظ میں قلمبند کیا گیا۔ اسے چمڑے کے ورق پر لکھا گیا۔ اس کے کاتبوں میں چار نام ملتے ہیں۔ محمد ابن سعد نے "طبقات" میں بغیض بن عامر اور ابن کثیر نے ہشام بن عمرو بن اسحاق، طلحہ ابن ابی طلحہ (عبدری) منصور بن عکرمہ بن ہاشم (بنی عبدالدار) ابن ہشام نے نضر بن حارث کو تحریر کرنے والا قرار دیا ہے۔ عہد نامہ کو لکھنے کے بعد اس کی چند انگلیاں بیکار ہوگئیں۔ حافظ ابن قیم نے "زاد المعاد" میں بُغیض بن عامر کو ترجیح دی ہے۔ عام مورخین کا رجحان منصور بن عکرمہ کی جانب ہے۔ اس ظالمانہ تحریر کے لکھنے والے کے حق میں حضورؐ نے بد دُعا فرمائی تھی۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ یہ منصور بن عکرمہ تھا جس کا ہاتھ شل ہوگیا۔ عہد نامہ پر قریش کے قبائل کے تمام ذمہ دار افراد نے دستخط کئے۔ جس میں حضورؐ کا چچا اور بنی ہاشم کا ذی اثر سردار ابولہب بھی شامل تھا۔ اس پر تین مُہریں بھی لگائی گئیں۔

اس عہد نامہ کو مقدس اور واجب التعمیل بنانے کے لئے "سبع معلقات" کی طرح بیت اللہ کی چھت سے لٹکایا گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابتدا میں کچھ عرصہ یہ عہد نامہ ابوجہل کی خالہ اُمّ الجلاس بنت محزبۃ الحنظلیہ کے پاس محفوظ کرایا گیا تاکہ کوئی اس کی مخالفت کی جرأت نہ کرے۔ بائیکاٹ کی یہ دستاویز یکم محرم ۷ سنہ نبوت مطابق ۶۱۶ء کو ضبط تحریر میں لائی گئی۔ [139]

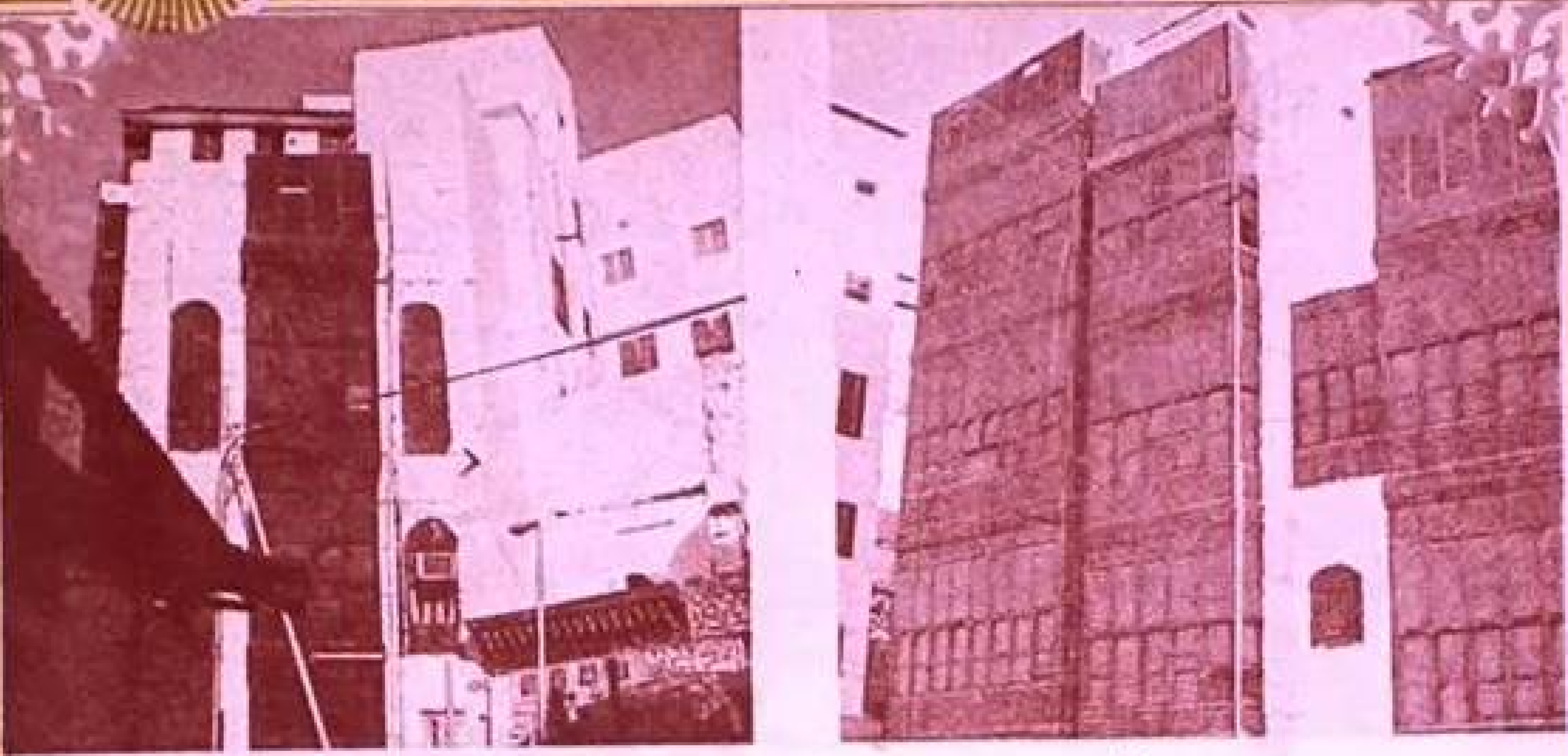

محلہ بنی ہاشم میں پُرانے مکانات

وہ جگہ جہاں شعب ابی طالب تھی

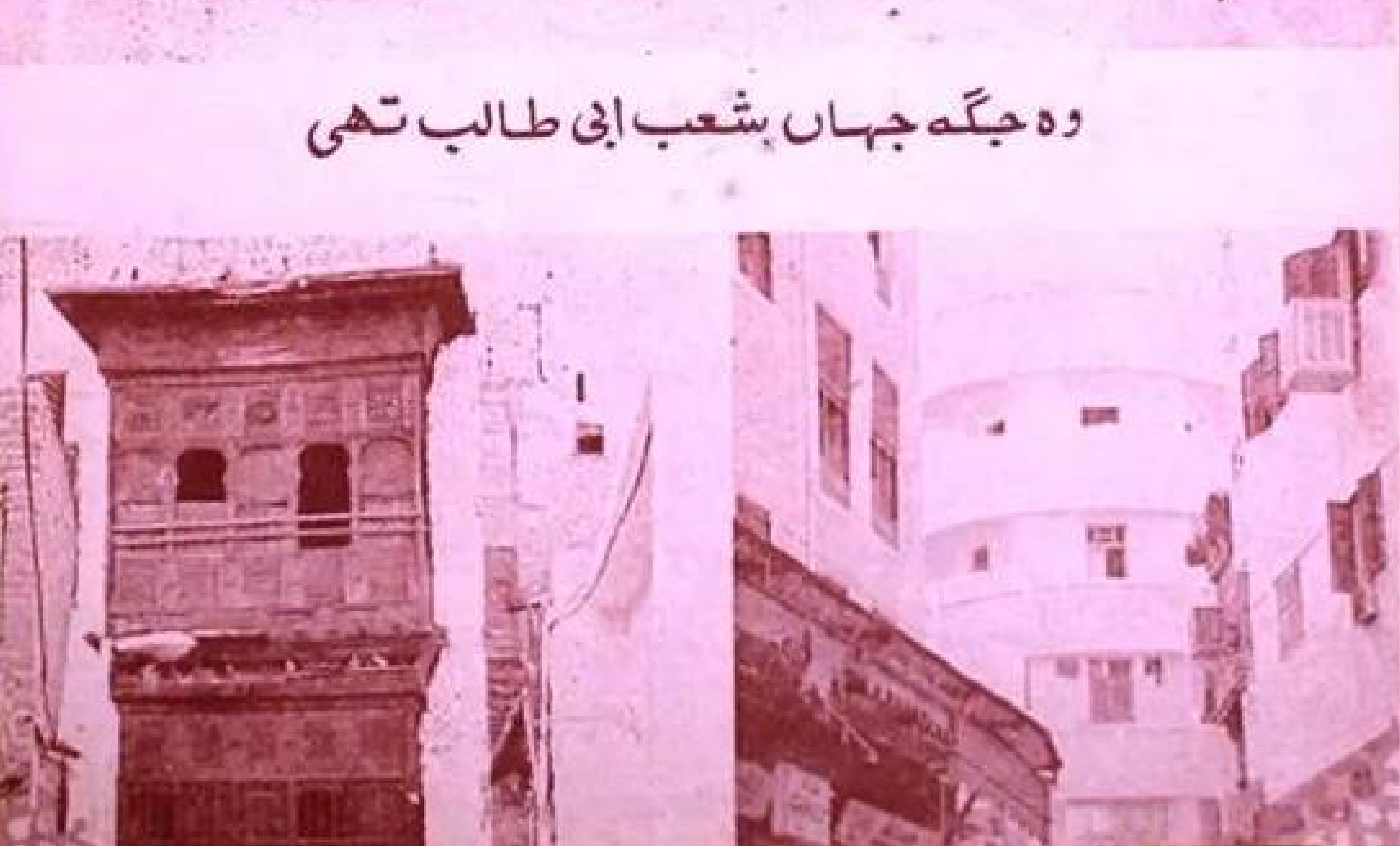

شعب ابی طالب

عربی میں شعب کے لغوی معنی گھاٹی یا وادی کے ہیں۔ پہاڑوں کا ایسا درمیانی خلاء جو درہ کی طرح ہو اور آگے سے بند ہو۔ کوہ ابوقبیس میں ایسی کئی گھاٹیاں تھیں۔ جیسے شعب المطلب، شعب بنی ہاشم، شعب بنی اسد، شعب بنی عامر، شعب ابی زیاد، شعب بنی کنانہ، شعب آل عمرو وغیرہ۔ جس میں بنی قریش کے مختلف قبائل آباد تھے۔ مکہ کی ابتدائی آبادی انہی گھاٹیوں سے شروع ہوئی۔ چونکہ بیت اللہ کے احترام کی خاطر اس کے قریب مکانات نہیں بنائے جاتے تھے۔ قصی بن کلاب نے حرم کے اطراف عمارتیں بنانے کی ابتدا کی۔

یہ شعب، بنی ہاشم کی موروثی ملکیت تھی۔ چونکہ ان سے بیت اللہ کے زائرین کی خدمتِ سقایہ یعنی خورد و نوش متعلق تھی۔ اس لئے یہ جگہ کعبہ سے زیادہ دور نہیں تھی۔ اس وقت بنی ہاشم کے سربراہ اور بزرگِ خاندان ابوطالب تھے۔ اسی لئے یہ گھاٹی ان ہی کے نام سے شعب ابی طالب کہلانے لگی۔ مسلمان نہ ہونے کے باوجود عبد مناف کے دونوں خاندان اور بنی مطلب کے تمام افراد بجز ابولہب سب شعب بنی ہاشم میں چلے گئے۔ جو مکہ کے مشرقی مضافات میں ایک لمبی اور تنگ گھاٹی ہے۔ جسے پہاڑی سلسلہ نے شہر سے جدا کر رکھا ہے۔ جہاں سے شہر میں آمد و رفت کا ایک ہی راستہ ہے۔ مخدوم محمد بن ہاشم سندھی کا خیال ہے کہ بیرونِ شہر اسی گھاٹی کے نام خیف بنی کنانہ، ابطح، بطحا، محصب اور معرس ہیں۔ اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک لقب "الابطحی" بھی ہے۔ آجکل مکہ کی آبادی پھیلتی پھیلتی ان گھاٹیوں کو درمیان میں لے چکی ہے۔ اب شعب ابی طالب مکہ کے بازار "سوق اللیل" کے مقابل ایک بستی ہے جو اطراف کی تین گھاٹیوں کے درمیان ہے۔ اسے محلۂ ہاشمی بھی کہتے ہیں۔ مولد النبیؐ، مولد علیؓ، اور دارِ خدیجہؓ اس شعب میں واقع ہے۔ جہاں اب بھی ان کے آثار ملتے ہیں۔ آجکل اسے شعب علیؓ یا شعب بنی ہاشم کہا جاتا ہے۔ ؎۱۳۰

ترکِ موالات

کعبہ میں عہد نامہ اس اعلان کے ساتھ آویزاں کر دیا گیا کہ جب تک بنی ہاشم محمدؐ بن عبداللہ کو حوالے نہیں کریں گے یہ لٹکا رہے گا۔ ابوطالب مجبور ہو کر ہاشم اور بنی مطلب کی حفاظت کی خاطر گھاٹی میں پناہ گزیں ہو گئے۔ بنی عبد مناف کے باقی دو خاندان بنو عبد الشمس

اور بنو نوفل اپنے رشتے داروں کو چھوڑ کر دشمنوں کے ساتھ ہو گئے۔ مؤرخین کے اس بارے میں بیانات سے یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ لوگ اپنے محلّوں اور گھروں کو چھوڑ کر اس گھاٹی میں چلے گئے، جو حرم سے دُور تھی۔ حالانکہ بات ایسی نہیں تھی۔ بنی ہاشم اسی گھاٹی میں آباد تھے اور وہ مکہ کا ایک محلّہ تھا۔ یہ جبلِ ابو قبیس کے شمال مشرقی سمت کا کنارہ تھا۔ جسے شعب بنی ہاشم کہا جاتا ہے۔ یہ بیتُ اللہ سے زیادہ دُور نہ تھا اس لئے بھی کہ کعبہ کے زائرین کے لئے سقایہ اور عمارہ یعنی خورد و نوش کی ذمّہ داری بنی ہاشم کے سپرد تھی۔ مؤرخین کے بیانات کو یکجا کیا جائے تو عہد نامہ کی شرائط سے کہیں یہ پتہ نہیں چلتا کہ قریش نے بنی ہاشم کو ان کے گھروں کو چھوڑنے پر مجبور کیا ہو یا شہر بدر کیا ہو۔ یہ ایک قسم کی معاشی ناکہ بندی اور معاشرتی قطع تعلق تھا۔ بعض سیرت نگاروں کا یہ بیان کہ اطلاق معاہدہ کے بعد یہ لوگ خود ڈر کر شعب میں پناہ گزیں ہو گئے، قابلِ غور ہے۔ ڈاکٹر نثار احمد کی تحقیق ہے کہ "شعب ابی طالب میں حضورؐ اور دیگر افراد بنو ہاشم کی محصُوری و نظر بندی کا واقعہ محض ظنی اور قیاسی ہے۔ اصل نوعیت یہ ہے کہ معاشی اور معاشرتی اعتبار سے ایک خاندانی مقاطعہ تھا۔ اس سے زیادہ نہیں۔ عملاً دو قسم کا انقطاع ثابت ہے ایک معاشرتی یعنی شادی بیاہ۔ مجلسوں میں آنے کی ممانعت۔ دوسرا معاشی یعنی خرید و فروخت اور بازاروں میں آمد و رفت پر پابندی۔ تجارت پیشہ ہاشمیوں کے لئے یہ دونوں باتیں ان کی سماجی اور معاشی حیثیت کو مفلوج کر دینے کے مترادف تھیں۔"

جسٹس امیر علی کا خیال ہے کہ عہد نامے سے خوفزدہ ہو کر اور اس اندیشے سے کہ مبادا یہ کسی حملے کا پیش خیمہ نہ ہو بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب نے مناسب سمجھا کہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر جو شہر میں جا بجا مختلف محلّوں میں واقع تھے ایک جگہ جمع ہو کر رہیں۔ چنانچہ مکّہ کے مشرقی مضافات کی لمبی اور تنگ گلی شعب ابی طالب میں منتقل ہو گئے۔[141]

سر پہ ہوائے ظلم چلے سَو جتن کے ساتھ

یہ قید و بند کا زمانہ بڑی صعوبتوں کا زمانہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلخیاں زندگی بھر فراموش نہ کر سکے۔ بچّے، بوڑھے، مَرد، عورتیں، سب ہی مصائب و آلام کا شکار تھے۔ خورد و نوش کا ذخیرہ چند مہینوں میں ختم ہو گیا۔ نوبت فقر و فاقہ تک پہنچی۔ ماؤں کی چھاتیوں میں دُودھ سُوکھ گیا۔ بچّے بلک بلک کر رونے لگے۔ ان کی آواز سُن کر سنگ دل قریشی خوش ہوتے۔ درختوں کے پتّے، چھال، خود رو گھاس کھا کر بھوک مٹائی جاتی۔ طلحہ اور

کیکر کے پتوں کو اُبال کر کھاتے جس سے ان کے جسم ہڈیوں کا پنجر بن گئے۔

حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص، حضورؐ کی والدہ حضرت آمنہ کے قبیلہ بنی زہرہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اس طرح رشتہ میں ماموں لگتے تھے۔ ہاشمی و مطلبی نہ ہونے کے باوجود حُبِّ رسولؐ میں شعب کی پناہ گزینی اختیار کی۔ جانگسل تکالیف برداشت کیں۔ اس دورِ ابتلا کے دو واقعات حضرت سعدؓ نے بیان فرمائے ہیں۔ یہ اس دور کی بات ہے جب گھاٹی میں کھانے کو درختوں کی چھال اور گھاس بھی میسر نہ تھی۔ وہ کہتے ہیں ایک بار پیشاب کے لئے نکلا۔ راستہ میں اُونٹ کی سُوکھی کھال کا ایک ٹکڑا ہاتھ لگا۔ پانی سے دھوکر اسے بھُونا اور سفوف بنالیا۔ تین روز تک ستّو کی طرح اسے پانی میں گھول کر پیتا رہا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ اندھیری رات میں بھوک سے بے چین ہو کر ادھر اُدھر پھرنے لگا۔ اتفاق سے پاؤں ایک ایسی چیز سے ٹکرایا جو نرم اور تر محسُوس ہوئی شدّتِ گرسنگی میں اسے اُٹھاکر فوراً نگل گیا۔ آج تک معلوم نہیں وہ کیا شے تھی؟

اُمُّ المومنین حضرت خدیجہؓ تو نازوں کی پلی تھیں۔ لیکن جس استقامت، صبر شکر اور محبت سے اپنے شوہرِ نامدار کی غمگساری کی وہ دنیائے نسواں کے لئے ایک روشن مثال ہے۔ ہر طرح کی مصیبت، فقر و فاقہ برداشت کیا لیکن زبان سے اُف بھی نہ کہا۔ راہِ حق میں تسلیم و رضا کا پیکر بن گئیں۔

محصُورین صرف ایامِ حج میں شعب سے نکل سکتے تھے۔ اس موقع پر بھی قریش کے لوگ جلدی کر کے اجناس خرید لیتے۔ ولید بن مغیرہ منادی کرتا پھرتا کہ محصُورین کو اگر کھانے پینے کی چیزیں خریدتا دیکھو تو نرخ بالا کر کے خرید لو۔ جس کے پاس نقدی نہ ہو وہ مجھ سے لے۔ اور اس معاملہ میں جس کا نقصان ہو اس کی پابجائی کی ذمہ داری میری ہے۔ اس طرح عرصۂ حیات تنگ کیا گیا۔ اس مصیبت میں دن ہفتوں میں ہفتے مہینوں میں اور مہینے سالوں میں تبدیل ہو گئے۔

ہر چند کڑی نگرانی اور شدید ناکہ بندی تھی۔ پھر بھی چند نیک نفس انسان صلہ رحمی کرتے۔ حکیم بن حزام حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے تھے وہ راتوں میں چوری چھپے اپنے غلام کے ذریعے غلہ پہنچادیتے۔ ایک دن اپنی نگرانی میں گیہوں بھیج رہے تھے کہ ابوجہل نے دیکھ لیا۔ کہا میں تمہیں سب کے سامنے رُسوا کردوں گا۔ تم نے عہدنامہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ اتنے میں نیک دل ابوالبختری بن ہشام بھی پہنچ گیا۔ اس نے بیچ بچاؤ کیا۔ ابوجہل تن گیا۔ ابوالبختری نے کہا کہ

اگر وہ اپنی پھوپھی کو کچھ غلہ بھیج رہا ہے تو تجھے کیا اعتراض ہے؟ بات بڑھ گئی۔ ابوجہل نے سرکشی دِکھائی تو ابوالبختری نے قریب میں پڑی اُونٹ کے جبڑے کی ہڈی اس پر دے ماری۔ اور خوب زدوکوب کیا۔ یہ منظر شعب سے امیر حمزہؓ دیکھ رہے تھے۔

ہشام بن عمرو بن حارث بھی ایک شریف اور نیک طینت انسان تھا۔ اس کی بنی عبدمناف سے رشتہ داری تھی۔ صلۂ رحمی کے جذبے کے تحت رات میں اونٹ پر اجناس بار کر کے شعب میں ہانک دیتا۔ بنی ہاشم سامان اتار کر اونٹ باہر کر دیتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے داماد یعنی حضرت زینبؓ کے شوہر ابوالعاص بن ربیع جن کا تعلق بنی اُمیّہ سے تھا۔ راتوں کو اکثر گندم اور کھجوریں شعب میں میں بھجوادیتے۔ اس دَورِ ابتلاء میں ان کی اس اِمداد کا حضورؐ نے بعد میں ذِکر فرمایا اور حقِ دامادی کی ادائی پر اُن کی تعریف فرمائی۔[۱۴۲]

فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص

محصُوری کی اصل وجہ بنی ہاشم کا ابوالقاسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالے نہ کرنا تھا۔ ابوطالب بخوبی جانتے تھے کہ آپؐ کی جان کو شدید خطرہ لاحق ہے۔ اسی لئے تمام قبیلہ اپنے آرام و آسائش، تجارت و معیشت کی بازی لگا کر محصُور ہو گیا۔ رات میں حضورؐ کو جگہ بدل بدل کر سونے کے لئے کہتے تاکہ غفلت سے کوئی واقعہ نہ ہو جائے۔

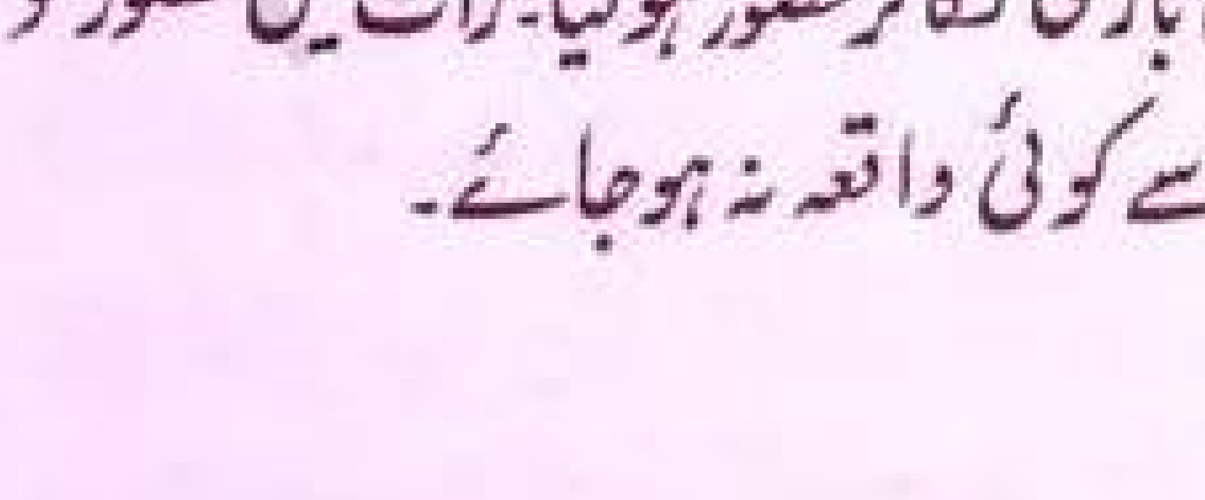

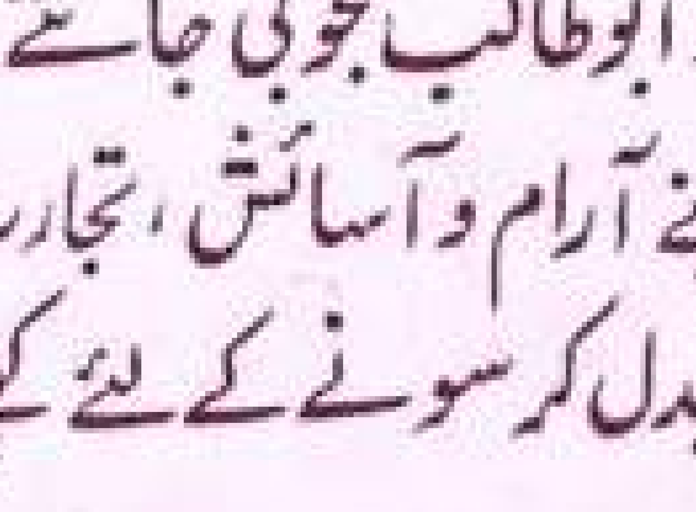

نبوت کا آٹھواں سال

حضرت ابو بکرؓ کی ہجرت

جن دنوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعب میں نظر بند تھے تو کفار نے حضرت ابو بکرؓ کی زندگی بھی دوبھر کر دی۔ کیونکہ اُمت کے پہلے مُبلغ وہی تھے۔ بالآخر انھوں نے ہجرتِ حبشہ کا ارادہ کیا۔ وہ تو شمعِ نبوی کے پروانے تھے۔ جب وہ شمع نظروں سے اوجھل ہو گئی تو ان کی اضطرابی کیفیت بڑھ گئی۔ مصائب کے علاوہ انھیں اللہ کی عبادت سے بھی روکا جارہا تھا۔ آخر وہ یمن کی طرف چل پڑے۔ وہاں سے کشتی کے ذریعے حبشہ کا سفر کرنا تھا۔ مکہ سے یمن کی جانب پانچ دن کی مُسافت طے کرلی تو برک الغماد میں قبیلۂ قارّہ اور احابیش کے سردار ابن الدغنہ سے مڈبھیڑ ہوئی جو آپ کا پُرانا دوست تھا۔ قارہ تیراندازوں کا مشہور قبیلہ تھا۔ احابیش میں بنوکنانہ، خزیمہ، خزاعہ اور قریش کے وہ افراد شامل تھے جو مکہ کے حبشی نامی پہاڑ کے پاس ایک قوم کی حیثیت سے یکجا ہو کر رہتے تھے۔ یہ معاہدہ مکہ کی نشیبی وادی احابیش میں ہُوا تھا۔ اسی لئے یہ لوگ احابیش کہلائے۔ ابن الدغنہ نے پوچھا کدھر جارہے ہو؟ فرمایا "میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے اب چاہتا ہوں سیاحت کروں اور اب اپنے رب کی عبادت کروں۔" کہا تم جیسا آدمی نہ نکل سکتا ہے اور نہ نکالا جا سکتا ہے۔ تم تو خاندان کی زینت ہو۔ آفت زدوں کی مدد کرتے ہو۔ ناداروں کو سامانِ زندگی مہیا کرتے ہو۔ نیکی تمہارا شیوہ ہے۔ صلۂ رحمی تمہارا طیرہ ہے۔ قرض اور تاوان تلے مجبوروں کا بوجھ اُتارتے ہو۔ مہمان نوازی تمہارا وصف ہے۔ حق کی طرف سے حوادث کا مقابلہ کرتے ہو۔ اپاہجوں اور محتاجوں کا سہارا ہو۔ چلو میں تم کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ اپنے ہی شہر میں رہ کر اپنے رب کی عبادت کرو۔ جن الفاظ میں ابن الدغنہ نے حضرت ابو بکرؓ کا ذکر کیا وہ وہی اوصاف ہیں جو حضرت خدیجہؓ نے پہلی وحی کے بعد حضورؐ کو تسکین دیتے ہوئے فرمائے تھے۔

فرق یہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ اوّل المومنین والمومنات ہیں اور ابن الدغنہ پکا کافر تھا اور سیرتِ صدّیق کی شہادت دے رہا تھا۔ خود ابن الدغنہ ساتھ لئے مکّہ آیا۔ سردارانِ قریش کی موجودگی میں بیتُ اللہ کا طواف کیا۔ پھر حسبِ دستور اپنی پناہ کا اعلان کرتے ہوئے ان صفات کو ایک بار پھر دُہرایا۔ قریش نے اس کی پناہ کو رَد نہیں کیا۔ لیکن شرط یہ لگائی کہ ابوبکرؓ اپنے گھر میں جس طرح چاہیں عبادت کریں۔ قرآن کی بلند آواز سے تلاوت نہ کریں۔ ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ اسے سُن کر ہماری عورتیں اور بچّے بے دین نہ ہو جائیں۔ ابن الدغنہ یہ بات حضرت ابوبکرؓ کو سمجھا کر اپنے قبیلہ میں لَوٹ گیا۔

بنی جمح کے محلّہ میں حضرت ابوبکرؓ پہلے تو اپنے گھر میں عبادت کرنے لگے۔ پھر صحن میں ایک مسجد بنالی اور یہاں نماز پڑھنے لگے۔ دورانِ تلاوت اللہ کے خوف سے رونے لگتے۔ مَرد، عورتیں اور بچّے اسے سُن کر متاثّر ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر قریش نے ابن الدغنہ کو بُلوایا اور کہا کہ ہم نہیں چاہتے کہ عرب میں یہ بات مشہور ہو کہ ابن الدغنہ کا ذمّہ توڑ دیا گیا۔ یہ سُن کر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا مجھے تمہاری حمایت کی ضرورت نہیں۔ میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں[۱۴۳]

مُعجزہ شقُّ القمر

مقاطعہ پر ابھی دو برس ہی گزرے تھے۔ غالباً حج کے دنوں میں حضورِ اکرمؐ بعض صحابہ کے ساتھ منیٰ میں تھے۔ آسمان پر بدرِ کامل تھا۔ کفّار نے مطالبہ کیا اگر آپ سچے نبی ہیں تو اس چاند کو دو ٹکڑے کر کے دِکھایئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے دُعا فرمائی کہ اے میرے رب! ان کے مُطالبے کو پورا کر دے۔ اُنگلی سے اشارہ فرمایا چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک حرا پہاڑ کے اُوپر اور دوسرا اس کے دامن میں تھا۔ حرا پہاڑ چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان میں تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گواہ رہو، گواہ رہو۔ کفّار نے کہا یہ تو بڑا زبردست جادُو ہے۔ پھر کہنے لگے دیکھو سفر سے آنے والے لوگ کیا کہتے ہیں۔ واضح رہے کہ عرب میں کارواں راتوں ہی کو سفر کرتے تھے۔ لہٰذا اسے ہر کسی نے دیکھا ہوگا۔ اور محمدؐ سب لوگوں پر تو جادُو نہیں چلا سکتے۔ بس کچھ لوگ سفر سے واپس آئے اور تصدیق کی کہ ہم نے چاند کو شق ہوتے ہوئے دیکھا۔ صحابہ میں حضرت عبداللہؓ ابن مسعود۔ حضرت حذیفہؓ اور حضرت جبیرؓ ابن مطعم اس کے عینی شاہد ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ قسم اللہ کی میں نے چاند کو دو ٹکڑوں میں پھٹا ہوا دیکھا۔ کوہِ حرا ان دونوں کے درمیان تھا۔

قرآن مجید میں سورۂ قمر کی ابتدائی آیات میں اس جانب اشارہ ہے:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝

"قیامت کی گھڑی قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا (مگر ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ) یہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں، مُنہ موڑ جاتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو چلتا ہوا جادُو ہے۔"

قرآن نے اسے ایک نشانِ صداقت قرار دیا ہے۔ کفارِ مکہ نے اسے جادُو قرار دیا۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے مُعجزات کی فرعون اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی کفار بنی اسرائیل نے جادُو کہہ کر تکذیب کی تھی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ شق القمر کا مُعجزہ ۵ نبوت میں ہوا۔ علماء کا خیال ہے کہ یہ مُعجزہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے آپ کے سوا کسی اور نبی کو یہ معجزہ عطا نہیں کیا گیا۔ بلکہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے معجزۂ فلق بحر (دریائے نیل کا پھٹ جانا) اور حضرت سُلیمان علیہ السّلام کے مُعجزۂ تسخیرِ ہَوا سے بھی بزرگ تر ہے۔ نیز یہ مُعجزہ نصِ قرآن اور احادیثِ مُتواترہ سے ثابت ہے۔[۴۴]

میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

چاند کے پھٹنے کا مشاہدہ دنیا کے دوسرے حصّوں میں بھی تاریخ سے ثابت ہے۔ تاریخ فرشتہ (تصنیف ۱۰۱۵ھ مصنف محمد قاسم فرشتہ) میں بحوالہ کتاب تحفۃ المجاہدین" لکھا ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت عرب سے قدم گاہِ حضرت آدم علیہ السّلام کی زیارت کے لیے سراندیپ (سری لنکا) کو آتے ہوئے ساحلِ ملابار (ہند) پر اُتری۔ ان بزرگوں کی وہاں کے راجہ سامری سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے حضورؐ کے مُعجزات اور خصوصاً شق القمر کا ذِکر کیا۔ راجہ نے اپنے مُنجموں کو حکم دیا کہ پُرانے رجسٹروں کی جانچ پڑتال کریں۔ ان کے پاس لکھا نکلا کہ فلاں تاریخ کو چاند دو ٹکڑے ہوگیا اور پھر مل گیا۔ اس تحقیق کے بعد راجہ نے اسلام قبول کرلیا۔

سرزمینِ ہند کے بعض شہروں میں اس کی تاریخ محفوظ کی گئی اور ایک عمارت تعمیر کرکے اس کی تاریخ شب انشقاقِ قمر کے نام سے مقرّر کی گئی۔[۴۵]

قرآن کی اہم پیش گوئی ـ غلبۂ روم

اسی سال کسرائے ایران "خسرو پرویز" نے عیسائی حکمراں قیصر روم "ہرقل" کو پے در پے شکست دی۔ یہاں تک کہ شام، مصر، ایشیائے کوچک کے سب مقامات اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔ بالآخر ۶۱۴ء میں بیت المقدس پر قبضہ کرکے ۹۰ ہزار عیسائیوں کو تہ تیغ کر دیا اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس فتح پر مکہ کے مشرکین بے حد خوش تھے کہ مجوسی آتش پرست اور ہم بت پرست ہیں۔ وہ کامیاب ہوئے تو ہم بھی غالب آئیں گے انھوں نے مسلمانوں سے کہا کہ رومی تمہاری طرح اہل کتاب ہیں اور فارس والے ہماری طرح "بے کتاب" ہیں۔ جس طرح ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب آگئے۔ اسی طرح ہم بھی تم پر غلبہ حاصل کریں گے۔ مسلمانوں کو اس واقعہ کا بے حد رنج ہوا۔ نیز حبشہ میں نجاشی کی حکمرانی تھی پھر وہ عیسائی مملکت تھی جہاں مسلمان پناہ گزیں تھے۔ اس طرح مسلمانوں کو اس خبر سے فطری طور پر تکلیف ہوئی۔ حالات ایسے تھے کہ رومیوں کے پھر سے ابھرنے کے امکانات ختم ہوگئے تھے۔ ان حالات میں سورۂ روم کا نزول ہوا۔ اس میں بظاہر خلاف قیاس و گمان پیش گوئی فرمائی گئی۔ ارشاد ہوا۔

الٓمٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

"مغلوب ہو گئے رومی پاس والے ملک میں اور اس کے بعد عنقریب چند ہی سال بعد غالب ہو جائیں گے۔ حکم تو اللہ ہی کا ہے پہلے بھی اور پیچھے بھی اور اس روز مومنین بھی اللہ کی نصرت سے شاداں ہوں گے۔ اللہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ وہی تو غلبہ و قدرت والا ہے اور وہی رحم کرنے والا ہے

گنبدِ نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا

ان آیات کو حضرت ابو بکرؓ نے مجمع قریش میں پڑھا۔ کفار نے خوب مذاق اڑایا۔ اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ اُبی بن خلف نے حضرت ابو بکرؓ سے شرط بدی کہ اگر تین سال میں رومی غالب آگئے تو میں دس اونٹ دوں گا ورنہ تم دو گے۔ مخبر صادقؐ کو جب اس کا علم ہوا تو فرمایا اس سورہ میں فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ کے الفاظ آئے ہیں جس کا اطلاق تین سال سے

لے کر ۹ سال تک ہوتا ہے فرمایا بہتر ہے تم اونٹوں کی تعداد بڑھا کر سو کر دو اور مُدّت ۹ سال کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ معاہدہ پر گواہوں کے دستخط ہوئے۔ اس وقت اسلام میں شرطوں پر پابندی کا حکم نہیں آیا تھا۔

تاریخ زوالِ روما میں انگریز مورخ ایڈورڈ گبن لکھتا ہے۔ قرآن مجید کی اس پیشین گوئی کے بعد بھی سات آٹھ سال تک حالات ایسے تھے کہ کوئی رُومیوں کے ایران پر غالب آنے کا تصوّر تک نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ سلطنت ہی ڈانوا ڈول ہو رہی تھی۔ قیصر اپنے پایۂ تخت قسطنطنیہ کو چھوڑ کر بحرِ اَسود کے راستے طرابزون چلا گیا اور جوابی حملے کی تیاری کرنے لگا۔ قیصر نے لارڈ پادری سرجیس سے مدد مانگی۔ اب یہ جنگ مسیحیت اور مجوُسیت کی تھی۔ کلیسا کے نذرانوں کی دولت سے فوجی اسلحہ خرید اگیا اور ہرقل نے ۶۲۳ء میں ارمینیا سے حملوں کی ابتدا کی۔ ۶۲۴ء میں پیغمبر ایران زرتُشت کے مولد ارُمیاہ کو تباہ کر کے سب سے بڑے آتش کدے کو تہس نہس کر دیا۔ یہ وہی سال تھا جب حق و باطل کا پہلا معرکہ بدر کے میدان میں ہوا۔ اور سورۂ روم کی بشارت کے بموجب اسی روز نصرت الٰہی سے اہلِ ایمان نے بھی مشرکوں پر فتح حاصل کی۔

یہ قرآن عظیم کا اعجاز ہے کہ ایک سطر کی عبارت میں چار قوموں (عیسائی، مجوسی، مسلمان، اور مشرک) چار ملکوں (روم، ایران، کفار کا ملک مکّہ اور مسلمانوں کا ملک مدینہ) دو عظیم الشان سلطنتوں (دولتِ کسریٰ اور سلطنتِ روم) کے متعلق سَن و سال کے ساتھ پیشین گوئی فرماتا ہے جو اس کے کلام اللہ ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

اُبی ابن خلف تو جنگِ بدر میں قتل ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس کے ضامنوں سے سَو اونٹ حاصل کئے اور حضور اکرمؐ کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ فرمایا ان کو صدقہ کر دو۔[۲۲۶]

آنکھ وقفِ دید تھی لب مائلِ گفتار تھے۔ ایاسؓ بن معاذ

اوس و خزرج کے خونریز معرکہ معبس اور مفرس میں قبیلۂ اوس نے خزرج سے شکست کھائی۔ اوس نے مکّہ ایک وفد بھیجا تاکہ قریش سے حلیفانہ رَوابط قائم کریں۔ اس طرح ضرورت پڑے ان سے مدد لی جا سکے۔ اس وفد کا امیر ابو الحیسر انس بن رافع تھا۔ جو اپنی قوم بنی عبد الاشہل کے چند نوجوانوں کے ساتھ آیا تھا۔ جس میں ایاس بن معاذ بھی شامل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ان کے ٹھکانے پر پہنچے فرمایا جس بات کے لئے تم آئے ہو کیا اس سے بہتر کسی چیز کی خواہش ہے؟ وہ بولے وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا۔

"میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے مجھے بندوں کی جانب بھیجا ہے تاکہ اس امر کی جانب بُلاؤں۔ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اس نے مجھ پر کتاب بھی اتاری ہے۔"

پھر آپؐ نے کلامِ الٰہی تلاوت کی۔ ان میں سے کم سن ایاس بن معاذ نے کہا۔ اے میری قوم تم جس غرض سے آئے ہو یہ دعوت اس سے بدرجہا بہتر ہے۔ یہ سُن کر امیرِ وفد نے مٹھی بھر کنکریاں اُٹھا کر ان کے منہ پر دے ماریں اور کہا۔ چُپ رہ، ہم اس غرض کے سوا کسی اور غرض سے آئے ہیں۔ ہم تو قریش کو اپنا حلیف بنانا چاہتے ہیں اور تم ان سے دشمنی مول لینے کا مشورہ دے رہے ہو۔ ایاس خاموش ہو گئے۔ لیکن ان کا دل خشیتِ الٰہی اور نورِ قرآن سے معمُور ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ سُن کر ان کی مجلس سے اُٹھ کر چلے آئے۔ وفد ناکام یثرب لوٹا۔ اس کے بعد جنگِ بعاث چھڑی۔ چند دنوں بعد ایاس بن معاذ نے انتقال کیا۔ آخری وقت میں ان کی زبان پر اللہ کی حمد و ثنا جاری تھی۔ اور وہ ایک مسلمان کی موت تھی۔ [۱۴۷]

پہلی کرن ــــ سویدؓ بن صامت

اہلِ یثرب میں نورِ نبوّت سے منوّر ہونے والوں میں پہلا نام سوید بن صامت کا مِلتا ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِّ امجد عبدالمطلب کے خالہ زاد بھائی تھے۔ ان کی والدہ لیلیٰ، عمرو کی بیٹی تھیں۔ ان کی بہن سلمیٰ بن عمرو النجاریہ، عبدالمطلب بن ہاشم کی والدہ تھیں۔ سُویدؓ بن صامت قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے ایک مُمتاز شخص تھے۔ جو قبیلہ اوس کی ایک شاخ تھی۔

انھیں اہلِ یثرب "کامل" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ یثرب میں کامِل کا لقب وہ پاتا تھا جو شرافت، نجابت، شجاعت، تیراندازی، پیراکی کے ساتھ لکھنے پڑھنے اور شاعری میں بھی مہارت رکھتا ہو۔ یثربی قبائل کعبہ کی زیارت کے لئے ایامِ حج اور حُرمت والے مہینوں میں مکہ آیا کرتے تھے۔ جنگِ بعاث سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شعب ابی طالب میں نظر بند ہونے سے پہلے وہ زیارتِ کعبہ کے لئے آئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آمد کا عِلم ہوا۔ آپ ان کے پڑاؤ پر تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی۔

سُوید نے کہا شاید آپ کے پاس بھی کچھ ایسی ہی چیز ہے جو میرے پاس ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ تمہارے پاس کیا ہے؟ کہا "صحیفۂ لقمان"۔ اِرشاد ہوا۔ اس میں سے کچھ سُناؤ۔ سُوید نے عُمدہ اشعار سُنائے جس میں حکمتِ لُقمان کے مضامین تھے۔ ارشاد ہوا۔ بہت عمدہ کلام ہے۔ مگر یہ عقل کی باتیں ہیں۔ میرے پاس اس سے افضل و اَرفع چیز ہے۔ یہ قرآنِ حکیم ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے نور اور ہدایت کے لئے نازل فرمایا ہے۔ زبانِ وحی ترجمان سے قرآن سُن کر ان کا دل اس کی طرف مائل ہوگیا۔ بقول ابن ہشام "وہ اسلام سے دُور نہیں رہا" طبری کا بیان ہے کہ اس نے دعوتِ اسلام پر انکار نہیں کیا۔ بلکہ کہا بے شک یہ خوب کلام ہے۔ مکّہ سے واپس یثرب گیا تو قبیلہ خزرج کے کسی شخص نے اسے قتل کردیا۔ بلاذری نے "انساب الاشراف" میں لکھا ہے کہ جنگِ بعاث کی وجہ ان ہی کا قتل تھا۔ بنی عمرو بن عوف کا گمان ہے کہ وہ مسلمان مَرا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ پہلا یثربی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متاثر ہوا۔[۱۴۸]

جنگِ بُعاث ــــ اوس و خزرج کا خوں ریز معرکہ

یمن کا عظیم سَیلاب عرم جو ۴۵۱ء میں آیا تھا اس سے قوم سبا متاثر ہوئی۔ ان میں عمرو بن عامر اپنے کُنبے کے ساتھ عرب کے شمالی حصہ میں مُنتقل ہوگیا۔ اس کے ایک بیٹے جفنہ کی اولاد نے شام میں غسّان کے نام سے شہرت پائی۔ دوسرا بیٹا حارثہ تہامہ کے علاقہ میں سکونت پذیر ہوا۔ اس کی اولاد خزاعہ کا نام پائی۔ تیسرے بیٹے ثعلبہ کی اولاد میں حارثہ ہوا۔ جس کی بیوی کا نام قیلہ تھا اس کے بطن سے دو بیٹے اوس اور خزرج ہوئے جنھوں نے یثرب کو آباد کیا۔ ان ہی سے بنی اوس اور بنی خزرج ہیں۔

نبوّت کا آٹھواں سال تھا کہ یثرب جس کی قسمت میں مدینۃُ النّبی بننا تھا۔ ایک خُونریز خانہ جنگی سے دوچار ہوا۔ یہ جنگ بعاث ان کی آخری مشہور جنگ ہے جس میں بڑی تباہی ہوئی۔ دونوں قبائل کے کس بَل نکل گئے۔ ان کے رؤسا اور سردار مارے گئے۔ اس لڑائی میں یہودی قبائل بنی قُریظہ اور بنی نُضیر نے قبیلۂ اوس سے عہدو پیمان کیا۔ قبیلہ خزرج کو معلوم ہوا تو انھوں نے بھی تیاری شروع کردی اور اپنے حلیفوں کو بھی آمادہ پیکار کیا۔ بعاث نامی مقام بنی قریظہ کے علاقہ میں تھا اور یہیں بڑی خونریز لڑائی ہوئی۔ پہلے تو دونوں قبائل بڑی پامردی سے لڑے۔ اوس کے سپہ سالار حضیر الکتائب کے قتل ہونے کے بعد اوس نے ہمّت ہاردی۔

اس جنگ میں عبداللہ ابن ابی سلول (رئیسُ المنافقین) غیر جانبدار رہا۔ خزرج کا عمرو بن نعمان ایک تیر سے لقمۂ اجل بنا تو اس قبیلہ کے قدم ڈگمگائے۔ موقع دیکھ کر اوس نے انھیں موت کے گھاٹ اُتارنا شروع کر دیا۔ ان کے باغات کو آگ لگادی۔ سعد بن معاذ کی وجہ سے بنوسلمہ آفتوں سے محفوظ رہے۔ لڑائی کے دوران یہودی قبائل بنی قریظہ اور بنی نُضیر خُفیہ تدبیروں سے جنگ کی آگ کو ہوا دیتے رہے۔ یثرب میں ان کا بڑا زور تھا۔ شام تک اہم مقامات پر ان کے کوئی بیس اکیس قبیلے آباد تھے۔ تجارت پر مکمل قبضہ تھا۔ اوس و خزرج ان سے اس درجہ متاثر تھے کہ کسی کو اولادِ نرینہ نہ ہوتی تو منّت مانگتے کہ اگر لڑکا ہوگا تو اسے یہودی بنادیں گے۔ وہ اکثر کہا کرتے "عنقریب ایک نبی آنے والا ہے اور اس کے ظہور کا وقت قریب ہے ہم اس کی پیروی کریں گے اور اس کے ساتھ مل کر تمہیں ہلاک کر دیں گے۔ جس طرح عاد و ارم ہلاک ہوئے تھے۔" اس جنگ کی ہولناکیوں کے بعد قبائل نے صلح کرلی۔ اور خزرج کی شاخ بنی عوف کے سردار عبداللہ ابن ابی بن سلول کو اپنا بادشاہ بنانا منظور کرلیا۔

اس کے لئے تاجِ شاہی بھی تیار کیا گیا۔ جشنِ تاجپوشی کی تیاریاں ہو ہی رہی تھیں کہ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے بیعتِ عقبہ میں ان دو قبائل کو اللہ کے رسول کے دامن سے وابستہ کردیا۔ اسی لئے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدّیقہؓ فرماتی ہیں "جنگ بعاث کو خدا نے اپنے رسول کے لئے کرایا تھا۔" چنانچہ رسول اکرمؐ آئے تو انصار کے مُعزّزین متفرق تھے۔ اور ان کے رؤسا قتل ہو چکے تھے۔ اوس و خزرج بہت خستہ اور نزار ہو گئے تھے۔ اسی لئے یہ دن اللہ نے اپنے رسولؐ پر ان کے ایمان لانے کے لئے بھیجا تھا۔ ایمان لا کر وہ انصار کے نام سے تاریخ میں معزّز ہوئے۔ عبداللہ ابن اُبی بن سلول کی بادشاہت کے اِمکانات ختم ہوگئے۔ اس کے لئے یہ ایسا حسرتناک اور اذیّت انگیز صدمہ تھا کہ مرتے دم تک اسے بھلا نہ سکا۔ بقول ابن ہشام اسی حسرت نے نفاق کی صورت اختیار کرلی اور اس درجہ اس میں ترقی کی کہ وہ "رئیسُ المنافقین" بن گیا۔ [149]

نبوّت کا نواں سال

یہ نصف صدی کا قصہ ہے

بائیکاٹ جو غیر معینہ مدت کے لئے کیا گیا تھا، چند سالوں سے زیادہ برقرار نہ رہ سکا۔ مورخین عام طور پر یہ میعاد تین سال یعنی یکم محرم ۷ھ نبوت سے اختتام ۹ھ نبوت بتاتے ہیں۔ عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطیؒ نے دو برس چار ماہ کی مدت لکھی ہے [۱]۔ اس دورِ ابتلاء و آزمائش کی تلخیاں حضور اکرمؐ زندگی بھر نہ بھول سکے۔ اہلِ ایمان جو شعب میں نظر بند تھے وہ تو معلمِ کتاب و حکمت کی تربیت کے شاہکار اور تسلیم و رضا کے خوگر تھے۔ لیکن یہ بات بھی معجزہ سے کم نہیں کہ بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے کافر قرابت دار ان صعوبتوں کو کس طرح جھیل گئے۔ اس کا ایک جواب جہاں قبیلوی حمیت اور عصبیت ہے وہیں یہ ذاتِ اقدسؐ کا فیضانِ خاص تھا۔ یہ وہ ہستی تھی جس کے پاکیزہ اخلاق، بلند کردار اور صداقت کی شمع ان کے درمیان نصف صدی سے روشن تھی۔ آبائی عصبیتوں کی بناء پر وہ ان کے پیغام کو واجب التعمیل تو نہ سمجھتے ہوں لیکن پیغامبر کو واجب التعظیم ضرور خیال کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان روح فرسا، جانگسل اور نازک لمحات میں بھی اعلیٰ انسانی اقدار کا مظاہرہ کرتے ہوئے انھوں نے "متاعِ ہاشمی" کو دل و جان سے لگائے رکھا۔ ان کے لئے سینہ سپر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے صلہ میں ان میں سے اکثر کو دولتِ ایمان اور ہدایتِ حق سے مالا مال فرمایا۔

کافر ہاشمیوں کی استقامت سے ایک اور نقطۂ نظر بھی سامنے آتا ہے۔ وہ ہے اعلیٰ اقدار کی خاطر ہر طرح کی قربانی دینا، یہ صفت عربوں میں بدرجۂ اتم موجود تھی۔ جانی دشمن ایک بار ان کی پناہ میں آجاتا تو کوئی اس کا بال بھی بیکا نہ کرسکتا۔ مہمان

گھر آتا تو اس کی خاطر و مدارات کے لیئے سواری کا واحد گھوڑا بھی ذبح کرنے سے دریغ نہ کرتے۔

حضورِ اکرمؐ کا ارشاد ہے "کوئی شخص بھی خواہ مسلم ہو یا کافر جب نیکی کا کوئی کام کرے گا تو اس کا صلہ دیا جائے گا۔" صحابہ نے پوچھا۔ یا رسول اللہ! کافر کو ثواب کیوں کر مل سکتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ جب وہ عطا و بخشش یا صلۂ رحمی یا کوئی اور نیک کام کرتا ہے تو دنیا میں اللہ تعالیٰ اسے مال و منال اور اولاد کی صورت میں اس کا صلہ عطا فرماتا ہے اور آخرت میں اس کے عذاب میں تخفیف کر دیتا ہے۔"

فقط نامِ خدا باقی ہے اس تحریرِ فانی میں

محصوری و نظربندی کا تیسرا سال تھا کہ رسول اللہؐ نے ابو طالب کو بتایا کہ اے چچا! اللہ نے دیمک کو نوشتۂ قریش پر غالب کر دیا۔ اس نے جتنے اللہ کے نام تھے چھوڑ دیئے اور جتنی ظلم، زیادتی اور رشتے توڑنے کی باتیں تھیں اس میں سے سب نکال ڈالیں۔ پوچھا کیا اللہ نے تم کو اس کی اطلاع دی ہے۔ فرمایا۔ ہاں۔ ابو طالب نے یہ سُن کر کہا۔ پھر تو تم پر کوئی فتح حاصل نہیں کر سکتا۔

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

اکثر کفار کو ظالمانہ عہدنامہ کے محرّر منصور بن اکرمہ کے سوکھے ہاتھ دیکھ کر جبر، ظلم اور زیادتی کا احساس ہوا اور کچھ شریف النفس قریشیوں کے ضمیر جاگ اُٹھے۔ اس میں عامر بن لوی کے خاندان کا ہشام بن عمرو بن حارث کا کردار اہم ہے۔ اس کی بنی ہاشم سے رشتہ داری یوں تھی کہ وہ فضلہ بن ہاشم بن عبد مناف کا اخیافی بھائی تھا۔ اسی لیئے صِلۂ رحمی کے طور پر چوری چھُپے اونٹ پر غلّہ لاد کر شعب میں ہانک دیتا۔ ایک دن وہ عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے بنی مخزوم کے رئیس زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ کے پاس گیا اور کہا۔ زہیر کیا تمہیں یہ بات گوارا ہے کہ تم کھاؤ، پیو، آزادی سے پھرو، شادی بیاہ کرو اور تمہارے ننھیالی رشتہ دار ہر راحت سے محروم رہیں۔ اگر ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) کے عزیزوں سے ایسا سلوک کیا جاتا تو وہ کبھی نہ مانتا۔ زہیر نے کہا کچھ کرنے کو میرا جی بھی چاہتا ہے مگر اکیلا ہوں۔ کوئی ساتھ دیتا تو فسخِ معاہدہ کے لیئے اٹھ کھڑا ہوتا۔ کہا دوسرا آدمی تمہارے سامنے موجود ہے۔ زہیر نے کہا چلو تیسرے کو تلاش کرو۔ ہشام مطعم بن عدی بن نوفل سے ملا۔ پوچھا۔ کیا تم

عبدِ مناف کے دو خاندانوں کا ہلاک ہونا پسند کرتے ہو؟ کہا میں تنہا ان کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟ ہشام نے کہا میں نے دوسرے کو تلاش کر لیا۔ مطعم نے کہا اب چوتھا بھی بہم پہنچاؤ۔ ہشام سیدھا ابوالبختری کے پاس پہنچا اور اسے بھی راضی کر لیا۔ مطعم نے کہا پانچواں ساتھی مل جائے تو کام آسان ہو جائے گا۔ ہشام کو زمعہ کا خیال آیا۔ سوال و جواب کے بعد اس نے بھی حامی بھر لی۔

یہ پانچوں سردارِ مکہ کے بالائی حصہ حجوں میں جمع ہوئے۔ عملی جامہ پہنانے پر غور ہوا۔ دوسرے دن جب قریش حرمِ کعبہ میں اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھ گئے تو زہیر ابن اُمیہ قیمتی حلّہ پہن کر آیا۔ اور کعبۃ اللہ کا سات بار طواف کیا۔ پھر ان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ اے اہل مکہ! کیا یہ انصاف ہے کہ تم تو مزے سے کھاؤ، شرابیں پیو، عیش کرو، آزادی سے گھومو، تجارت کرو اور بنی ہاشم کو لین دین سے روک دیا جائے تاکہ تباہ ہو جائیں۔ میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ پھاڑ نہ دیا جائے۔ یہ سُننا تھا کہ ابوجہل پکار اٹھا تو جھوٹا ہے۔ اس معاہدہ کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ زمعہ بن اسود اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ یہ ضرور پھاڑا جائے گا۔ جس وقت یہ سفاکانہ عہد نامہ لکھا گیا ہم اس وقت بھی راضی نہ تھے۔ ابوالبختری نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ زمعہ ٹھیک کہتا ہے۔ ان شرائط کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔ اب مطعم بن عدی گویا ہوا۔ تم دونوں سچ کہتے ہو۔ ہم اس معاہدہ کے پابند نہیں۔ ہشام بن عمرو نے بھی برأت کا اعلان کیا۔ ابوجہل چلایا۔ یہ ایک سازش ہے جو تم نے مل کر کی ہے۔ آپس میں جھگڑا ہونے لگا اور وہ ایک دوسرے سے ٹوٹنے لگے۔ ﴿۱۵۱﴾

آئینہ دیکھ اپنا سا مُنہ لے کے رہ گئے

ہنگامہ برپا ہی تھا کہ ابوطالب حرم میں داخل ہوئے۔ قریش کو مخاطب کر کے کہا۔ ایک تجویز تمہارے غور کرنے کے لئے پیش کرتا ہوں۔ سردارانِ قریش نے بنی ہاشم کے سردار کا خیر مقدم کرتے ہوئے جواب دیا۔ ہمارے پاس بھی ایک خوشخبری ہے۔ ابوطالب بولے۔ مجھے میرے بھتیجے نے خبر دی ہے اور خدا کی قسم اس نے آج تک کوئی بات غلط نہیں کہی ہے۔ آؤ اسی بات پر فیصلہ کر لیں۔ وہ کہتا ہے اس عہد نامے میں سوائے اللہ کے نام کے ساری تحریر دیمک کھا گئی۔ اب تم صحیفۂ عہد منگواؤ۔ اگر بات درست نکلی تو تم ظالمانہ عہد اور قطع رحمی سے باز آؤ۔ اس کے برخلاف ہو تو میں محمدؐ کو تمہارے حوالے کرنے کو

تیار ہوں۔ چاہو تو قتل کرنا یا زندہ رکھنا۔ سب نے کہا بے شک تم نے انصاف کی بات کی ہے۔ کعبہ کی چھت سے معاہدہ نکال کر کھولا گیا تو سوائے "باسمک اللّٰھم" کچھ اور باقی نہ تھا۔ کفارانِ قریش حیرت اور ندامت سے ایک دوسرے کے مُنہ دیکھنے لگے۔ ابو جہل پر سکتہ طاری ہوگیا۔ مطعم بن عدی نے اٹھ کر عہد نامہ کو پارہ پارہ کردیا۔

ابو طالب نے بیت اللہ کا غلاف پکڑ کر دُعا کی: "اے اللہ ہماری ان لوگوں کے خلاف مدد فرما جنھوں نے ہم پر ظلم کیا اور ہماری رشتہ داریوں کو قطع کیا۔" بعد ازاں یہ شعر پڑھا اور شعب کی طرف چلے گئے۔

"کیا تم کو خبر نہیں کہ وہ عہد نامہ چاک کیا گیا اور جو چیز اللہ کے نزدیک ناپسند ہوتی ہے وہ اسی طرح سے خراب اور برباد ہو جاتی ہے۔"

وہ پانچوں سردار ہتھیار باندھ کر اور اپنے ساتھیوں کو اسلحہ سے لیس کر کے شعب گئے اور محصورین سے درخواست کی کہ اپنے اپنے گھروں میں جاکر آباد ہوں۔ یہ نبوت کے نویں سال کے آخری دن یا دسویں سال کے ابتدائی ایام تھے۔ ابوطالب نے ان پانچ نیک سرشت سرداروں کی مدح میں قصیدہ لکھا۔

شعب سے نکلنے سے کچھ دن قبل حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی ولادت ہوئی۔ ان کی والدہ ام الفضلؓ تھیں جو ابتدائی ایمان لانے والی صحابیات میں سے ہیں۔ اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ ان کی بہن تھیں۔ ایک بار حضورؐ نے حضرت عبداللہؓ کو گلے لگایا اور دُعا فرمائی۔ اے اللہ! اسے کتاب و حکمت کا علم دے۔ اس دُعا کی برکت سے وہ امام المفسرین بنے۔ وفاتِ نبوی کے وقت ۱۳ سال کے تھے۔ یہی بنی عباس کے جدِ اعلیٰ ہیں۔ ۱۵۲

ہوا ہے گو تُند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں بھی اپنے قبیلہ ہی میں تبلیغ و دعوت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ خفیہ طریقے سے اور علانیہ بھی۔ وحی کا بھی برابر نزول ہوتا رہا۔ قرآن مجید کی جو سُورتیں اور آیتیں نازل ہوتیں وہ مسلمانوں کو سکھا دی جاتیں۔ اس معاشرتی مقاطعہ کے دَوران چونکہ حضور اکرمؐ حُدودِ مکّہ میں داخل نہیں ہو سکتے تھے اس لئے مکّہ میں اسلام ترقی نہ کرسکا البتہ اطراف و جوانب کی بستیوں میں نکل جاتے اور وہاں صحرانشینوں، خانہ بدوشوں اور کاروانوں کو دعوتِ اسلام دیتے۔ عکاظ، مجنہ، ذوالمجاز کے میلوں میں

لوگوں کو پیغامِ حق سُناتے۔ حج کے موقع پر مختلف قبائل سے ملاقات کر کے انھیں دعوتِ ایمان دیتے۔ ایسے میں ابولہب آپ کے پیچھے پیچھے ہوتا اور لوگوں سے کہتا۔ یہ شخص جھوٹا ہے۔ دین سے پھر کر صابی ہوگیا ہے۔

اس زمانہ میں داعیٔ حق صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عامر، بنی محارب، بنی حفصہ، بنی فزازہ، بنی غسّان، بنی کلب، بنی حارث، بنی کعب، بنی عزرہ، بنی مُرّہ، بنی حذیفہ، بنی سلیم، بنی عبس، بنی نصر، بنی بکا، بنی کندہ اور بنی خزیمہ کے لوگوں سے ملاقاتیں فرمائیں۔ اور انھیں دعوتِ حق دی۔

محصوری کے ایام میں اللہ تعالیٰ نے وہ سُورتیں نازل فرمائیں جن میں ان تمام لوگوں کو دعوتِ اسلام دینے کا حکم دیا گیا جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں اتری۔ شعب سے باہر آنے کے بعد اہلِ کتاب میں بھی تبلیغ کے احکام نازل ہوئے۔

یہ بنی ہاشم کے لئے بڑا تکلیف دہ زمانہ تھا۔ مگر رسولِ اکرمؐ کارِ نبوّت کی انجام دہی میں بے خوف تھے۔ تبلیغ کا کام جاری تھا۔ کفّار روکنے سے ڈرتے تھے کیونکہ جانِ جواناں جری حضرت امیر حمزہؓ ہمیشہ آپ کے ساتھ ہوتے تھے نیز بنی ہاشم بھی ہر وقت مستعد اور مجتمع ہوتے تھے۔ ۱۵۳

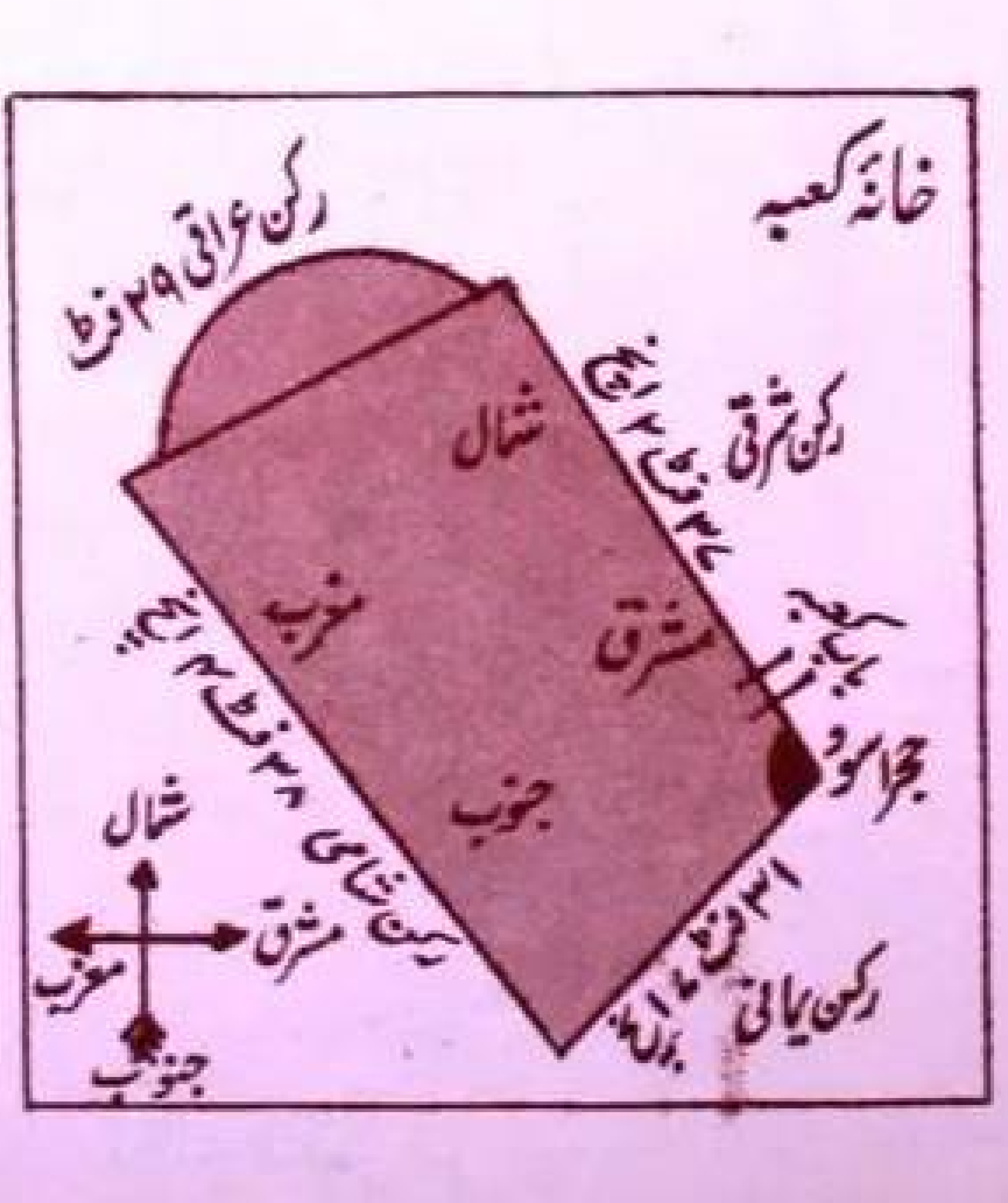

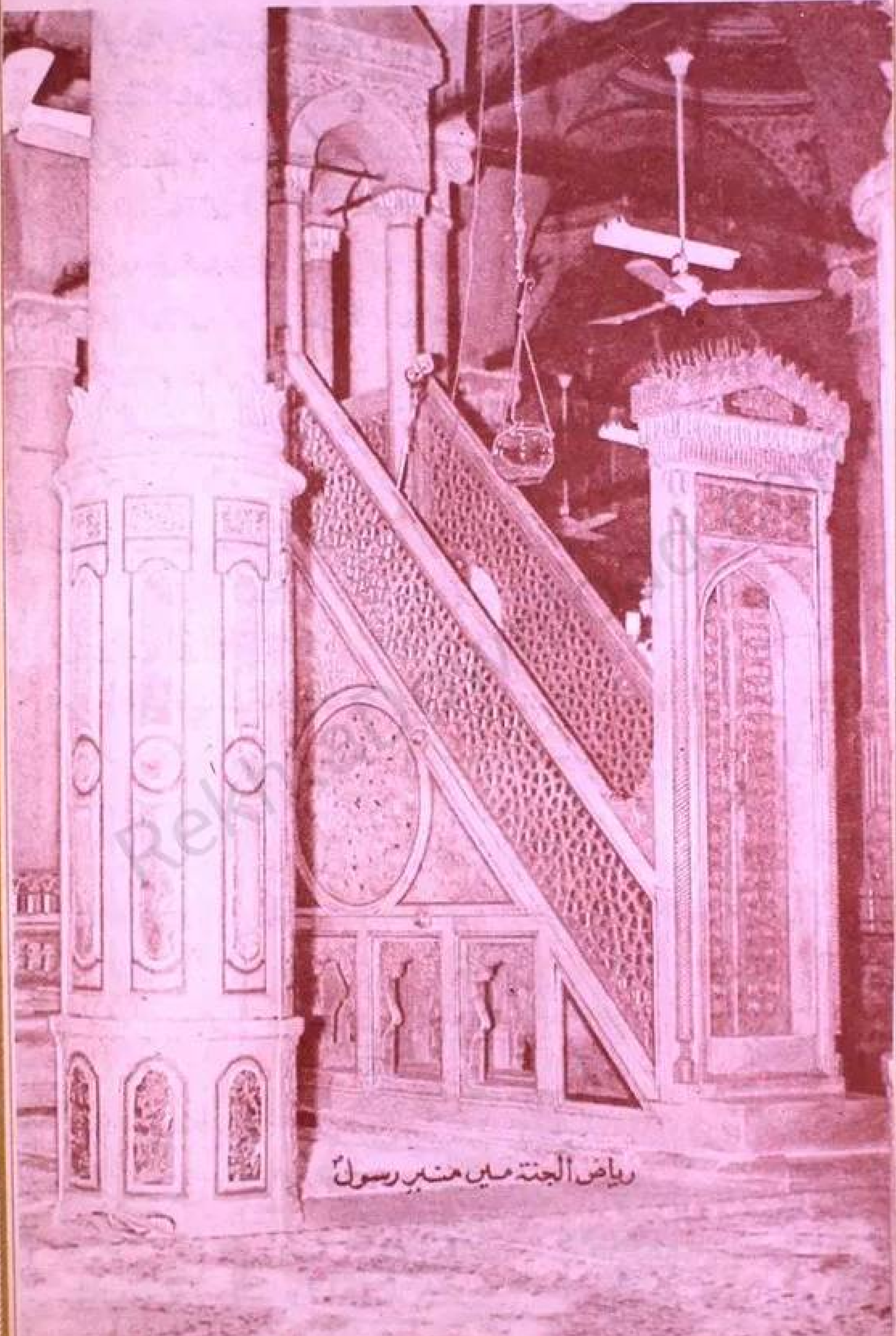
ریاض الجنۃ میں منبر رسولؐ

نبوّت کا دسواں سال

اِک اِک ساتھی چھوٹ گیا

شعب سے باہر نکلے ہوئے بمشکل چھ ماہ ہی ہوئے تھے کہ ابوطالب پر بیماری کا حملہ ہوا اور جان کے لالے پڑ گئے۔ قریش کے سرداروں نے سوچا کہ ابوطالب کی زندگی ہی میں کوئی تصفیہ کرلیں۔ ورنہ دنیا کہے گی چچا کی آنکھیں بند ہوئیں اور ہم شیر ہو گئے۔ مزاج پرسی کے بعد کہا۔ ابوطالب مرنے سے پہلے انصاف کرجاؤ۔ اپنے بھتیجے سے کہو وہ ہمارے دین کو کچھ نہ کہے۔ ہم بھی اس سے تعرض نہیں کریں گے۔ ابوطالب نے حضورؐ کو بلوایا اور کہا۔ بھتیجے! یہ شرفائے قوم تم سے معاہدہ کرنا چاہتے ہیں۔ خود بھی قول دے رہے ہیں اور تم سے بھی وعدہ چاہتے ہیں۔

فرمایا۔ چچا۔ میں ان سے صرف ایک قول چاہتا ہوں جس میں خیر و برکت ہے۔ اس کے ذریعہ وہ عرب کے فرمانروا بن جائیں گے۔ عجم ان کے زیرِ نگیں آجائے گا۔ ابوجہل نے کہا تمہارے باپ کی قسم یہ بات ہے تو ہم ایسے ایک نہیں دس قول دینے کو تیار ہیں۔

فرمایا۔ وہ قول ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

یہ سنتے ہی وہ غصہ سے تلملا اُٹھے اور ان کی زبان سے نکلا۔ اے محمدؐ! کیا تم بہت سے معبودوں کو ایک معبود بنانا چاہتے ہو۔ پھر آپس میں کہنے لگے۔ چلو اور ڈٹے رہو اپنے معبودوں کی عبادت پر۔

بخاری، مسلم اور نسائی میں ہے کہ جب ابوطالب مرنے لگے تو رسول اللہ آئے۔ اس وقت ابوجہل اور عبداللہ ابن اُمیہ بھی موجود تھے۔ فرمایا۔ اے چچا ایک مرتبہ لاالٰہ الاّ اللہ کہہ دو تاکہ اللہ کے سامنے آپ کی شفاعت کے لئے حجت ہو۔ یہ سن کر ابوجہل اور ابنِ اُمیہ نے کہا۔ اے ابوطالب کیا تم عبدالمطلب کی ملت چھوڑتے ہو؟ آخری کلمہ جو ان کی

زبان پر تھا "میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں" اس وقت ان کی عمر ۸۰ سال سے کچھ زیادہ تھی۔

مرنے سے پہلے اپنے اہل قبیلہ کو وصیت کی کہ محمدؐ کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا۔ وہ قریش میں امین اور تمام عرب میں صادق ترین انسان ہیں۔ وہ تمام خوبیوں کے جامع ہیں۔ اپنی اولاد سے کہا تم ہمیشہ بخیر رہو گے جب تک محمدؐ کی بات سنتے رہو گے۔ ان کے حکم کی پیروی کرو گے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ چچا آپ انھیں تو نصیحت کر رہے ہیں اور خود ۔ کہا۔ وہ کلمہ کہہ بھی دیتا مگر قریش کہیں گے کہ ابو طالب موت سے ڈر گیا۔ فرمایا۔ میں آپ کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا جب تک مجھے منع نہ کر دیا جائے۔ ۱۵۴

امتحان پر امتحان ۔۔۔ عام الحزن

ابو طالب کا کفن ابھی میلا نہ ہوا تھا کہ تین دن اور دوسری روایت کے بموجب ۳۵ دن بعد رفیقِ حیات، مونس و غمگسار، حضرت خدیجہؓ نے بھی داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ یہ صدمہ بڑا ہی سخت تھا۔ وہ وفا کا پیکر، ایمان کا تخم، استقامت کی چٹان اور ایثار کا مجسمہ تھیں۔ ظلمت کدۂ دہر میں ان کا سینہ انوارِ الٰہی کا دوسرا تجلی گاہ تھا۔ حضرت جبریلؑ کی معرفت اللہ نے انھیں سلام کہلوایا تھا۔ جنت میں موتیوں کے ایک محل کی بشارت دی تھی۔ حضرت جبریلؑ بھی ان کو سلام کہلواتے تھے۔ ان کی یاد حضورؐ کے دل سے کبھی محو نہ ہوئی۔ اکثر یاد کیا کرتے اور ان کی بڑی تعریف فرماتے۔ ارشاد فرمایا کرتے۔ جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انھوں نے میری تصدیق کی۔ جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں۔ جب میرا کوئی مُعین نہ تھا تو انھوں نے میری مدد کی۔ ۲۵ برس تک وہی آپ کی مُشیر اور وزیر تھیں۔ آپ کی زندگی کے اضطرابی اور کشمکش کے دنوں میں وہی باعثِ تسکین تھیں۔ حضورؐ کی تمام اولاد بجز حضرت ابراہیمؑ (جو حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے تولّد ہوئے) ان ہی سے ہوئی۔ جب تک وہ حیات رہیں، حضورؐ نے دوسرا نکاح نہیں فرمایا۔ تاریخِ وفات ۱۱۔ رمضان سنہ ۱۰ نبوت ہے۔ بوقتِ انتقال عمر ۶۵ سال تھی۔ ان کی قبر میں حضورؐ خود اُترے اور انھیں حجون میں دفن فرمایا۔ اس وقت تک نمازِ جنازہ کا حکم نہیں آیا تھا۔

حضورؐ کا ارشاد تھا "خدیجہؓ اپنے زمانے کی جُملہ عورتوں میں سب سے بہتر ہے۔"

اس سال کو عام الحُزن یعنی غم کا سال قرار دیا گیا ہے۔ کسی سال کو کسی خاص واقعہ سے مخصوص کرنا بھی دنیا نے مسلمانوں سے سیکھا۔

اُمّ المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ

حضرت خدیجہؓ کی رحلت کے بعد کم سن بچیوں حضرت فاطمہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہ تھا۔ حضورؐ نہایت غمگین رہا کرتے تھے۔ آخر حضرت عثمانؓ ابن مظعون کی زوجہ حضرت خولہؓ بنت حکیم نے پہل کی۔ عرض کیا یارسول اللہ! آپ نکاح کرنا پسند فرمائیں تو کنواری بھی موجود ہے اور بیوہ بھی۔ ناکتخدا آپ کے محبوب شخص ابوبکرؓ کی بیٹی عائشہؓ اور بیوہ سودہؓ بنت زمعہ جو آپ پر ایمان لائی ہیں۔ فرمایا دونوں جگہ بات کرو۔ خولہؓ پہلے حضرت ابوبکرؓ کے گھر گئیں اور سلسلۂ جُنبانی کی۔ پھر حضرت سودہؓ کے پاس گئیں اور نکاح کا پیام دیا۔ باپ کی اجازت سے شوال سنہ۱۰ نبوت میں حضرت سودہؓ نے ام المومنین بننے کا شرف حاصل کیا۔ نکاح کے وقت عمر تقریباً ۵۰ سال تھی۔ چار سو درہم مہر قرار پایا۔ حضورؐ اکرم ان کے گھر گئے تو ان کے والد نے نکاح پڑھایا۔ ان کی ماں کا نام سموس بنت قیس تھا۔

حضرت سودہؓ قبیلہ عامر بن لوی سے تھیں۔ جس کا سلسلہ مدینہ کے خاندان بنو نجار سے ملتا ہے۔ جہاں حضورؐ کے پردادا ہاشم نے شادی کی تھی، قدیم الاسلام تھیں۔ ان کے پہلے شوہر کا نام حضرت سکرانؓ بن عمرو تھا۔ ان کے ساتھ حبشہ جانے والی دوسری جماعت کے ساتھ ہجرت کی۔ وہاں کئی برس رہ کر مکہ آئیں۔ کچھ دنوں بعد حضرت سکرانؓ نے وفات پائی۔ ان سے ایک لڑکا عبدالرحمٰنؓ تھا جس نے جنگ جلولا (ایران) میں شہادت پائی۔

حضرت سودہؓ بلند و بالا اور فربہ اندام تھیں۔ ان ہی کی وجہ سے مدینہ میں پردے کے احکامات نازل ہوئے۔ بڑی سخی اور فیاض تھیں۔ لیکن مزاج کی تیز تھیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ "سودہؓ کے علاوہ کسی عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہیں ہوا کہ ان کے قالب میں میری روح ہوتی۔" کبر سنی کی بنا پر حضورؐ کی خوشنودی کے لئے اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو ہبہ کر دیا تھا حضرت سودہؓ کا انتقال حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری زمانہ میں سنہ۲۲ میں ہوا۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ

ع شرف میں بڑھ کے ثریّا سے مُشتِ خاک اس کی۔

حضرت ابوبکرؓ مَردوں میں آفتاب نبوت کی پہلی کرن کی ضیا پاشی سے منور ہوئے۔ اس نور کو قلبِ ابوبکرؓ اور اُمِ رومانؓ کی تطہیر کرتے چار برس گزرے تھے کہ وہ جنھیں ریشمی

کپڑے میں لپیٹ کر اللہ کے رسولؐ کو فرشتے نے بتایا تھا۔ خانۂ ابوبکرؓ میں سعادتوں، سرفرازیوں اور رفعتوں کے خمیر سے گندھ کر بی بی عائشہؓ کے پیکر میں نمودار ہوئیں۔ ذہانت، ذکاوت، جودتِ طبع تو قدرت نے عطا کی۔ باپ نے تربیت سے اس جوہر کو چمکایا۔

حضرت خولہ بنتِ حکیمؓ کے ذریعہ جب پیغامِ نکاح حضرت اُمِّ رومان کو پہنچا تو انھوں نے اپنے شوہر حضرت ابوبکرؓ سے ذکر کیا۔ کہا۔ عائشہ تو اُن کی (حضورؐ کی) بھتیجی ہے۔ کس طرح جائز ہوگی۔ حضرت خولہ نے حضورؐ سے دریافت کیا۔ فرمایا۔ ابوبکرؓ میرے دینی بھائی ہیں۔ اس لئے یہ نکاح جائز ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ سُن کر کچھ مُہلت مانگی۔ دراصل مطعم بن عدی کے بیٹے کے لئے حضرت عائشہ کو مانگا گیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے آج تک کسی سے وعدہ خلافی نہیں کی تھی۔ وہ سیدھے ان کے گھر گئے۔ دونوں میاں بیوی بیٹھے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے رشتہ کی بات چھیڑی تو مطعم کی بیوی نے کہا۔ اپنے لڑکے کی شادی تمہاری لڑکی سے کریں تو ہمیں اندیشہ ہے کہیں وہ بھی دین سے نہ پھر جائے۔ مطعم نے بھی یہی بات کہی۔ ابوبکرؓ نے یہ سُن کر کہا۔ اب بات ختم سمجھو۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ کا رشتہ قبول کرلیا۔

شوال سنہ نبوّت میں حضرت عائشہؓ سے نکاح ہوا۔ بعض کا خیال ہے کہ پہلے آپ سے عقد ہوا پھر حضرت سودہؓ سے۔ مہر پانچ سو درہم مقرر ہوا۔ محدثین نے بوقت نکاح عمر ۶ سال لکھی ہے۔ جس کے بارے میں بحثوں کا ایک دروازہ کھُل گیا ہے۔ رخصتی مدینہ منوّرہ میں ماہِ شوال سنہ ہجری میں عمل میں آئی۔ آپ کی والدہ کا نام زینب بنت عویمر اور کنیّت اُمِ رومان تھی۔ تعلق قبیلۂ غنم ابن مالک سے تھا۔ کم عمری میں معلّم کتاب وحکمت کے گھر چراغ خانہ بن کر اس مقام کی مکیں بنیں جو حدیثِ نبوی کے بموجب گوشۂ جنّت سے متّصل تھا۔ ۹ سال تک شب وروز فیضانِ نبوی کی بارشیں ہوتی رہیں۔ تعلیم وتربیت سے حضور اکرمؐ کی مسندِ ارشاد کے لئے تیار کیا گیا۔ جو اُمّت کے لئے عموماً اور خواتین کے لئے خصوصاً، ۴۸ سال تک مدینہ میں سجنے والی تھی۔

حضرت عائشہؓ جیسی ذہین خاتون کا آپؐ کی شریکِ حیات بننے سے منشائے ربّانی یہ تھا کہ وہ کمی جو رسول اللہ سے قریب ہونے میں عام خواتین کو مانع تھی اس ذاتِ مقدّس سے پوری ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ خواتین زیادہ تر اپنے مسائل آپ ہی کے توسط سے

اللہ کے رسولؐ کے گوش گزار کرتی تھیں۔ یا پھر وہ عورتوں کی نمائندہ بن کر مخصوص مسائل کے بارے میں کرید کرید کر سوالات کرتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی ذات سے اُمت کو ایک تہائی علمِ فقہ ملا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا۔ مَردوں میں بہت سے کامل گزرے لیکن عورتوں میں مریم بنت عمران (والدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام) آسیہ بنت مزاحم (زوجۂ فرعون) کے سوا اور کوئی کامل پیدا نہ ہوا۔ عائشہؓ کو ان عورتوں پر اسی طرح فضیلت ہے جس طرح ثرید کو کھانوں پر۔

۹ سال تک مدینہ کی رُوح پرور فضا میں مُعلّمِ کتاب وحکمت کی ذات سے ہمکنار رہیں تو پھر فکرونظر، علم وخبر اور قلب وجگر کو ایسی توانائیاں عطا ہوئیں کہ آفتابِ رسالتؐ کے غروب ہونے کے بعد ۴۷ سال تک علم وحکمت کا نور چار وانگِ عالم میں پھیلاتی رہیں۔ جامع ترمذی

میں ہے کہ اصحابِ محمدؐ کو کبھی کوئی مشکل مسئلہ پیش آیا تو صرف عائشہؓ کے پاس اس کا علم موجود پایا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ بڑے بڑے صحابہ آکر ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ آپ سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں۔

حضرت عائشہؓ کی فضیلتیں بے شمار ہیں۔ وہ خدا کے آخری نبیؐ کی محبوب اور چہیتی شریکِ حیات تھیں۔ علامہ ابن حزم نے الملل والنحل میں دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نہ صرف اہلِ بیت بلکہ صحابہ میں بھی آنحضرتؐ کے بعد سب سے افضل ہیں۔ علامہ ابنِ تیمیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابنِ قیم کے خیال میں فضائل مختلف الجہات ہیں۔ نسبی شرافت کے اعتبار سے حضرت فاطمۃ الزہراؓ سب سے افضل ہیں۔ اوّلیتِ ایمان اور اعانت و تسکینِ رسولؐ کی حیثیت میں حضرتِ خدیجۃ الکبریٰؓ سب پر مقدم ہیں۔ کمالاتِ علم، تبلیغِ دین اور حُبِّ رسولؐ کے لحاظ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ سرِ فہرست ہیں۔

خود ان کی زبانِ مُبارک سے سُنئے۔ فرماتی ہیں دس اوصاف سے مجھے دیگر ازواجِ مطہرات پر فوقیت حاصل ہے۔

۱۔ بجز میرے خدا کے آخری نبیؐ کی زوجیت میں کوئی اور باکرہ بیوی نہیں تھی۔

۲۔ مزید براں مجھے یہ بھی خصوصیت حاصل ہے کہ میرے ماں باپ دونوں مہاجر تھے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے میری برأت کی آیت نازل فرمائی۔

۴۔ حضرت جبریلؑ میری شکل میں آنحضرتؐ کے پاس آئے اور کہا عائشہؓ سے شادی کر لیجیے۔

۵۔ میں آپؐ کے سامنے ہوتی اور آپؐ نماز میں مصروف ہوتے۔

۶۔ بجز میرے کسی اور بیوی کے لحاف میں رسول اکرمؐ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔

۷۔ جب رسول اللہ کی رُوحِ مبارک نے عالمِ قدس کی جانب پرواز کی تو اس وقت آپؐ کے دہنِ مُبارک میں میرا لعاب اور آپؐ کا سرِ مُبارک میرے سینے پر تھا۔

۸۔ میں اور رسول اکرمؐ ایک ہی برتن میں غسل کرتے تھے۔

۹۔ جس شب کو میرے ہاں قیام کی باری تھی اسی رات اللہ کے رسولؐ نے رفیقِ اعلیٰ کی جانب رُخصتِ سفر باندھا۔

۱۰۔ میرا حُجرہ ہی اس آسمان کے نیچے قیامت تک کے لئے خدا کے آخری رسولؐ کی آرامگاہ ہے۔

یہ تو وہ فضیلتیں ہیں جو خود ان کی زبان سے ادا ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ بے شمار سعادتیں ہیں جو ان کے ذریعہ اُمّت کو ملیں۔ تیمّم کی سہولت حضرت عائشہؓ کی وجہ سے

ملی۔ حضرت جبریلؑ نے آپ کو دو بار سلام کیا اور جبریلؑ کو دو بار ہیئتِ اصلی میں دیکھا۔ اللہ کے رسولؐ نے انھیں اس بات کی خوشخبری دی کہ وہ جنت میں بھی ان کی زوجہ ہوں گی۔ وہ حسن، علم، ادب، خطابت، شائستگی، دین اور روحانیت کی اعلیٰ ترین صلاحیتوں کا مجموعۂ کمالات تھیں۔ حسنِ کردار کے اعتبار سے خواتین کے لئے "خاتونِ کامل" کا ایک قابلِ تقلید نمونہ ہیں۔

آپ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت اسماءؓ بنت ابو بکرؓ کے صاحبزادے یعنی بھانجے عبداللہ ابن زبیرؓ کے نام پر حضورؐ نے اُمِ عبداللہ کنیت رکھی۔ ۶۶ سال کی عمر میں ۱۷ رمضان ۵۷ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ مسلمانوں کے عام قبرستان جنت البقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں۔ ۱۵۵

درخورِ قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا

حضور اکرمؐ کے دو پشتیبان دنیا سے اٹھ گئے۔ شریکِ زندگی کی جدائی نے غم و اندوہ سے نڈھال کر دیا۔ اکثر اپنے گھر ہی پر رہتے۔ باہر نکلتے تو کفار ظلم و تشدد پر آمادہ رہتے۔ ذلیل حرکتوں پر اتر آتے۔ زیادتی کی موجیں سر سے گزر گئیں۔ اوباش کا جھنڈ پیچھے پیچھے آوازے کستا۔ راستے میں غلاظت اوپر ڈالی جاتی۔ راتوں میں گزرگاہ میں کانٹے بچھائے جاتے۔ گالیوں سے تواضع کی جاتی۔ عقبہ بن ابی معیط نے گلا گھونٹنے کی کوشش کی۔ سرِ اقدس پر خاک پھینکی جاتی۔ ایک بدبخت نے رُخِ انور پر تھوک دیا۔ ایک بار ابوجہل نے پتھر سے حضورؐ کو ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ کعبہ میں غول کا غول آپؐ پر ٹوٹ پڑا۔ دراز دستی کی حد کر دی۔ پڑوسی سخت تکلیفیں پہنچانے لگے۔ مکان میں اوجھڑیاں، غلاظت اور کوڑا پھینکتے۔ خصوصاً جب آپ حالتِ نماز میں ہوتے تو یہ شرارتیں اور زیادہ ہو جاتیں۔ آخر تنگ آ کر آپ نے گھر میں نماز کے لئے ایک حجرہ مختص کر لیا اور وہیں چھپ کر عبادت فرماتے۔ گھر سے نکلنا بند کر دیا۔

ان باتوں کی اطلاع جب بنی ہاشم کے نئے سربراہ ابولہب بن عبدالمطلب کے پاس پہنچی تو آپؐ کے پاس آیا اور کہا جو بھی کرنا چاہو کرتے رہو۔ ابو طالب کے حینِ حیات جو عمل تھا اسے جاری رکھو۔ مجھے لات کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں کوئی تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔ ابولہب کی حمایت کے بعد آپؐ گھر سے نکلے۔ ابن غیطلہ نے سرِ بازار آپ کو گالیاں دیں اور آپ کے ساتھ گستاخی سے پیش آیا۔ ابولہب کو خبر ہوئی تو اس کی آکر خبر لی۔ وہ شور مچانے لگا۔ لوگو! ابو عتبہ بھی آبائی دین سے پھر گیا۔ قریش جمع ہو گئے۔ ماجرا دریافت کیا۔ کہا

میں نے عبدالمطلب کا دین ترک نہیں کیا ہے لیکن بحیثیت سربراہ بنی ہاشم میں اپنے بھتیجے پر کوئی زیادتی برداشت نہیں کروں گا۔ سب نے کہا تو نے صلۂ رحمی کا حق ادا کیا۔ اب لوگوں نے حضورؐ کو ستانا چھوڑ دیا۔

یہ صورتِ حال دوسرے سرداروں کے لئے دل خوش کن نہیں تھی۔ انھوں نے نفرتوں کی آگ کو ہوا دی اور ایک نئی چال چلی۔ ابوجہل اور عقبہ ابن ابی معیط ایک بار سازش کر کے آئے۔ کہا ذرا اپنے بھتیجے سے پوچھو کہ تمہارا باپ مرنے کے بعد کہاں گیا؟ ابولہب نے سوال کیا۔ فرمایا۔ وہیں جہاں ان کی قوم جائے گی۔ اس نے آکر جواب سُنایا۔ دوستوں نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ تیرا باپ بھی جہنّم میں جائے گا۔ آکر پوچھا۔ کیا عبدالمطلب جہنّم میں داخل ہوں گے۔ فرمایا۔ ہاں، جو بھی اس مذہب و ملّت پر مرا وہ آگ میں داخل ہوگا۔ یہ سُنتے ہی ابولہب نے گرگٹ کی طرح رنگ بدل دیا اور قسم کھائی کہ اب ہمیشہ میں تمہارا دشمن رہوں گا۔ یوں اس کی حمایت سے جو چند دن امن و امان کے میسر آئے تھے وہ ختم ہوگئے۔ اب تو ابولہب بھی ایذا رسانی میں ان کا ہم نوا ہوگیا۔[۱۵۶]

طائف میں تبلیغ

ع۔ یہ کس کے شہر میں بھولے سے آگئے ہم لوگ۔

جب مکّہ کی زمین میں عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ تو حضور اکرمؐ عام انسانوں کی طرح مایوس نہیں ہوئے۔ منصبِ رسالت پر اِن حوادث کا کچھ اثر نہیں ہوا۔ تبلیغ کے لئے نیا میدان تلاش کرنے طائف کے سفر کا ارادہ فرمایا تاکہ بنی ثقیف سے مدد لیں اور وہ آپ کو قومِ قریش کے ظلم و ستم سے بچائیں۔ مکّہ میں جتنے سعید لوگ تھے اسلام لا چکے تھے۔ قریش میں اب بظاہر دعوتِ حق قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہی تھی۔ یہ بھی خیال آیا کہ شاید یہاں کے بسنے والے اللہ کی طرف رجوع کریں اور ان کے دین کی حمایت کریں۔ دعوتِ حق اب وانذر عشیرتک الاقربین سے بڑھ کر "لتنذر ام القریٰ" تک پھیلی تھی۔ اب حکمِ رب "ومن حولہا" اطراف و جوانب میں وُسعت دینے کا ہوا۔ چنانچہ ۲۷۔شوال ۱۰ھ نبوت مطابق ۶۱۹ء کو اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ بن حارثہ کو ساتھ لے کر آپ پاپیادہ طائف روانہ ہوئے۔ وہاں دس دن قیام کیا۔ بعض نے ۲۰ روز اور ابن قتیبہ نے ایک مہینہ مدّت قیام لکھی ہے۔

طائف مکّہ سے تقریباً ۵۰ میل کے فاصلے پر مشرق کی طرف ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ نہایت

سرسبز، شاداب اور زرخیز مقام ہے۔ جگہ جگہ قدرتی چشمے جاری ہیں۔ مختلف قسم کے میوہ جات کے بکثرت باغات ہیں۔ اہلِ حجاز کے لئے ایک صحت افزا مقام کی حیثیت رکھتا ہے۔ مکّہ کے رؤسا کے یہاں باغات تھے۔ ابتدا میں قبیلۂ عدوان کا مسکن تھا۔ بعد میں بنو ثقیف کے قبضہ میں آیا۔ زمین کی زرخیزی اور شادابی نے اہل طائف کو بڑا مغرور، متکبّر اور دُرشت مزاج بنا دیا تھا۔ وہ لات کے پرستار تھے اور اسے خدا کی بیٹی مانتے تھے۔

عمرو بن عمیر بن عوف کے تین لڑکے یالیل۔ مسعود اور حبیب اُن دنوں بنی ثقیف کے سردار تھے۔ ان میں سے ایک کی زوجیت میں قریش کے قبیلہ بنی جمح کی ایک خاتون صفیہ بنت معمر تھی۔ حضورؐ کو اہلِ طائف سے کچھ خیر کی توقع اس لئے تھی کہ بنی سعد کا قبیلہ طائف کے قریب آباد تھا جہاں آپ نے ایامِ رضاعت گزارے تھے۔ طائف جاتے ہوئے ان تمام قبائل کو بھی پیغامِ حق سُناتے رہے جو راستے میں آباد تھے۔ طائف میں آپ نے ان تینوں سرداروں سے ملاقات فرمائی۔ انھیں اسلام کی دعوت دی۔ اشاعتِ اسلام میں مدد کی خواہش فرمائی۔ جو لوگ مخالفت کریں ان کے مقابلے میں کھڑے ہونے کے لئے اُبھارا۔ ان تینوں کے جواب حد درجہ گُستاخانہ اور تکلیف دِہ ہی نہیں بلکہ بڑے مایُوس کن بھی تھے۔ ایک نے کہا تمہارے سوا اللہ کو اور کوئی نہ ملا جسے نبی بناتا؟ رسول تو کسی سردار قبیلہ کو ہونا چاہئے تھا نہ کہ ایسے کو جسے کوئی سواری بھی نصیب نہیں؟ دوسرا بولا۔ کعبۃ اللہ کی اس سے بڑی اور کیا توہین ہوگی کہ تم سا شخص پیغمبر ہو؟ تیسرے کا جواب تھا۔ میں تم سے ہرگز بات نہیں کروں گا اگر تم سچے ہو تو تم سے گفتگو خلافِ ادب ہے اور اگر جھُوٹے ہو تو تم سے بات کرنا کسرِ شان ہے۔

زہر میں بجھے ہوئے ان تیروں سے سینۂ اقدس چھلنی ہو گیا۔ فرمایا۔ "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ان خیالات کو اپنے تک ہی محدود رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ دوسروں کے لئے ٹھوکر کھانے کا سبب بن جائیں۔"

زخموں سے لہُو گر کے قدم چُوم رہا ہے

ان بدبختوں نے حضورؐ کی آخری نصیحت بھی نہ مانی۔ انھیں اندیشہ تھا کہ کہیں تبلیغ ان کی رعایا کو نہ بگاڑ دے جیسے ان کے خیال میں مکّہ میں ہوا۔ لہٰذا انھوں نے آپؐ سے سختی سے نبٹنے کا فیصلہ کیا اور اَدباشوں اور بازاریوں کو اُبھارنے کے لئے مہم چلائی۔ حکم دیا کہ جہاں آپ وعظ فرمائیں وہاں ہنسی اڑائیں۔ جدھر سے آپ گزریں ادھر پتھر پھینکیں۔ حضرت زیدؓ ابن حارثہ پروانہ وار

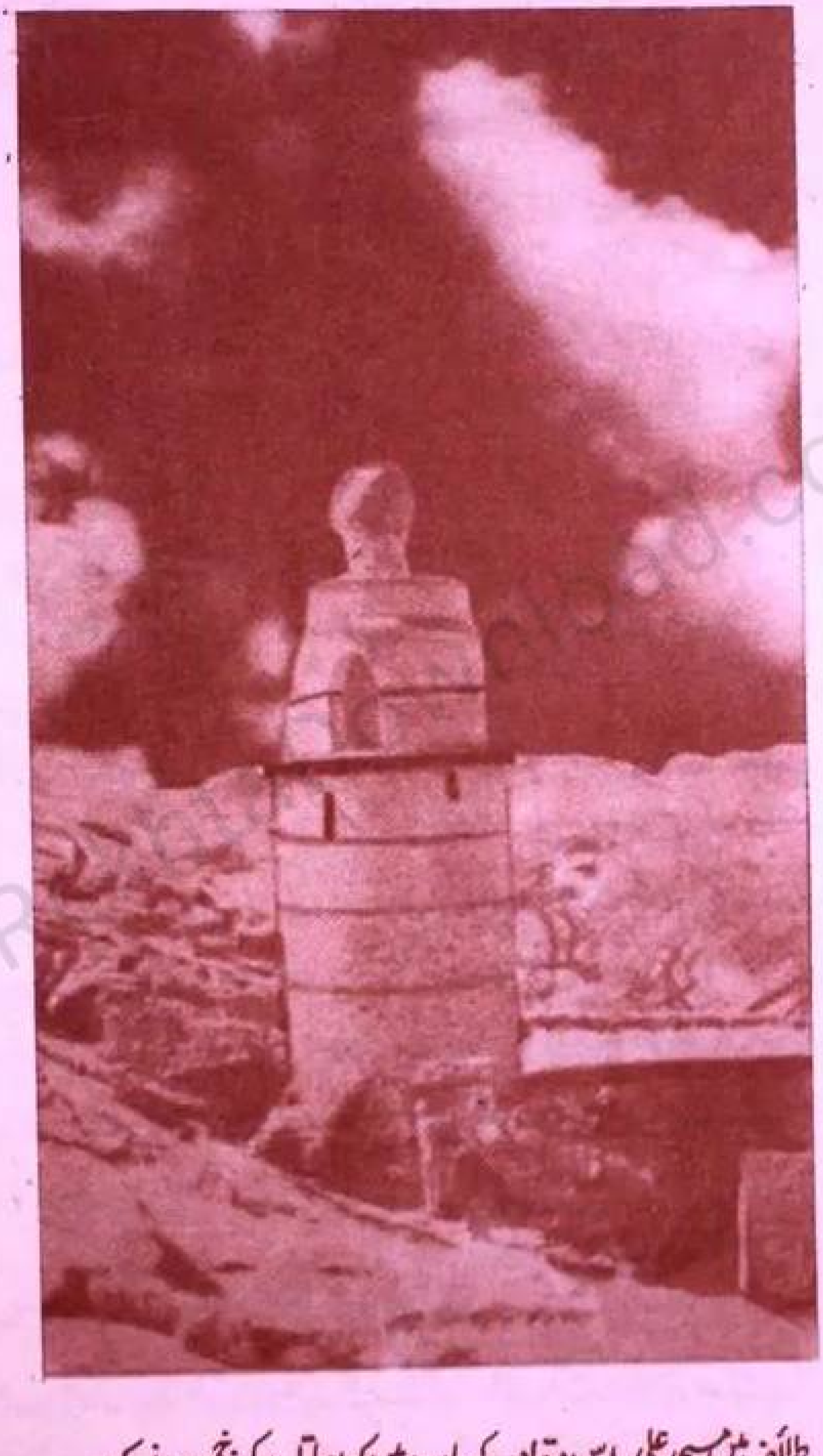

طائف میں مسجد علی۔ اس مقام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ زخمی ہونے کے بعد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں آرام فرمایا اور حبشی غلام نے انگور پیش کیے۔

ان پتھروں کے لئے سپر بن جاتے۔ یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا۔ سنگ باری سے حضورؐ کے ہاتھ پاؤں اور جسمِ اطہر لہولہان ہو گئے۔ ظالموں نے تاک تاک کر ٹخنوں کو نشانہ بنایا۔ خون بہنے سے جوتے تر بتر ہو گئے۔ ظالم دو تین میل تک پتھر برساتے رہے۔ آپ زخموں سے چُور جب بیٹھ جاتے تو بازو پکڑ کر دوبارہ چلنے پر مجبور کر دیتے۔ گالیاں دیتے۔ تالیاں بجاتے اور آوازے کستے۔ پتھروں کی بارش سے آپ کو اتنی چوٹیں آئیں کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حضرت زیدؓ بارِ نبوت کو اپنی پیٹھ پر اُٹھا کر آبادی سے باہر لے آئے۔ سب سے پہلے یہ سعادت انہی کے حصے میں آئی۔ سفرِ ہجرت کے دوران حضرت ابو بکرؓ نے پیٹھ پر سوار کیا۔ جنگِ احد میں زخمی ہو کر حضورؐ نے چاہا کہ ایک چٹان پر چڑھ جائیں لیکن ایسا نہ کر سکے۔ اس موقع پر حضرت طلحہؓ ابن عبید اللہ نے بارِ نبوت اُٹھایا تھا۔ ایں سعادت بزورِ بازو نیست۔ فرمایا۔ طلحہؓ نے اس عمل سے اپنے پر جنت واجب کر لی۔ فرمایا اے طلحہ! یہ جبریل ہیں اور تمہیں سلام کہتے ہیں۔

آخر شہر سے دُور ایک باغ میں پناہ لی۔ جو رئیسِ مکّہ ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کا تھا۔ وہاں بنی جمح کی ایک خاتون ملی تو آپؐ نے فرمایا۔ تو نے دیکھا تیرے سسرال سے مجھے کیا ملا۔ حضرت زیدؓ نے زخموں کو دھویا۔ منہ پر پانی چھڑکا۔ افاقہ ہوا تو زبانِ اقدس سے درد بھری دُعا نکلی۔

اِجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

"اے اللہ تجھ ہی سے شکایت کرتا ہوں میں اپنی کمزوری اور بے کسی کی۔ اور لوگوں میں اپنی ذلّت اور رُسوائی کی۔ اے ارحم الراحمین تو ہی ضعفاء کا رب ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے۔ کسی اجنبی اور بے گانہ کے، جو مجھے دیکھ کر ترش رُو ہوتا ہے اور منہ چڑھاتا ہے یا کہ کسی دشمن کے جس کو کہ تو نے مجھ پر قابو دے دیا۔ اے اللہ! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے۔ تیری حفاظت مجھے کافی ہے۔ میں تیرے چہرہ کے اس نور کے طفیل جس سے تمام اندھیریاں روشن ہو گئیں اور جس سے دنیا اور آخرت کے سارے کام درست ہو جاتے ہیں، اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غصّہ ہو یا تو مجھ سے ناراض ہو۔ تیری ناراضگی کا اس وقت تک دُور کرنا ضروری ہے جب تک تو راضی نہ ہو۔ بے شک تیرے سوا نہ کوئی طاقت ہے اور نہ قوّت۔"

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک بار میں نے پوچھا۔ یارسول اللہ! احد سے زیادہ سخت دن بھی کوئی آپ پر گزرا ہے؟ فرمایا۔ عائشہ! تیری قوم سے جو تکلیفیں پہنچیں سو پہنچیں۔ لیکن سب سے زیادہ سخت دن وہ گزرا جب میں نے اپنے آپ کو عبد یالیل کے بیٹے پر پیش کیا۔

طائف۔ باغ جبشی۔ آپؐ نے اس مقام پر وعظ فرمایا۔

اس واقعہ کا ذکر کرکے آپ نے فرمایا میں غمزدہ حالت میں ایک طرف چل پڑا مقام قرن الثعالب میں پہنچا تو کچھ افاقہ ہوا۔ نگاہ اُوپر اُٹھائی تو دیکھا ایک ابر سایہ کیے ہوئے ہے۔ اس میں سے جبریل امین ؑ نے آواز دی۔ اللہ نے وہ سب کچھ سُن لیا جو آپ کی قوم نے آپ سے کہا ہے۔ اور وہ بھی دیکھا جو آپ کی دعوت کے جواب میں آپ کو دیا گیا۔ اس وقت ملک الجبال (پہاڑوں کا فرشتہ) حاضر ہے۔ آپ جو چاہیں اس کو حکم دیں۔ فرشتے نے سلام کیا اور عرض کیا آپ چاہیں تو اخشبین نامی دونوں پہاڑوں میں انھیں کچل دوں۔

وہ ذات جو عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجی گئی تھی۔ فرمایا۔ نہیں، مجھے اُمید ہے کہ ان کی پشت سے اللہ ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف اس کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ یہ جُملہ اسی زبان سے ادا ہو سکتا ہے جو بے پناہ رجائیت کا حامل ہو۔ وہی تو رحمۃُ اللعالمین ہوتا ہے۔

خدا کی دین..... ایمانِ عداس رضؓ

ابن ہشام کا بیان ہے کہ زخموں سے چُور جب حضور اکرم ؐ اور حضرت زید رضؓ باغ میں پناہ گزیں تھے تو عتبہ نے انگوروں کا ایک خوشہ اپنے غلام عداس سے بھجوایا۔ حضور ؐ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کے اپنے منہ میں رکھا۔ عداس نے حیرت سے کہا یہ کلام تو یہاں کے باشندے نہیں بولتے۔ حضور ؐ نے پوچھا۔ تم کہاں کے ہو؟ عرض کیا عیسائی ہوں اور نینوی کا رہنے والا ہوں۔ فرمایا۔ تم مردِ صالح یونس ؑ بن متی کے شہر کے ہو۔ عرض کیا۔ آپ انھیں کس طرح جانتے ہیں؟ فرمایا۔ وہ میرے بھائی ہیں۔ وہ بھی نبی تھے میں بھی نبی ہوں۔ عداس نے یہ سُن کر آپ کا نام نامی دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا۔ "محمد ؐ"۔ عرض کیا میں نے توریت میں آپ کا اسمِ گرامی دیکھا ہے اور اس میں آپ کے اوصاف بھی پڑھے ہیں۔ اس سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اہلِ مکہ میں مبعوث فرمائے گا اور وہ آپ کی فرماں برداری سے انکار کریں گے۔ آخر کار فتح آپ کی ہوگی اور یہ دین تمام دنیا میں پھیل جائے گا۔ میں یہاں مُدت سے آپ کے انتظار میں ہوں۔ مجھے اسلام کی تعلیم دیجئے۔ آپ نے اسلام پیش فرمایا اور غلام عداس رضؓ دل و جان سے مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد عداس رضؓ جھک کر ہادیٔ برحق کا سر، ہاتھ اور پاؤں چومنے لگا۔ ساتھ ہی گواہی دی "بے شک آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔" عداس رضؓ واپس آیا تو مالکوں نے پوچھا۔ تجھے کیا ہو گیا تھا؟ جو عجیب عجیب حرکتیں

کر رہا تھا۔ کہا میرے آقا یہ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ دونوں فوراً بول اُٹھے۔ اس نے تجھے دھوکا دیا۔ حق آشنا غلام نے کہا۔ ایسا نہ کہو۔ اس وقت رُوئے زمین پر ان سے بہتر کوئی ہستی موجود نہیں۔ انھوں نے مجھے وہ خبر دی ہے جو نبی کے سوا کوئی اور نہیں دے سکتا۔ عتبہ نے تاکیداً کہا۔ عداس اپنے دین سے نہ پھر۔ تیرا دین اس کے دین سے بدرجہا بہتر ہے۔

اتنی مصیبتوں کے باوجود عداس سے ارشاد کہ "یونسؑ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔" اس جملہ سے اس یقینِ واثق اور جذبۂ تبلیغ کا اظہار ہوتا ہے جس سے آپ کا ایک لمحہ بھی خالی نہیں رہا۔ یہی شانِ رسالت ہے۔

طائف کا سفر حیاتِ طیبہ کا ایک اہم واقعہ ہی نہیں بلکہ ایک انقلابی موڑ بھی ہے مکہ اور طائف کی بستیوں نے پیغامِ نبوّت کے لئے کان بہرے کرلئے تو اللہ نے یثرب پر رحمت کے دروازے کھول دیئے اور اسے مدینۃ النبی بنا دیا۔ اس سفر میں انسانی سلوک کے تین الگ الگ تجربے ہوئے۔ ایک نے دعوتِ حق قبول نہیں کی۔ اُلٹے پتھر برسائے۔ دوسرے نے روایتی مہمانی اقدار سے مجبور ہوکر انگور سے ضیافت کی۔ تیسرے باہر سے آئے ہوئے غلام نے حق کو پہچانا اور رسالت کی تصدیق کی۔ ؁۵۵

جنّات کا ایمان

سفر سے واپسی پر آپ نے چند دن مقامِ نخلہ میں قیام فرمایا۔ یہ مکّہ سے ایک رات کی مسافت پر واقع ہے۔ آپ سوچ رہے تھے کہ مکہ کس طرح جاؤں۔ یہاں کی خبریں وہاں پہنچ چکی ہیں۔ عتبہ نے تو خود زخموں سے چور باغ میں پناہ لیتے دیکھا۔ اب تو اہلِ مکہ بہت ہی دلیر اور آمادۂ ظلم ہوجائیں گے۔ سردار بنی ہاشم ابولہب نے حمایت سے صاف انکار اور دشمنی کا اعلان کر دیا تھا۔ ان ہی دنوں ایک رات نمازِ تہجد میں آپ نے پہلی رکعت میں سورۂ رحمٰن اور دوسری میں سورۂ جن تلاوت فرمائی۔ اتفاقاً ملک شام کے مقام نصیبین کے سات جنوں کا ادھر سے گزر ہوا۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ جنات نینوی کے رہنے والے تھے۔ وہ آپ کی قرأت سُن کر رُک گئے۔ اور غور سے سُننے لگے۔ صاحب الروض نے اِن جنوں میں سے پانچ کے نام منشی، ناشی، شاصر، ناصر اور الاحقب لکھے ہیں۔ طبری نے قرآن مجید سُننے والے آٹھ جنوں کے نام دیئے ہیں۔ حس، مس، شاصر، ناصر، اینا، الاردو۔ انین اور احقم۔ جنّات کے ایمان سے اہلِ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ اگر

بنی نوعِ انسان اسلام کی دعوت کو رَد کرتی ہے تو اس کی دوسری مخلوق موجود ہے جو قبولِ حق کی صلاحیت رکھتی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جن پہلے وحی سُنا کرتے تھے۔ ایک کلمہ سُنتے اور دس اپنی طرف سے جوڑتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد آسمان کی خبروں پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔ ان پر شہابِ ثاقب کے گولے پھینکے جانے لگے۔ جنوں نے اس کی شکایت ابلیس سے کی۔ اس نے کہا کوئی امرِ عظیم واقع ہوا ہے۔ جنات کو فکر لاحق ہوئی کہ وجہ دریافت کی جائے۔ چنانچہ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام نخلہ کے دو پہاڑوں کے درمیان ایسے حال میں پایا کہ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔

ایک روایت تو یہ ہے کہ جنوں نے کھڑے ہو کر قرآن سُنا اور پھر چلے گئے۔ آپ کو ان کی آمد کا بالکل علم نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ سورۂ جن کی آیات نازل ہوئیں۔

"اور اس وقت کو یاد کیجیے جب ہم نے جنّات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف بھیجا تاکہ آپ کا قرآن سُنیں۔ پس جب وہ حاضر ہو گئے تو آپس میں کہنے لگے کہ خاموش رہو۔ یعنی اس کلام کو سُنو۔ پس جب قرآن پڑھا جا چکا۔ یعنی آپ کی نماز ختم ہو گئی تو یہ لوگ اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے۔ تاکہ ان کو آگاہ کریں۔ جا کر بیان کیا ہم عجیب کتاب سُن کر آئے ہیں۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی۔ جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ حق اور راہِ راست کی راہ نُمائی کرتی ہے۔ اے ہمارے بھائیو! اللہ کے داعی کی دعوت قبول کرو۔ اس پر ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے سارے گناہ معاف کر دے گا اور جو اللہ کے داعی کی دعوت قبول نہ کرے تو وہ رُوئے زمین میں چھُوٹ کر کہیں نکل نہیں سکتا اور نہ اس کا کوئی حامی ہو گا۔ ایسے لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔"

اجنّہ سے ملاقات

دوسری روایت یہ ہے کہ جنات نماز کے بعد ظاہر ہوئے۔ آپؐ نے ان کو ایمان کی دعوت دی اور انھوں نے قبول کر لی۔ آپؐ نے انھیں تلقین فرمائی کہ اپنی قوم میں جاؤ اور اسلام کی دعوت کو عام کرو۔ کہتے ہیں جنات کی یہ قوم یہودی مسلک پر تھی۔ اس بات کا پتہ

ان کے اس جملے سے چلتا ہے: "اے قوم ہم نے ایک کتاب سُنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہے۔"

ان کی دعوت سے جنات کی بہت بڑی تعداد حلقہ بگوش اسلام ہوئی اور حضورؐ کے دیدار اور ملاقات کی آرزومند ہوئی۔

حضورؐ کی خدمت میں کُل چھ مرتبہ جنات کے وفد ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ بعض مکہ میں اور بعض مدینہ میں۔ جنات کے وفد کی تعداد ایک مرتبہ سات۔ ایک موقع پر نو۔ ایک دفعہ ساٹھ۔ ایک بار تین سَو اور ایک وقت بارہ ہزار تھی۔ روایت ہے کہ حرم کے ایک درخت نے آپ کو جنات کی آمد کی خبر دی۔ اتنے میں رات کے وقت جنات کا ایک نمائندہ بھی بلانے کے لئے حاضر ہوا۔ آپ اس کے ساتھ تشریف لے گئے۔ آپ کو موجود نہ پاکر صحابہ کرام رات بھر آپؐ کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ صبح آپ جبلِ نور کی طرف سے آتے دکھائی دیئے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! ہم آپ کو ڈھونڈتے رہے۔ فرمایا۔ جنات کے پاس گیا تھا انھیں کلامِ الٰہی سُنایا۔ پھر آپ نے انھیں جنات کے قدموں کے نشان اور آگ جلانے کے مقامات دِکھائے۔

جِنوں کے بارہ نقیب

حضرت عبداللہؓ ابن مسعود سے روایت ہے کہ وادیٔ نخلہ کے واقعہ کے تین ماہ بعد حضرت جبریلؑ آئے اور جِنوں کی ملاقات کے لئے آمد کی اطلاع دی۔ ابن مسعود نے شرف ہمراہی کی درخواست کی۔ آپ انھیں ساتھ لے کر شعب حجون میں پہنچے تو ایک مقام پر انگشت سے دائرہ کھینچا اور فرمایا اس سے باہر ہرگز قدم نہ رکھنا۔ ورنہ پھر مجھے نہ دیکھ سکو گے۔ ایک ٹیلہ پر نماز ادا فرمانے کے بعد سورۂ طٰہٰ کی قرات شروع فرمادی۔ کچھ دیر بعد ۴۰ جھنڈے دکھائی دیئے۔ ہر پرچم کے تلے ہزاروں جنات حاضر تھے۔ کسی نے دو ہزار۔ کسی نے ساٹھ ہزار تعداد بتائی۔ جنات نے دریافت کیا۔ آپ کون ہیں؟ ارشاد ہوا۔ اللہ کا نبی۔ پوچھا ثبوت؟ فرمایا درخت گواہی دے گا۔ اشارہ پر ایک درخت اپنی جگہ سے آیا۔ تمام شاخوں کو زمین پر بچھایا اور عرض کیا۔ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ فرمایا۔ اپنی جگہ واپس جاؤ۔ وہ واپس ہوگیا۔ حضرت عبداللہؓ ابن مسعود کہتے ہیں میں نے آپ کے گرد بڑا ہجوم دیکھا۔ بلند آوازیں سُنتا رہا۔ روایت ہے کہ اس رات بارہ جن منتخب فرمائے۔

انھیں احکاماتِ دین سکھائے گئے۔ پھر وہ اڑتے بادلوں کی ٹکڑیوں کی صورت میں چلے گئے۔ صبح ہوئی تو حضورؐ واپس تشریف لائے اور مجھ سے پوچھا۔ تم نے کیا کیا دیکھا؟ عرض کیا سیاہ آدمی سفید لباس میں دیکھے۔ فرمایا۔ یہ نصیبین کے جنات تھے۔ مجھ سے اپنی سواریوں کی خوراک مانگ رہے تھے۔ ان کی خوراک ہڈیاں اور جانوروں کا چارہ، گھوڑوں کی لید ہے۔ عرض کیا یہ کیونکر ممکن ہے۔ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہر ہڈی پر اس وقت گوشت پیدا کر دیتا ہے جتنا اس سے کھایا جائے۔ اور لید کو دانوں میں تبدیل فرما دیتا ہے۔ اسی موقع پر یہ بھی ارشاد فرمایا۔
"ہڈی اور لید سے استنجا نہ کرو۔"

حضرت جابرؓ ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک بار صحابہ سورۂ رحمٰن خاموشی سے سنتے رہے تو آپ نے فرمایا۔ میں نے یہ سورت جنوں کو سنائی تو وہ تم سے بہتر جواب دے رہے تھے۔ جب میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سناتا۔ اے جن و انس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ تو وہ جواب دیتے۔ "اے پروردگار ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے۔"

ابو نعیم نے ابورجاء سے روایت کی ہے کہ ایک سفر میں ہم ایک چشمہ پر اترے۔ خیمہ لگایا۔ اور دوپہر میں آرام کرنے لیٹ گئے۔ اتنے میں ایک سانپ آیا اور تڑپنے لگا۔ میں نے پانی کا چھینٹا مارا۔ کچھ دیر بعد پھر تڑپ کر مر گیا۔ میں نے ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر اسے دفن کر دیا۔ ہم پھر سفر پر روانہ ہو گئے۔ پوری رات چلتے رہے۔ اسی دوران ایک چشمہ پر پڑاؤ ڈالا۔ تھکن سے نیند آ گئی تو چند آوازوں نے جگایا جو کہہ رہی تھیں۔ تم پر ہزاروں سلام بلکہ اس سے زیادہ۔ میں نے پوچھا۔ تم کون ہو؟ کہا ہم جن ہیں۔ تم نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے میں نے کہا۔ وہ کیا؟ انھوں نے بتایا جس سانپ کو تم نے دفن کیا وہ ان جنات میں سے آخری تھا جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ ۱۵۶

سلسلۂ روز و شب

بطنِ نخلہ سے چل کر جب آپؐ جبلِ نور پر پہنچے تو حضرت زیدؓ ابن حارثہ نے عرض کیا۔ اب آپؐ مکہ میں کس طرح داخل ہوں گے؟ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ضرور کوئی صورت پیدا فرما دے گا۔ اتنے میں مکہ سے چند مسلمان ملاقات کے لئے آئے۔ عرض کیا کفارِ مکہ نے طائف کے حالات سن کر اپنے غنڈوں کو بھی آمادہ کر لیا ہے۔ آپ مکہ تشریف نہ لائیں۔

آپ نے غارِ حرا میں قیام فرمایا اور عبداللہ بن الاریقطؓ کے ذریعہ اخنس بن شریق کے

پاس پیغام بھجوایا کہ کیا مجھے اپنے جوار میں لے سکتے ہو؟ اس نے جواب بھیجا میں خود قریش کا حلیف ہوں۔ یہی پیغام سہیل بن عمرو کے پاس بھیجا۔ اس نے کہا بنو عامر بنو کعب کے مقابلے میں پناہ نہیں دے سکتا۔ یہی پیام جب مطعم بن عدی کو بھیجا گیا تو اس نے ذمہ لے لیا۔ اپنے بیٹوں اور قوم کے لوگوں کو حکم دیا کہ ہتھیار لگا کر حرم کے دروازے پر کھڑے رہیں۔ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذمہ لیا ہے۔ خود بھی اونٹ پر سوار ہو کر حرم کے پاس پکارنے لگا کہ اے گروہِ قریش! میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دی ہے۔ ابو جہل نے پوچھا پناہ دے رہے ہو یا پیروی اختیار کر لی ہے؟ مطعم نے کہا۔ صرف پناہ دی ہے۔ کہا پھر تمہاری پناہ کو کوئی نہیں توڑ سکتا۔ جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے قبول کیا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔ طواف کرکے دوگانہ ادا کیا پھر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ مطعم بن عدی کا یہی احسان تھا کہ اسیرانِ بدر کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا تھا" اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان گھناؤنے لوگوں کے بارے میں بات کرتا تو میں اس کی خاطر انھیں رہا کر دیتا۔"

طائف کے سفر کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مسجدِ حرام میں آئے تو ابو جہل نے مجلسِ قریش میں بالخصوص بنی عبدِ مناف کو مخاطب کر کے طنزاً کہا۔ اے بنی عبد مناف دیکھو تمہارا نبی آ رہا ہے؟ عتبہ نے جو ابو جہل کا ہم پیالہ و ہم نوالہ تھا۔ مذاق ہی میں جواب دیا۔ ہم میں سے کوئی نبی۔ بادشاہ یا فرشتہ ہو جائے تو انکار کی کیا وجہ ہے؟ حضورؐ نے طواف کرنے کے بعد عتبہ سے فرمایا۔ چچا! تم نے اللہ کی حمایت میں یہ بات نہیں کی بلکہ تو میت اور اپنے نفس کی حمایت میں کہی۔ اور تو اے ابو جہل! سُن رکھ۔ خدا کی قسم! تجھ پر زیادہ زمانہ نہیں گزرے گا کہ تو ہنسے گا کم اور روئے گا زیادہ۔ اور تم اے قریش! تمہارے لئے وہ وقت دُور نہیں کہ تم خواہی نخواہی اس دین میں داخل ہو گے جس کا آج تم انکار کر رہے ہو۔ [159]

حضرت طفیلؓ ابن عمرو دوسی کا ایمان لانا

حضرت طفیل یمن کے قبیلہ دوس کے سردار تھے، ان ہی دنوں زیارتِ کعبہ کے لئے آئے تو قریش نے کان بھرے محمدؐ کی زبان میں سحر ہے۔ طفیل نے اس خیال سے مبادا آپ کی آواز کانوں میں نہ پڑ جائے۔ دونوں کانوں میں روئی ٹھونس لی۔ ایک دن حرم میں پہنچے تو دیکھا کہ حضورؐ نماز پڑھ رہے ہیں۔ نماز کا انداز بڑا دلآویز لگا تو دل میں خیال آیا۔ سنیں تو وہ پڑھتے کیا ہیں؟

آخر میں خود شاعر ہوں۔ زبان و بیان کو پرکھ سکتا ہوں۔ اس خیال کے آتے ہی رُوئی نکال پھینکی اور قرأت سُننے لگے۔ یہ تو ان کی قسمت کے کھُلنے کا وقت تھا۔ کلام اللہ سے مسحور ہو گئے نماز کے بعد حضورؐ جانے لگے تو یہ بھی کاشانۂ نبوی پر پہنچے۔ قریش کی کارستانی سُنائی اور عرض کیا کہ اپنی تعلیمات بیان فرمایئے۔ زبانِ مُبارک سے قرآن سُنا تو بے اختیار کہہ اُٹھے اس سے بہتر کلام آج تک میرے کانوں نے نہیں سُنا۔ پھر ایمان لے آئے۔

وطن لَوٹنے لگے تو عرض کیا اپنے وطن میں تبلیغ کروں گا۔ میرے لئے دُعا فرمایئے۔ گھر پہنچے تو باپ سے کہا۔ اب میرا آپ سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔ پوچھا کیوں؟ کہا میں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ باپ نے کہا کہ جو دین تیرا ہے وہی میرا ہے۔ بیوی سے بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ قبیلہ والوں نے ان کی آواز پر کان نہیں دھرا۔ رسول اللہؐ سے عرض کیا۔ دوس پر غفلت طاری ہے۔ وہ ہلاک ہو گئے کیوں کہ انھوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے آپ ان پر بددُعا کیجئے۔ رسول اللہؐ نے ہاتھ اُٹھائے اور فرمایا۔ اے اللہ! دوس کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس لے آ۔ مجھے نصیحت فرمائی کہ جا کر پھر تبلیغ کرو اور نرمی سے کام لو۔

ہجرت سے قبل مکہ آئے اور عرض کیا۔ "کیا آپ کو کسی مضبوط قلعہ کی اور لشکر کی ضرورت ہے؟" حضورؐ نے فرمایا نہیں، کیوں کہ انصار سے وعدہ ہو چکا تھا۔ وہ واپس چلے گئے۔ ۷ ہجری میں جنگِ خیبر کے موقع پر ستر، اسّی گھرانوں کے ساتھ مدینہ کا سفر کیا۔ ان ہی میں حضرت ابو ہریرہؓ بھی تھے جن کی قسمت میں امام المحدثین بننا تھا۔ حضرت طفیلؓ حضورؐ کے وصال تک مدینہ میں رہے اور بعد کے تمام غزوات میں حصہ لیا۔ جنگِ طائف کے موقع پر پُورا قبیلۂ دوس حاضر تھا۔ یہ حضورؐ کی دُعا کا نتیجہ تھا۔ حضرت طفیلؓ نے فتنۂ اِرتداد میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ ۱۱ ہجری میں مسیلمہ ابن کذّاب کے خلاف لڑتے ہوئے یمامہ میں جامِ شہادت نوش کیا۔

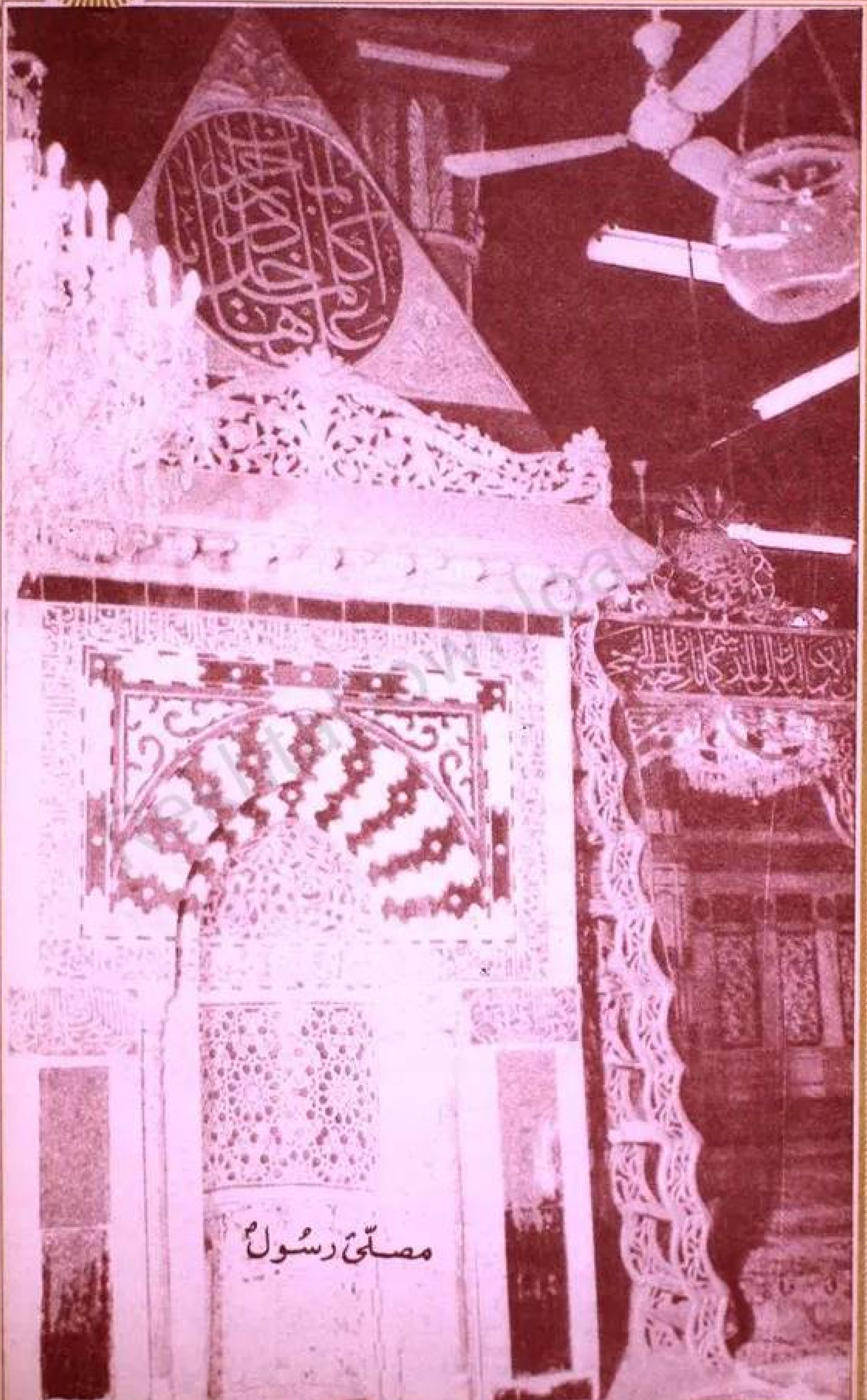

مصلّیٰ رسولؐ

نبوت کا گیارھواں سال

کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

ایام حج آتے تو عکاظ مجنہ اور ذوالمجاز کے میلے لگتے۔ حج کا بڑا اجتماع منیٰ میں ہوتا۔ آپؐ وہاں تشریف لے جاتے اور جمع ہونے والوں کو اسلام کی دعوت دیتے۔ حضرت ربیعہؓ نے اپنے والد عباد سے سُنا کہ ان کے والد اپنی نوجوانی میں اپنے باپ کے ہمراہ منیٰ میں موجود تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرب قبائل کی قیام گاہوں پر جاتے اور انھیں دعوتِ اسلام دیتے۔ ایسے میں آپؐ کے پیچھے پیچھے ایک اور شخص بھینگا، خوشرو زلفوں والا عدنی حُلّہ پہنے ہوتا اور لوگوں سے کہتا۔ یہ شخص تم کو لات و عزیٰ کو چھوڑنے کی دعوت دیتا ہے تم اس کی ہرگز نہ مانو۔ نہ ہی اسے سُنو۔ یہ سُن کر میں نے اپنے والد سے پوچھا۔ یہ تردید کرنے والا کون ہے؟ کہا یہ اس دعوت دینے والے کا چچا عبدالعزیٰ ابولہب بن عبدالمطلب ہے۔ حضورؐ کا مشن تعمیری اور ابولہب کا تخریبی تھا۔ اس کے باوجود آپؐ ہر اس شخص کو دعوت دیتے رہے جس کا کوئی مرتبہ تھا یا عرب میں اس کی شہرت تھی۔ ان سے فرماتے میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میں حکم دیتا ہوں کہ صرف اللہ کی عبادت کرو کسی اور کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ تم میں سے کون ہے جو میری بات سُنے اور میری مدد کرے۔ مجھے ٹھکانہ مہیا کرے۔

آپؐ بنی کندہ (قحطان سے) کی فرودگاہ پر تشریف لے گئے۔ اس کے سردار ملیح سے ملے اور اسلام پیش فرمایا۔ اس نے آپ کی بات نہ مانی اور انکار کر دیا۔

بنی کلب (قضاعہ سے) کی شاخ بنو عبداللہ کے خیموں میں تشریف لے گئے اور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کو بڑا اچھا نام عطا فرمایا ہے۔ میری دعوت قبول کرلو۔ انھوں نے بھی توجہ نہ دی۔

اہلِ یمامہ میں سے مسیلمہ کذّاب کے قبیلے بنی حنیفہ (ربیعہ سے) نے بڑی درشتی سے جواب دیا۔ ان کے لوگ بے حد سختی سے پیش آئے۔ عربوں میں ان سے بُرا کوئی بھی جواب دینے والا نہ نکلا۔ [161]

آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں

بنی عامر صعصعہ (مضر سے) کے ڈیرے پر تشریف لے گئے اور دعوتِ حق پیش فرمائی۔ آپؐ کی باتوں سے ان کا ایک شخص بجیرہ بن فراس قشیری بے حد متاثر ہوا۔ اس نے کہا قریش کا اگر یہ فرد میری گرفت میں آجائے تو سارے عرب کو ہضم کرلوں۔ کچھ سوچ کر اس نے کہا۔ اگر ہم آپ کی دعوت قبول کرلیں اور ہماری مدد سے آپ اپنے مخالفین پر غالب آجائیں تو کیا آپ کے بعد حکومت ہمیں ملے گی؟ آپ نے فرمایا۔ یہ بات اللہ کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہے مالک بنائے۔ کہا۔ تمہاری حمایت میں ہم اپنے سینوں کو چھلنی کریں۔ اپنی گردنیں کٹوائیں اور غلبہ ہوجائے تو اقتدار ہمارے بجائے کسی دوسرے کو ملے ایسی صورت میں ہم تمہاری دعوت میں شریک نہیں ہوسکتے۔

اس قبیلہ کا ایک شیخ اس قدر سن رسیدہ تھا کہ حج میں شرکت سے معذور تھا۔ قبیلے کے لوگ حج سے لوٹ کر اس سال کی اہم باتیں اسے سُناتے۔ اس دفعہ انھوں نے آپ کی دعوت کا تذکرہ بھی کیا۔ شیخ نے بے اختیار اپنا سر پکڑ لیا اور پوچھا۔ کیا اب بھی کوئی ایسی صورت ممکن ہے کہ تمہارے انکار کی تلافی ہوسکے اور تم ان کے ساتھ شریک ہوسکو؟ اے بیٹے! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آج تک کسی اسماعیلی نے نبوّت کا جھوٹا دعویٰ نہیں کیا؟ اس وقت تمہاری عقل کدھر گئی تھی؟ جو تم نے اس کی دعوت رَد کردی۔

حافظ ابنِ کثیر نے اس واقعہ کو کلبی کے حوالے سے یوں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی عامر کے پاس گئے۔ انھوں نے آپ کی حمایت کی حامی بھرلی۔ اتنے میں، بجیرہ بن فراس قشیری آیا اور پوچھا۔ یہ کون ہے؟ انھوں نے بتایا کہ محمد بن عبداللہ قریشی ہیں۔ اپنے کو اللہ کا رسول بتاتے ہیں۔ ہم سے حمایت چاہتے ہیں تاکہ اپنے رب کی تبلیغ کا فرض ادا کرسکیں۔ ہم نے لبیک و مرحبا کہا۔ ہم آپ کو اپنے شہر لے جائیں گے۔ اپنی جانوں کی طرح آپؐ کی حفاظت کریں گے۔ یہ سُن کر بجیرہ بولا۔ اس بازارِ عکاظ سے شاید ہی کوئی قبیلہ ایسی سخت چیز لے کر جارہا ہے جیسی تم۔ کیا تم تمام عرب کے مقابلے پر نکلو گے؟ اس شخص کی قوم اسے

خوب پہچانتی ہے۔ اگر اس میں کچھ بھلائی ہوتی تو اس کا ساتھ نہ دیتے؟ اس کی قوم نے اسے نکال دیا ہے۔ اس کی تکذیب کی ہے۔ کیا تم اس کو جگہ دے کر اس کی مدد کرو گے؟ تمہاری رائے بہت بری ہے۔ پھر وہ آنحضرتؐ سے مخاطب ہوا۔ جائیے اور اپنی قوم سے مل جائیے اگر آپ میری قوم کے پاس نہ ہوتے تو میں آپ کا سر تن سے جدا کر دیتا۔

یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی اونٹنی پر سوار ہو گئے۔ بحیرہ نے اونٹنی کے پیٹ پر زور سے ڈنڈا مارا۔ جس سے وہ اچھل پڑی اور حضور اکرمؐ کو نیچے گرا دیا۔

بنی عامر میں اتفاق سے اس وقت ایک خاتون ضباعہ عامر بن قرط بھی تھی۔ جو مکہ میں آپؐ کے دستِ مبارک پر ایمان لا چکی تھی۔ اسے پتہ چلا تو اس نے اپنے چچیرے بھائیوں سے کہا۔ اے آلِ عامر! اب میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ تمہارے سامنے یہ بدسلوکی ہو رہی ہے اور تم میں سے کوئی انھیں بچا نہیں سکتا؟ اس کے بھائیوں میں سے تین شخص اُٹھے اور بدسلوکی کرنے والے کے سینے پر چڑھ کر طمانچوں سے منہ لال کر دیا۔ حضورؐ نے ان کے حق میں دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ہدایت دی۔ بعد میں وہ ایمان لائے اور شہادت کے درجہ سے سرفراز ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل بنو عبس، بنو سلیم، بنو محارب بن خصفہ، حارث بن کعب، فزارہ، مرہ حنیفہ، بنو بنی البکا، عذرہ حضارمہ (حضر موت کے رہنے والے) کو بھی دعوتِ حق پہنچائی۔ ان کا جواب تقریباً یکساں تھا کہ تمہارا قبیلہ تمہیں خوب جانتا ہے جب وہ اتباع نہیں کرتا تو ہمیں بھی معذور سمجھو۔[۱۶۱]

آتی نہیں کام کہنہ دوامی

قبیلہ بنی ذہل بن شیبان بن ثعلبہ میں دعوت کے وقت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے۔ ملاقات ان کے سردار مفروق بن عمرو اور ہانی بن قبیصہ سے ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے مفروق کو مخاطب کر کے کہا۔ کیا تم تک نبوت و رسالت کی خبر نہیں پہنچی؟ میرے ساتھ اللہ کے آخری نبی آئے ہیں۔ مفروق نے کہا۔ ہاں میں نے آپؐ کا تذکرہ سنا ہے۔ پوچھا۔ اے برادرِ قریش! آپؐ کی دعوت کیا ہے؟ آپؐ نے اسلام پیش فرمایا۔ اور کلام اللہ سنایا۔ کہا بے شک یہ کلام زمین والوں کا نہیں ہو سکتا۔ ہم کسریٰ ایران سے معاہدہ کر چکے ہیں۔

آپؐ سے معاہدہ اسے ناگوار گزرے گا۔ حضورؐ نے مفروق کی اس راست گوئی اور سچائی کو پسند فرمایا۔ کہا۔ اللہ خود اپنے دین کا حامی اور مددگار ہے۔ ارشاد ہوا۔

" اگر تم کو اللہ تعالیٰ اس مدّت تک زندہ رکھے کہ تم ان کے گھروں میں جاکر ڈیرے لگاؤ اور ان کی عورتوں سے نکاح کرو۔ ان کے بیٹوں کو غلام بناؤ۔ تو تم اللہ کی تسبیح کروگے۔" ۱۶۲

عنقریب اس دین کے ماننے والوں کو وہ کسریٰ کی زمین اور دولت کا وارث بنائیگا۔

پھر حضورؐ نے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑا اور ان کی مجلس سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

میری سُنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

بنی بکر بن وائل کی فرودگاہ پر تشریف لے گئے اور انھیں اسلام کی دعوت دی۔ ان سے دریافت کیا کہ تمہاری طاقت کا کیا حال ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہم کسریٰ ایران کا مقابلہ نہیں کرسکتے اور نہ دولتِ ایران کے مقابلے میں کسی کی حمایت کرسکتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ "اگر تم میری بات مانوگے تو ایک وقت آئے گا جب تم ان کی منزلوں پر اترو گے ان کی خواتین کو اپنے عقدِ نکاح میں لاؤ گے ان کے بچّے تمہارے غلام بنیں گے۔" یہ فرماکر آپ وہاں سے واپس ہوگئے۔ اس کے بعد ابولہب وہاں پہنچا اور ان سے کہا کہ یہ شخص ہمارے قبیلہ میں بڑی شان رکھتا تھا۔ اب اس کے دماغ میں فتور آگیا ہے۔ ان لوگوں نے کہا کہ جب انھوں نے ایرانیوں کا ذکر کیا تو ہم نے بھی یہی خیال کیا۔ اس گفتگو کے پندرہ برس بعد ہی مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی حقیقت بن گئی۔ ۱۶۲

بے بس حریص

ایامِ حج میں ہر سال آپ بنی عَبَس کے خیموں پر تشریف لے جاتے اور انھیں دعوتِ حق دیتے۔ لیکن وہ بہرے بن کر سُنی اَن سُنی کردیتے۔ اس دفعہ ان کے ساتھ میسرہ بن مسروق عبسی بھی تھا۔ اس نے آپ کی بات سُن کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔ واللہ۔ اگر ہم انھیں ساتھ لے جائیں اور اپنے علاقے کے مرکزی مقام پر رکھیں تو یہ سب پر غالب آجائیں گے۔ اس کی قوم نے کہا ایسے کام میں ہاتھ نہ ڈالو جس کا بوجھ سہار نہ سکو۔ میسرہ نے آپؐ سے عرض کیا۔ آپؐ کا کلام کتنا روشن اور اچھا ہے۔ مگر میری قوم ہی ساتھ نہ دے تو میں مجبور ہوں۔ یہی میسرہ حجۃ الوداع کے موقع پر حاضر ہوا۔ آپؐ نے اسے پہچان لیا۔ عرض کیا

یارسول اللہ! میں آپ کی پیروی کا پہلے دن ہی سے حریص تھا۔ لیکن اتنی تاخیر کے بعد ایمان نصیب ہوا۔ اس کا زندگی بھر افسوس رہے گا۔

کہیں تو قافلۂ نو بہار ٹھیرا ہے؟

اللہ کا آخری نبی ان قبائل کی فرودگاہوں پر خود چل کر گیا لیکن وہ بدنصیب اس متاعِ ایمان کو سمیٹنے میں پیچھے رہے۔ اہلِ یثرب کی طرف ہاتھ بڑھایا تو انھوں نے بڑھ کر اس "گنجینۂ رحمت" کو دونوں ہاتھوں سے اپنے دامن میں بھرلیا۔

حج کا موسم آیا تو زیارتِ کعبہ کے لئے قریب و دُور سے آنے والے قافلے منیٰ کی وادی میں پڑاؤ ڈالنے لگے۔ داعئ حق ایک ایک کے خیمہ پر تشریف لے جاتے اور انھیں توحید کا پیغام سُناتے۔ ایک دن جبلِ نور اور منیٰ کے درمیان مکّہ سے کوئی تین میل پر عقبہ کی گھاٹی میں پہنچے تو ایک جگہ چھ لوگوں کو دیکھا جو سرمُنڈا رہے تھے۔ آپؐ نے دریافت کیا تم کون ہو؟ عرض کیا۔ یثرب سے آئے ہیں۔ بنی خزرج سے تعلق ہے۔ پوچھا۔ کیا یہودیوں کے دوست ہو؟ کہا۔ ہاں۔ فرمایا۔ کیا آپ لوگ بیٹھ کر میری کچھ باتیں سُن سکتے ہیں۔ انھوں نے کہا۔ کیوں نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اسلام کی دعوت دی۔

آیۂ کائنات کا معنئ دیریاب ہے

آپؐ نے کلامُ اللہ کی تلاوت کی۔ وہ لوگ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارہ کرنے لگے۔ آپ کے رُوئے انور کو دیکھا۔ زبانِ وحی ترجمان سے قرآن سُنا تو ان کے دل نے گواہی دی۔ یہ تو وہی نبی ہے۔ جس کا یثربی یہودی تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ آپس میں کہنے لگے۔ بھائیو! جان لو اور پہچان لو۔ اسی نبیؐ کی آمد سے یہودی ہمیں ڈرایا کرتے تھے۔ کہیں ان کا دامن تھامنے میں وہ ہم سے سبقت نہ لے جائیں۔ اس گفتگو کے ساتھ آپؐ کی تصدیق کی۔ آپؐ پر ایمان لائے۔ عرض کیا۔ ہم نے اپنی قوم کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ کوئی قوم ایسی نہ ہوگی جس میں اس قدر باہمی عداوت پائی جاتی ہو۔ شاید اللہ تعالیٰ آپؐ کی ذاتِ اقدس کے طفیل ان کو جمع کردے۔ ہم ان کے پاس واپس جاتے ہیں اور جس دین کو ہم نے قبول کیا اس کی دعوت دیتے ہیں اگر وہ مان گئے تو پھر کوئی شخص آپؐ سے زیادہ معزز نہ ہوگا۔ پھر ہم آپؐ کو اپنے پاس بُلائیں گے۔ موجودہ حالت میں آپؐ کی تشریف آوری سے

کامیابی کی زیادہ توقع نہیں۔ ہم آئندہ سال آپؐ کے پاس پھر آئیں گے۔

چشمۂ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں

یثرب جس کی قسمت میں مدینۃ النبی بننا تھا۔ وہاں نورِ ایمان پھیلانے کی سعادت جن چھ ستاروں کو نصیب ہوئی ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت ابو امامہ اسعدؓ بن زرارہ — خزرج کی شاخ بنی مالک بن نجار سے تعلق تھا۔

۲۔ حضرت عوفؓ بن حارث بن رفاعہ — بنی نجار سے تھے اور ابن عفراء کہلاتے تھے۔

۳۔ حضرت رافعؓ بن مالک بن عجلان — بنی زریق کے معزز شخص تھے۔

۴۔ حضرت قطبہؓ بن عامر بن حدیدہ — بنی سلمہ کے فرد تھے۔

۵۔ حضرت عقبہؓ بن عامر بن نابی — بنی خزام بن کعب سے تھے۔

۶۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ بن رئیاب — بنی عبید بن عدی سے تعلق تھا۔

بعض سیرت نگاروں نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی جگہ حضرت عبادہؓ ابن صامت کا نام لکھا ہے۔ مزید اضافہ شدہ ناموں میں معاذؓ بن عفراء، یزیدؓ بن ثعلبہ، ابوالہیثمؓ بن الیتہان اور عدیمؓ بن ساعد کے نام ملتے ہیں۔ بعض نے تعداد چھ کی بجائے آٹھ لکھی ہے۔

غرض یثرب کے یہ اولین مے توحید کے متوالے جنھوں نے حق کے پیغام کو ازلی حرم (کعبہ) میں سنا اور ابدی حرم (مدینہ) تک پہنچایا "سابقون الاولون من الانصار" میں بھی سرِفہرست ہیں۔ ان میں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنے کی سعادت کسے حاصل ہوئی۔ اس بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ لیکن حضرت رافعؓ بن مالک کو یہ اولیت ضرور حاصل ہوئی کہ یثرب میں انھوں نے اپنے محلہ بنی زریق میں پہلی مسجد تعمیر کی اور یہیں سب سے پہلے قرآن پڑھا گیا۔

اسی لئے اللہ کے آخری رسول کا ارشاد ہے۔ خواہ کوئی مصر و مدینہ (ملک اور شہر) زبردستی فتح کیا گیا ہو مگر المدینہ قرآن سے فتح کیا گیا۔ [۱۶۲]

نبوّت کا بارھواں سال

طائف کا تبلیغی سفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ذاتی اعتبار سے امتحانِ آزمائش اور ابتلا کا نقطۂ عروج ہے۔ اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معرکۂ احد سے زیادہ سخت دن قرار دیا ہے۔ طائف کے عیش پسندوں نے آپؐ کی دعوتِ حق سے مُنہ موڑا تو قومِ جنات آگے بڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوئی۔ مولانا مناظر احسن گیلانی نے سفرِ طائف کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ حیاتِ طیبہ کا ایک بہت بڑا موڑ ہے۔ اب تک اللہ کا آخری نبی دشمنوں کے حوالے تھا کہ جس طرح چاہیں پرکھ لیں سیرت و کردار کی کسوٹی پر، صداقت و امانت کے معیار پر، چاہے طنز و استہزا کے تیر چلائیں۔ گالی و زبان درازی کے تازیانے برسائیں۔ معاشی ناکہ بندی کا ہتھیار آزمائیں۔ بندھنوں کی معاشرتی زنجیریں کاٹ دیں۔ سرِ بازار رُسوا کریں۔ سنگ باری سے جسمِ اطہر لہولہان کردیں۔ مظلومیت کی اس کیفیت میں جو دُعا زبانِ وحیٔ ترجمان سے نکلی وہ عرشِ الٰہی سے جاٹکرائی۔ قبولیت کا اوّلین مظہر پہاڑوں کا فرشتہ تھا جو تعمیلِ حکم کے لئے حاضر ہوا تھا۔ اب نبی تمام آزمائشوں سے گزر کر کامیاب ہوتا ہے۔ دنیوی نقطۂ نظر سے سنگ باری اذیت کی انتہا ہے اور رُوحانی اعتبار سے سُرخروئی ہے۔ بندہ آزمایا گیا۔ دبایا گیا۔ پست کیا گیا اور امتحان میں کامیاب ہوگیا تو اُٹھایا گیا۔ بلند کیا گیا۔ معراج سے ہمکنار ہوا۔

شعبِ بنی ہاشم کی نظربندی اور طائف کے بازاروں میں رُسوائی کا انعام، افلاک کی نظرنوازی اور عرشِ بریں پر عزت افزائی ہے۔

اسراء و معراج

معراج کب ہوئی۔ اس کے بارے میں عُلماء کے دس قول ہیں۔

۱۔ ہجرت سے چھ ماہ قبل

قبۃ الصخرہ - بیت المقدس میں

۲۔ ہجرت سے آٹھ ماہ قبل
۳۔ ہجرت سے گیارہ ماہ قبل
۴۔ ہجرت سے ایک برس آگے
۵۔ ہجرت سے ایک سال دو مہینے پہلے
۶۔ ہجرت سے ایک سال ایک مہینہ پہلے
۷۔ ہجرت سے پندرہ مہینے پیشتر
۸۔ ہجرت سے ڈیڑھ سال قبل
۹۔ ہجرت سے تین سال پہلے
۱۰۔ ہجرت سے پانچ سال پیشتر

یہ اقوال فتح الباری بابُ المعراج میں ملتے ہیں۔ آٹھ اقوال میں یہ رُجحان ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد اور بیعتِ عقبہ سے پہلے معراج ہوئی۔ یہ تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت خدیجہؓ پنجگانہ نماز کے فرض ہونے سے پہلے انتقال فرماگئیں۔ اس طرح معراج سلمہ نبوّت میں طائف کے سفر سے واپسی کے بعد کسی مہینہ میں ہوئی۔ ابن حزم کا بھی یہی بیان ہے جسے ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ لیکن عام خیال یہ ہے کہ وہ ماہِ رجب کی ۲۷ ویں شب تھی۔ مورّخین اور سیرت نگاروں کا رُجحان زیادہ تر نبوّت کے بارہویں سال کی جانب ہے۔

اَسرار اور مِعراج کے واقعہ نے فکر انسانی کو ایک نیا موڑ عطا کیا۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی سے آج کا انسان اس کا ادراک کر سکتا ہے۔ چودہ سَو سال پہلے، وحی، بُراق، اَسرار، معراج، جنّت اور دوزخ ناقابلِ فہم اور ناقابلِ یقین باتیں تھیں۔ جن کی تصدیق کے لئے فکر و نظر کے سرمایہ کو داؤ پر لگانے کے لئے کسی ابو بکرؓ جیسی بالغ نظر شخصیت کی ضرورت تھی۔

اسرار سے مُراد زمینی سفر ہے۔ یعنی رات کے ایک حصّہ میں رسولُ اللہ کا مسجدِ حرام (بیتُ اللہ) سے مسجدِ اقصیٰ (بیتُ المقدس) تک بُراق پر تشریف لے جانا۔ معراج سے مُراد آسمانی سفر ہے۔ یعنی بیتُ المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ تک عُروج کرنا۔

قرآن پاک میں تین مقامات پر اس واقعہ کا ذِکر ہوا ہے۔ سُورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت ہے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ۝

"وہ ذات پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجدِ حرام (خانۂ کعبہ) سے مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس) تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔ لے گیا تاکہ ہم اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سُننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔"

دوسرا مقام بھی سورۂ بنی اسرائیل کی ۶۰ ویں آیت ہے۔

وَمَا جَعَلۡنَا الرُّءۡیَا الَّتِیۡۤ اَرَیۡنٰکَ اِلَّا فِتۡنَۃً لِّلنَّاسِ

"اور جو نمائش ہم نے تمہیں دکھائی اس کو لوگوں کے لئے آزمائش کیا۔"

تیسرا موقع سورۂ نجم کی ابتدائی آیات ہیں۔

"قسم ہے تارے کی جب کہ وہ غروب ہوا۔ تمہارا رفیق نہ بھٹکا ہے، نہ بہکا ہے۔ وہ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں بولتا۔ یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔ اسے زبردست قوت والے نے تعلیم دی ہے، جو بڑا صاحبِ حکمت ہے۔ وہ سامنے آ کھڑا ہوا جبکہ بالائی اُفق پر تھا۔ پھر قریب آیا اور اُوپر معلق ہو گیا۔ یہاں تک کہ دو کمانوں کے برابر یا اس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔ تب اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو وحی بھی اُسے پہنچانی تھی۔ نظر نے جو کچھ دیکھا دل نے اس میں جھوٹ نہ ملایا۔ اب کیا تم اس چیز پر اس سے جھگڑتے ہو جسے وہ آنکھوں سے دیکھتا ہے۔

اور ایک مرتبہ پھر اس نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اس کو اُترتے دیکھا جہاں پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ اس وقت سِدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ کہ چھا رہا تھا۔ نگاہ نہ چُندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی۔ اور اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔"

محمدؐ کلیم و محمدؐ کلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیلؑ اور میکائیلؑ آئے۔ میرا سینہ چاک کیا۔ دل کو آبِ زم زم سے دھویا اور اسے ایمان و حکمت سے لبریز کر کے اپنے مقام پر رکھ دیا۔ جبرئیلؑ میرا ہاتھ پکڑ کر صفا و مروہ کے درمیان لائے۔ جہاں براق کھڑا تھا۔ وہ

اونٹ سے کم اور دراز گوش سے بڑا تھا۔ اس کا چہرہ آدمی کی طرح، کان ہاتھی کی مانند، گردن اونٹ کی سی، اس پر بال گھوڑے کے مثل، کمر شیر جیسی، پیر گائے کے سے۔ سینہ گویا یاقوتِ سرخ کا دانہ تھا۔ ران پر دو پر تھے۔ زین بندھی تھی۔ سُبک رفتاری کا یہ عالم کہ اس کا اُٹھنے والا ہر قدم حدِ نگاہ پر پڑتا۔ اس جنتی بُراق کا نام جارود تھا۔ حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا یہ بُراق ابراہیم علیہ السلام کا ہے جس پر سوار ہو کر وہ خانہ کعبہ کی زیارت کو آیا کرتے تھے۔ انھوں نے رکاب تھامی۔ میکائیلؑ نے لگام پکڑی۔ میں نے کہا۔ سوار ہو جاؤں۔ اس نے شوخی دکھائی۔ مدتوں سے اس پر کوئی سوار نہ ہوا تھا۔ جبرئیلؑ نے کہا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم، ان ہستی سے بزرگ تر کوئی تجھ پر سوار ہی نہیں ہوا۔ یہ سُن کر اس پر لرزہ طاری ہو گیا اور بُراق پسینہ پسینہ ہو گیا۔ جلو میں آگے پیچھے، دائیں بائیں، فرشتوں کی جماعتیں تھیں۔ راستے میں کسی نے کہا۔ ذرا ٹھہریئے مجھے کچھ دریافت کرنا ہے۔ پھر یہی آواز بائیں طرف سے سُنائی دی۔ میں نے کوئی توجہ نہ دی۔ ایک خوبصورت عورت نے بہ ہزار عشوہ و ناز متوجہ کرنا چاہا۔ لیکن میں نے منہ پھیر لیا۔ رفیقِ سفر نے بتایا۔ دائیں طرف کی آواز یہودیت کی تھی۔ بائیں طرف کی آواز عیسائیت کی تھی۔ آپؐ توجہ دیتے تو آپ کی اُمت ان میں سے ہو جاتی۔ خوبصورت عورت دُنیا تھی۔ ادھر آپؐ دیکھتے تو آپؐ کے اُمتی دنیادار ہو جاتے۔ کچھ دُور بعد ایک اور عورت نظر آئی جو بُڑھاپے کی سرحد پر تھی۔ رازدانِ حقیقت نے بتایا اسے دیکھ کر دنیا کی بقیہ عمر کا اندازہ لگا لیجئے۔

راستے میں ایک جگہ کھجوروں کے درختوں کے جُھنڈ کے جُھنڈ نظر آئے۔ جبرئیلؑ نے کہا یہ آپؐ کا دارالہجرت ہے۔ یہاں اُتر کر آپؐ نے دو رکعت نفل نماز پڑھی۔ جبرئیلؑ نے طورِ سینا پر براق کو روکا جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ بنے تھے یہاں بھی دوگانہ ادا فرمایا۔ تیسری منزل بیت اللحم تھی۔ رفیقِ سفر نے بتایا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت ہے۔ یہاں بھی آپؐ نے نماز پڑھی۔ اَسرار کے اس سفر کی آخری منزل مسجد اقصیٰ تھی۔ اب وہ سرزمین شروع ہوئی جہاں برکتیں ہی برکتیں ہیں۔ سرسبز، شاداب، رُوح پرور دلکش اور دلفریب علاقہ، بے شمار انبیاء کی جائے پیدائش۔ ان کا میدان تبلیغ۔ حضرت سُلیمان علیہ السلام کا بنایا ہوا ہیکل سلیمانی تو باقی نہ تھا البتہ اس کے آثار کہہ رہے ہیں کہ عمارت عظیم تھی۔ آپ بُراق سے اترے۔ اسی چٹان سے اس کی لگام باندھی جہاں انبیاء سابق باندھا کرتے تھے۔ فرشتوں کا انبوہ کثیر۔ استقبال کو موجود تھا۔ اور ان کی زبانوں پر

"السلام علیک یارسُول اللہ، یا اوّل یا آخر یا حاشر" تھا۔ رازدانِ حقیقت جبرئیلؑ نے بتایا۔ آپ اوّل با اعتبارِ شفاعت ہیں۔ آخر سلسلۂ انبیاء کے ہیں۔ حاشر، یوں کہ آپؐ کا اور آپؐ کی اُمّت کا اوّلین حشر ہوگا۔

عُروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں

ہیکلِ سُلیمانی میں داخل ہوئے تو تمام پیغمبروں کو نماز کے لئے مُنتظر پایا۔ صفیں سیدھی ہوئیں۔ ہر کوئی منتظر تھا کہ کسے شرفِ امامت نصیب ہوگا۔ وحی کے امین نے آخرالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مُبارک تھام کر مصلّیٔ امامت پر کھڑا کردیا۔ اور خود اقامت کی اذان پڑھنے لگے۔ ابتدائے وحی کے موقع پر امامت جبرئیل علیہ السلام نے کی اور اقتداء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اور معراج کا وقت آیا تو جُملہ انبیاء، اور فرشتوں نے آپ کے پیچھے رکوع و سجود کیے۔

نماز ختم ہوئی تو تمام انبیاء نے اپنا تعارف کرایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حمد وثنا کے بعد فرمایا۔" اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا۔ تنہا مجھ کو اُمّت قرار دیا۔ لوگوں کا مقتدا بنایا۔ آتشِ نمرود کو سلامتی والا بنایا۔" حضرت موسیٰ علیہ السلام حمد وثنا کے ساتھ گویا ہوئے،" مجھے میرے رب نے کلیم بنایا۔ فرعون کو ہلاک کرکے بنی اسرائیل کو نجات دی۔ میری اُمّت میں ایسے لوگ ہوئے جو توریت کی وجہ سے راہِ راست پر قائم رہے۔ اور لوگوں کو ہدایت دی۔" حضرت داؤد علیہ السلام نے کہا:" اللہ تعالیٰ نے مجھے مُلک عظیم عطا فرمایا۔ مجھ پر زبُور اُتاری۔ لوہے کو میرے لئے نرم، طیور اور جانوروں کو مسخر فرمادیا۔ حکمت اور لحن بخشا۔" حضرت سلیمان علیہ السلام نے حمد وثنا کے بعد کہا:" اللہ تعالیٰ نے ہوا اور جنّات میرے لئے مسخر فرمادیئے۔ پرندوں کی زبان سکھادی۔ ایسا ملک عظیم عطا فرمایا کہ میرے بعد کسی کو عطا نہیں کیا۔" حمد وثنا کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی زبان پر آیا:" اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا کلمہ قرار دیا۔ مثلِ آدم مجھے "کن" سے پیدا فرمایا۔ انجیل عطا ہوئی۔ مُردوں کو زندہ کرنا۔ کوڑھیوں کو شفا دینا۔ پرندوں میں رُوح پھونکنا سکھایا۔ مجھے اور میری ماں کو شیطان سے محفوظ رکھا۔" حمد وثنا کے بعد امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:" اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمت اللعالمین بنایا۔ تمام انسانوں کی طرف رسول بناکر بشیر ونذیر قرار دیا۔ آخری صحیفۂ آسمانی قرآن نازل فرمایا۔ میری اُمّت کو" اُمّتِ وسط" بنایا۔ میرے نام کو بلند فرمایا۔

مجھے فاتح اور خاتم قرار دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب کی طرف سے جواب دیا۔ "آپؐ تمام انبیائے سے افضل ہیں۔"

امام الانبیاءؐ جب مسجد سے باہر تشریف لائے۔ شراب اور دُودھ کے دو پیالے خدمتِ اقدس میں پیش کئے گئے۔ آپؐ نے دُودھ کا پیالہ اُٹھالیا۔ رازدان نے کہا۔ آپؐ نے فطرت کو پسند فرمایا۔ شراب سے آپؐ کی اُمّت گمراہ ہو جاتی۔

ہم سفر حضرت جبرئیل علیہ السلام صخرہ پر لے آئے جہاں سے فرشتے آسمانوں کی طرف عُروج کرتے ہیں۔ یہاں ایک سیڑھی نمودار ہوئی۔ عربی میں معراج کے معنی سیڑھی کے ہیں۔ آسمان پر پہنچے تو جبرئیلؑ نے دروازہ کھولنے کے لئے دربان فرشتے کو آواز دی۔ پوچھا ساتھ کون ہیں اور کیا وہ بلائے گئے ہیں۔ اثبات میں جواب پاکر مرحبا کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ فرشتوں نے پرتپاک استقبال کیا۔ یہاں ایک بزرگ ہستی سے ملاقات ہوئی تو حضرت جبرئیلؑ نے بتایا۔ یہ نسلِ انسانی کے بانی ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ آپ انھیں سلام کیجئے۔ انھوں نے جواب دیتے ہوئے اے صالح بیٹے اور نبی کے الفاظ سے استقبال کیا۔ ان کے دائیں اور بائیں جانب بیشمار لوگ تھے۔ دائیں طرف دیکھتے تو مُسکراتے اور بائیں جانب نظر پڑتی تو غمگین ہو جاتے۔ آپؐ نے استفساری نظروں سے جبرئیلؑ کو دیکھا۔ کہا یہ نسلِ آدم ہے۔ سیدھی جانب نیک لوگ ہیں اور بائیں جانب بُرے۔

مشاہداتِ پیغمبرِ آخرالزماںؐ

پہلے آسمان پر آپؐ نے دیکھا کہ لوگ کھیتی کاٹ رہے ہیں۔ جتنا کاٹتے ہیں۔ اس سے زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ بتایا یہ وہ لوگ ہیں جو راہِ خدا میں جہاد کرتے ہیں۔ ان کا اجر بڑھتا ہی رہتا ہے۔ آپؐ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ فرشتے ان کے سر پتھر سے کچل رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ وہ ہیں جو نماز سے غفلت برتتے تھے۔ چند ایسے لوگوں پر گزر ہوا جن کے کپڑوں پر پیوند تھے، جانوروں کی طرح گھاس کھا رہے تھے۔ یہ زکوٰۃ اور خیرات سے جی چُرانے والوں کا حشر تھا۔ ایک آدمی لکڑیوں کا گٹھا اُٹھانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ اُٹھتا نہیں تھا تو لکڑیاں کم کرنے کے بجائے اور بڑھا دیتا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جو امانتوں اور ذمہ داریوں کے بوجھ کو کم کرنے کی بجائے اس میں مسلسل اضافہ کرتا ہے۔ چند لوگوں کے پیٹ میں سانپ بھرے تھے۔ لوگ انھیں زمین پر رَوندتے ہوئے

گزر رہے تھے یہ بدبخت سُود خور تھے۔ چند مرد اور عورتوں کو دیکھا کہ ان کے ایک طرف تازہ ذائقے دار گوشت رکھا ہے اور دوسری طرف سڑا ہوا، وہ سڑے گوشت کی طرف رغبت سے ہاتھ بڑھاتے۔ یہ حلال بیویوں اور جائز شوہروں کے ہوتے ہوئے زنا کرنے والوں کا حشر تھا۔ دیکھا ایک سوراخ سے بڑا بیل نکل آیا، پھر اسی راستے واپس ہونا چاہتا ہے لیکن جا نہیں سکتا۔ یہ فتنہ پھیلانے والوں کا انجام تھا۔ کچھ لوگ تانبے کے ناخن سے اپنا منہ نوچے جا رہے تھے۔ یہ غیبت کرنے والے تھے۔ چند افراد کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں جیسے تھے جو انگارے پھانک رہے تھے۔ یہ یتیموں کا مال ہضم کرنے والے تھے۔ بعض عورتیں چھاتیوں کے بل لٹک رہی تھیں۔ انھوں نے اپنے شوہروں کے سر اپنے حرام بچے منڈھ دیئے تھے۔ ایسے بہت سارے مشاہدات کے بعد ایک کرخت رُو فرشتہ بڑی ترش رُوئی سے ملا۔ کاشفِ حقائق جبرئیلؑ نے کہا یہ دوزخ کا داروغہ مالک ہے۔ آپؐ نے جہنم کو دیکھنے کی خواہش کی۔ پردہ اٹھایا گیا تو دوزخ اپنی پوری ہولناکیوں کے ساتھ نمودار ہو گئی۔

اس کے بعد آپؐ دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے۔ یہاں دو نوجوان پیغمبروں حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تعارف ہوا۔ انھوں نے اے صالح پیغمبر اور صالح بھائی کے الفاظ سے خیر مقدم کیا۔ تیسرے آسمان پر جو ہستی تھی۔

ع فروغِ حُسن سے اس کے چمک گئی ہر چیز

یہ حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔ چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام نے استقبال کیا۔ پانچویں پر حضرت ہارُون علیہ السلام نے۔ چھٹے پر موسیٰ کلیم اللہ سے ملاقات ہوئی۔ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم جب ان سے مل کر آگے بڑھے تو کسی کی آوازِ گریہ آئی۔ حضرت جبرئیلؑ نے بتایا کہ حضرت موسیٰ اس بات پر روتے ہیں کہ ان کی اُمت کے لوگ آپ کی اُمت سے کم جنت میں داخل ہوں گے۔

ساتویں آسمان کے عجائبات ہی کچھ اور تھے۔ زمین پر کعبۃ اللہ کے عین اوپر بیت المعمور فرشتوں کا کعبہ تھا۔ ایک وقت میں ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کر رہے تھے۔ پھر دوبارہ ان کی باری نہیں آتی تھی۔ اس سے ٹیک لگائے معمارِ حرم حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹھے تھے۔ وہ حضورؐ کے ہم شکل تھے۔ انھوں نے بھی ابن صالح اور نبئ صالح کے الفاظ کے ساتھ سلام کا جواب دیا۔

میرے آقا کے قدم عرشِ بریں تک پہنچے

ساتویں آسمان سے آپ سِدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے۔ سِدرہ ایک بیری کا درخت ہے۔ اس کی جڑیں ساتویں آسمان میں ہیں اور یہ بہت بلند ہے۔ اس کے پتے ہاتھی کے کان کے برابر ہیں اور پھل مٹکوں کی طرح تھے۔ فرشتے جگنوؤں کی مانند ان پتوں پر تھے۔ وہ حالتِ قیام میں سُبحان اللہ کا وِرد کر رہے تھے۔ یہیں انھوں نے معزز مہمان اور آخری نبیؐ کا دیدار کیا۔ سِدرہ کی جڑ سے چار نہریں پھوٹ رہی تھیں۔ دو ظاہر اور دو پوشیدہ۔ حضرت جبرئیلؑ نے بتایا۔ جو ظاہر ہیں وہ دَجلہ اور فرات اور پوشیدہ جنّت کی نہریں کوثر اور سلسبیل ہیں۔ یہاں آپ کی خدمت میں شراب، دودھ اور شہد کے پیالے پیش کیے گئے۔ آپ نے دُودھ کا پیالہ اٹھالیا۔ جبریلؑ نے کہا۔ یہ فِطرت کی جانب رہنمائی ہے۔ جو آپؐ کی اُمّت کا طرۂ اِمتیاز ہے۔

سِدرۃ المنتہیٰ عالمِ خلق اور ربّ السمٰوٰتِ والارض کے درمیان حدِ فاصل ہے۔ یہاں تمام خلائق کا علم ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے آگے عالمِ غیب ہے جس کا علم نہ کسی مقرّب فرشتے کو ہے اور نہ کسی رسول کو۔ نیچے سے جو کچھ آتا ہے یہاں لے لیا جاتا ہے اور اُوپر سے جو کچھ نازل ہوتا ہے یہیں وصول کر لیا جاتا ہے۔ اسی مقام پر جنّت الماوٰی ہے جس کا سُورۂ نجم میں ذِکر ہے۔ حضور اکرمؐ جنّت میں داخل ہوئے۔ اس میں وہ تمام نعمتیں ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کان نے سُنا۔ یہیں مہمانِ عرش نے مئے توحید کے متوالے بارگاہِ نبوی کے مؤذّن حضرت بلالؓ کی آوازِ اذان اور ان کے قدموں کی چاپ سُنی۔ مشاہدۂ جنّت کے بعد حضرت جبریلؑ سِدرہ سے کچھ آگے ایک مقام پر رُک گئے اور عرض کیا۔ اگر اس مقام سے بال برابر بھی آگے بڑھوں تو جل کر خاک ہو جاؤں۔

رُک کے سِدرہ کی منزل پہ جبریلِ امینؑ ٭ رفعتِ مُصطفیٰؐ دیکھتے رہ گئے

عرش والوں پہ بھی کُھلتا نہیں یہ راز ہے کیا؟

اب آپؐ کا اور آپؐ کے ربّ کا معاملہ ہے۔ حضورؐ سجدے میں گر پڑے۔ اس مقام پر سبز رنگ کا ایک تخت ظاہر ہوا۔ جس کا نام رفرف ہے۔ اس کے ساتھ ایک فرشتہ تھا۔ حضرت جبریلؑ نے حضورؐ کو اس فرشتے کے سپرد کیا۔ مقامِ محمُود کا مالک حضوریٔ حق سے سرفراز ہوا۔

بیت المقدس میں احاطۂ حرم

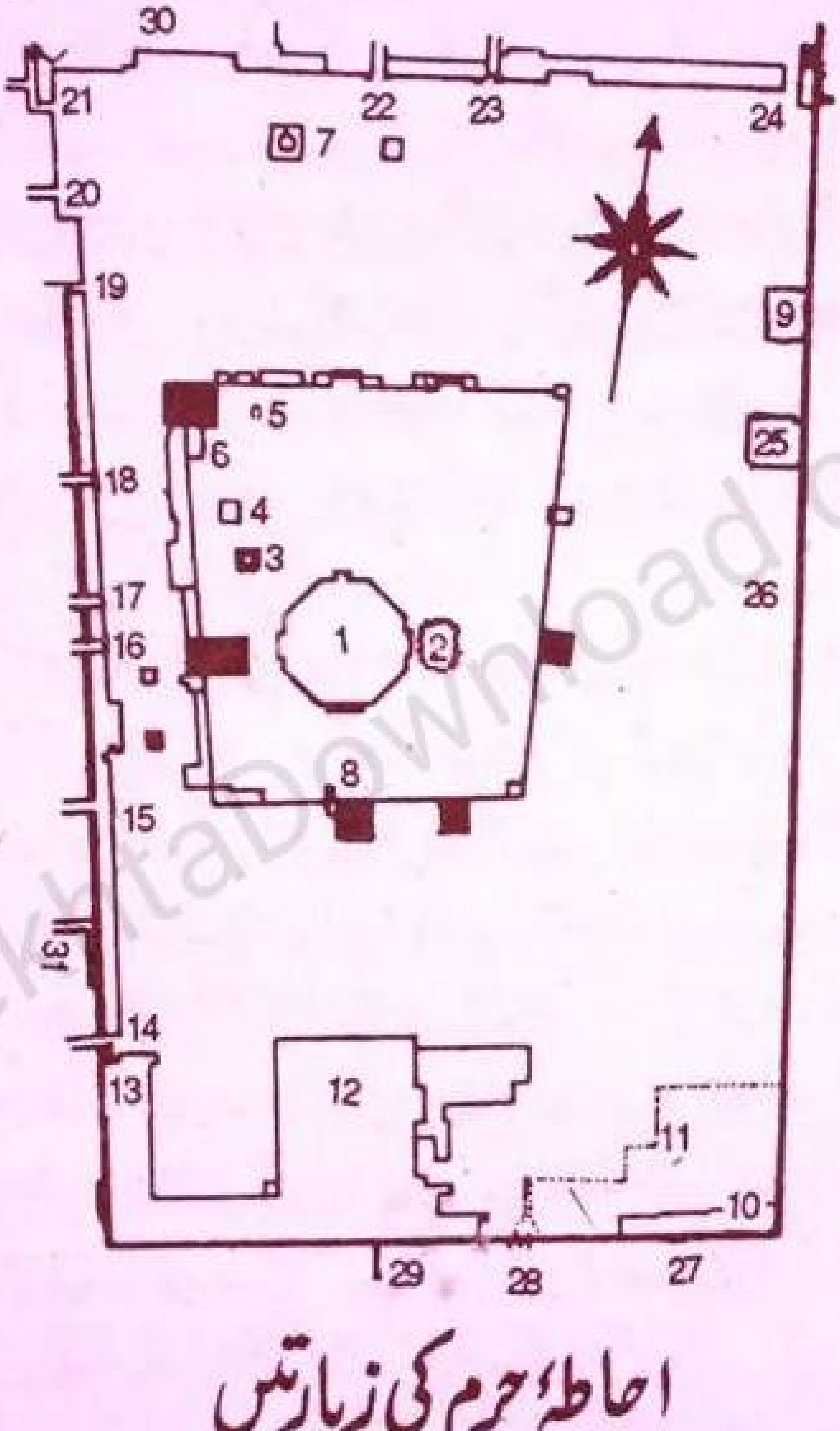

احاطۂ حرم کی زیارتیں

(۱) قبۃ الصخرہ (۲) قبۃ السلسلہ (۳) قبۃ المعراج (۴) قبۃ النبی (۵) قبۃ الارواح (۶) قبۃ الخضر (الیجاہ) (۷) قبۃ سلیمان (۸) کھلا منبر (۹) تخت سلیمان (۱۰) مہد عیسیٰ (۱۱) اصطبل سلیمان (۱۲) مسجد الاقصیٰ (۱۳) باب النبی (۱۴) باب المغاربہ (۱۵) باب السلسلہ (۱۶) باب المطارہ بارش (۱۷) باب القطانین (۱۸) باب الحدید (۱۹) باب المناظر (۲۰) باب الزوایا (۲۱) باب الغواغہ (۲۲) باب السقر (۲۳) باب التوبہ (۲۴) باب الاسباط (۲۵) باب الذہب (۲۶) باب القدیم (۲۷) اکہرا دروازہ (۲۸) تہرا دروازہ (۲۹) دوہرا دروازہ (۳۰) ۱۹۱۸ء سے قبل ترک افواج کا مستقر (۳۱) یہودیوں کا مقام گریہ۔

RekhtaDownload.com

عینِ ذات کے مشاہدے کا ذکر نہ قرآن میں ہے اور نہ احادیث میں۔ بارگاہِ احدیت میں سلام عرض کرنے کے لئے یہ الفاظ القا ہوئے اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلوٰتُ وَالطَّیِّبٰتُ تمام قولی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ کے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا جواب آیا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ آنحضرتؐ نے دوبارہ عرض کیا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ۔ سلام ہو ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں پر۔ اس پر حضرت جبرئیلؑ اور ملائکہ کی آواز سنائی دی۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

معراج کا تحفہ ۵۰ فرض نمازوں کی صورت میں دیا گیا۔ سورۂ بقر کی آخری دو آیات بغیر واسطے کے راست حق شانہٗ سے عطا ہوئیں۔ یہ بشارت بھی دی گئی کہ سوائے شرک تمام گناہوں کے بخشے جانے کا امکان ہے۔ یہ وہ تحائف ہیں جو جنّت کے خزانوں میں سے حضورؐ کے توسط سے ان کی اُمّت کو عطا ہوئے۔

چھٹے آسمان پر لوٹے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا۔ معراج کا کیا تحفہ لائے۔ فرمایا ۵۰ نمازیں۔ حضرت موسیٰ نے کہا مجھے اپنی اُمّت کا تجربہ ہے اس کی پابجائی آپ کی اُمّت سے بھی نہ ہو سکے گی۔ تخفیف کی درخواست پر کم ہوتے ہوتے پانچ فرض نمازیں رہ گئیں۔ حضرت موسیٰؑ نے مزید کمی کا مشورہ دیا۔ فرمایا مجھے بار بار اپنے ربّ سے عرض کرتے ہوئے حیا آتی ہے۔ اتنے میں ندا آئی پانچ نمازیں نافذ کر دی گئیں لیکن ان کا ثواب پچاس کے برابر ہو گا۔ جس نے نیکی کا ارادہ کیا اور اس پر عمل نہیں کیا اس کے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی۔ اگر عمل کیا تو دس نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ جس نے بُرائی کا ارادہ کیا اور عمل نہیں کیا تو نامۂ اعمال میں کچھ نہیں لکھا جائے گا۔ عمل کرے تو ایک گناہ لکھا جائے گا۔ سدرۃ المنتہیٰ سے آپ نے حضرت جبرئیلؑ کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا۔ ان کے چھ سو پَر تھے۔ وہ سبز جوڑا پہنے ہوئے تھے۔ ان کے پھیلاؤ سے سارا اُفق بھر گیا تھا۔

واپسی کے سفر میں مکّہ آتے ہوئے چند قافلوں پر سے آپؐ کا گزر ہوا۔ ایک قافلہ مقام روحا میں ٹھہرا تھا۔ ان کی اُونٹنی گم ہو گئی تھی۔ وہ تلاش میں گئے ہوئے تھے۔ وہاں آپؐ نے پانی پیا۔ دوسرا کارواں مقام ذی طویٰ میں۔ ان کا ایک اونٹ گر پڑا اور اس کا پاؤں ٹوٹ گیا۔

مقامِ تنعیم کے کارواں کے آگے آگے ایک بھورا اونٹ چل رہا تھا۔ جس پر ایک حبشی سوار تھا۔ وہ آفتاب کے غروب ہونے تک مکہ پہنچ جائے گا۔ مقامِ ذی طویٰ میں حضورؐ نے رفیقِ سفر جبرئیلؑ سے پوچھا۔ قریش اس معاملہ میں میری تصدیق نہیں کریں گے۔ رمز شناسِ عالمِ ملکوت سیّد الملائک نے جواب دیا۔ ابوبکرؓ ابن قحافہ آپ کی تصدیق کریں گے۔

روشن چراغِ وفا

صبح آپؐ نے یہ واقعہ حرم میں کفارانِ قریش کو سُنایا۔ ابوجہل کو تکذیب کا ایک نیا شوشہ ہاتھ آیا۔ وہ کچھ لوگوں کو لے کر حضرت ابوبکرؓ کے گھر گیا۔ انھیں توقع تھی کہ راتوں رات سفر والی بات ان جیسا سلیم الطبع شخص کبھی قبول نہیں کرے گا۔ مکہ سے بیتُ المقدس کا سفر جہاں قافلہ ایک مہینہ میں جاتا ہے اور ایک مہینہ میں آتا ہے۔ اس طرح (معاذ اللہ) فتورِ عقل ثابت کر کے حضرت ابوبکرؓ کو توڑا جا سکتا ہے۔ سارا ماجرا سُن کر حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ اگر واقعی محمدؐ نے یہ بات بیان فرمائی ہے تو یہ بالکل سچ ہے۔ میں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ میں تو روز سُنتا ہوں کہ ان کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ حرم میں آئے تو ابھی مسجدِ اقصیٰ کے بارے میں سوالات کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضورؐ سے پوچھا۔ کیا آپؐ نے ایسا فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا۔ ہاں۔ کہا بیتُ المقدس میرا دیکھا ہوا ہے۔ آپ ان کے سوالات کے جوابات دیجیے۔ اللہؔ نے بیتُ المقدس کو "دارِ عقیل" کے پاس رکھ دیا۔ حضورؐ تفصیل بیان کرنے لگے اور حضرت ابوبکرؓ اس کی تصدیق کرتے جاتے تھے۔ جھٹلانے والوں کو شدید دھچکا لگا۔ ابوبکرؓ۔ اقلیمِ عشق کے تاجدار۔ پیکرِ صدق و یقین نے اپنے آقا کی زبان سے معراج کی تفصیل سُنتے ہی بلاجھجک اس کی تصدیق کی۔ عقل و خرد داؤ پر لگا کر دانشورانِ کُفر کو محوِ تماشا کر دیا۔ یہی موقع تھا کہ صاحب المعراج والبراق نے ابوقحافہ کے بیٹے کو صدّیق کا لقب عطا فرمایا۔ بعد میں قافلوں نے مکہ پہنچ کر حضور اکرمؐ کی کہی ہوئی باتوں کی تصدیق کر دی۔ یہ نکتہ واضح رہے کہ رسول اللہ کا یہ زمینی اور آسمانی سفر لوگوں کی نظر میں اس وقت معتبر ہوا جب حضرت ابوبکرؓ نے والہانہ جذبۂ یقین سے اس کی تصدیق کی۔

کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

معراج کا واقعہ ۱۴ سو سال پہلے محیّر العقول تھا۔ لیکن آج سائنس اور ٹیکنالوجی کی

ترقی نے اسے ممکن قرار دیا ہے۔ انسان کے قدم چاند پر پہنچ چکے ہیں۔ یہ اشارہ واقعۂ معراج ہی میں مُضمر ہے کہ گردُوں عالمِ بشریّت کی زد میں ہے۔ بُراق کی تیز رفتاری پر برقی رَد کی سُرعت شہادت بن گئی۔ آواز کی رفتار سے تیز سُپر سانک طیارے۔ خلا میں چھوڑے جانے والے راکٹ۔ ریڈیو۔ ٹی وی۔ ٹیلیفون کے ذریعہ پیام کی فوری ترسیل چند سکنڈوں میں مطلوبہ منزل پر پہنچنے والی لِفٹ، ہیروشیما اور ناگا ساکی کو لمحوں میں تباہ کر دینے والا ایٹم بم (سُورۂ فیل کی تصدیق) یہ سب قرآنی پیش گوئیوں کی تصدیق کر رہے ہیں۔ رات دن کا مشاہدہ ہے کہ گھر میں بیک وقت بلب روشن ہیں۔ ریڈیو۔ ٹی وی۔ اِستری۔ ایر کنڈیشن ٹیپ ریکارڈر وغیرہ سب چل رہے ہیں۔ کرنٹ چلا گیا اور سب کام رُک گیا۔ برقی رَو آئی اور ہر چیز پھر سے کام کرنے لگی۔ انسان نے یہ سب کچھ ممکن بنا دیا اور اگر معراج کی شب خالقِ کائنات نے نظامِ زمان و مکاں کو مُعطّل کر دیا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ وحی، بُراق۔ زمین سے آسمان والی سیڑھی، رفرف، جنّت، دوزخ، فرشتے۔ یہ سب کچھ حق ہیں۔ اس لئے حق ہے کہ اس کی شہادت جس ہستی نے دی ہے اس سے بڑھ کر صادقِ امین، بشیر و نذیر کوئی اور نہیں۔ یہی ایمان کی کسوٹی ہے۔ یہی یقین کا امتحان ہے۔ فراستِ صدیقی رضؓ نے لمحوں میں جو مقام حاصل کر لیا تھا اہلِ دُنیا بقدرِ ظرف زمانہ کے گزرنے کے ساتھ اس کی تصدیق کرتے رہیں گے۔

اَزل اس کے پیچھے اَبد سامنے

رسول اکرمؐ کے اس سفر میں بے شمار نکات مضمر ہیں۔ سُورۂ بنی اسرائیل اور سُورۂ نجم سے یہ واضح ہے کہ رسول اللہؐ نبیٔ قبلتین ہیں۔ مسجدِ حرام یعنی کعبۃ اللہ اور مسجدِ اقصیٰ دونوں طرف رُخ کر کے نماز پڑھی۔ اسی طرح امامِ قبلتین ہیں۔ آپؐ کی ذات سے یہ دونوں مُقدّس مقامات ہم آغوش ہو گئے۔ مسجدِ اقصیٰ میں امامُ الانبیاء بن کے اپنے سے پیشتر و تمام انبیاء کی امامت فرمائی۔ اس طرح ان کے وارث ہوئے اور آئندہ بنی نوعِ انسان کے رَہبر، رَہنُما، ہادی اور رسول ہو گئے۔ یہ باتیں دراصل پیغامِ محمدی کی عُمومیت، دعوتِ اسلام کی آفاقیت اور محمدؐ کی اَبدیّت کو ظاہر کرتی ہیں۔ اسی لئے یہی وہ دین ہے جسے خالقِ کائنات نے بنی نوعِ انسان کے لئے پسند فرمایا اور آپ وہ رسول جو خاتم النبیینؐ ہیں۔

مسجدِ اقصیٰ کے پادری کی گواہی

صلحِ حدیبیہ کے بعد ۶ھ میں رسول اکرم ﷺ نے قیصرِ روم ہرقل کے پاس دعوتِ اسلام کا پیغام حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ کے ذریعہ روانہ فرمایا۔ اس نے نامۂ مبارک پاکر حکم دیا کہ حجاز کے تاجروں میں کوئی اس وقت شہر میں موجود ہو تو بلایا جائے۔ اتفاق سے ابوسفیان تاجروں کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ قیصرِ روم نے نبئ ہاشمی کے بارے میں ابوسفیان سے سوالات کئے اور دوسرے تاجروں سے کہا اگر یہ شخص غلط بیانی سے کام لے تو مجھے فوراً بتادو۔ ابوسفیان کہتا ہے کہ میرا دل چاہتا تھا کہ ایسا بیان دوں جس سے تاجدارِ مدینہ کی وقعت شہنشاہِ روم کی نظروں میں گر جائے۔ مگر ساتھیوں کے ڈر سے غلط بیانی نہ کر سکا۔

یکایک مجھے واقعۂ معراج کا خیال آیا۔ دل نے کہا اسے سُن کر قیصر کو ان کے (معاذاللہ) جھُوٹے ہونے کا یقین آجائے گا۔ پھر ابوسفیان نے راتوں رات مکّہ سے مسجدِ اقصیٰ میں آنا پھر آسمانوں کی سیر کے واقعات بیان کئے۔ اس وقت اتفاقاً ہرقل کے پاس عیسائیوں کا پیشوا اور مسجد اقصیٰ کا لارڈ پادری موجود تھا۔ اس نے کہا مجھے اس رات کا علم ہے بتایا کہ ہر رات سونے سے پہلے میں مسجدِ اقصیٰ کے تمام دَروازے بند کر دیتا ہوں۔ اس رات صدر دروازہ باوجود کوشش بسیار کے بند نہ ہوا۔ تمام ملازمین نے پورا زور لگایا۔ مگر ناکام رہے۔ بالآخر نجاروں کو بلایا گیا۔ انھوں نے دیکھ کر کہا یوں لگتا ہے کہ اُوپر کی عمارت کے دَباؤ سے ایسا ہوا ہے۔ اب رات میں کچھ ہو نہیں سکتا۔ صبح خرابی کا پتہ لگالیں گے۔ لارڈ پادری نے کہا کہ دروازے کے دونوں کواڑ کھُلے چھوڑ کر ہم اپنے گھروں کو چلے گئے۔ علی الصّبح میں آیا تو مسجد کے دروازے کو بالکل ٹھیک پایا۔ مسجد کے قریب چٹان میں سُوراخ دیکھا۔ جس سے کسی جانور کو باندھنے کا نشان تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ رات دروازے کا کھُلا رہنا صرف اس نبی کے لئے تھا جس کی بشارت حضرت عیسیٰؑ نے دی تھی۔ یقیناً رات انھوں نے مسجدِ اقصیٰ میں نماز پڑھی ہوگی۔ [۱۶۵]

شعاعِ تاباں

یہ چھ یثربی نورِ ایمان کو دل میں بسائے اپنے وطن لوٹے تو ہر محفل، ہر مجلس،

ہر گلی اور ہر گھڑی ہر گھر میں رسول اللہؐ کا چرچا ہونے لگا۔ نبئ آخرالزماں کے مبعوث ہونے کی خبر بوئے گل کی طرح ہر طرف پھیل گئی۔ حج کا موسم آیا تو اس دفعہ بارہ افراد دیدارِ رسول کا دل میں ارمان لیے سفر پر روانہ ہوئے۔ ان میں پانچ تو انہیں چھ میں سے تھے۔ البتہ پچھلے حضرت جابرؓ بن عبداللہ بن ریاب کسی وجہ سے اس دفعہ شریکِ سفر نہ ہو سکے۔ نئے چھ مشتاقانِ دیدار اور متاعِ ایمان کے خریدار یہ تھے۔

۱۔	حضرت ذکوانؓ بن عبد قیس	خزرج کی شاخ بنی زریق سے تعلق تھا۔ بیعت کے بعد مکہ میں رہ گئے اور حضور اکرمؐ کے حکم سے ہجرت کے بعد مدینے آئے۔ یہ واحد صحابی ہیں جنھیں مہاجر و انصار ہونے کا شرف حاصل ہوا۔
۲۔	حضرت عبادہؓ بن صامت	بنی عوف بن خزرج سے تعلق تھا۔
۳۔	حضرت ابو عبدالرحمٰنؓ یزید بن ثعلبہ	بنی بلی سے تعلق اور بنی خزرج کے حلیف تھے۔
۴۔	حضرت عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ	بنی سالم بن عوف بن خزرج سے تھے۔
۵۔	حضرت ابوالہیثمؓ مالک بن التیہان	قبیلہ اوس کی شاخ بنی عبدالاشہل سے تھے۔
۶۔	حضرت عویمؓ بن ساعدہ	قبیلہ اوس کی شاخ عمرو بن عوف سے تعلق تھا۔

یہ لوگ منیٰ میں اسی مقام پر ملے جہاں پچھلے سال رسول اللہؐ سے ملاقات کی تھی۔ تاریخ میں اسے بیعتِ عقبہ اولیٰ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضورؐ نے ان کے سامنے سورۂ ابراہیم کی تلاوت فرمائی۔ اس موقع پر جو بیعت لی وہ بیعتِ توبہ یا بیعتِ نسار کے نام سے مشہور ہے۔ بہت بعد میں سورۂ ممتحنہ کی آیت ۱۲ میں مسلمان عورتوں سے بیعت لینے کے جو الفاظ نازل ہوئے وہ اس بیعت سے ملتے جلتے تھے۔ اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ پیغمبر کی زندگی ابتدا ہی سے صحیح رُخ پر ہوتی ہے۔ بیعت کے الفاظ یہ تھے۔

عہد و پیماں

۱۔ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

۲۔ ہم چوری نہیں کریں گے۔

۳۔ ہم زنا نہیں کریں گے
۴۔ ہم اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔
۵۔ ہم کسی پر کوئی بہتان نہیں باندھیں گے۔
۶۔ ہم کسی امرِ معروف میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ آپ کا حکم سُنیں گے اور مانیں گے، خواہ ہم خوشحال ہوں خواہ تنگ حال، خواہ وہ حکم ہمیں گوارا ہو یا ناگوار۔ اور خواہ ہم پر کسی کو ترجیح دی جائے اور ہم حکومت کے معاملہ میں اہلِ حکومت سے نزاع نہیں کریں گے۔ مسند احمد میں اضافہ ہے کہ "اگرچہ تم سمجھتے ہو کہ حکومت ہمارا حق ہے۔"

بخاری میں اضافہ ہے کہ "اِلّا یہ کہ تم کھلا کفر دیکھو" اور یہ کہ ہم جہاں اور جس حال میں بھی ہوں حق بات کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ بیعت کے بعد ارشاد ہوا کہ اگر تم نے اس عہد کو پورا کیا تو تمہارے لئے جنّت کا وعدہ ہے اور اگر کسی نے ممنوع کاموں میں سے کسی کا ارتکاب کیا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، چاہے عذاب دے چاہے معاف کردے۔ ان خوش بختوں کی بیعت گویا یثرب میں صبحِ سعادت کا طلوع تھا۔ ان کی درخواست پر اسی موقع پر قرآن کی تعلیم دینے کے لئے معلّمِ کتاب وحکمت نے اپنے معلّم اور مبلّغ کے طور پر حضرت مصعبؓ بن عمیر کو ان کے ساتھ روانہ کیا۔ ایک روایت میں ان کے ساتھ عبداللہؓ ابن مکتوم کو بھیجنے کا بھی ذکر ہے۔ وہ یثرب میں حضرت اسعدؓ ابن زرارہ کے گھر ٹھہرے اور موعظت وحکمت کے ساتھ اسلام کی تبلیغ میں مشغول ہوگئے۔ چراغ سے چراغ جلنے لگا۔ بنی زریق میں پہلے ہی سے مسجد موجود تھی۔ اب قبیلہ نبیت کے محلے میں ایک اور مسجد کی بنیاد پڑی۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہ نے باجماعت نماز کا اہتمام کیا۔ نماز کی امامت حضرت مصعبؓ بن عمیر کرتے۔ چونکہ اوس وخزرج میں قبائلی عصبیت تھی۔ اس لئے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ⁽¹⁶⁶⁾

نبوّت کا تیرھواں سال

جس طرح سچّے خوابوں سے نبوّت کی ابتدا ہوئی۔ اسی طرح رویائے صادقہ نے ہجرت کے معاملہ میں بھی رہنمائی کی۔ واقعۂ معراج سے پہلے رسول اللہؐ نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ مکہ سے کھجوروں کی زمین کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ خیال فرمایا یہ جگہ یمامہ یا ہجر ہوگی۔ اس کے بعد آپؐ نے ایک اور خواب دیکھا جس میں آپ کی ہجرت گاہ ایک ایسی بستی بتائی گئی جو دو سنگستانوں کے درمیان ہے۔ اور اس میں کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ ہیں۔ آپؐ سمجھ گئے کہ یہ یثرب کی سرزمین ہے۔ وحی کے ذریعہ یثرب، بحرین اور قنسرین کی نشاندہی کی گئی کہ ان میں جہاں فروکش ہوں وہی آپؐ کا دارالہجرت ہوگا۔ اس کے بعد پھر معراج کے سفر میں تو حضرت جبریلؑ نے صاف صاف بتا دیا کہ یثرب کو مدینۃ النبیؐ بننا ہے اور حضورؐ نے یہاں اُتر کر نفل دوگانہ بھی ادا کیا تھا۔[۱۶۷]

نام خدا جدھر گئے دل میں اُتر اُتر گئے

حضرت مصعبؓ بن عمیر روز کسی نہ کسی یثربی بستی میں جاتے اور تبلیغ اسلام کرتے۔ بات ایسی شائستگی سے کرتے کہ کانوں کے راستے دل میں اُتر جاتی۔ کوئی دن ایسا نہ گزرتا جبکہ ایک یا دو افراد مسلمان نہ ہوتے ہوں۔ بنی عبدالاشہل کے سردار سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر تھے۔ جنگ بعاث میں سپہ سالاری کا عَلم اسید ہی کے ہاتھ میں تھا۔ سعد اور اسعد خالہ زاد بھائی تھے۔ ایک دن میزبان (حضرت اسعدؓ بن زرارہ) اور مہمان مبلغ حضرت مصعبؓ بن عمیر قبیلہ اوس کی ایک شاخ بنی ظفر کے ایک کنوئیں بئیر مرق کے پاس بیٹھ کر تبلیغ کرنے لگے۔ سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر کو اطلاع پہنچی کہ ان کے علاقہ میں یہ لوگ جمع ہوئے ہیں۔ سعد نے اسید سے کہا۔ تم جاؤ اور انھیں سمجھاؤ کہ ہمارے محلّہ میں کمزور طبع لوگوں کو بے وقوف نہ بنائیں اور آئندہ ادھر آنے سے منع کر دو۔ اگر اسعد میرا بھائی نہ ہوتا تو میں اسے مزہ چکھا دیتا۔ یہ سُن کر اسید بن حضیر نے ہتھیار

RekhtaDownload.com

سنبھالے اور بیئر مرق کا رُخ کیا۔ جاتے ہی دونوں پر برس پڑے اور دھمکی دی کہ جانوں کی خیر چاہتے ہو تو فوراً یہاں سے نکل جاؤ اور بھول کر پھر ادھر کا رُخ نہ کرنا۔

حضرت مصعبؓ نے بڑی نرمی سے جواب دیا۔ کیا آپ بیٹھ کر ہماری بات نہیں سُنیں گے؟ اگر پسند آئے تو قبول کر لیجئے نہیں تو ہم اس کام سے باز آجائیں گے جو آپ کو پسند نہ ہوگا۔ اسید نے کہا۔ یہ بات تم نے انصاف کی کہی اور نیزہ زمین پر گاڑ کر بیٹھ گئے۔ بارگاہِ نبوت کے تربیت یافتہ مُعلّم و مبلغ نے حکیمانہ انداز میں تعلیماتِ اسلام کو پیش کیا۔ پھر قرآن کی تلاوت کی۔

اسید نے بے اختیار کہا۔ یہ کلام کیسا عمدہ، مختصر اور معنی خیز ہے۔ پوچھا اس دین میں داخل ہونے کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا یہی کہ غُسل سے جسم کو صاف کرلیں۔ پاک کپڑے پہنیں۔ کلمۂ شہادت پڑھیں۔ دو رکعت نماز ادا کریں۔ انھوں نے اس پر عمل کیا۔ کہا میرے پیچھے ایک آدمی اور ایسا ہے کہ اگر وہ اس دین میں داخل ہوجائے تو اس کی قوم کا کوئی فرد پیچھے نہیں رہے گا۔ میں کسی بہانے اسے تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ اسید اب حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن کر اس مقام سے اُٹھے۔ دُور سے انھیں آتا دیکھ کر سعد بن معاذ نے کہا۔ اسید جو چہرہ لے کر یہاں سے گئے تھے وہ چہرہ لے کر واپس نہیں آئے۔

مجلس میں آئے تو پُوچھا کیا طے کر آئے؟ اسیدؓ نے کہا میں نے گفتگو کی ہے اور انھیں سمجھا دیا ہے۔ البتہ وہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ بنو حارثہ تمہاری تذلیل کی خاطر تمہارے عزیز اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے آنا ہی چاہتے ہیں۔ یہ سُننا تھا کہ جوشِ حمیت میں ہتھیار سنبھالے اور بیئر مرق چل پڑے۔ دیکھا اسعدؓ اور مصعبؓ دونوں اطمینان سے بیٹھے ہیں۔ اسیدؓ کا مقصد سمجھ گئے اور غضبناک ہوکر دونوں پر برس پڑے۔ جب غصّہ کا بادل برس کر چھٹ گیا تو بڑی نرمی اور عاجزی سے مبلّغِ اسلام نے وہی درخواست کی اور اسی انداز میں سعد بن معاذ بھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام پر فائز ہوئے۔ جب وہ لوٹ کر آرہے تھے تو اسیدؓ نے ہم نشینوں سے کہا۔ واللہ! یہ وہ چہرہ نہیں جو سعد یہاں سے لے کر گئے تھے۔ آتے ہی اپنے قبیلہ بنی عبدالاشہل والوں سے کہا کہ میں تم میں کس درجہ کا آدمی ہوں؟ سب نے کہا۔ صاحبِ فضیلت اور ہمارے سردار۔ کہا۔ تو پھر تمہارے مرد اور عورتوں کا مجھ سے کلام حرام ہے، جب تک اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لاؤ۔

اس گفتگو کا اثر یہ ہوا کہ شام ہونے سے قبل تمام قبیلہ ایمان لے آیا۔ بجز ایک شخص اصیرم بن ثابت۔ جو میدانِ اُحد میں حضورؐ پر ایمان لائے اور تلوار سونت کر میدان میں کود پڑے۔

یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ نہ ایک نماز پڑھی اور نہ ایک روزہ رکھا حضورؐ کا ارشاد ہوا۔ اس نے عمل تھوڑا کیا لیکن اجر بہت پایا۔ وہ یقیناً جنتی ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بنی عبدالاشہل میں ایک بھی مُنافق نہ تھا۔

پہلی نمازِ جمعہ

اب حضرت سعدؓ نے معلّمِ کتاب و حکمت کے مبلّغ کو اپنے مکان میں مُنتقل کر لیا۔ یہاں لوگ انھیں مقری (پڑھانے والا) کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے بنی عبدالاشہل کے تمام بُت توڑ دیئے۔

اسلام یثرب میں تیزی سے پھیلنے لگا۔ صرف بنی اُمیہ بن زید، خطمہ، وائل اور واقف کے چار گھرانے باقی رہ گئے تھے۔ جہاں ایمان کی روشنی پہنچنے میں دیر لگی۔ یہ لوگ غزوۂ خندق کے بعد مُسلمان ہو گئے۔

حضرت اسعدؓ بن زرارہ کی کوششوں سے حرۃ بنی بیاضہ میں جس کو نقیع الخضمات بھی کہتے ہیں، باجماعت نماز کا انتظام کیا گیا۔ جب مسلمانوں کی تعداد چالیس ہو گئی تو اہلِ یثرب نے یہودیوں کے سبت (ہفتہ) نصرانیوں کے اتوار کی طرح اجتماعی عبادت کے لئے جمعہ کا دن اختیار کیا۔ جو عہدِ جہالت میں یوم عروبہ کہلاتا تھا۔ خیال ہے کہ کعب بن لوی نے اس کا نام بدل کر جمعہ رکھا۔ سب سے پہلے جمعہ حضرت اسعدؓ بن زرارہ نے بنی بیاضہ کے علاقہ میں پڑھایا۔ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہونے والے انصار کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ تمام مسلمانوں پر جمعہ فرض کر دیا گیا۔ ہجرتِ نبوی سے کچھ پہلے مکّہ میں نماز جمعہ کا حکم آیا تو رسول اللہؐ نے حضرت مصعبؓ بن عمیرؓ کو تحریری حکم بھیجا کہ زوال کے بعد لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھاؤ۔ مشہور انصار حضرت کعبؓ بن مالک بڑھاپے میں نابینا ہو گئے تھے۔ ان کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ ان کا ہاتھ پکڑ کر مسجد لے جاتے تھے۔ جمعہ کی اذان سُنتے ہی وہ اسعدؓ بن زرارہ کے لئے دُعائے مغفرت کرتے۔ بیٹے نے وجہ دریافت کی تو کہا۔ ہمیں مدینہ میں سب سے پہلے جمعہ کی نماز انھوں نے ہی پڑھائی تھی۔ ۱۶۰

بیعتِ عقبۂ کبیرہ

اسی سال جب حج کا موسم آیا تو یثرب کے پانچ سو زائرینِ حرم کا قافلہ مکّہ روانہ ہوا۔ ان میں ۲ عورتیں اور ۷۲ مرد مسلمان تھے۔ وادیٔ منیٰ میں پڑاؤ ڈالا گیا۔ ایامِ تشریق کے بیچ والے

دن کی شب میں اسی قدیم گھاٹی عقبہ میں رسول اللہ سے بیعت کا اہتمام کیا گیا۔ مسلمانوں نے مُشرک ساتھیوں سے اپنی مصروفیت پوشیدہ رکھی۔ البتہ ایک نیک طینت مُشرک سردار ابو جابر عبداللہ ابن عمرو بن حرام کو اس رات ساتھ لے گئے اور ان سے کہا کہ تم جیسا شریف انسان دوزخ کا ایندھن بنے۔ ہم تم کو اسلام اور ہادیٔ برحقؐ سے ملاقات کی دعوت دیتے ہیں۔ انھوں نے بخوشی لبیک کہا۔ اس طرح دوسری بیعت عقبہ میں حاضر مَردوں کی تعداد ۷۳ ہوگئی۔ دو عورتیں جن میں ایک بنی نجار کی حضرت نسیبہؓ بنت کعب تھیں جو اپنی کنیت اُمّ عمارہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ دوسری خاتون بنی سلمہ کی حضرت اسماءؓ بنت عمرو اُمّ منیع تھیں۔

ایک تہائی رات گزرنے کے بعد یہ لوگ چھپتے چھپاتے دو دو چار چار کی تعداد میں عقبہ میں جمع ہوئے۔ رسول اللہؐ اپنے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے ساتھ تشریف لائے۔ اس موقع پر حضرت عباسؓ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ قریشِ مکہ میرے بھتیجے محمدؐ کے خون کے پیاسے ہیں۔ اگر تم ان سے کوئی عہدوپیمان کرنے لگو تو یہ سمجھ لینا کہ یہ بہت مشکل اور نازک کام ہے، یہ سُرخ و سیاہ آندھیوں کو دعوت دینا ہے۔ جو کچھ کرو سوچ سمجھ کر کرو۔ یہاں سے ان کے نکلنے اور تم سے جا ملنے کے بعد ان کا ساتھ چھوڑ دینے اور دشمنوں کے حوالہ کرنے کا ذرا بھی اندیشہ ہو تو بہتر یہی ہے کہ ابھی ان کو چھوڑ دو۔ وہ اپنی قوم میں مضبوط اور اپنے شہر میں بہر حال محفوظ ہیں۔

جلوہ گاہِ جبرئیل

اہلِ یثرب نے کہا کہ ہم نے آپ کی بات سُن لی۔ اب کچھ اللہ کے رسولؐ ارشاد فرمائیں۔ اور اپنے لئے جو عہد لینا چاہیں ہم سے لے لیں۔ اس گزارش پر اللہ کے رسول نے قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔ انھیں اسلام کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا۔ میں تم سے اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ میری حفاظت اپنی جانوں کے برابر کروگے۔ رئیسِ خزرج براء بن معرور نے بڑھ کر آپ کا دستِ مُبارک پکڑ لیا اور عرض کیا۔ بے شک ہم آپؐ کی اسی طرح حفاظت کریں گے آپ ہم سے بیعت لیں۔ اتنے میں ابوالہیثم بن التیہان بول اُٹھے۔ یارسول اللہؐ! ہم یہودیوں سے حلیفانہ معاہدہ کئے ہوئے ہیں۔ اب اسے ختم کرنا پڑے گا۔ غلبہ پاکر کہیں آپ ہمیں چھوڑ تو نہیں دیں گے؟ اپنی قوم میں واپس تو نہیں ہوں گے؟ یہ سُن کر صادق و امینؐ نے اعلان فرمایا۔ "نہیں، ایسا نہیں ہوگا۔ بلکہ میرا خون تمہارا خون، میرا ذمّہ تمہارا ذمّہ ہے، میں تم میں سے

اور تم مجھ سے ہو، تم جس سے لڑو گے میں اس سے لڑوں گا۔ جس سے تم صُلح کرو گے میں اس سے صُلح کروں گا۔"

بنی سالم کے عباس بن عبادہ بن نضلہ نے اپنے ساتھیوں کو متنبہ کیا۔ اے گروہ خزرج! تمہیں کچھ معلوم ہے کہ تم کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب و عجم سے جنگ کی بیعت ہے، خوب سوچ اور سمجھ لو اس میں تمہاری جائدادیں اور شرفا ضائع ہوں گے۔ ان سے بچنے کے لئے اگر تم نے انھیں دشمنوں نے حوالے کر دیا تو اللہ کی قسم! اس میں دین و دنیا دونوں کی رُسوائی ہے اور اگر اپنے عہد پر ثابت قدم رہے تو دین و دنیا میں یہ سب سے بہتر ہوگا اور تم اس کو حاصل کر سکتے ہو۔

حاضرین نے بہ آوازِ بلند جواب دیا کہ ہم رسول اللہؐ کو لے کر اپنے اموال کو تباہی اور اشراف کو ہلاکت میں ڈالنے کے لئے تیار ہیں۔ اب اسعد ابن زرارہ آگے بڑھ کر آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ ہم اس کے لئے حاضر ہیں۔ آپؐ اللہ تعالیٰ کے لئے اور اپنے لئے اور اپنے اصحاب کے لئے ہم سے جو چاہیں عہد لیں۔ اس پر رسول اللہؐ نے فرمایا۔ اللہ کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ اس کی عبادت کرو۔ کسی اور کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ مجھے اور میرے اصحاب کو پناہ دو۔ ہماری مدد کرو۔ ۱۶۹

اصلِ حیات و ممات

اس مختصر خُطبہ کے بعد حضورؐ خاموش ہو گئے تو حضرت عبداللہ ابن رواحہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ ہم سے جو چاہیں عہد لے لیں۔ اگر ہم یہ تمام باتیں پوری کریں گے تو ہمیں کیا صِلہ ملے گا؟ مخبرِ صادقؐ نے ارشاد فرمایا "جنّت اور اس کی نعمتیں" ہر طرف سے آواز آئی۔ ہم اس کے لئے راضی ہیں، راضی ہیں۔ اب حاضرین ہر طرف سے بیعت کے لئے آگے بڑھے۔ کہتے ہیں سب سے پہلے بیعت کا شرف حاصل کرنے والوں میں حضرت براءؓ بن معرور تھے۔ بعض مورخوں نے حضرت ابو الہیثمؓ اور بعض نے حضرت اسعدؓ بن زرارہ کا نام لکھا ہے۔

بیعت بیع سے مشتق ہے جس کے معنی فروخت کرنے کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں اپنی جان و مال کو رضا و رغبت کے ساتھ جنّت کے بدلے اللہ کو بیچ دینے کا نام بیعت ہے۔

یہ بیعت عقبہ ثانیہ یا بیعتِ عقبہ کبیرہ کہلاتی ہے۔ جو ذی الحجہ ۱۳ نبوّت مطابق جون یا آغازِ جولائی ۶۲۲ء میں ہوئی۔ جب تمام لوگ بیعت کر چکے تو ارشاد ہوا۔ موسیٰؑ نے

بنی اسرائیل سے ۱۲۔ نقیب مُنتخب کیے تھے، تم بھی اپنی جماعت سے بارہ آدمی چُن لو۔ حکم کی تعمیل میں قبیلہ خزرج سے نو اور قبیلہ اوس سے تین۔ کُل بارہ نقیب مُنتخب کیے گئے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت جبریلؑ کے اشارے سے بارہ نقیب آپؐ نے خود چُنے اور فرمایا تم میں سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ مجھے نقیب کیوں نہیں بنایا گیا۔ انھیں مُنتخب کرکے رسولؐ اللہ نے فرمایا۔ تم اپنی آبادی پر اسی طرح ذمّہ دار ہو جس طرح عیسیٰؑ ابن مریم کے حواری کفیل تھے اور میں اپنی قوم کا ذمّہ دار ہوں۔ سب نے کہا بے شک صحابہ کرام میں ان نقیبانِ انصار کو مرتبہ اور فضیلت کے لحاظ سے وہی مقام حاصل ہے جو مہاجرین میں عشرہ مُبشرہ کو۔ ان کے اسمائے گرامی ہیں۔

بنی خزرج کے منتخب نقیبوں کے نام

۱۔ ابوامامہ حضرت اسعدؓ بن زرارہ	انھیں نقیبُ النقباء مقرر کیا گیا
۲۔ حضرت سعدؓ بن ربیع	زمانہ جاہلیت میں اہلِ یثرب کے چند پڑھے لکھے لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔
۳۔ حضرت عبدؓ اللہ ابن رواحہ	مشہور شاعر، صاحبِ سیف و قلم۔
۴۔ حضرت رافعؓ بن مالک بن عجلان	زمانۂ جاہلیت میں کامل کہلاتے تھے۔
۵۔ حضرت براءؓ بن معرور	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے انتقال ہوا۔
۶۔ حضرت عبدؓ اللہ بن عمرو بن حرام	دوسری بیعت عقبہ کی رات ہی ایمان لائے۔
۷۔ حضرت عبادہؓ ابن صامت	بعد میں صفہ کی درس گاہ کے صدرِ مدرس بنے۔
۸۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ	اپنی قوم میں کامل کے لقب سے مشہور تھے۔
۹۔ حضرت منذرؓ بن عمرو بن خنیس	یہ بھی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

بنی اوس میں سے چُنے گئے نقباء کے نام ہیں

۱۔ حضرت اسیدؓ بن حضیر	ان کا لقب بھی کامل تھا۔

Rekhta Download.com

۲۔ حضرت سعدؓ بن خیثمہ — قبا میں ان کے مکان پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو شرفِ ملاقات بخشا۔

۳۔ حضرت ابوالہیثمؓ بن التیہان — بعض نے ان کی جگہ حضرت رفاعہؓ بن عبدالمنذر کا نام لکھا ہے۔

حضرت اسعدؓ بن زرارہ کو نقیب النقباء یعنی سب کا صدر مقرر فرمایا۔

نقباء کے مختصر حالات اگلے صفحات پر درج کئے جاتے ہیں بشرطہ

مسجدِ غمامہ

مسجد جمعہ

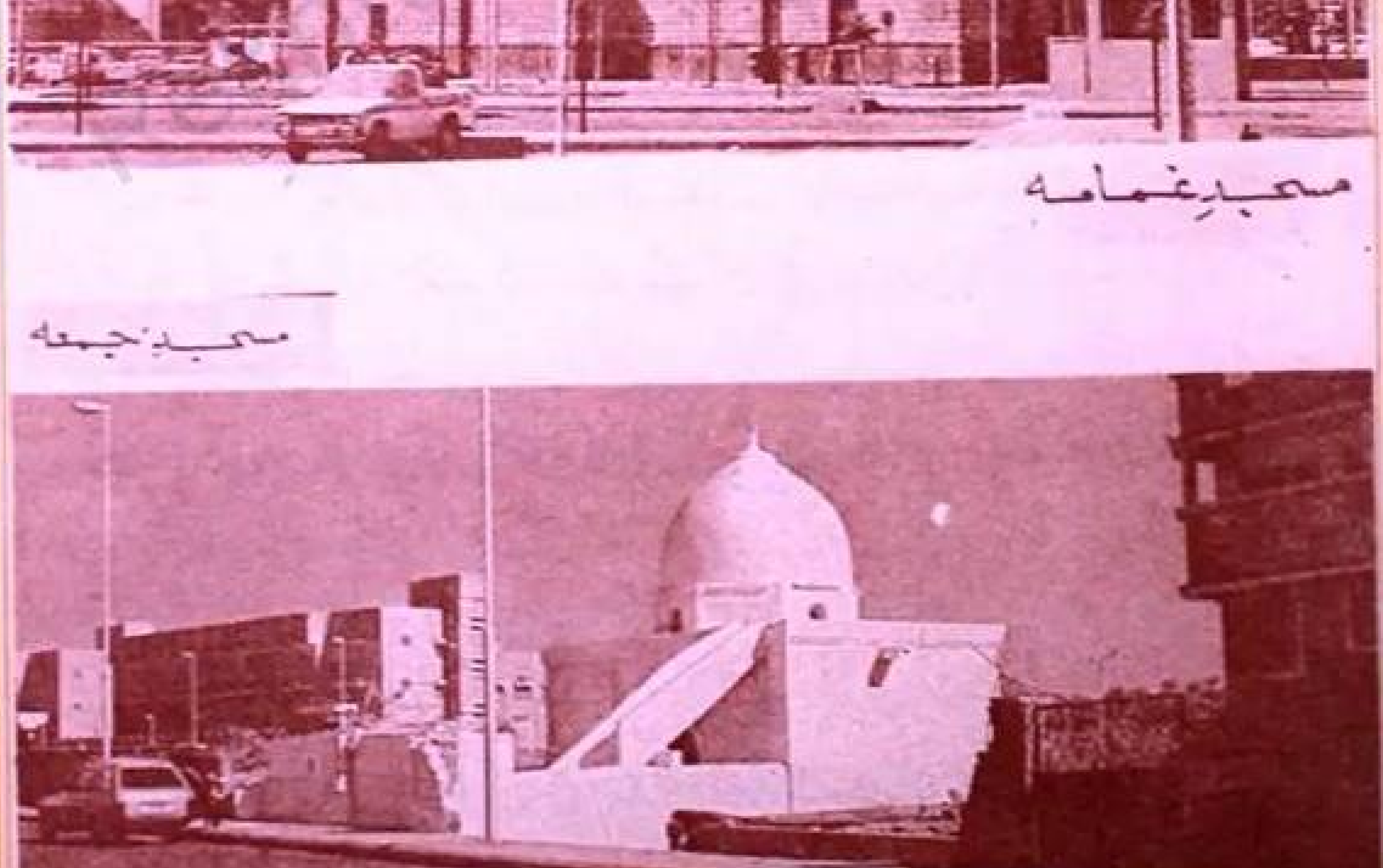

۱۔ حضرت اسعدؓ بن زُرارہ

حضرت اسعدؓ کی کُنیّت ابوامامہ تھی۔ قبیلہ خزرج کی شاخ بنونجّار سے تعلق تھا۔ بیعت کرنے والوں میں سب سے کم عمر اور نوجوان تھے لیکن ایمان لانے کی سبقت ان کے حصّے میں آئی۔ یثرب لوٹے تو تبلیغ میں مصروف ہوگئے۔ جب دین کی تعلیم دینے کے لئے حضرت مصعبؓ بن عمیرِ بطورِ مُعلّم مامور ہوئے تو انھیں اپنے گھر ٹھہرایا۔ اس طرح ان کے مکان کو یثرب میں پہلا مرکزِ دعوت وتبلیغ بننے کا شرف حاصل ہوا۔ پھر اپنے محلّے میں اپنی زمین پر نمازِ باجماعت کا انتظام کیا۔ جب مسلمانوں کی تعداد ۴۰ ہوگئی تو یثرب میں سب سے پہلی نمازِ جمعہ کی امامت کی۔ حضورؐ ہجرت کرکے یثرب (جو اَب مدینۃ النبی کہلانے لگا) پہنچے تو حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے مہمان ہوئے۔ حضرت اسعدؓ حضورؐ کی اونٹنی کو اپنے گھر لائے اور اس کی مہمانی کی۔

مسجدِ نبوی کے لئے جو زمین پسند کی گئی وہ بلا معاوضہ نذر کرنی چاہی اور اس کے عوض سہل اور سہیل زمین کے مالک بچوں کو اپنے نخلستان عطا کرنے کی پیش کش کی لیکن حضورؐ نے قیمت دے کر زمین خریدی۔

ابھی ہجرت کو نو مہینے ہی گزرے تھے اور مسجدِ نبوی کی تعمیر جاری ہی تھی کہ پیغامِ اَجل آگیا۔ حلق میں شدید درد اُٹھا۔ حضورؐ نے خود علاج تجویز کیا اور ان کے سر کو اپنے ہاتھوں سے داغا۔ لیکن دامنِ نبوی کو تھامنے میں سبقت کرنے والے نے دنیائے فانی کو خیرباد کہنے میں بھی سبقت کی۔ اپنے پیچھے تین بچیاں چھوڑیں اور مرتے وقت حضورؐ کی کفالت میں دے گئے۔ ان کی جگہ نقیب مقرر کرنے کے سوال پر ارشاد ہوا "تم لوگ (بنی نجّار) میرے ننہالی قرابت دار ہو اور میں تم میں سے ہوں، اب اسعد کی جگہ میں تمہارا نقیب ہوں۔"

۲۔ حضرت سعدؓ ابنِ ربیع

آپ کا تعلّق قبیلہ خزرج کی شاخ بنوحارثہ سے تھا۔ ۱۲ نبوّت میں جو نئے افراد ایمان لانے کی غرض سے مکّہ گئے ان میں حضرت سعدؓ ابنِ ربیع بھی شامل تھے۔ یثرب کے ممتاز اور دولت مند افراد میں شمار ہوتا تھا۔ اس دَورِ جہالت میں بھی

عام رجحان کے خلاف نوشت وخواند سے واقف تھے۔ ہجرت کے بعد جب مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم ہوئی تو انھیں یکے از عشرہ مبشرہ حضرت عبدالرحمن رضی ابن عوف کا بھائی بنایا گیا۔ وہ انھیں بنو حارثہ کے محلہ میں اپنے گھر لے گئے۔ کھانا کھلایا اور اس کے بعد فرمایا کہ میرا مکان، مال اور باغ ان میں ہر ایک کا آدھا حصّہ تمہاری نذر کرتا ہوں۔ میری دو بیویاں ہیں انھیں دیکھ لو جو پسند ہو، میں اسے طلاق دے دوں گا۔ تم اپنے عقدِ نکاح میں لے آنا۔ یہ ایثار یہ قربانی اور قولِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس درجہ پاس چشمِ فلک نے ایسا منظر نہیں دیکھا۔ حضرت عبدالرحمن رضی ابنِ عوف نے شکریہ ادا کیا اور برکت کی دعاؤں کے ساتھ سب کچھ لوٹا دیا۔ پھر ان سے بازار کا راستہ دریافت کر کے تجارت میں مشغول ہو گئے۔

معرکۂ بدر میں شرکت کے بارے میں مورّخوں کی رائے میں اختلاف ہے۔ البتہ جب بدر کے انتقام لینے کے تعلق سے کفّارانِ قریش کی تیاریوں کی اطلاع مدینہ پہنچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی کو اس سے مطلع فرمایا اور ان سے مشورہ لیا۔ میدانِ احد میں کفّار سے دو بدو ہوئے تو دشمنوں کو اپنی پیٹھ نہیں دکھائی۔ جنگ فتح و شکست کے مرحلوں سے گزر کر اختتام کو پہنچی تو مجاہدِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا —— کوئی ہے جو مجھے سعد رضی ابن ربیع کی خبر لائے۔ کیونکہ میں نے دیکھا تھا وہ نیزہ برداروں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ حضرت اُبی رضی ابن کعب نے حامی بھری اور میدانِ جنگ میں شہیدوں کے لاشے ٹٹولنے لگے۔ لیکن وہ کہیں نہ ملے۔ ایک جگہ جہاں کشتوں کا ڈھیر تھا۔ صدا دی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آیا ہوں اگر سعد رضی زندہ ہوں تو جواب دیں۔ اتنے میں ایک کمزور اور جاں بلب آواز آئی۔ میں مُردوں کے درمیان پڑا ہوں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا اسلام کہنا اور بتلانا کہ اس شہیدِ راہِ وفا کے جسم پر نیزہ کے بارہ زخم ہیں مگر میں نے بھی اپنے کسی حملہ آور کو یوں ہی نہیں چھوڑا اور ہاں میری طرف سے انصار بھائیوں کو جتلا دینا کہ اگر خدانخواستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے اور تم میں سے ایک بھی باقی بچا تو اللہ کو منہ نہ دکھا سکو گے۔ ہم نے لیلۃ العقبہ میں اس کے رسول ؐ پر اپنی جانیں

نثار کر دینے کا عہد کیا ہے۔ اس بیعت کا پاس رکھنا۔ یہ کہتے کہتے اللہ کے رسول ؐ کے قاصد کے سامنے دَم توڑ دیا۔

لوٹ کر حضرت اُبیؓ نے یہ ماجرا سُنایا تو اِرشاد ہوا، اللہ سعد پر رحم کرے، زندگی اور موت دونوں حالتوں میں خدا اور اس کے رسول کی خیر خواہی پیشِ نظر رہی ان کی شہادت کے بعد ساری جائیداد پر ان کے بھائی قابض ہوگئے۔ حضرت سعدؓ کی بیوی دو بچیوں کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! اسعدؓ تو جنت کو سِدھارے اور چچا ترکہ میں بچیوں کا حق تسلیم نہیں کرتا۔ اب ان کا کیا ہوگا؟ فرمایا اس معاملے میں اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو۔ اسی موقع پر سُورۂ نساء کی آیتِ میراث نازل ہوئی۔ جس میں حکم دیا گیا کہ اگر میت کی بیویاں دو عورتوں سے زیادہ ہوں تو ترکہ کا دو تہائی حصہ ان کو ملے گا۔

حضرت سعدؓ کی چچازاد بہن حبیبہ بنت خارجہ حضرت ابو بکرؓ کے عقدِ نکاح میں تھیں اسی لیے حضرت سعدؓ کی بچیاں اکثر آپ کے پاس آتیں۔ ایک بار عہدِ صدیقیؓ میں ان میں سے ایک ملنے آئیں تو خلیفۂ وقت نے عزت و احترام سے اپنی چادر بچھا کر انھیں بٹھایا۔ حضرت عمرؓ وہاں موجود تھے۔ پوچھا یہ کون ہے؟ فرمایا یہ اس شخص کی بیٹی ہے جو ہم دونوں سے اچھا تھا۔ سوال ہوا وہ کون ہے؟ جواب ملا سعدؓ ابن ربیع، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی جنت کی راہ لی اور ہم تم ابھی دنیا میں اس دن کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔

۳۔ حضرت عبداللہؓ ابنِ رواحہ

آپ کی کُنیت ابو محمد اور ابو رواحہ تھی۔ شاعرِ رسول کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان (۷۵) اہلِ ایمان میں سے ہیں جنھیں عقبۂ ثانیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پر بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ اسی موقع پر خزرج کی شاخ بنو حارثہ کے نقیب بنائے گئے۔

اللہ کے رسول جب ہجرت کر کے کھجوروں کے جھنڈ میں تشریف لائے تو حضرت عبداللہ ابن رواحہ بھی ان رؤسا میں سے تھے جو میزبانیٔ رسول کے مُشتاق تھے۔ ان کا شمار ایسی ہستیوں میں ہوتا ہے جو عہدِ جاہلت میں بھی ممتاز تھے اور عہدِ اسلام میں

بھی صاحبِ فضیلت رہے۔ مواخات کے موقع پر حضرت مقدادؓ ابنِ اسود کندی کو آپ کا مہاجر بھائی بنایا گیا۔

مسجدِ نبوی کی تعمیر کے وقت انھیں یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کے رجزیہ اشعار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی پڑھ رہے تھے۔ جنگِ بدر کے موقع پر جب سردارانِ قریش نے مبارزت طلب کی تو جوشِ شہادت سے سرشار بڑھنے والوں میں سے ایک تھے۔ لیکن کفّار نے قریش میں سے مدِ مقابل مانگے تو حکمِ نبوی پر لوٹ آئے۔ اہلِ مدینہ کو فتح کا مژدہ سُنانے حضرت زیدؓ ابنِ حارثہ جنوبی حصہ اور حضرت عبداللہؓ ابنِ رواحہ شمالی آبادی میں روانہ کئے گئے۔ قریش نے بدر کے میدان سے لوٹتے ہوئے کہا تھا کہ اس شکست کا بدلہ آئندہ سال اِسی دن اِسی میدان میں لیا جائے گا۔ اگلے سال یہ موقع آیا تو مدینہ میں نیابتِ رسول کا شرف حضرت عبداللہؓ ابنِ رواحہ کے حصے میں آیا۔

جنگِ مُوتہ تک ہر غزوہ میں دادِ شجاعت دی۔ خندق کے موقع پر ان کے رَجزیہ اشعار ہر مجاہد کی زبان پر تھے۔ بیعتِ رضوان کے موقع پر اصحابِ شجرہ میں شامل تھے۔ حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق ۷ھ ہجری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے لئے مکّہ تشریف لے گئے۔ جس وقت کعبۃ اللہ کا طواف کر رہے تھے تو حضرت عبداللہؓ آپؐ کی اونٹنی کی مہار تھامے ہوئے تھے اور اشعار پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ٹوکا کہ حرمِ کعبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شعر خوانی کی جرأت کر رہے ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عمرؓ! میں ان کے اشعار سُن رہا ہوں۔ خدا کی قسم! عبداللہؓ ابنِ رواحہ کا کلام کفّار پر تیر و نشتر کا کام کرتا ہے۔

۶ھ ہجری میں صلحِ حدیبیہ سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دشمنِ اسلام یہودی سردار اُسیر بن رزام کے پاس خفیہ مہم پر روانہ فرمایا انھوں نے بڑی حکمتِ عملی سے اس فتنہ کا سر کچلا۔ فتحِ خیبر کے بعد انھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے کے طور پر کھجوروں کی پیداوار کا تخمینہ کرنے کی خدمت سپرد ہوئی۔

جنگِ مُوتہ کے لئے مجاہدین کی روانگی کی خبر جب روم کے شہنشاہ ہرقل کو

ہوئی تو اس نے ایک لاکھ آدمی مقابلے کے لئے اپنے حاکم شرجیل کی مدد کو روانہ کئے اس کثیر تعداد کو دیکھ کر مسلمان ہمت ہار رہے تھے کہ حضرت عبداللہ نے انھیں للکارا اور اپنی پُر جوش تقریر سے مسلمانوں کے حوصلے بلند کئے۔ مسلمان اس ٹڈی دل سے بھڑ گئے۔ حضرت زیدؓ ابنِ حارثہ مردانہ وار شہید ہوئے۔ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب ۹۰ زخم کھاکر زمین بوس ہوئے۔ اب صاحبِ سیف و قلم عبداللہؓ ابنِ رواحہ نے علمِ سپہ سالاری اپنے ہاتھوں میں لیا اور تاجِ شہادت پہنا۔

۴۔ حضرت رافعؓ بن مالک بن عجلان

آپ کی کنیت ابو مالک اور ابو رفاعہ تھی۔ یثرب کے سب سے بڑے قبیلے خزرج کی شاخ بنی زریق سے تعلق تھا۔ اپنی قوم میں "کامل" کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ محدثین اور مورّخین کا خیال ہے کہ یثرب میں نورِ توحید کی اوّلین کرنیں جن لوگوں کے سینے سے پھوٹیں وہ حضرت رافعؓ اور معاذؓ بن حارث ہیں۔ ان دونوں کے حصّے میں یہ سعادت آئی کہ سلہ نبوت میں جب پہلی بار اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم عقبہ میں یثربی قیام گاہ پر دعوتِ حق کے لئے تشریف لے گئے تو ان چھ افراد میں یہ دونوں بھی شامل تھے۔ دوسرے سال بیعتِ عقبہ اولیٰ اور تیسرے سال بیعتِ عقبہ ثانی یا کبیرہ میں برابر شریک رہے۔ نورِ ایمان سے منور ہونے کے بعد یثرب کے لوگوں میں تبلیغ کی۔ صحیح مسلم کی روایت کے بموجب وہ بیعتِ عقبہ میں شرکت پر فخر کیا کرتے تھے۔ ابنِ کثیر نے "اسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ اسلام قبول کرکے یثرب لوٹے تو نہایت سرگرمی سے دعوت و تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔

بیعتِ عقبۂ کبیرہ (ثانی) میں بنی زریق کے نقیب چُنے گئے۔ عقدِ مواخات میں اُنھیں حضرت سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نفیل (یکے از عشرۂ مبشرہ) کا بھائی بنایا گیا۔ کسی وجہ سے جنگِ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ البتہ ان کے دونوں بیٹے حضرت رفاعہؓ اور حضرت خلادؓ میدانِ جنگ میں حاضر تھے۔

یثرب میں پہلی مسجد کی بُنیاد ان ہی کے ہاتھوں رکھی گئی۔ یہیں کلامِ الٰہی پڑھا جاتا رہا۔ روایت ہے کہ بیعت کے بعد مکہ میں جس قدر قرآن نازل ہُوا تھا اسے

لکھ لیا اور ساتھ لے آئے۔ سُورۂ یوسف سب سے پہلے یثرب میں پہنچانے کی سعادت ان ہی کے حصّے میں آئی۔ سُورۂ طٰہٰ کے بارے میں بھی ایسی ہی ایک روایت ملتی ہے کہ بنی زریق کی فضاؤں میں پہلی بار پڑھا گیا۔

حضرت رافع رضؓ کی زندگی میں دو غزوہ ہوئے۔ احد کے معرکہ میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔ یہ شوال ۳ھ ہجری کا واقعہ ہے۔

۵۔ حضرت براءؓ بن معرور

آپ کی کنیّت ابوبشر تھی۔ قبیلۂ خزرج کی شاخ بنوسلمہ کے سردار تھے۔ جن کی ملکیت میں بڑی جائیداد اور کئی قلعے تھے۔ حضرت مصعبؓ ابنِ عمیر کی تبلیغی کوششوں سے دینِ اسلام قبول کیا۔ مولد و مسکنِ رسولؐ سے اِس درجہ محبّت ہوگئی کہ حرمِ کعبہ کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھنے والے پہلے یثربی صحابی ہیں۔

سنہ ۱۳۔ نبوّت میں جن ۵ سو افراد کا یثربی قافلہ حج و زیارتِ کعبہ کو چلا۔ ان میں شامل ۷۵ اہلِ ایمان میں سے تھے۔ حضرت کعبؓ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ راستے میں انھوں نے ساتھیوں سے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ کعبۃ اللّٰہ کی طرف پیٹھ کرنے کی بجائے رُخ کرکے نماز پڑھوں۔ ہم نے کہا ہمیں تو یہ علم ہے کہ رسول اللّٰہ بیت المقدس کی طرف مُنہ کرتے ہیں۔ اس پر بھی براءؓ کعبہ کو ہی قبلہ بنائے رہے اور ہم انھیں ٹوکتے رہے۔ مکّہ پہنچتے ہی انھوں نے مجھ سے کہا۔ بھتیجے! چلو رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے چل کر پوچھیں کہ کعبہ کی طرف رُخ کرنا جائز ہے کہ نہیں۔ تم لوگوں نے میرے دل میں وسوسہ پیدا کردیا ہے۔ ایک شخص سے حضورؐ کا پتہ پوچھا تو معلوم ہوا اس وقت حرمِ کعبہ میں حضرت عباسؓ کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ ان دونوں نے اس سے قبل رسولِ اکرمؐ کو نہیں دیکھا تھا۔ البتہ حضرت عباسؓ سے واقف تھے جو تجارتی کاروانوں کے ساتھ یثرب سے گزرتے تھے۔ حرم کعبہ میں پہنچے تو حضرت عباسؓ کو پہچان کر سمجھ لیا کہ ان کے ساتھ تشریف فرما اللّٰہ کے نبی ہیں۔ انھیں مشتاقانہ سلام کیا۔ آپ (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) نے عباسؓ سے پوچھا کون ہیں؟ عرض کیا کہ بزرگ براءؓ بن معرور رئیس بنوسلمہ ہیں۔ اور نوجوان کعبؓ ابنِ مالک۔ فرمایا کعب شاعر۔ عرض کیا۔ ہاں! کعب کہتے ہیں حضورؐ کا یہ فقرہ

میں زندگی بھر نہیں بھولا۔ اس خیال ہی سے دل مسرت سے لبریز ہو جاتا ہے۔

حضرت براءؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! خدا نے ہدایت دی اور اسلام سے سرفراز ہوا۔ ایک مسئلہ کے بارے میں کچھ پوچھنے حاضر ہوا ہوں۔ میرا دل کعبۃ اللہ کی طرف پیٹھ کر کے نماز پڑھنے پر مائل نہیں، اسی لئے اِسی رُخ پر نماز پڑھتا رہا لیکن دورانِ سفر میرے ساتھی مجھے اس عمل پر ٹوکتے رہے۔

آپؐ کا کیا حکم ہے؟ فرمایا تم ایک قبلہ پر ضرور ہو لیکن کچھ دن انتظار کرنا ہوگا۔ اس دن سے انھوں نے اپنا مُنہ بیت المقدس کی طرف پھیر لیا۔ بیعت میں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر اطاعت وحمایت کا ہاتھ رکھا۔ نقباء کا انتخاب ہوا تو بنوسلمہ کے نقیب چُنے گئے۔ اس موقع پر آپ کے بیٹے حضرت بشرؓ بن براءؓ کو بھی بیعت کی سعادت حاصل ہوئی۔

ذی الحجہ میں بیعت سے خوش خوش واپس ہوئے کہ صفر سنہ ۱۳ نبوت میں داعیٔ اجل کا پیام آگیا۔ آخری وقت وصیت کی کہ مجھے قبر میں کعبہ رُخ رکھنا اور میرے مال کا ثلث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر رکھنا کہ جس مصرف میں چاہیں خرچ کریں۔

ربیع الاوّل میں حضورؐ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو اِن کی قبر پر صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے۔ چار تکبیروں سے نمازِ جنازہ پڑھی۔ نقباء میں سب سے پہلے یہی دنیا سے رخصت ہوئے۔

۶۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن حرام

حضرت عبداللہؓ کی کنّیت ابو جابر تھی۔ ان کا تعلق قبیلۂ خزرج کی شاخ بنوسلمہ سے تھا۔ اس کے رؤسا میں شمار ہوتا تھا۔ ایک چشمہ اور کئی قلعے ان کی ملکیت میں تھے۔ بڑے کثیر العیال اور فیّاض تھے۔ اسی لئے اکثر مقروض رہا کرتے تھے۔ بنوسلمہ کی آبادی حرّہ اور مسجدِ قبلتین تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں حضرت عبداللہ کا خاندان، آبائی قبرستان اور چھوٹی مسجد کے درمیان آباد تھا۔

بیعتِ عقبۂ کبیرہ کے دن ایک خیر خواہ صاحبِ ایمان نے عبداللہؓ کو جاگتا پایا تو عرض کیا ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار، شرفِ ملاقات اور

بیعت کے لئے جارہے ہیں۔ آپ ہمارے رئیس سردار اور معزز شخصیت ہیں۔ جی نہیں مانتا کہ ہم تو خیر اور سعادت کی راہ پر چلیں اور آپ کو، جہنّم کا ایندھن بننے کے لئے چھوڑ دیں۔ کاش آپ بھی ہمارے ساتھ ایمان لاتے۔ حضرت عبداللہؓ کے دل پر ان باتوں کا بے حد اثر ہوا۔ صدق دل سے ان کے ساتھ آمادہ بیعت ہوئے۔ اکثر مورخین کا یہ بھی خیال ہے کہ آپ کے صاحبزادے حضرت جابرؓ بھی اسی شب ایمان لے آئے۔

حضرت عبداللہؓ نے حق و باطل کے پہلے معرکہ میں سرفروشانہ حصّہ لیا۔ ایک سال بعد جب اُحد کی جنگ پیش آئی تو ان کا دل جذبۂ شہادت سے لبریز تھا۔ جس صبح میدانِ پیکار گرم ہونے والا تھا اپنے بیٹے سے فرمایا۔

بیٹے! میرا دل کہہ رہا ہے کہ اس غزوہ میں سب سے پہلے مجھے شہادت نصیب ہوگی۔ مجھے اپنی جان، مال اور اولاد ہر شے سے بڑھ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم محبوب ہیں۔ اِن کے بعد تم سب سے زیادہ عزیز ہو۔ تم کو وصیّت ہے کہ اپنی بہنوں سے اچھا برتاؤ کرنا اور مجھ پر جو قرض ہے اس کو ادا کرنا۔

دوسرے دن میدانِ کارزار گرم ہوا تو جیسے دل نے گواہی دی تھی سب سے پہلے تاجِ شہادت پہنا۔ مشرکین نے قتل ہی پر بس نہیں کیا۔ بلکہ دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے نعش کا مثلہ کیا یعنی کان، ناک اور ہونٹ کاٹے۔ پیٹ پھاڑا۔

جنگ کا ہمہمہ ختم ہوا۔ شہدا کی لاشیں اکٹھا کی گئیں تو اس سب سے پہلے شہید کی مثلہ شدہ نعش بھی اللہ کے رسولؐ کے آگے رکھی گئی۔ ارشاد ہوا کہ اس پر چادر ڈال دو۔ حضرت جابرؓ آئے اور کپڑا ہٹا کر باپ کی صورت دیکھی تو بے اختیار رونے لگے۔ حضرت عبداللہؓ کی بہن پاس ہی کھڑی تھیں ان کی نظر پڑی تو اندوہناک بیخ ماری۔ اہلِ خاندان نے درخواست کی کہ انھیں آبائی قبرستان میں دفن کی اجازت دی جائے۔ ارشاد ہوا کہ یہ اُحد کے گنجِ شہیداں ہی میں دفن ہوگا۔ دفن کے وقت عزیز و اقارب صورت دیکھ کر رونے لگے۔ مخبرِ صادقؐ نے فرمایا۔ تم روؤ یا نہ روؤ جب تک جنازہ رکھا رہے گا فرشتے پروں سے سایہ کئے رہیں گے۔

۶ ماہ بعد انھیں دوسری جگہ منتقل کرنے کے لئے قبر کھودی گئی تو لوگوں نے دیکھا کہ سوائے کان کے، شہید کا تمام جسم سالم تھا۔ جیسے ابھی ابھی دفن

ہوئے ہوں۔ اس واقعہ کے ۴۶ سال بعد ایک سیلاب نے ان کی قبر کو دوبارہ شق کر دیا۔ اِس دفعہ بھی شہید کی لاش اصلی شکل میں تر و تازہ برآمد ہوئی۔

جنگِ اُحد کے چند دنوں بعد اتفاقاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ ابن عبداللہؓ کو دیکھا کہ بہت خستہ حالت میں ہیں۔ پوچھا کیا بات ہے؟ عرض کیا آپ جانتے ہیں میرے باپ نے اپنے پیچھے بہت سے بچّے اور قرض چھوڑا ہے انہی کی فکر نے یہ حال بنا دیا ہے۔

فرمایا تمہیں ایک خوشخبری نہ سناؤں۔ سُنو اللہ تعالیٰ کسی سے بے پردہ کلام نہیں فرماتا لیکن اس نے تمہارے باپ سے بالمشافہ گفتگو کی اور پوچھا کوئی تمنّا ہو تو بیان کرو۔ اس نے کہا اے مالک! مجھے ایک بار پھر دنیا میں بھیج تاکہ راہِ حق میں لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جو ایک بار دنیا سے آتا ہے وہ پھر واپس نہیں جا سکتا۔ عرض کیا تو مالک میری نسبت کوئی وحی ہی بھیج دے۔ اور مہبطِ وحیؐ نے فرمایا اس پر وہ آیت نازل ہوئی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝

"جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے انہیں مُردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اور ان کا رزق مقرر ہے۔" حضرت عبداللہؓ ابنِ عمرو ابن حرام کی دو بار کھلنے والی قبر نے تر و تازہ شہید کی نعش دکھلا کر اہلِ دنیا پر ثابت کر دیا کہ شہدا کو مُردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور ان کا رزق مقرر ہے۔

۷۔ حضرت عبادہؓ بن صامت

حضرت عبادہؓ کی کنیت ابو الولید تھی۔ وہ خاندانِ بنی سالم کے چشم و چراغ تھے جو قبیلۂ خزرج کی ایک شاخ تھی۔ بنو سالم کی بستی یثرب کے مغربی حصّہ میں قباؑ کے قریب واقع تھی۔ اگرچہ یہ نوجوان تھے۔ مگر بیعتِ عقبۂ کبیرہ میں انھیں بنی قوافل کا نقیب بنایا گیا۔ بیعت کے بعد دوبارہ مکّہ جا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا سے اپنی آنکھوں کو روشن کیا۔

خود نورِ ایمان سے منوّر ہوئے تو اپنی والدہ حضرت قرۃ العینؓ بنتِ عبادہ اور

اپنے دوست حضرت کعبؓ بن عمرو کو مسلمان کیا۔

ہجرتِ نبوی کے پانچ ماہ بعد مہاجروں اور انصار میں عقدِ مواخات ہوا تو حضرت ابو مرثد غنویؓ کے دینی بھائی بنائے گئے۔

مسجدِ نبوی کی تعمیر کے ساتھ ہی جب پہلی اسلامی درسگاہ صفہ کا قیام عمل میں آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس کا صدر مدرس بنایا۔ وہ طلبا کی ضروریات کا خیال رکھنے کے علاوہ انھیں تعلیم بھی دیتے۔ لکھنا پڑھنا سکھاتے۔

بدر سے لے کر تبوک تک تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ یہودیوں کے قبیلہ بنو قینقاع سے ان کے حلیفانہ تعلقات تھے۔ جب اللہ کا حکم آیا کہ "اے ایمان والو، یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ" تو یک لخت ان سے کنارہ کش ہو گئے۔ جنگِ بدر کے بعد اس قبیلہ نے بدعہدی کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مدینہ سے چلے جانے کا حکم دیا۔ ان کے اخراج کی نگرانی کا کام حضرت عبادہؓ ابن صامت ہی کے سپرد ہوا۔

۹ ہجری میں سرورِ کشورِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں صدقہ و زکوٰۃ وصول کرنے والا افسر (محصّل) بناتے ہوئے ہدایت فرمائی کہ اپنے فرائض انجام دیتے ہوئے خدا سے ڈرنا ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن چوپائے تک تمہارے خلاف فریادی ہو کر آئیں۔ تو یہ سُن کر عرض کیا ___ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، مجھے دو آدمیوں پر بھی عامل بننے کی خواہش نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بسترِ مرگ پر تھے تو ان کی بے قراری دیکھنے کی تھی۔ صبح و شام اپنی دُور دراز کی بستی سے عیادت کے لئے آتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس عالم میں حضرت جبرئیل علیہ السّلام کی بتلائی ہوئی ایک دُعا سکھائی۔

قرأت ان کا خاص فن تھا اور عہدِ نبوی ہی میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔ درسگاہِ صفہ میں اسی کی تعلیم دیتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد اپنا تمام وقت درس و تدریس میں گزارا۔ جہاد کے فریضہ سے بھی غافل نہیں رہے۔ عہدِ صدیقی میں شام پر لشکر کشی ہوئی تو مجاہدین کے ساتھ تھے۔ دورِ فاروقی میں فتحِ اسکندریہ میں شرکت کی۔ فنِ سپہ گری

میں بھی طاق تھے۔ حضرت عمرؓ انھیں ہزار آدمیوں کے برابر سمجھتے تھے۔ جب حضرت عمروؓ بن العاص کی مدد کو پہنچے تو انھوں نے اپنے سر سے عمامہ اُتارا اور حضرت عبادہؓ کے نیزہ پر لگاکر عَلَم بنایا اسے ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ آج آپ امیرِ لشکر ہیں۔ اللہ نے انھیں پہلے ہی حملہ میں فتح عطا فرمائی۔ اِسی زمانے میں انھوں نے لاذقیہ فتح کیا۔ ایک عسکری تدبیر ان سے منسوب ہے۔ جس پر بعد میں مغربی اقوام نے بھی عمل کیا۔ اس مہم میں انھوں نے ایسے بڑے بڑے گڑھے کھودے جس پر سوار گھوڑے سمیت چھُپ جاتے اور پھر اچانک دشمن پر حملہ آور ہوتے۔ یہ تدبیر ان کی غیر معمولی عسکری صلاحیتوں کی نشان دہی کرتی ہے۔

حضرت ابو عبیدہؓ ابن الجراح امیرِ شام نے انھیں حمص میں اپنا نائب مقرر کیا۔ اس نیابت سے فارغ ہو کر فلسطین میں مستقل سکونت اختیار کی تو حضرت عمرؓ نے انھیں قاضی بنایا اور اہلِ فلسطین کو کتاب اللہ، سُنّتِ رسول اللہ اور فقہ کی تعلیم پر مامور فرمایا۔ یہ خدمت وہ آخری دم تک انجام دیتے رہے۔

حق بات بیان کرنے میں وہ کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ مُعلّمِ کتاب و حکمت کے فیضِ تربیت نے انھیں علم وفضل کا مخزن بنادیا تھا اور رات دن اسی عِلم کی اشاعت میں مصروف رہے۔

ابنِ سعد کا بیان ہے کہ یہ عِلم وفضل کا آفتاب ۷۲ سال کی عمر میں ملکِ شام کے شہر رملہ میں آسودۂ خواب ہوا۔ یہ حضرت عثمانؓ کا عہدِ خلافت تھا۔

۸۔ حضرت سعدؓ ابنِ عبادہ

آپ کی کنیّت ابو قیس اور ابو ثابت تھی۔ خزرج کی شاخ بنو ساعدہ کے رئیس اور سردار تھے۔ باپ دادا کی طرح یہ بھی مہمان نواز اور فیّاض تھے۔ جُود و سخا کا یہ عالَم تھا کہ اِن کے قلعہ سے ندا بلند ہوتی جو گوشت اور روغن چاہے وہ ولیم بن حارثہ کے قلعہ میں آئے۔ ولیم ان کے دادا تھے۔ ان کا خاندانی بُت منات تھا۔ ہر سال مکّہ جاکر اس کے سامنے دس اونٹ ذبح کیا کرتے تھے۔

امارت و ریاست کے ساتھ ذاتی صفات کی وجہ سے "کامل" کہلاتے تھے بہترین عربی لکھتے تھے۔ تیر اندازی اور تیراکی میں کمال تھا۔ فطرت سعید اور خیر کی طرف مائل تھی۔

دعا کیا کرتے کہ اے اللہ! مجھے حمد عطا کر اور مجھے مجد (بزرگی) دے۔ مجد بغیر اچھے کام کئے نہیں ملتی۔ اچھے کام بغیر مال کے نہیں ہوتے۔ اس لئے مجھے زیادہ عطا فرما۔ تاکہ میں زیادہ خرچ کروں۔

۱۱؁ نبوّت میں خزرج کے چھ افراد ایمان کی دولت لے کر لوٹے تو ان کے کان بھی اسلام سے آشنا ہوئے۔ ۱۳؁ نبوّت میں لیلۃ العقبہ یا عقبہ ثانیہ میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ اسی موقع پر بنی ساعدہ کے نقیب چُنے گئے۔

اِس واقعہ کے تین ماہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجوروں کے جھُنڈ یثرب کی جانب ہجرت کر کے آئے تو حضرت سعدؓ بن عبادہ بھی دیدہ و دل فرشِ راہ کئے ہوئے تھے۔ ان کے محلّہ بنو ساعدہ سے جب مرکبِ رسول کا گزر ہوا تو بڑھ کر عرض کیا۔ یارسول اللہ! مہمان نوازی کا شرف مجھے عطا ہو۔ فرمایا: میری اونٹنی مامور من اللہ ہے اسے پتہ ہے کہ مجھے کہاں ٹھہرنا ہے۔

حضرت سعدؓ ثرید کا ایک بڑا پیالہ روزانہ خدمتِ نبوی میں بھیجا کرتے۔ یہ پیالہ جس زوجۂ محترمہ کے گھر حضورؐ قیام کرتے وہیں بھیجا جاتا۔ نادار اصحابِ صُفّہ، جن کی تعداد اسّی کے لگ بھگ تھی۔ اکثر حضرت سعدؓ کے دسترخوان پر مدعو ہوتے۔

جنگِ بدر میں پاگل کُتّے کے کاٹنے کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ اس کے بعد تمام غزوات میں ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ غزوۂ ابوآء اور ذی قرد پر جاتے ہوئے حضورؐ نے انھیں مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ یہی وجہ تھی کہ حضورؐ کے وِصال کے بعد انھوں نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں انصار کو جمع کیا۔ انصار انھیں خلیفہ بنانے کی طرف مائل تھے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ ابن جراح کے پہنچ جانے سے فضا بدل گئی اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی گئی۔ لوگوں نے بیان کیا ہے کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ ناراض ہو کر بغیر بیعت کے چلے گئے۔ یہ درست نہیں ہے۔

طبری اور مسند احمد ابن حنبل میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے بھی خوشدلی سے قوم کی پیروی کی اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی۔

ابتدائے خلافت میں حضرت عمرؓ نے شام کی جانب ہجرت کی اور حوران میں ۱۵؁ھ میں کسی نے انھیں شہید کر ڈالا۔

۹- حضرت منذرؓ بن عمرو بن خنیس

آپ بنی ساعدہ کے چشم و چراغ تھے۔ جو قبیلہ خزرج کی شاخ تھی۔ قبل از اسلام ہی لکھنے پڑھنے سے واقف تھے۔ یہ ان کے اہلِ علم میں سے ہونے کی دلیل ہے۔

یثرب میں جب نورِ ایمان پھیلنے لگا تو حضرت مصعبؓ ابنِ عمیر کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے۔ ۱۳ نبوت میں (۷۵) مسلمانوں کے قافلہ میں شریک تھے۔ لیلۃ العقبہ میں اللہ کے رسولؐ کو دیکھنے سُننے اور آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اِسی موقع پر انھیں نقیب چُنا گیا۔

ہجرت کے موقع پر اللہ کے رسولؐ کی پیشوائی اور پذیرائی میں شریک تھے۔ مہاجرین وانصار کی مواخات میں حضورؐ نے انھیں اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت طلیبؓ بن عمیر کا بھائی بنایا۔ حضرت منذرؓ بدر اور اُحد دونوں میں شریک رہے۔ معرکۂ اُحد میں انھیں میسرہ کا افسر بنایا گیا۔ جب سترّ قرّاء نجد میں تبلیغ کے لئے بطور معلّم روانہ کئے گئے تو حضرت منذرؓ بن عمرو کو ان کا امیر بنایا گیا۔ روانگی کے وقت حضورؐ نے ایک خط بنی عامر کے سردار عامر بن طفیل کے نام لکھوا کر ان کے سپرد کیا۔ جب قرّاء کی اس جماعت نے بیئر معونہ پر پڑاؤ کیا۔ تو انھیں گھیر لیا گیا۔ مسلمانوں نے بھی مقابلہ کیا۔ آخر سب کے سب صحابہؓ سوائے منذرؓ بن عمرو اور عمرو بن اُمیہ کے شہید کر دیئے گئے۔ عامر ابن طفیل کافر انھیں امان دینے کے لئے تیار تھا لیکن انھوں نے دھوکہ باز مشرک کی امان کے مقابلہ میں شہادت کو ترجیح دی۔ اس سے حضرت منذرؓ نے کہا کہ مجھے وہ جگہ بتا دو جہاں حضرت حرامؓ بن ملحان شہید ہوئے۔ مشرکین انھیں وہاں لے گئے۔ اس جگہ انھوں نے اپنی تلوار سونت لی اور کہا کہ تم نے میرے بھائیوں کو ناحق شہید کیا۔ اب میں جی کر کیا کروں گا۔ یہ کہہ کر تلوار چلاتے ہوئے کفّار میں گھس گئے اور تاجِ شہادت پہنا۔

حضرت منذرؓ کا واقعۂ شہادت سُن کر حضورؐ نے ارشاد فرمایا "اعنق لیموت" یعنی موت کی طرف سبقت کی۔ یہی آپ کا لقب مشہور ہوا۔ یہ واقعہ صفر ۴ ہجری کا ہے۔

۱۰- حضرت اسیدؓ بن حضیر

حضرت اسیدؓ کی کنیت ابو یحییٰ اور ابو عتیک تھی۔ قبیلۂ اوس کے خاندانِ اشہل

سے ہیں۔ آپ کے والد حضیر جنگِ بعاث میں اوس قبیلہ کے سپہ سالار تھے۔ زمانۂ جاہلیت کے اربابِ کمال میں شمار ہوتا تھا۔ اسیدؓ بھی باپ کی طرح لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور فنِ سپہ گری میں بھی طاق تھے۔

ایک بار حضرت مصعبؓ بن عمیر اپنے میزبان حضرت اسعدؓ بن زرارہ کے ساتھ بنی عبدالاشہل کے محلّہ میں تعلیمِ قرآن دے رہے تھے۔ اس کی خبر سعدؓ بن معاذ اور اسیدؓ بن حضیر کو ہوئی۔ حضرت اسیدؓ نہایت غصہ میں بھالا لے کر ان کی طرف روانہ ہوئے۔ مُبلّغ و مُقری حضرت مصعبؓ بن عمیر نے بڑے مؤثر انداز میں اسلام کی دعوت دی اور قرآن مجید کی کچھ آیات تلاوت کیں۔ اسیدؓ پڑھے لکھے باشعور انسان تھے۔ کلامِ الٰہی نے ان کی دنیا دِگرگوں کر دی۔ اسی وقت کلمہ پڑھ کر داخلِ اسلام ہوئے۔ جاتے ہوئے کہہ گئے کہ دوسرے سردار سعدؓ ابنِ معاذ کو بھیجتا ہوں۔ انھیں بھی یہ دعوت دینا۔

سلہ۱۳ نبوت میں (۷۵) اہلِ ایمان کا جو قافلہ زیارتِ کعبہ کے لیے گیا۔ اس میں شامل تھے۔ اور دوسری بیعتِ عقبہ میں اللہ کے رسولؐ کے دیدار کا شرف حاصل کیا اور اسی موقع پر بنی عبدالاشہل کے نقیب بنائے گئے۔ اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر اسلام کے قوی دست و بازو ثابت ہوئے۔ حضورؐ نے اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ ابن حارثہ سے اِن کی مواخات کی۔

حق و باطل کے پہلے معرکہ میں شریک نہ ہو سکے کیونکہ انھیں خیال تھا کہ مسلمان قریش کے تجارتی قافلے سے نبٹنے جا رہے ہیں۔ غزوۂ اُحد اور خندق میں اس کی کسر نکال دی اور سرفروشانہ خدمات انجام دیں۔ اُحد میں ان کو سات زخم آئے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضورؐ کے خاص دستہ میں تھے اور حضور اکرمؐ ان کے اور حضرت ابوبکرؓ کے درمیان تھے۔

ایک بار حضورؐ نے کسی بات پر انھیں چھڑی سے ٹھوکا دیا۔ اس وقت وہ ننگے بدن تھے۔ عرض کیا آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ فرمایا۔ بدلہ لے لو۔ عرض کیا آپ کے بدن پر تو کپڑا ہے۔ حضورؐ نے اپنا پیرہن اُٹھایا اور فرمایا آؤ اپنا بدلہ لے لو۔ وہ والہانہ حضورؐ کے بدن پر بوسے دینے لگے۔ آنحضرتؐ نے انھیں ایک موقع پر نعم الرجل (بہت اچھے آدمی) کا خطاب دیا۔ حضرت عائشہؓ انھیں انصار کے تین بہترین آدمیوں

میں شمار کرتی تھیں۔ دوسرے دو حضرات سعدؓ ابن معاذ اور عبادؓ بن بشر تھے۔

ان کی قرآن سے وابستگی دیکھ کر انھیں بنو عبدالاشہل کی مسجد کا امام مقرر فرمایا۔ ایک بار رات کے وقت صحن میں تلاوتِ کلام الٰہی کر رہے تھے۔ قریب ہی ان کا بچہ یحییٰ سو رہا تھا اور اس کے قریب گھوڑا بندھا ہوا تھا۔ تلاوت کے کچھ دیر بعد گھوڑا بدکنے لگا۔ آپ خاموش ہوگئے۔ گھوڑا بھی ساکن ہوگیا۔ پھر تلاوت شروع کی تو وہ پھر بدکنے لگا۔ تین بار ایسا ہی ہوا۔ آپ نے اس خیال سے کہ گھوڑا بچے کو کچل نہ دے تلاوت بند کر دی اور اب جو آسمان پر نظر پڑی تو سر پر ایک بادل تھا اس میں روشنی تھی کچھ دیر بعد وہ آسمان میں بلند ہوگیا۔ حضورؐ سے ذکر کیا تو فرمایا وہ فرشتے تھے اور قرآن سننے کے لئے ٹھہر گئے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے مسئلہ میں انھوں نے بڑے تدبر اور فراست سے قبیلۂ اوس کو بیعت پر آمادہ کیا۔ ان کی دیکھا دیکھی قبیلۂ خزرج نے بھی بیعت میں حصہ لیا۔ حضرت عمرؓ ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ۱۵ھ ہجری میں فلسطین کے سفر میں وہ ان چند مہاجرین اور انصار میں شامل تھے جو بیت المقدس کی چابیاں لینے امیرالمومنین کے ساتھ گئے تھے۔

۲۰ھ ہجری میں مدینہ میں انتقال کیا۔ حضرت عمرؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور اس نعم الرجل کو خاکِ بقیع کے حوالے کر دیا۔

۱۱۔ حضرت سعدؓ بن خیثمہ

آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ کنیت عام طور پر بیٹے کے نام پر ہوتی ہے۔ عرب میں نام کے بجائے کنیت سے مخاطب کرنا بڑے فخر اور عزت کا طریقہ سمجھا جاتا تھا قبیلۂ اوس کی شاخ عمرو بن عوف سے تعلق تھا۔

دوسری بیعتِ عقبہ میں (۷۵) اہلِ ایمان کے قافلہ میں اپنے باپ کے ساتھ شریک تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ حضور اکرمؐ کو دیکھا اور آپ کے دستِ حق پرست پر ایمان لائے۔ اسی موقع پر حضرت سعدؓ کو بنی عمرو بن عوف کا نقیب چُنا گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے موقع پر یثرب کے نواحی گاؤں قبا میں حضرت کلثومؓ بن ہدم کے مہمان ہوئے۔ ان کے قریب میں حضرت سعدؓ بن خیثمہ کا مکان تھا۔

جو لوگ آپؐ سے ملاقات کے لئے آتے وہ حضرت سعدؓ کے گھر پر ٹھہرتے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہیں اپنے دیدار سے لوگوں کو مشرف فرماتے۔ یہ مکان ''منزل العزاب'' کے نام سے مشہور ہوا۔

قبا، قبیلۂ اوس کے خاندانوں کی بستی تھی۔ حضورؐ کی آمد سے ۵ سال پہلے اوس اور خزرج کے درمیان بڑی خونریز لڑائی ہوئی تھی جو جنگِ بعاث کہلاتی ہے۔ اسی لئے خزرج کے لوگ قبا، میں آنے سے کتراتے تھے۔ قبیلۂ خزرج کے حضرت اسعدؓ بن زرارہ جن کے تاجِ عظمت میں اولیتِ بیعت کا طرّہ ہے۔ قبا، میں حضورؐ کی پذیرائی سے محروم رہے۔ مہبطِ وحیؐ نے اہلِ قبا، سے دریافت فرمایا کہ اسعد ابن زرارہ کہاں ہیں؟ حضرت سعدؓ ابن خیثمہ نے بتایا۔ یارسول اللہ! جنگِ بعاث میں انھوں نے ہمارے ایک سردار کو قتل کر دیا تھا۔ اہلِ اوس ان کے خون کے پیاسے ہیں، اسی ڈر سے وہ نہیں آئے۔ جب شب نے ردائے ظلمت پھیلا دی تو مُنہ پر کپڑا لپیٹے شمعِ نبوت کا ایک پروانہ حاضرِ خدمت ہوا۔ رات بھر انوارِ نبوت سے فیضیاب ہوتا رہا اور جب مشرق سے پَو پھٹنی شروع ہوئی تو اجازت لے کر یثرب واپس ہوگیا۔ یہ حضرت اسعدؓ ابن زرارہ تھے۔

اِن کے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد ابن خیثمہ اور دوسرے اوسی سرداروں سے فرمایا ''میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اسعدؓ ابن زرارہ کو پناہ دو۔'' ان جاں نثاروں میں حضرت سعدؓ ابن خیثمہ نے فوراً تعمیلِ حکم میں یثرب کی راہ لی اور کچھ دیر بعد اسعدؓ ابن زرارہ کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اپنی آبادی بنو عمرو بن عوف کی گلیوں سے ہوتے ہوئے خدمتِ اقدسؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ! اب اسعدؓ بلا جھجھک ہماری بستی میں آسکتے ہیں ہم نے انھیں امان دی۔ یہ فرمانِ نبوی کی پہلی لہر تھی جس نے اوس و خزرج کو شیر و شکر کر دیا۔ یوں زبانِ نبوت سے انھیں سعد الخیر کا لقب عطا ہوا۔

مہاجرین و انصار کے درمیان جو عقدِ مواخات ہوا اس میں حضرت ابی سلمہؓ بن عبدالاسد (اُمّ المومنین اُمِّ سلمہ کے پہلے شوہر) کو حضرت سعدؓ بن خیثمہ کا بھائی بنایا گیا۔

حق و باطل کے پہلے معرکۂ بدر کا موقع آیا تو انصار کے اس گھرانے میں چشمِ فلک نے ذوقِ شہادت کا ایک عجیب منظر دیکھا۔ باپ اور بیٹے میں بحث ہو رہی تھی۔ باپ حضرت خیثمہؓ مصر تھے کہ میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت میں دوں گا تم گھر پر رہو اور

عورتوں اور بچوں کی نگرانی کرو۔ بیٹے نے بصد ادب جواب دیا۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر معاملہ شہادت اور جنت کا نہ ہوتا تو میں آپ کے حکم سے سرتابی نہ کرتا۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے تاجِ شہادت میرا منتظر ہے۔ آخر معاملہ قرعہ اندازی کے فیصلے پر ختم ہوا۔ خوبیٔ قسمت کہ قرعۂ فال اِن کے حق میں نکلا۔ کوئی اِن کی مسرت اور خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا۔ پاؤں زمین پر نہ ٹِکتے تھے۔

حضورؐ کی ہمرکابی میں میدانِ بدر کی راہ لی۔ جوش و خروش سے کافروں پر پل پڑے۔ ایک موقع پر دشمن کا ایک سوار ان پر حملہ آور ہوا۔ یہ پیدل بہادر اس کے وار روکے جارہے تھے کہ حضرت علیؓ ان کی مدد کو آگے بڑھے اتنے میں مقابل (جو عمرو بن عبدود یا طعیمہ بن عدی تھا) نے بھرپور وار کیا اور سعدؓ اپنے مقصود حورِ شہادت سے ہمکنار ہوگئے۔ ان کے والد نے جنگِ اُحد میں حصہ لیا اور تاجِ شہادت پہنا۔ یوں حضرت سعدؓ وہ انصاری ہیں جو شہید ابن شہید اور صحابی ابنِ صحابی ہیں۔

۱۲۔ حضرت ابوالہیثمؓ بن التیہان

آپ کا نام مالک بن بلی ہے لیکن اپنی کنیت ابوالہیثمؓ سے مشہور ہیں۔ قبیلۂ اوس کے تین نُقباء (اعلان کرنے والوں) میں سے ہیں۔ خاندانِ بلی سے تھے۔

زمانۂ جاہلیت میں بھی یثرب کے ان لوگوں میں شمار ہوتا تھا جو بُتوں سے بیزار تھے۔ حضرت اسعدؓ ابن زرارہ کی تبلیغ سے ایمان لائے اور پہلی بیعتِ عقبہ کے نئے ۷ افراد میں شامل تھے۔ دوسری بیعتِ عقبہ میں بھی شریک تھے اور نقیب منتخب ہوئے۔ "سابقون الاوّلون من الانصار" میں شمار ہوتا ہے۔

مدینہ میں جب انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات ہوئی تو انھیں سابقون الاوّلون من المہاجرین، حضرت عثمانؓ ابن مظعون کا بھائی بنایا گیا۔ تمام غزوات میں دادِ شجاعت دی۔ جنگِ موتہ کے بعد آنحضرتؐ نے انھیں کھجوروں کا اندازہ لگانے کے لئے مختلف قبائل میں بھیجا تاکہ اس پر زکوٰۃ مقرر کی جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دور میں اسی خدمت پر مامور کرنا چاہا تو انکار کردیا۔ عرض کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ کام کرتا تھا اور جب میں واپس آتا تو حضورؐ میرے لئے دُعا فرماتے۔ ایک بار حضورؐ بھوک سے بے چین ہوکر حجرے سے باہر نکلے تو دیکھا کہ حضرت

ابو بکرؓ بھی آئے ہوئے ہیں۔ پوچھا کیوں آئے ہو۔ عرض کیا آپ کی زیارت کے لئے۔ اتنے میں حضرت عمرؓ بھی آ گئے۔ ان سے بھی یہی سوال کیا۔ عرض کیا بھوک کی شدت لے آئی ہے۔ سب مل کر حضرت ابوالہیثمؓ کے نخلستان میں گئے۔ گھر پر آواز دی۔ تو بیوی نے بتایا کہ پانی لانے گئے ہیں۔ وہ اپنا سارا کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ تھوڑی دیر میں پانی کا مشک اُٹھائے آتے نظر آئے۔ غیر متوقع طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو میرے ماں باپ آپ پر قربان، کہتے ہوئے لپٹ گئے۔ سایہ میں بٹھایا اور کھجوروں کی ایک شاخ توڑ لائے۔ کنوئیں کا ٹھنڈا اور شیریں پانی پیش کیا۔ حضورؐ نے پانی پی کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ سایہ، کھجوریں اور صاف و شیریں پانی۔ قیامت کے دن ان کے بارے میں سوال ہوگا۔

اب ابوالہیثمؓ چھری لے کر بکری ذبح کرنے ریوڑ کی طرف جانے لگے تو ارشاد ہوا۔ دودھ والی بکری نہ ذبح کرنا۔ بچہ ذبح کیا اور گوشت بھون کر ضیافت کی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اب جب قیدی میرے پاس آئیں تو تم بھی آنا تمہیں ایک غلام دوں گا۔ کچھ دن بعد ایسا موقع آیا تو حاضر ہوئے۔ فرمایا۔ ان دو قیدیوں میں سے کسی کو منتخب کرلو۔ انھوں نے انتخاب حضورؐ ہی پر چھوڑا۔ ایک قیدی جو پابندِ نماز تھا عطا کرتے ہوئے فرمایا۔ اس سے اچھا سلوک کرنا۔ غلام کو گھر لائے تو بیوی کو یہ حکم سُنایا۔ بیوی نے کہا۔ میری مانو تو اسے آزاد کردو۔ یہی بہتر برتاؤ ہوگا۔ آزاد کردیا۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو دونوں میاں بیوی کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

باختلافِ روایت وفات ۲۰ھ ہجری میں یا حضرت علیؓ کے عہد میں ہوئی۔

سنگِ گراں

یہ بیعت بہت خفیہ طریقے پر ہوئی لیکن کفارانِ قریش کے کان میں اس کی بھنک پڑ گئی۔ حضورؐ نے انصار سے فرمایا۔ تم لوگ اپنے خیموں پر واپس چلے جاؤ۔ حضرت عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! خدا کی قسم اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنی تلواروں سے ان پر حملہ کردیں۔ فرمایا۔ ابھی ہمیں اس کا حکم نہیں آیا۔

مدینہ طیبہ بزمانۂ ہجرت

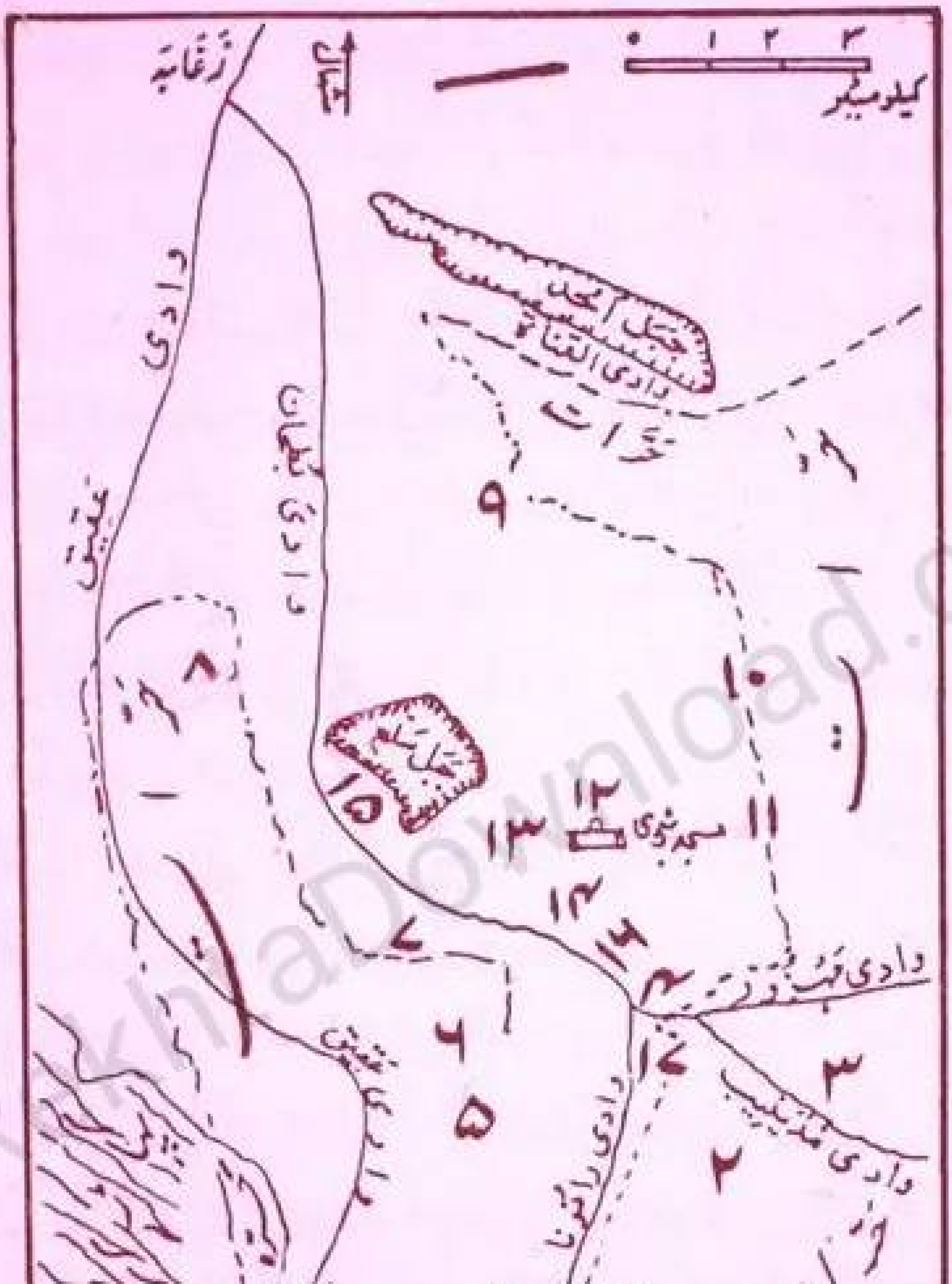

(۱) بنی عمرو بن عوف
(۲) بنی نضیر
(۳) بنی قریظہ
(۴) بنی قینقاع
(۵) قواقلہ بلحبلی
(۶) بنی عوف

(۷) بنی بیاضہ
(۸) بنی سلمہ
(۹) بنی حارثہ
(۱۰) بنی عبدالاشہل
(۱۱) بنی ظفر
(۱۲) مسجد نبویؐ

(۱۳) بنی نجار
(۱۴) بنی زریق
(۱۵) بنی ساعدہ
(۱۶) بلحارث
(۱۷) اوس مناۃ

RekhtaDownload.com

صبح وہ یثرب کے پانچسو زائرین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں کے خیمہ پر پہنچے اور کہا۔ ہمیں خبر ملی ہے کہ تم ہمارے آدمی سے ملے ہو، اور اسے ہمارے ہاں سے نکال لے جانے کا ارادہ ہے۔ گویا تم اس سے ہمارے خلاف جنگ کی بیعت کر رہے ہو۔ ان مشرکوں نے قسمیں کھا کھا کر یقین دلایا۔ ایسی کوئی بات نہیں ورنہ ہمارے علم میں ضرور آتی۔ عبداللہ ابن ابی بن سلول نے بڑے اعتماد سے کہا کہ میری قوم مجھ سے پوچھے بغیر یہ کام نہیں کر سکتی۔

حج کی رسومات ختم ہوئیں اور اہل یثرب جانے لگے تو قریش ان کی ٹوہ میں لگ گئے بیعت کی بات پکی ثابت ہوئی تو مکہ کے باہر اذاخر کے مقام پر رئیس خزرج حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت منذرؓ بن عمرو کو پکڑ لیا۔ حضرت منذرؓ تو کسی طرح بچ کر نکل گئے البتہ حضرت سعدؓ بن عبادہ ان کی گرفت میں آ گئے۔ قریش نے ان کے دونوں ہاتھ گردن سے باندھ دیئے اور مارتے پیٹتے ابطح میں لے آئے۔ ادھر سے سہیل بن عمرو کا گزر ہوا۔ اس نے انھیں ایک گھونسہ رسید کیا۔ اتنے میں ابوالبختری بن ہشام ادھر آ نکلا۔ اس شریف انسان نے پوچھا کیا تمہارا قریش کے کسی فرد سے کوئی عہد نہیں؟ حضرت سعدؓ نے کہا میں اپنے علاقے میں جبیر بن مطعم اور حارث بن حرب بن اُمیّہ کے تجارتی قافلوں کو پناہ دیتا ہوں۔ اس نیک بخت نے کہا پھر ان کا نام لے کر دہائی دو۔ خود حرم کعبہ میں جا کر ان دونوں سے کہا کہ خزرج کا ایک آدمی تمہارا نام لے کر پناہ کا خواہاں ہے۔ پوچھا کون ہے؟

"اور جو کوئی خدا سے ڈرے گا وہ اس کے لئے مخلصی (کی صورت) پیدا کر دے گا۔ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔ اور جو خدا پر بھروسہ رکھے گا تو وہ اس کو کفایت کرے گا۔ خدا اپنے کام کو (جو وہ کرنا چاہتا ہے) پورا کر دیتا ہے۔ خدا نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔"

(الطلاق:۔ ۲-۳)

سعد بن عُبادہ۔ وہ دونوں فوری آئے اور حضرت سعدؓ کو پناہ دے کر ان ظالموں کی گرفت سے آزاد کرایا۔ راستہ میں حضرت سعدؓ بن عُبادہ کے ساتھ نہ ہونے پر انصار میں کھلبلی مچی۔ طے پایا کہ چاہے جانیں خطرہ میں ہی کیوں نہ پڑ جائیں مکہ چل کر سعد کا پتہ لگائیں گے۔ اتنے میں دیکھا کہ سعدؓ مکہ کی طرف سے آ رہے ہیں۔ انھیں لے کر انصار اپنے سفر پر روانہ ہوئے۔

کرن کرن اُجالا

انصار کا قافلہ یثرب پہنچا تو اپنے اسلام کا اعلانِ عام کیا۔ نورِ ایمان اب تیزی سے پھیلنے لگا۔ چند بوڑھے سختی سے بُت پرستی پر قائم تھے۔ ان میں سے ایک قبیلۂ بنی سلمہ کے سردار عمرو بن الجموع بھی تھے۔ ان کے بیٹے معاذؓ مکہ سے بیعت کر کے لوٹے تو دیکھا باپ نے لکڑی کا ایک بڑا بُت مَنات بنا رکھا ہے جس کو پُوجتے ہیں۔ بیٹے نے چند اہلِ ایمان نوجوان کے ساتھ رات کے وقت اس بُت کو غلاظت کے گڑھے میں ڈال دیا۔ صبح باپ نے دیکھا کہ ان کا معبود غائب ہے۔ آخر ڈھونڈ کر لائے۔ نہلایا اور خوشبو لگائی۔ دوسرے تیسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ آخر ایک رات بُت کے کاندھے پر تلوار رکھی اور کہا اب اپنی حفاظت کر۔ صبح دیکھا کہ تلوار اور بُت دونوں غائب ہیں۔ تلاش پر ایک اندھے کنویں میں بُت اور ایک مُردہ کُتے کو رسّی سے لٹکتا پایا۔ یہ کیفیت دیکھی تو آنکھیں کھل گئیں دل نے کہا اگر یہ معبود ہوتا تو اِتنا ذلیل نہ ہوتا۔ فوراً گمراہی سے توبہ کی اور ایمان لے آئے۔

مُشرکینِ مکہ کو جب بیعت کی تفصیل معلوم ہوئی تو مسلمانوں کو پہلے سے زیادہ اذیتیں دینے کا حلف اُٹھایا۔ یہ دیکھ کر رسولؐ اللہ نے صحابہ کو یثرب جس کی قسمت میں مدینۃ النبی ہونا لکھا تھا ہجرت کا عام حکم دے دیا اور فرمایا کہ اللہ نے انھیں تمہارا بھائی بنایا ہے اور وہ سرزمین تمہارے لئے مامن ہے۔ دین کے لئے ہجرت جہاد کے بعد بہت بڑی عبادت ہے۔ کیونکہ اس میں وطن چھوٹتا ہے۔ محنت سے کمایا ہوا مال و متاع گھر بار، زمین اور جائداد سب سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔ عزیز و اقارب، اسبابِ معیشت سب کچھ چھوڑ کر اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے آئندہ زندگی کے لئے دوسروں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ ہجرت دراصل وطنیت کے بُت کو توڑنے کا ایک عملی امتحان ہے۔ یہ ایک کسوٹی ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اللہ اور رسول زیادہ محبوب ہیں

یا وطن، جائداد، تعلقات، زر اور زمین۔

سلام دشتِ تمنّا کے شہسواروں کو

ہجرت کی اجازت پاکر مسلمان دو دو، چار چار، چھپ چھپاکر کچھ ٹولیاں بناکر مکہ سے نکلنے لگے۔ حضرت عامرؓ بن ربیعہ اور ان کی بیوی لیلیٰؓ بنت ابی حشمہ کا نام مہاجرین کی فہرست میں اوّل ہے۔ اس کے بعد حضرت عمارؓ بن یاسر، حضرت بلالؓ ابن رباح اور حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کے نام لکھے گئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ اپنی زوجہ حضرت رقیہؓ کے ساتھ چھپ کر راہئ مدینہ ہوئے۔ پھر ہجرت کا ایک نہ رُکنے والا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اہلِ ایمان کے خاندان کے خاندان ہجرت کرنے لگے۔ بنی مظعون، بنی البکیر اور بنی جحش کے سب ہی لوگ مکّہ سے نکل گئے۔ بنی جحش کے ساتھ بنی اسد بن خزیمہ والے بھی شامل ہوگئے۔ ادھر سے عتبہ، ابوجہل اور حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا گزر ہوا تو عتبہ نے ٹھنڈی سانس بھری اور کہا اب بنی جحش کا محلّہ سنسان پڑا ہے۔ ابوجہل نے حضرت عباسؓ کو طعنہ دیا کہ یہ سب کچھ ان کے بھتیجے کا کیا دھرا ہے۔ ابوسفیان کی ایک بیٹی فرعہ حضرت ابواحمدؓ بن جحش کی بیوی تھی، اس نے داماد کے خاندان کے سارے گھروں پر قبضہ کرلیا۔ حضورؐ سے اس کی شکایت کی گئی۔ فرمایا کیا تم اس گھر کے بدلے جنّت میں گھر ملنے پر راضی نہیں۔ فتح مکہ کے بعد حضرت ابواحمدؓ نے اپنا دعویٰ پیش کیا۔ تو فاتحِ مکہ نے خاموشی اختیار کرلی۔ آپؐ نہیں چاہتے تھے کہ راہِ خدا میں چھوڑا ہوا مال لوٹایا جائے۔ خود آپ کے مکان پر چچیرے بھائی عُقیل ابن ابی طالب (جو فتحِ مکہ تک ایمان نہیں لائے تھے) نے قبضہ جمالیا۔

سازِ ازل کی فغاں

بعض صحابہ نے راہِ ہجرت میں بڑی مُصیبتیں اُٹھائیں۔ جن میں حضرت ابوسلمہ عبداللہؓ ان کی زوجہ حضرت اُمِ سلمہؓ، حضرت صہیب رومیؓ، حضرت عیاشؓ بن ربیعہ، حضرت عبداللہؓ بن سہیل کی بپتا رونگٹے کھڑے کردیتی ہے۔ حضرت اُمِ سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ہجرت کے ارادے سے ان کے شوہر ابوسلمہ عبداللہؓ بن عبدالاسد اونٹ پر نکلے، میری گود میں چھوٹا بچہ سلمہ تھا۔ قریش کو پتہ چلا تو روک لیا۔ حضرت عبداللہؓ سے بیوی کے رشتہ داروں نے کہا۔ ان کی گود میں بچہ ہمارے خاندان کا ہے اور وہ ان سے چھین لیا۔ یہ دیکھ کر راہِ حق کا مہاجر

ابوسلمہؓ عبداللہ اکیلا ہی مدینہ سدھارا۔ ان کی آزمائش اور ابتلا کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے ام سلمہؓ کو دو غم تھے۔ شوہر پاس نہیں اور بچہ بھی چھین لیا گیا۔ وہ روز ابطح کے اس مقام پر جاتیں جہاں سے ان کے شوہر جُدا ہوئے تھے۔ سارا سارا دن روتی رہتیں۔ اس طرح ایک سال گزر گیا۔ ایک بار بنی مغیرہ میں ان کے ایک چچا زاد بھائی کی نظر ان پر پڑی اور اس کے دل میں رحم آگیا۔ چنانچہ ان کی وجہ سے اُمِ سلمہؓ کو جانے کی اجازت مل گئی۔ یہ دیکھ کر بنواسد نے بچے کو واپس کر دیا۔ اونٹ تیار کر کے تنہا بچے کے ساتھ راہِ ہجرت اختیار کی۔ تنعیم کے مقام پر بنی عبدالدار کے کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ سے ملاقات ہوئی۔ اس شریف انسان نے اونٹ کی نکیل پکڑی اور قبا تک پہنچا دیا۔

حضرت صہیبؓ بن سنان رومی مکہ چھوڑنے والوں میں آخری مہاجر تھے مشرکین ان کے سدِ راہ ہوئے۔ بولے تم مکہ میں مُفلس و محتاج آئے تھے۔ اب دولت لے کر فرار نہیں ہو سکتے۔ انھوں نے کہا۔ اے گروہِ قریش! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ مجھ سے بہتر تیرانداز کوئی نہیں، جب تک میرے ترکش میں تیر ہیں تم میں سے کوئی قریب نہیں آسکتا۔ ترکش خالی ہو جائے تو تلوار سے مقابلہ کروں گا۔ تم مجھے ہجرت سے ہرگز روک نہیں سکتے۔ ہاں اگر دولت لے کر میرا راستہ چھوڑ سکتے ہو تو مال حاضر ہے۔ مُشرکوں نے اسی پر اکتفا کیا۔ مال و منالِ دنیوی کے عوض متاعِ ایمان کا سودا کر کے قبا پہنچے۔ انھیں دیکھ کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا۔ ابویحییٰ! تم نے بڑی پُر منفعت بخش تجارت کی ہے۔ قرآن مجید میں سورۂ بقرہ میں اس عظیم الشان قربانی کی داد اس طرح دی گئی ہے۔ "لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی رضا جوئی کے لئے اپنی جانیں بیچ دیتے ہیں۔"

حضرت عیاشؓ بن ربیعہ جو ابوجہل کے ماں جائے بھائی تھے، جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو پیچھے ان کے دونوں بھائی ابوجہل اور حارث پہنچے اور کہا تمہاری ماں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تمہیں نہ دیکھے گی نہ سر میں کنگھی کرے گی اور نہ دُھوپ سے سایہ میں آئے گی۔ حضرت عیاشؓ پر ماں کی محبت غالب آگئی۔ سوچا ماں کی قسم پوری کرنے کے بعد اپنا مال لے کر واپس آجاؤں گا۔ اونٹ کا رُخ مکہ کی طرف پھیر دیا۔ راستے میں ابوجہل نے کہا میرا اونٹ ٹھیک نہیں ہے تم مجھے اپنے ساتھ سوار کر لو۔ اونٹ بٹھایا تو حارث اور ابوجہل نے موقع پا کر ان کی مشکیں باندھ لیں اور مکہ میں لا کر ایک مکان میں قید کر دیا۔ اسی طرح ایک اور مسلمان ہشامؓ بن عاص کو بھی قید

کر دیا گیا تھا۔ حضورِ اکرمؐ کو معلوم ہوا تو بے چین ہو گئے۔ آخر حضرت ولیدؓ بن مغیرہ (خالد بن ولید کے بھائی) کو انھیں چھڑا کر لانے مکہ روانہ کیا۔ وہ چھپتے چھپاتے رات کے وقت اس مکان میں داخل ہوئے، ان کی بیڑیاں کاٹیں اور اپنے اونٹ پر مدینہ لائے۔

حضرت عبداللہؓ بن سہیل بن عمرو حبشہ میں مقیم تھے۔ مدینہ کی ہجرت کا سُن کر مکہ آئے تاکہ دارالہجرت میں رسولؐ اللہ سے مل جائیں۔ باپ نے پکڑ کر پابہ زنجیر کر دیا اور طرح طرح کی تکلیفیں دینا شروع کر دیں۔ آخر تنگ آکر باپ کو یقین دلایا کہ آبائی دین کی طرف لوٹتا ہوں۔ اس طرح نجات پائی۔ میدانِ بدر میں جب کفّار اور اسلام کی فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو موقع پا کر اہلِ ایمان کی صفوں میں شامل ہو گئے۔ ان کے باپ سہیل فتحِ مکہ کے موقع پر ایمان لائے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ اللہ نے میرے بیٹے کے ایمان میں میرے لئے سامانِ خیر رکھا تھا۔

کربِ تمنا

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جس نے بھی ہجرت کی وہ پوشیدہ اور خفیہ کی۔ صرف حضرت عمرؓ ابن خطاب ہی ایک ایسی شخصیت ہیں کہ انھوں نے علانیہ طور پر ہجرت کی۔ جب عزم کیا تو تلوار گلے میں حمائل کی۔ پہلو میں نیزہ باندھا، پُشت سے ترکش لگایا۔ ہاتھوں میں کمان لی۔ گھوڑے پر سوار ہو کر سیدھے بیتُ اللہ کی طرف روانہ ہوئے۔ تمام دشمنانِ اسلام اپنی اپنی بیٹھکوں میں اپنے اپنے قبائل کے ساتھ تھے۔ پہلے کعبۃ اللہ کا سات بار طواف کیا۔ پھر مقامِ ابراہیم پر آکر دو رکعت نماز ادا کی۔ ہر حلقۂ مجلس پر کھڑے ہو کر کہا۔ تمہارے چہرے مسخ ہو جائیں، اللہ تمہاری ناک خاک آلود کرے، جو شخص چاہتا ہے کہ اپنے پیچھے اپنی ماں کو روتا ہوا چھوڑے، اپنی بیوی کو بیوہ بنائے اور اپنے بچوں کو یتیم کہلوائے تو آئے اور حرم کے باہر مجھ سے نبرد آزما ہو۔ حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ اہلِ قریش میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ ان کا تعاقب کرے۔ البتہ کچھ کمزور مسلمان آپ کے ساتھ آملے اور سفرِ ہجرت کے ساتھی بن گئے۔ اس گروہ کی تعداد بیس بتائی جاتی ہے۔

آخری بیعتِ عقبہ ذی الحجہ ۱۳ھ نبوّت کو ہوئی۔ اس کے بعد دو ڈھائی مہینے میں تمام مسلمان رفتہ رفتہ مکہ سے ہجرت کر گئے۔ اب صرف تین افراد حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ اور خود حضورِ اکرمؐ مکہ میں باقی رہ گئے۔ یہ عظیم احساس ذمہ داری تھا کہ اِن پُرخطر

حالات میں بھی آپؐ ثابت قدم رہے۔ ان کے علاوہ یا تو وہ مسلمان تھے جو ہجرت کرتے ہوئے پکڑ لئے گئے اور قید کر دیئے گئے تھے۔ یا حبشہ سے لوٹتے ہوئے سات مہاجر تھے جو زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ یا پھر وہ لوگ جن کے دلوں میں ایمان تو تھا لیکن سب کچھ چھوڑ کر ہجرت کی ہمت نہ تھی، ضعیف افراد، خواتین اور بچے ابھی تک مکّہ ہی میں تھے۔ ۱۷۲

رفیقِ درِ ہجرت

حضرت ابوبکرؓ نے ارادۂ ہجرت ظاہر کیا تو ارشاد ہُوا۔ جلدی نہ کرو۔ شاید اللہ تمھیں ایک ساتھی عطا فرما دے۔ حضرت ابوبکرؓ کو اُمید ہو گئی کہ وہ ساتھی آپؐ خود ہیں۔ چنانچہ انھوں نے دو اچھی نسل کی اُونٹنیاں آٹھ سو درہم میں خریدیں اور انھیں ببول کے پتّے کِھلا کِھلا کر سفر کے لئے تیار کیا۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے حضرت جبریلؑ سے پوچھا۔ میرے ساتھ سفر میں کون ہو گا؟ انھوں نے بتایا ابو قحافہ کا بیٹا ابوبکرؓ۔ حضرت علی کو پیچھے چھوڑنے کا مقصد یہ تھا کہ اہلِ مکّہ کی امانتیں آپؐ کے پاس تھیں۔ انھیں ابھی سے لوٹا دینے میں افشائے راز کا اندیشہ تھا۔ اس لئے یہ کام حضرت علیؓ کے سپرد کیا گیا۔ عجیب بات ہے کہ کفّار ایک طرف تو خون کے پیاسے ہیں اور دوسری جانب اپنے دنیوی مال و زر کا آپ کو امین بناتے ہیں۔

پاکئ داماں کی حکایت

دانشورانِ کفر نے محسوس کیا کہ اب کچھ دن میں آپؐ بھی ہجرت کر جائیں گے۔ مسلمانوں کو ٹھکانہ میسّر آ گیا ہے۔ دو طاقتور قبائل کی حمایت حاصل ہو گئی ہے۔ جاں نثار ہر چیز سے دستبردار ہو کر ایک مرکز پر جمع ہو گئے ہیں۔ وہ مرکز ان کے تجارتی کاروانوں کی گزرگاہ سے قریب تر ہے۔ اس طرح ان کی تجارت خطرے میں پڑ گئی۔ طاقتور ہو کر ہم پر حملہ آور ہوں تو ہمارا نام و نشان ہی مٹا دیں گے۔ اقتدار ڈانوا ڈول ہوتا نظر آیا۔ دارالندوہ میں خفیہ اجتماع ہوا۔ تمام رؤسا جن میں چودہ سردارانِ قریش قابلِ ذکر ہیں سر جوڑ کر بیٹھے۔ عتبہ۔ شیبہ۔ ابوسفیان۔ طعیمہ بن عدی۔ جبیر بن مطعم۔ حارث بن عامر۔ نضر بن حارث۔ ابوالبختری بن ہشام۔ زمعہ بن اسود۔ ابوجہل ابن ہشام۔ نبیہ بن حجاج۔ مُنبہ بن حجاج۔ اُمیّہ ابن خلف اور حکیم بن حزام۔

تمام اندیشوں کو سامنے رکھ کر دانشورانِ کفر نے غور و خوض کیا۔ ابھی محمدؐ ہمارے قبضے میں ہیں، ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ مختلف تجویزوں پر غور ہوا۔ پابہ زنجیر قید کردیں؟ ایسی صورت میں حملہ کرکے چھڑا لیا جائے گا۔ نکل جانے دیں تو نہ جانے اپنی جادو بیانی سے عرب کے کن کن قبائل کو ہمارے خلاف ابھاریں۔ آخر دشمنِ خدا، دشمنِ رسولِ خدا، ابوجہل نے تجویز پیش کی کہ سب مل کر ایک ساتھ محمدؐ پر ٹوٹ پڑیں۔ اس طرح خون سب پر تقسیم ہو جائے گا۔ بنی عبدمناف سب سے لڑ نہیں سکیں گے۔ ان کے لئے سوائے خون بہا قبول کرنے کے کوئی اور راستہ نہ ہوگا۔ سب نے اس پر صاد کیا۔ ہر قبیلہ کا شمشیر زن بھی چن لیا گیا۔ دن تاریخ اور وقتِ قتل بھی رازداری سے طے کرلیا گیا۔ سورۂ انفال کی آیت ۳۰ میں اللہ نے اس جانب اشارہ فرمایا ہے۔

"اور (اے نبی وہ وقت بھی یاد کرو) جبکہ کفار تمہارے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ تمہیں قید کردیں یا قتل کر ڈالیں یا جلاوطن کردیں۔ وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی اپنے نبی کو تمام رازدارانہ کارروائی سے مطلع فرما دیا اور ہجرتِ مدینہ کی اجازت بھی دے دی اور یہ دعا تلقین کی گئی، آیت ۸۰ سورۂ بنی اسرائیل

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝ "اور کہو کہ اے پروردگار مجھے (مدینے میں) اچھی طرح داخل کیجیو اور (مکے سے) اچھی طرح نکالیو اور اپنے ہاں سے زور و قوت کو میرا مددگار بنائیو۔"

مَن درچہ خیالم وُ فلکُ درچہ خیال

یہ اجازت اس دن ملی جس کے بعد آنے والی رات قریش نے قتل کے لئے مقرر کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی مصلحت بھی یہی تھی کہ آپ کو مکّہ میں اس وقت تک رکھے جب تک اہل وطن دشمنی کی آخری حد تک نہ پہنچ جائیں۔ حضرت جبریلؑ نے قریش کے ارادوں سے باخبر کرتے ہوئے کہا آج رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں۔ یہ سن کر حضور اکرمؐ عین دوپہر کے وقت چہرے پر کپڑا ڈالے ہوئے حضرت ابو بکرؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے بے قرار ہو کر پوچھا۔ ضرور کوئی خاص بات ہے کہ آپ اس وقت خلافِ معمول

تشریف لائے ہیں۔ فرمایا۔ اپنے پاس سے سب کو ہٹا دو۔ عرض کیا اس وقت میری بیٹیاں ہیں۔ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہجرت کی اجازت دے دی ہے۔ عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا۔ تم ساتھ چلو گے۔ فرطِ مسرت سے حضرت ابوبکرؓ کے آنسو نکل پڑے۔ عرض کیا۔ اسی غرض سے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی ہیں، ان میں سے جو پسند ہو حاضر ہے۔ فرمایا: قبول ہے لیکن قیمت کے ساتھ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہجرت جیسی عظیم سعادت اپنی جان و مال سے حاصل کریں، ورنہ حضرت ابوبکرؓ نے تو اپنی ساری دولت آپؐ پر خرچ کر دی تھی۔ واقدی نے اس اونٹنی کا نام قصوآء اور ابن اسحاق نے جدعا لکھا ہے۔ بخاری میں جدعا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے پہلے ہی سے ایک راستوں کے ماہر شخص کا اُجرت پر انتظام کر رکھا تھا۔ یہ بنی الدّیل کا عبداللہ بن اُریقط تھا۔ اگرچہ مُشرک تھا مگر قابلِ اعتماد تھا۔ اونٹنیاں اس کے حوالے کیں اور ہدایت کی کہ جس جگہ بُلایا جائے پہنچ جانا۔ یہ انتظامات حضرت ابوبکرؓ کی دُور اندیشی، معاملہ فہمی، رازداری اور جان نثاری کے گواہ ہیں۔

اس کے بعد آپؐ اپنے گھر تشریف لائے تاکہ دشمنوں کو شُبہ نہ گزرے۔ رات آئی تو قریش کے شمشیر زن حسبِ قرار داد مکان کے گرد جمع ہو گئے۔ ابن سعد کے مطابق یہ بارہ آدمی خود سرداران قریش ابوجہل، حکم بن ابی العاص، عقبہ ابن ابی معیط، نضر بن حارث، اُمیّہ بن خلف، حارث بن قیس بن الغیطلہ، زمعہ بن الاسود، طعیمہ بن عدی، ابولہب بن عبدالمطلب، اُبی بن خلف، نبیّہ بن حجاج اور منبّہ بن حجاج تھے۔

ارادۂ ہجرت سے حضرت علیؓ کو باخبر فرمایا اور حکم دیا کہ میری سبز حضرموتی چادر اوڑھ کر بستر پر لیٹ جاؤ۔ ڈرو نہیں تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ امانتیں ان کے سپرد کیں کہ صبح ان کے مالکوں کو لوٹا دیں۔ جان کا خطرہ ہو تو کون اخلاقی اقدار کا خیال کرتا ہے۔ مگر اس رسولِ آخرینؐ کی بعثت کا مقصد ہی اخلاقی اقدار کی حفاظت کرنا ہے خون کے پیاسوں کی امانتیں لوٹائی جا رہی ہیں۔ بندوں کا یہ امین پیغامِ حق اور اقدارِ انسانی کا بھی سب سے بڑا امین ہے۔

دشمن باہر سے تاک جھانک کر یہی سمجھتے رہے کہ آپؐ بستر پر سو رہے ہیں۔ رات میں اندر گھسنے سے اس لئے گریز کر رہے تھے کہ خواتین اندر تھیں اور یہ بات عربوں میں بڑی عار والی تھی۔ صبح کے انتظار میں رات بھر پہرہ دیتے رہے۔ جب رات زیادہ بھیگ گئی تو رسولؐ اللہ نے مٹھی بھر خاک پر سورۂ یٰسین کی آیتیں فَاَغْشَیْنٰھُمْ فَھُمْ

لَا یُبْصِرُوْنَ تک پڑھ کر دم کیں اور خاک ان کے سروں پر ڈال دی۔ ان کی آنکھوں پر پردے پڑ گئے اور آپؐ ان کے درمیان سے نکل گئے۔ سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت اسماءؓ نے جلدی جلدی چمڑے کی ایک تھیلی میں کھانا رکھا۔ منہ بند کرنے کے لئے کوئی چیز نہ ملی تو کمربند کا ایک ٹکڑا پھاڑ کر تھیلی کا منہ باندھا۔ دوسرے سے پانی کے مشکیزے کا منہ کسا۔ اسی وقت سے وہ ذات النطاقین مشہور ہوئیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ مکہ سے نکلتے ہوئے حزورہ کے مقام پر بیت اللہ کی جانب منہ کیا اور بڑے درد کے ساتھ فرمایا۔

"اے مکہ! اللہ کی قسم! تو مجھے روئے زمین پر سب سے زیادہ محبوب ہے اور خدا کو بھی اپنی زمین میں تو ہی سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔ اگر تیرے باشندوں نے مجھے نہ نکالا ہوتا تو میں کبھی تجھے نہ چھوڑتا۔"

مکہ سے اس مخاطبت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبلِ ثور کا رخ فرمایا۔ [۱]

غارِ ثور

مکہ کے جنوب میں یمن کے راستے پر کوئی تین چار میل کے فاصلے پر وہ پہاڑ ہے جس میں غارِ ثور واقع ہے۔ سطحِ سمندر سے اس کی اونچائی کوئی ۳۲۰۰ فٹ ہے۔ مکہ کی سطح سے ۱۲ سو فٹ اونچا ہے۔ چوٹی کے قریب ہی یہ غار واقع ہے۔ جبلِ ثور کا سلسلہ کم و بیش چار میل پر پھیلا ہوا ہے۔ پہاڑ کی چڑھائی ناہموار مگر سیدھی ہے۔ اس لئے خاصی دشوار گزار ہے۔ میدانی علاقہ تک سواری جاتی ہے لیکن اوپر جانوروں کے لئے چڑھنا بھی مشکل ہے۔ دن کی روشنی میں بھی اس کی چوٹی تک پہنچنے میں آدھا دن درکار ہوتا ہے۔ رات کی تاریکی میں دونوں نے چڑھائی شروع کی اور پو پھٹنے سے پہلے غار کے دہانے پر پہنچ گئے۔

جبل ثور پر بلسان کے درخت بہت ہیں جس سے روغن اور ادویات بنائی جاتی ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السّلام کی اولاد میں سے ایک شخص ثور بن عبدمنات گزرا ہے۔ کہتے ہیں ثور بن منات نے کسی سفر کے دوران اس پہاڑ پر قیام کیا تھا اس لئے اس کا نام "جبل الثور" پڑ گیا۔ اوپر سے چوٹی کے قریب کوئی دو فرلانگ نشیب میں ایک ڈھلوان اور دشوار گزار راستہ ہے جس کے آخر میں یہ غار ہے۔ جو عام گزرگاہ سے

ہٹ کر پہاڑ کی داہنی جانب واقع ہے۔ غار کا رقبہ تقریباً دو مربع میٹر ہے۔ دہانہ بہت تنگ ہونے سے ایک آدمی بڑی مشکل سے اندر جا سکتا ہے۔ جاتے ہوئے سر کو جھکانا پڑتا ہے۔ سیدھے کھڑے ہو کر داخل ہونا ممکن نہیں۔ اندر غار کی وسعت کچھ زیادہ نہیں۔ اندرونی بلندی پانچ چھ فٹ ہے اور سات آٹھ آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔[۱۵۵]

دو غار، دو سفر اور دو یار

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دو غار، دو سفر اور دو یار بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ دو غار۔ غارِ حرا اور غارِ ثور ہیں۔ غارِ حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی۔ اس کا قرآن مجید میں کوئی ذکر نہیں۔ مگر غارِ ثور کا تذکرہ موجود ہے۔ ادب میں اس غار کی نسبت سے محاورے شامل ہوئے۔ عربی میں ''رفیق فی الغار'' فارسی اور اردو میں ''یارِ غار'' سے مخلص ساتھی مقصود ہوتا ہے۔

حیاتِ طیبہ کے دو یادگار سفر ہیں۔ ایک زمینی اور دوسرا آسمانی۔ زمینی سفر ہجرت کا سفر ہے اور آسمانی سفر معراج کے نام سے مشہور ہے۔ سفرِ ہجرت کے یار افضل البشر حضرت صدیق اکبرؓ ہیں اور آسمانی سفر کے یار سید الملائک حضرت جبریلؑ ہیں۔ دونوں موقعوں پر وحی کے لانے والے حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابو بکرؓ کے بارے میں خبر دی۔ ایک معراج کے سفر سے واپسی کا موقع تھا اور دوسرا ہجرت میں رفاقت کا۔ غارِ حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی تو حضورؐ احساسِ گرانباریٔ منصب سے مضطرب غار سے باہر نکلے تھے۔ یہ نبوّت کی ابتدا تھی حضرت ابو بکرؓ جب غارِ ثور میں داخل ہوئے تو دولتِ اضطراب ان کے حصّہ میں آئی۔ یہ مقامِ صدیقیت کے سرحدِ نبوت سے قریب تر ہونے کے آثار ہیں۔ اس وقت اللہ کے رسولؐ ''اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا'' کے نشۂ یقین سے سرشار تھے اور صدیقؓ کا سینہ آماجگاہِ اضطراب تھا

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جبلِ ثور کی جانب بڑھنے لگے تو حضرت ابو بکرؓ کی بے تابی اور بے چینی کا عجب حال تھا۔ کبھی آگے چلتے۔ کبھی پیچھے۔ کبھی داہنے رُخ آتے کبھی بائیں سمت چلنے لگتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کیفیت کو دیکھا تو پوچھا کیا بات ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! جب خیال آتا ہے کہ کہیں کوئی آپ کی تلاش میں پیچھے نہ آ رہا ہو تو پیچھے آ جاتا ہوں۔ جب سوچتا ہوں کہ آگے کوئی گھات میں

نہ بیٹھا ہو تو سامنے چلنے لگتا ہوں۔ فرمایا۔ اس سے تمہارا مقصد ہے کہ تم شکار ہو جاؤ اور میں بچ جاؤں۔ عرض کیا۔ اس ذات کی قسم جس نے حق کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا یہی بات ہے۔ پہاڑی راستے کی وجہ سے پاؤں مجروح ہو گئے تو حضرت ابو بکرؓ نے آپ کو اپنے دوش (کاندھوں) پر بٹھالیا اور غار کے دہانے تک لے آئے۔ عرض کیا۔ یا رسولؐ اللہ! آپ باہر ٹھہریئے میں اندر سے غار کو صاف کرلوں۔ ۱۶۸

وضعِ احتیاط

اندر سے غار کو صاف کیا۔ جہاں جہاں سوراخ تھے۔ چادر پھاڑ کر ان سوراخوں کو بند کر دیا۔ حضورؐ اندر داخل ہوئے اور زانوئے صدیقؓ پر سر رکھ کر سو گئے۔ سامنے ایک سوراخ دیکھا تو حضرت ابو بکرؓ نے اپنے پاؤں کی ایڑی لگا کر سوراخ بھی بند کر دیا۔ اتفاق سے اس سوراخ میں ایک سانپ کی رہائش تھی۔ سانپ نے ڈس لیا۔ لیکن آپ نے جنبش تک نہ کی۔ زہر کے اثر اور تکلیف کی شدت سے آپ کے آنسو نکل آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر گرے۔ حضورؐ کی آنکھ کھل گئی۔ پوچھا۔ کیا بات ہے؟ عرض کیا۔ آقا! سانپ نے کاٹا ہے۔ حضورؐ نے اپنا لعاب دہن لگایا اور اللہ تبارک تعالیٰ نے لعابِ دہن کی برکت سے سانپ کے زہر کے اثر کو زائل فرما دیا۔ یہ ماہ صفر کی ۲۷ ویں شب تھی اور نبوت کا چودھواں سال شروع ہو چکا تھا۔ جو عرف عام میں ہجرت کا پہلا سال کہلاتا ہے۔ ۱۶۹

جب صبح ہوئی تو کافروں نے حضرت علیؓ کو بستر سے اٹھتے دیکھا۔ پوچھا۔ محمدؐ کہاں ہیں؟ فرمایا۔ مجھے علم نہیں۔ انھیں لے جا کر مسجد حرام میں قید کر دیا۔ جب بتایا کہ میں تو تمہاری امانتیں لوٹانے پر مامور ہوں تو مال کی ہوس میں انھیں چھوڑ دیا۔ حضرت اسماءؓ بنت ابو بکرؓ کا بیان ہے کہ ابو جہل چند آدمیوں کے ساتھ آیا اور پوچھا۔ تمہارا باپ کہاں ہے؟ کہا مجھے خبر نہیں۔ اس پر اس زور کا تھپڑ رسید کیا کہ بالی کان سے نکل کر دور جا پڑی۔

سیلِ سبک سیر

ہر طرف تلاش ہوئی۔ عام خیال یہی تھا کہ مدینہ جانے والے راستے پر ہوں گے۔

نقشہ سفر ہجرت نبوی
مدینہ منورہ
المدینۃ المنورہ
قباء
ثنیۃ الوداع
جبل عیر
بطن ریم
العرج کی گھاٹی
العبابید
الفاجہ
وادی ذو سلم
ابجد اجد
مدلجہ حجاج
مدلجہ لقف
لقفا
ثنیۃ المرہ
الخرار
قدید
امج
عسفان
مولد النبیؐ
مسفلہ
جبل ثور
میجد
بدر
حمراء
اجرار کی پہاڑی
ینبع البحر
مستورہ
رابغ
قضیمہ اکاظمہ
جدہ
حدیبیہ
خانہ الکعبہ
مکہ معظمہ

جنوبی سمت میں جبل ثور کے انتخاب میں مصلحت بھی یہی تھی۔ کھوجیوں نے نقش پا کو تلاش کیا۔ اور غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔ ایک کھوجی کرز بن علقمہ خزاعی نے اُمیہ ابن خلف سے کہا۔ یہاں تک تو سُراغ لگا لیا آگے پتہ نہیں چلتا۔ اس وقت کوئی حضرت ابوبکرؓ کا اضطراب دیکھتا۔ عرض کیا۔ اگر کافر اپنے پیروں کی طرف نظر کریں تو ہمیں دیکھ لیں گے۔ مجھے اپنی جان کا غم نہیں اگر آپؐ کو کچھ ہو گیا تو اُمت ہلاک ہو جائے گی۔ فرمایا۔ "اے ابوبکرؓ! اُن کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ اللہ ہے۔" سورۂ توبہ کی آیت ۴۰ میں اِرشادِ ربانی ہے:

"اگر تم (مسلمان) پیغمبر کی مدد نہ کروگے تو اللہ ان کا مددگار ہے (وہ وقت تم کو یاد ہوگا) جب ان کو کافروں نے گھر سے نکال دیا (اس وقت) دو ہی شخص تھے۔ جن میں ایک ابوبکر یا دوسرے (خود رسول اللہ) جب وہ دونوں (غار ثور میں) تھے اس وقت پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دیتے تھے کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے ان پر تسکین نازل فرمائی اور ان کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اور کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے اور اللہ زبردست اور حکمت والا ہے۔"

تارِ عنکبوت

دہانے پر مکڑی نے جالا تان دیا غار کے مُنہ سے قریب درخت کی شاخوں پر کبوتر نے انڈے دے دیئے۔ (زرقانی کا خیال ہے کہ حرم کے لاکھوں کبوتر اِسی جوڑے کی نسل سے ہیں۔) دانشورانِ کفر اِن نشانیوں کو دیکھ کر یہ سمجھے کہ اگر غار میں داخل ہوتے تو مکڑی کا جالا ٹوٹ نہ جاتا۔ اُمیہ ابن خلف نے لوگوں کو غار میں جانے سے روکتے ہوئے کہا۔ یہ مکڑی کا جالا تو محمدؐ کی پیدائش سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔ اللہ نے تارِ عنکبوت کو آہنی حصار بنا دیا۔ ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ کو ہدایت کی کہ دن بھر قریش کی خبریں لیتے رہو اور رات میں ہمیں اس کی اطلاع دو۔ آزاد کردہ غلام عامر ابن فہیرہ کو حکم دیا کہ حسبِ معمول بکریاں چراتے رہو۔ ریوڑ کو چراتے چراتے غار میں پہنچ جایا کرو تاکہ دودھ میسر آئے۔ تینوں دن یہی معمول رہا۔ رات میں حضرت اسمائؓ بنت ابوبکرؓ کھانا لے آتیں۔ ۱۲۵

تیسرے دن یکم ربیع الاول بروز دوشنبہ طے شدہ معاہدہ کے مطابق قابلِ اعتماد عبداللہ ابن اُریقط اونٹنیاں لے آیا۔ ایک اونٹنی پر رسولؐ اللہ سوار ہوئے۔ دوسری پر ابوبکرؓ عامر ابن فہیرہ کو خدمت کے لئے ساتھ لے لیا۔ ابنِ اُریقط اپنے اونٹ پر بیٹھ کر آگے آگے چلا۔ قافلہ مکّہ کے جنوبی حصّہ سے نکل کر ساحل کی طرف گیا۔ پھر عسفان کے پیچھے سے گزرتا ہوا امج کے نیچے سے ہوتا ہوا قدید کے علاقے سے گزرا۔ ایک دن اور ایک رات مسلسل چلنے کے بعد دوسرے دن دوپہر کو ایک چٹان کے سایہ میں ٹھہرا۔ حضرت ابوبکرؓ یہ دیکھنے نکلے کہ کوئی تعاقب تو نہیں کر رہا ہے۔ اتنے میں ایک چرواہا ملا۔ اس سے چمڑے کی تھیلی میں دودھ لے آئے۔ حضورؐ نے نوش فرمایا۔ پھر مسافرانِ راہِ حق کا قافلہ روانہ ہو گیا۔

ادھر قریش نے اعلان کیا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو زندہ گرفتار کر کے ہمارے حوالے کر دے یا انھیں قتل کر کے ہمارا اطمینان کر دے تو اسے ان میں سے ہر ایک کی پوری دیت دی جائے گی۔ یعنی سَو سَو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ کئی لوگ اس لالچ میں تلاش میں نکلے۔ قدید کے قریب بنی مدلج کا علاقہ تھا۔ سُراقہ ابن مالک ابن جُعشَم ان کا سردار تھا۔ ایک شخص نے اسے اطلاع دی کہ اس نے ساحل کے قریب سے چند لوگوں کو گزرتے دیکھا ہے۔ سراقہ سمجھ گیا۔ کچھ دیر بعد گھر گیا اور لونڈی کو حکم دیا کہ ترکش، تیر اور کمان جلدی سے نکالو۔ عود نامی گھوڑے کو ٹیلے کے پاس لے جا کر میرا انتظار کرو۔ خود تیار ہو کر وہاں پہنچا اور گھوڑے پر سوار ہو کر ان لوگوں کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔

راستے میں ٹھوکر لگنے سے گھوڑا گر گیا۔ ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ تعاقب کرنا چاہیئے کہ نہیں۔ فال اُلٹی نکلی مگر لالچ میں گھوڑا دَوڑا دیا۔

حضرت ابوبکرؓ پوری طرح چوکس تھے اور چاروں طرف نظر رکھے ہوئے تھے۔ دیکھا کوئی گھوڑا سرپٹ دَوڑاتا ہُوا آ رہا ہے۔ گھبرا کر عرض کیا۔ یا رسولؐ اللہ! کوئی ہمارے سر پر آ گیا۔ حضورؐ نے بے التفاتی سے فرمایا۔ غم کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ گھوڑے نے دوبارہ ٹھوکر کھائی۔ سُراقہ نے فال دیکھی تو خواہش کے خلاف نکلی۔ لالچ نے کہا شکار تو سامنے ہے۔ گھوڑے پر سوار ہو کر قریب پہنچا۔ حضورؐ نے دُعا کی۔ یکایک گھوڑے کے پاؤں پتھریلی زمین میں دھنس گئے۔ سوار مُنہ کے بل گر پڑا۔ اب وہ سمجھ گیا کہ مسافرانِ راہِ حق ہیں انھیں منزل پر پہنچنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ عرض کیا میں کوئی گزند نہیں پہنچاؤں گا۔

میرے لئے دُعا فرمائیے۔ آپؐ نے دُعا فرمائی۔ زمین نے گھوڑے کے پاؤں چھوڑ دیئے۔ اس نے زادِ راہ پیش کی جو آپ نے قبول نہیں فرمائی۔ ارشاد ہوا۔ اتنا کرو کہ کسی کو ہم تک پہنچنے نہ دو۔ عرض کیا مجھے امان نامہ عطا ہو۔ حضورؐ کے حکم سے عامرؓ ابن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر تحریر لکھ دی۔ سُراقہ نے اسے محفوظ رکھا۔ آٹھ سال بعد مکّہ فتح ہوا۔ حنین اور طائف کے معرکوں سے حضورؐ واپس ہوئے اور جعرانہ میں غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ سُراقہ حاضر ہوا اور امان نامہ پیش کیا۔ حضورؐ نے اسے وفائے عہد پر غنیمت میں سے بہت کچھ عطا فرمایا۔ وہ متاثر ہو کر ایمان لے آیا۔ جب وہ وہاں سے جانے لگا تو ارشاد ہوا۔ "وہ بھی کیا وقت ہوگا جب تم کسریٰ کے کنگن پہنوگے۔" سُراقہ نے پوچھا۔ کسریٰ بن ہرمز شہنشاہ ایران کے کنگن؟ فرمایا۔ ہاں! اس کی آنکھیں حیرت سے کُھلی کی کُھلی رہ گئیں۔

دَورِ فاروقی میں ایران فتح ہوا۔ فاتح ایران حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص نے کسرائے ایران کی ساری دولت مدینہ روانہ کی۔ حضرت عمرؓ نے سُراقہ کو طلب فرمایا۔ حکم دیا کہ کسریٰ کے کنگن اُسے پہنائے جائیں۔ پھر زربفت کمر پٹہ ہیروں اور جواہرات سے مرصّع تاج پہنایا گیا۔ فرمایا۔ ہاتھ اُٹھاؤ اور کہو "تعریف ہے اس خدا کی جس نے یہ چیزیں اس کسریٰ بن ہرمز سے چھین لیں جو کہتا تھا کہ میں لوگوں کا رب ہوں اور انھیں بنی مدلج کے ایک بدو سراقہ بن مالک بن جعشم کو پہنا دیں۔" حضرت عمرؓ ساتھ ساتھ اللہ اکبر کی تکبیر کہتے رہے۔[79]

راہِ ہجرت کے مسافر یہاں سے آگے بڑھے تو پھر بنی خزاعہ کی اُمِّ معبد کے خیمہ پر ٹھہرے۔ ان کا نام عاتکہ بنت خالد تھا۔ ان سے کہا کھانے کو جو کچھ ہو قیمتاً ہمیں دو۔ عرض کیا۔ مہمان نوازی سے کبھی کوتاہی نہ کرتی، لیکن یہ دن قحط کے ہیں۔ گھر میں کچھ بھی نہیں۔ ارشاد ہوا۔ یہ بکری کیسی ہے؟ عرض کیا لاغر اور ناتواں ہونے کی وجہ سے ابو معبد اسے ریوڑ کے ساتھ نہیں لے گئے۔ فرمایا۔ اس میں کچھ دودھ ہے؟ عرض کیا۔ نام کو بھی اس کے تھنوں میں دودھ نہیں۔ فرمایا۔ مجھے دودھ دوہنے کی اجازت ہے؟ اُمِّ معبد سے ایک بڑا برتن مانگا اور اللہ کا نام لے کر تھنوں پر ہاتھ پھیرا تو اس میں دودھ اُتر آیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے برتن بھر گیا۔ پہلے اُمِّ معبد کو پلایا۔ پھر دوسروں کو۔ آخر میں خود پیا۔ فرمایا۔ لوگوں کو پلانے والا خود آخر میں پیتا ہے۔ دوبارہ دودھ نچوڑ کر برتن معبد کے باپ کے لئے چھوڑا۔ مقدس قافلہ اپنی منزل کی طرف چل پڑا۔

اس بکری نے بڑی طویل عمر پائی اور آخر وقت تک اس کا دودھ خشک نہ ہوا۔

ابو معبد اکتم بن ابی الجون ریوڑ چرا کر واپس آیا اور دودھ سے بھرا برتن دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اُمّ معبد نے کہا۔ ایک برگزیدہ انسان کا ادھر سے گزر ہوا تھا اور سارا قصہ سُنایا۔ معبد کے باپ نے بے قراری سے کہا۔ ذرا اس مقدس اور برگزیدہ انسان کا حلیہ تو بیان کر۔

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

"میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کی نظافت نمایاں، جس کا چہرہ تاباں اور جس کی ساخت میں تناسب تھا۔ پاکیزہ رُو اور پسندیدہ خُو، نہ فربہی کا عیب نہ لاغری کا نقص، نہ پیٹ نکلا ہوا نہ سر کے بال گرے ہوئے چہرہ وجیہہ جسم تنومند اور قد موزوں تھا۔ آنکھیں سُرمگیں، فراخ اور سیاہ تھیں۔ پُتلیاں کالی اور ڈھیلے بہت سفید تھے۔ پلکیں گھنی اور لمبی تھیں۔ اَبرُو ہلالی باریک اور پیوستہ۔ گردن لمبی اور صُراحی دار۔ داڑھی گھنی اور گنجان۔ سر کے بال سیاہ اور گھنگریالے۔ آواز میں کھنک کے ساتھ لطافت۔ بات کریں تو رُخ اور ہاتھ بلند فرمائیں۔ کلام شیریں اور واضح۔ نہ کم سخن، نہ بسیار گو۔ گفتگو اس انداز کی جیسے پروئے ہوئے موتی۔ دُور سے سُنو تو بلند آہنگ، قریب سے سُنو تو دلفریب۔ کلام نہ طویل نہ بے مقصد بلکہ شیریں۔ جامع اور مختصر کمی بیشیٔ الفاظ سے معرّا۔ خاموشی اختیار کرے تو پُروقار اور پُرتمکین نظر آئے۔ قد نہ درازی سے بدنما اور نہ اتنا پستہ کہ نگاہ بلند تر پر اُٹھے۔ لوگوں میں بیٹھے تو سب سے جاذب، دُور سے نظر ڈالیں تو بہت بارُعب۔ دو نرم و نازک شاخوں کے درمیان ایک شاخ تازہ جو دیکھنے میں خوش منظر۔ چاند کے گرد ہالے کی طرح رفیق گرد و پیش۔ جب کچھ کہے تو سراپا گوش بن جائیں۔ حکم دے تو تعمیل میں ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں۔ سب کا مخدوم۔ سب کا مطاع۔ مزاج میں اعتدال۔ تندی اور سختی سے دُور۔"

یہ ان کا حلیہ اور مختصر اوصاف ہیں۔ ابو معبد نے کہا یہ وہی ہاشمی و قریشی ہیں جس کا

ذکر مکّہ میں سُن چکا ہوں۔ کوئی سبیل نکلے تو ان کی صحبت کا ارادہ کر چکا ہوں۔ بعد میں ہجرت کر کے دونوں میاں بیوی مدینہ آئے اور ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ اُمِّ معبد کی یہ قلمی تصویر علمِ تاریخ کا انمول خزانہ ہے۔ ۱ھ

مقامِ جحفہ جو مکّہ کی شاہراہ پر واقع ہے یہاں سے مدینہ کی طرف رابغ کا راستہ نکلتا ہے۔ اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیت اللہ اور مکّہ کی یاد سے اُداسی کے آثار ہویدا ہوئے۔ آپؐ اسی کیفیت میں تھے کہ جبریل علیہ السّلام سُورۂ قصص کی آیت ۸۵ کے ساتھ نازل ہوئے" اے نبیؐ! جس نے آپ پر قرآن کے احکام پر عمل اور اس کی تبلیغ کو فرض کیا ہے وہ آپؐ کو اصلی وطن (یعنی مکّہ) میں پھر پہنچائے گا آپ فرما دیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون سچا دین لے کر آیا ہے۔ اور کون صریح گمراہی میں (مُبتلا) ہے۔" وحی نے آپ کو بڑی ڈھارس دی جو دراصل فتحِ مکّہ کی بشارت تھی۔

لوگ آتے ہی گئے اور کارواں بنتا گیا

رہروانِ مدینہ آگے بڑھے تو بنی اسلم کے ستّر آدمیوں کے ایک گروہ نے گھیر لیا۔ یہ سب انعام کی لالچ میں نکلے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سردار سے پوچھا۔ تو کون ہے؟ عرض کیا۔ بریدہ۔ ارشاد ہوا۔ بُریدہ کا مادہ بُرودت ہے۔ جس کے معنی خنکیت حلاوت اور سکون ہیں۔ پلٹ کر رفیقِ ہجرت سے فرمایا۔ اس سے ہمارے معاملے میں ٹھنڈک اور مسرت کی نیک فال لی جاسکتی ہے۔ راستہ روکنے والے سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تو کس قبیلے سے ہے؟ جواب دیا۔ بنی اسلم سے۔ ارشاد ہوا۔ پھر تو ہمارے لئے خیر اور سلامتی ہے۔ پوچھا۔ قبیلہ اسلم کے کس خاندان سے تعلّق ہے؟ عرض کیا۔ بنی سہم کے گھرانے سے۔ مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ اے جوان پھر تو تجھے اسلام سے بڑا سہم (حصّہ) مل گیا۔ حضورؐ کے اس پُراثر مکالمے اور چہرۂ انور کا بریدہ بن خصیب اسلمی پر بے پناہ اثر ہوا۔ بے اختیار رسالت کی گواہی دی۔ اور قافلۂ نبوت میں شریک ہو گیا۔ دولتِ ایمان سے سرشار بستیٔ قبا کی جانب بڑھا تو عرض کیا۔

یارسول اللہ! اب جبکہ کوکبۂ نبوی قبا میں داخل ہو رہا ہے کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ آپ کا پرچم بھی موجود ہو جو کاروانِ حق کی نشاندہی کرے۔ حضورؐ نے اپنا عمامہ اُتارا۔ اپنے ہاتھ سے اسے نیزہ پر باندھا اور بطور پرچم بُریدہ کو عطا فرمایا۔ انھوں نے مسرت و شادمانی کے ساتھ ہوا میں لہرایا۔ پھر سرورِ کشورِ رسالت کے عَلَم بردار کی حیثیت سے آگے آگے چلنے لگے۔ یہ تاریخِ اسلام کا پہلا پرچم تھا اور آج کی اِصطلاح میں صدرِ مملکت کا ذاتی جھنڈا۔ [181]

مدینے کے راستے

مکہ سے مدینہ جانے کے چار مشہور راستے ہیں:

۱۔ طریقِ شرقی: یہ راستہ آپؐ نے اختیار نہیں فرمایا۔

۲۔ طریقِ سُلطانی: یہ زائرین اور حجاج کا عام راستہ ہے۔

۳۔ طریقِ الفرع: مقامِ رابغ سے اس کی منزلیں بئرِ رمضان۔ وادیٔ ریان، وادی المعظم، آبارِ علی، ذوالحلیفہ اور مدینہ ہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضورؐ غالباً اسی راستے سے مکہ تشریف لے گئے تھے۔

۴۔ طریقِ الغائر: یہ راستہ سب سے چھوٹا مگر جبل الغائر سے دشوار گزار ہونے کی وجہ سے کم لوگ اس پر سفر کرتے ہیں۔ رابغ سے اس کی منزلیں بیئرِ مبریک، رصفہ، جبل الغائر، بیئرُ الماشی، آبارِ علی اور مدینہ منورہ ہیں۔ [182]

راستے میں حضرت زبیرؓ ابن عوامؓ سے ملاقات ہوئی جن کی قسمت میں حواریٔ رسولؐ کا اعزاز لکھا تھا۔ انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے خسر حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں سفید کپڑوں کا ایک جوڑا پیش کیا۔ عرض کیا۔ قافلے اور مال کو مکہ پہنچاتے ہی ہجرت کرکے آجاؤں گا۔

نقشہ عروس البلاد المدینۃ المنورہ

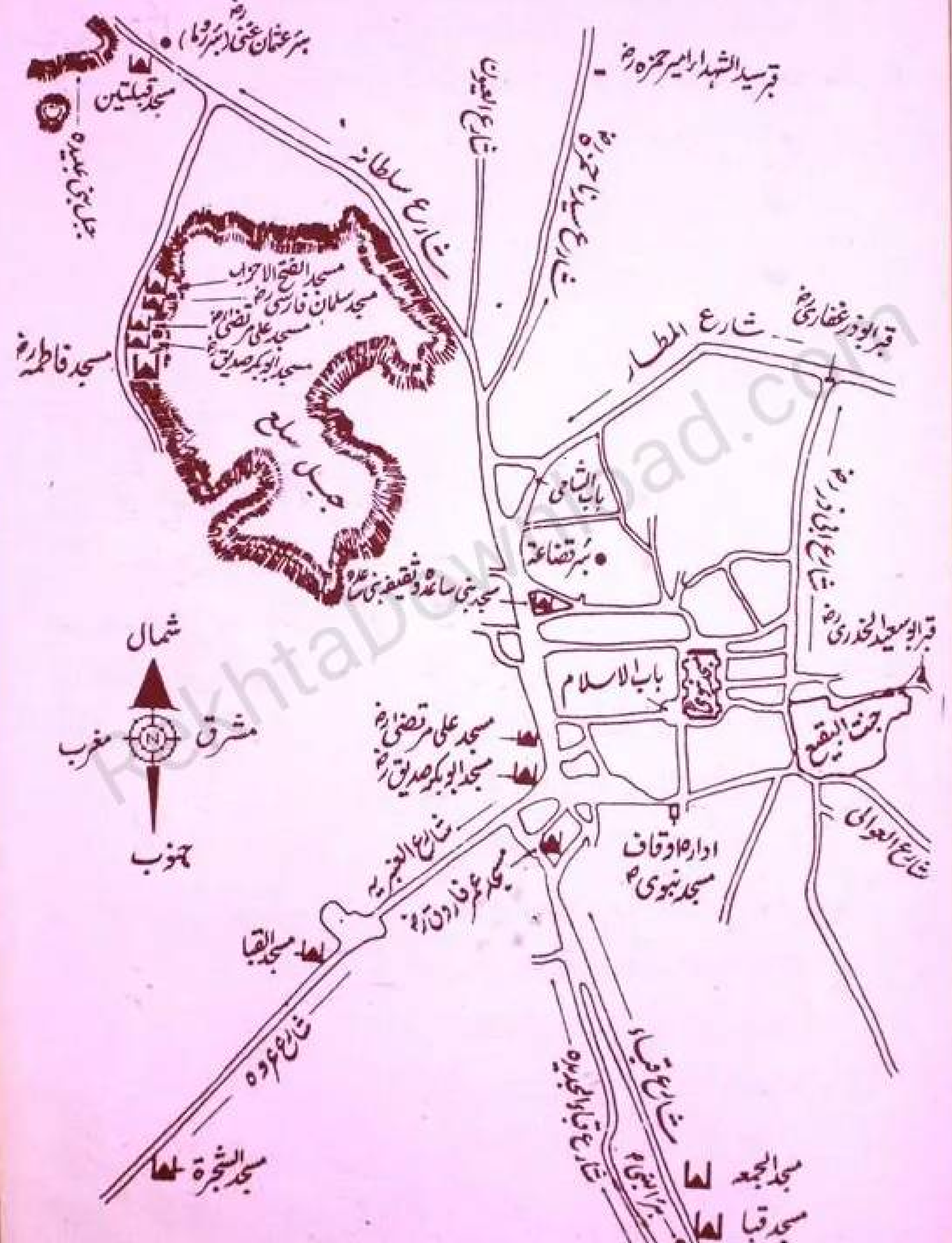

حضرت ابوبکرؓ بہت سے تجارتی سفر کر چکے تھے۔ اس لئے انھیں راستے کے اکثر لوگ جانتے تھے۔ کوئی مل جاتا اور پوچھتا کہ آپ کے آگے کون ہے؟ جواب دیتے یہ راستے کے دلیل ہیں۔ یعنی میرے راہِ نما۔

یہ مقدس قافلہ یکم ربیع الاوّل کو جبلِ ثور سے روانہ ہوا اور آٹھ دن بعد ۸۔ ربیع الاوّل ۱۴۔ بنوّت مطابق ۲۳۔ ستمبر ۶۲۲ء بروز دوشنبہ قبار پہنچا۔ یہ پہاڑوں کے درمیان ایک وسیع مستطیل میدان ہے جس کا طول ۱۲۔ میل اور عرض کسی قدر کم ہے۔ مکّہ سے روانگی کی خبر پہلے ہی پہنچ گئی تھی۔ تمام شہر ہمہ تن انتظار تھا۔ لوگ ہر روز تڑکے شہر کے باہر جمع ہو جاتے اور دن ڈھلے تک ایک سیاہ چٹان پر جسے "حرّہ العصبہ" کہتے ہیں۔ آکر بیٹھ جاتے، اور انتظار کرتے پھر چلے جاتے۔ ۸۔ ربیع الاوّل کو بھی بعدِ انتظار جا چکے تھے کہ ایک یہودی نے اپنے قلعہ سے دیکھا اور پہچان کر پکارا۔ اے۔ بنی قیلہ (اوس و خزرج کی ماں کا نام) وہ دیکھو تمہارا مقصود آرہا ہے۔ یہ سُننا تھا کہ تمام قُبار تکبیروں سے گونج اُٹھا۔ انصار ہتھیار سجا سجا کر بے تابانہ گھروں سے نکل آئے۔ ۱۸۳

قافلۂ بنوّت بہ جلال و تمکنت، جلو میں سچائیوں کا پیکر لیے، شہر میں داخل ہوا۔ قبار، قبیلۂ اوس کے خاندانوں کی بستی ہے۔ حضورؐ قبیلۂ اوس کے سردار حضرت کلثومؓ بن ہدم کے مہمان ہوئے۔ جو قبیلۂ اوس کی ایک شاخ عمرو بن عوف کے معزّز فرد تھے۔ لوگوں سے ملاقات حضرت سعدؓ ابن خیثمہ کے مکان پر ہوتی۔ یہ مکان "منزل العزآب" کے نام سے مشہور ہوا۔

قبار میں آپ کا قیام ۱۴ روز تک رہا۔ جمعہ کے دن رسول اللہؐ صلی علیہ وسلم بنو نجّار کی بستی میں جانے کے لئے قبار سے نکلنے لگے تو حضرت عمّارؓ بن یاسر نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ کے قیامِ قبار کی مسرّت میں یہاں ایک مسجد نہ تعمیر کی جائے؟ سرورِ کشورِ رسالتؐ نے اس خیال کو پسند فرمایا اور ایک پتھر اُٹھا کر قبلہ کی سمت نصب فرمایا۔ پھر رفیقِ دَمِ ہجرت کو حکم دیا کہ اس کی دائیں جانب پتھر رکھیں۔ پھر حضرت عمرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ نے پتھر رکھا۔

"وفا الوفا" کی روایت ہے کہ ابھی حضرت علیؓ مکّہ سے قبار نہیں پہنچے تھے۔

پھر دیگر حاضرین کو حکم دیا۔ جب ایک خاص فاصلہ تک پتھر رکھ دیئے گئے۔ تو بائیں جانب پتھر رکھنے کا حکم فرمایا۔ اس طرح پتھروں سے مسجد قبار کی حدبندی کی گئی جس طرح حضرت جبریل علیہ السّلام کے حکم پر حضرت آدم علیہ السّلام نے خانۂ کعبہ کی حدبندی فرمائی تھی۔

گارا بنانے والے ایک صحابی حضرت عمیس رضؓ نے اونچی لے میں مصرع پڑھا اَفْلَحَ مَنْ یُّعَالِجُ الْمَسَاجِدْ کامیاب ہیں وہ جو مساجد تعمیر کرتے ہیں۔ مہاجر و انصار نے مل کر جواب دیا وَیَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ قَائِمًا وَّ قَاعِدًا وہ اُٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتے رہتے ہیں۔ پھر سب ایک زبان ہو کر پڑھتے وَلَا یَبِیْتُ اللَّیْلَ عَنْہٗ رَاقِدًا۔ اور جو راتوں کو عبادت کے لئے جاتے ہیں۔

طلوعِ سحر

مسجد قبار اسلام کی پہلی مسجد ہے جس کا سنگِ بنیاد اللہ کے رسُول آخریؐ نے اپنے دستِ مُبارک سے رکھا تھا۔ دیکھنے میں پتھروں کی حدبندی تھی۔ لیکن اس کی رفعت وعظمت کا کوئی کیا اندازہ کرسکتا ہے جس کے معمار سابقون الاولون من المہاجر والانصار ہیں۔ یہی وہ مسجد ہے جس کے بارے میں قرآن کی سُورۂ توبہ کی ۱۰۸ ویں آیت شہادت دے رہی ہے:

"البتّہ وہ مسجد جس کی بُنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے اس قابل ہے کہ اس میں جایا (اور نماز پڑھایا) کرو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ اور اللہ پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" ۱۹۴؎

نبیؐ کریم کی مدنی زندگی پر تحقیقی کام جاری ہے
مکمل ہوجانے پر انشاء اللہ تعالیٰ شائع کردیا جائے گا

مسجدِ قباء ـــ نئی تعمیر

کتابیات و حوالہ جات

ماخذ قرآن مجید، کتبِ احادیث اور تفاسیر کے علاوہ

۱ہ شبلی نعمانی: سیرۃ النبیؐ جلد ۱ ص ۱۰۴۔ مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ۔ لاہور

۲ہ (۱) سید سلیمان ندوی: تاریخ ارض القرآن جلد ۱ ص ۵۱ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۱۹۷۵ء
(۲) غلام جیلانی برق: معجم القرآن ص ۲۹۰ مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز

۳ہ محمد رابغ ندوی: جزیرۃ العرب ص ۲۳ تا ۳۰ مطبوعہ مجلسِ نشریات اسلام۔ کراچی

۴ہ شبلی: سیرت النبیؐ جلد ۱ ص ۱۵۶ بحوالہ علامہ ارزقی۔ تاریخِ مکہ

۵ہ (۱) شیخ احمد الاسکندری و شیخ مصطفےٰ عنانی بک: تاریخ ادبِ عربی
مترجم عبدالقیوم و محمد لشیر صدیقی مطبوعہ پنجاب ایڈوائزری بورڈ۔ فاربکس، لاہور ۱۹۵۷ء
(۲) محمود شکری آلوسی: بلوغ الارب۔ مترجمہ پیر محمد حسن مطبوعہ مرکزی بورڈ۔ لاہور
(۳) گستاولی بان: تمدنِ عرب۔ مترجمہ سید علی بلگرامی مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس، حیدر آباد دکن ۱۹۳۶ء

۶ہ سید اختر حسین اختر: ترتیل شعر بحوالہ اصابہ جلد ۶ و ابوداؤد

۷ہ محمد حمید اللہ: عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی ص ۲۲۲ تا ۲۲۶ مطبوعہ اُردو اکیڈمی۔ سندھ

۸ہ نذیر احمد: خصائل شریف مترجم ص ۱۴۱ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۳۴۰ھ

۹ہ (۱) دائرہ معارف اسلامیہ: دانش گاہِ پنجاب۔ لاہور جلد ۵ ص ۳۴۸
(۲) شیخ عبدالحق دہلوی: مدارج النبوت۔ ص ۱۵۔ مطبوعہ سعید کمپنی کراچی ۱۹۶۸ء
(۳) حافظ نذر احمد: دیواریں اور غاریں۔ ص ۱۱۷۔ مطبوعہ پاک مسلم اکادمی۔ لاہور

۱۰ہ (۱) عباس کرارہ مصری: تاریخ حرمین شریفین۔ (۲) اُردو دائرۂ معارف اسلامی۔ جلد ۱۷۔ ص ۳۲۱۔
(۳) سید سلیمان ندوی: سیرت النبی جلد ۵۔ ص ۳۴۸
(۴) محمد عبدالمعبود: تاریخِ مکہ مکرمہ۔ جلد ۱۔ مطبوعہ مکتبہ الحبیب۔ راولپنڈی

۱۱ہ محمد بن سعد: طبقات ۱۔ ص ۶۸ تا ۷۲۔ مترجمہ عبداللہ عمادی۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی ۱۹۸۳ء

۱۲ہ (۱) سید سلیمان ندوی: تاریخ ارض القرآن۔ جلد ۲۔ ص ۱۶۸ تا ۱۷۴
(۲) ابن ہشام: سیرت النبیؐ۔ جلد ۱۔ ص ۱۰۷ تا ۱۱۸۔ ترجمہ عبدالجلیل صدیقی۔ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ لاہور

۱۳ہ محمد حمید اللہ: عہدِ نبوی میں نظامِ حکمرانی۔ ص ۱۷ تا ۷۹۔ مطبوعہ اُردو اکیڈمی۔ سندھ

۱۴ہ سید سلیمان ندوی: تاریخ ارض القرآن۔ جلد ۲۔ ص ۷۹ مطبوعہ دارالاشاعت۔

۱۵ہ (۱) عبدالرحمٰن ابن جوزی: سیرت سید الانبیاء۔ اردو ترجمہ بنام "الوفا" ص ۹۸ مترجم محمد اشرف سیالوی۔
مطبوعہ فرید بک اسٹال۔ لاہور۔ (۲) شیخ عبدالحق: مدارج النبوت۔ ص ۸۔ مطبوعہ سعید کمپنی کراچی ۱۹۶۸ء

۱۶ ابن سعد : طبقات جلد ۱۔ ص ۱۲۹ تا ۱۳۲۔ (۲) ابنِ ہشام جلد ۱۔ ص ۴۷ تا ۸۶

۱۷ ابن سعد : طبقات جلد ۱۔ ص ۱۲۵۔ مترجمہ عبداللہ عمادی

۱۸ محمد بن اسحاق بن یسار : سیرۃ ابن اسحاق ص ۲۰۔ شائع کردہ نقوش رسول نمبر جلد ۱۱۔ ادارہ فروغ اردو۔ لاہور سنہ ۱۹۸۵ء

۱۹ جلال الدین سیوطی : الخصائص الکبریٰ۔ جلد ۱۔ ص ۱۰۱۔ (۲) ابنِ جوزی : الوفا۔ ص ۱۰۲

۲۰ ابن سعد : طبقات۔ جلد ۱۔ ص ۱۳۶۔ (۲) ابنِ ہشام : سیرت النبی۔ جلد ۱۔ ص ۱۸۰

۲۱ شیخ عبدالحق : مدارج النبوت۔ ص ۱۹۔ مترجم شمس الحسن شمس بریلوی

۲۲ ابن قتیبہ : تاریخ الانساب، کتاب المعارف۔ ص ۹۷۔ ترجمہ : سلام اللہ صدیقی مطبوعہ پاک اکیڈمی۔ کراچی

۲۳ (۱) ابنِ سعد : طبقات۔ جلد ۱۔ ص ۱۴۲۔ (۲) محمد حمید اللہ : محمد رسول اللہ۔ ص ۵۱۷
نقوش رسول نمبر جلد ۲۔ مطبوعہ ادارہ فروغ اردو۔ لاہور

۲۴ شیخ عبدالحق دہلوی : مومن کے ماہ و سال۔ ص ۴۶۔ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی

۲۵ ابنِ سعد : طبقات۔ جلد ۱۔ ص ۱۴۳۔ مترجم عبداللہ العمادی

۲۶ ابنِ جوزی : الوفا۔ ص ۱۲۳۔ مترجم محمد اشرف سیالوی

۲۷ ابوالحسن بن محمد بن حبیب البصری الماوردی : الاحکام السلطانیہ مطبوعہ نفیس اکیڈمی سنہ ۱۹۶۵ء
بحوالہ تحقیقی مضمون نبی اکرمؐ کا گھرانہ : شاہ بلیغ الدین مطبوعہ اخبارِ جہاں ۱۹ دسمبر سنہ ۱۹۸۳ء کراچی

۲۸ ابنِ جوزی : الوفا۔ ص ۱۱۱، ۱۲۳۔ مترجم محمد اشرف سیالوی

۲۹ (۱) احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبدالملک بن احمد القسطلانی : مواہب لدنیہ (سیرت محمدیہ) جلد ۱ ص ۵۶
ترجمہ محمد عبدالجبار خاں آصفی مطبوعہ تاج پریس حیدر آباد دکن سنہ ۱۳۴۲ھ
(۲) ڈاکٹر محمد حمید اللہ : محمد رسول اللہؐ (ترجمہ نذیر حق) ص ۵۱۷۔ نقوش رسول نمبر جلد ۲

۳۰ قسطلانی : مواہب لدنیہ۔ ص ۶۰ اور ۶۴۔ مترجم محمد عبدالجبار خاں آصفی

۳۱ اشرف علی تھانوی : نشر الطیب فی ذکر الحبیب۔ ص ۱۴۔ مطبوعہ اسلامی اکادمی۔ لاہور

۳۲ شیخ عبدالحق دہلوی : مومن کے ماہ و سال۔ ص ۴۶۔ مطبوعہ دارالاشاعت

۳۳ (۱) ابنِ جوزی : الوفا۔ ص ۱۱۸۔ (۲) ابنِ ہشام : سیرت النبیؐ کامل۔ جلد ۱۔ ص ۱۸۰
(۳) قسطلانی : مواہب لدنیہ۔ ص ۶۲۔ (۴) ابن سعد : طبقات۔ جلد ۱۔ ص ۲۲۹

۳۴ (۱) شبلی نعمانی : سیرت النبیؐ۔ جلد ۱۔ ص ۱۷۱۔ ناشران قرآن لمیٹڈ۔ لاہور
(۲) قسطلانی : مواہب لدنیہ۔ ص ۶۲۔ (۳) ابنِ جوزی : الوفا۔ ص ۱۲۷

۳۵ قسطلانی : مواہب لدنیہ۔ ص ۵۸۔ (۲) ڈاکٹر محمد حمید اللہ : محمد رسول اللہ۔ ص ۵۲۸
نقوش رسول نمبر۔ جلد ۲۔ شائع کردہ۔ ادارہ فروغ اردو۔ لاہور

۳۶ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری : رحمۃ للعالمین۔ جلد ۲۔ ص ۱۶

۳۷ ڈاکٹر محمد حمید اللہ : محمد رسول اللہؐ۔ ص ۵۱۷۔ نقوش رسول نمبر۔ جلد ۲

۳۸ ایضاً ص ۵۱۷۔ محمد رسول اللہؐ۔ نقوش رسول نمبر۔ جلد ۲

۳۹ھ محمد ادریس کاندھلوی: سیرتِ مصطفےٰ ص ۵۶۔ بحوالہ فتح الباری

۴۰ھ قاضی عیاض: کتاب الشفا فی حقوق المصطفےٰ ص ۲۱۶۔ ترجمہ احمد علی شاہ بٹالوی

۴۱ھ محمد ادریس کاندھلوی: سیرۃ المصطفےٰ ص ۵۶، ۵۷۔ بحوالہ فتح الباری
(۱) صحیح مسلم۔ جلد ۲۔ کتاب الفضائل۔ (۲) سیوطی: خصائص الکبریٰ۔ جلد ۱۔
(۳) قاضی سلیمان منصور پوری: رحمۃ للعالمین۔ جلد ۱۔ ص ۴۷۔ (۴) شاہ محمد جعفر پھلواروی
پیغمبر انسانیت۔ ص ۶۰۔ مطبوعہ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ۔ لاہور

۴۲ھ ڈپٹی نذیر احمد: حمائل شریف مترجم، پیغمبر صاحبؐ کے متعلق چند مفید باتیں۔ ص ۳۷

۴۳ھ (۱) قسطلانی: مواہب لدنیہ۔ ص ۷۶۔ (۲) ابن ہشام: سیرت النبیؐ۔ جلد ۱۔ ص ۱۸۲
(۳) ابنِ سعد: طبقات۔ ص ۱۵۴۔ ترجمہ: عبداللہ العمادی

۴۴ھ شیخ عبدالحق محدث دہلوی: مدارج النبوت۔ ص ۲۳

۴۵ھ ابنِ سعد: طبقات۔ ۱۔ ص ۱۶۱۔ (۲) ابنِ جوزی: الوفا۔ ص ۱۴۵

۴۶ھ ایضاً ص ۱۵۸۔ (۲) ایضاً ص ۱۴۶۔ (۳) شیخ عبدالحق: مدارج النبوت۔ ص ۲۵

۴۷ھ ابنِ جوزی: الوفا۔ ص ۱۴۴۔ (۲) ابنِ ہشام: سیرت النبیؐ جلد ۱۔ ص ۱۸۶

۴۸ھ ابنِ سعد: طبقات۔ جلد ۱۔ ص ۱۵۷۔ (۲) قسطلانی: مواہب لدنیہ۔ جلد ۱۔ ص ۸۵
(۳) ابنِ جوزی: الوفا۔ ص ۱۴۴، ۱۴۷۔ (۴) اشرف علی تھانوی: نشر الطیب فی
ذکرِ الحبیب۔ ص نمبر ۱۴۔ مطبوعہ اسلامی اکادمی۔ لاہور

۴۹ھ (۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی: مدارج النبوت۔ ص ۲۴۔ (۲) ابنِ سعد: طبقات۔ جلد ۱۔ ص ۱۶۰
(۳) ابنِ ہشام: سیرت النبیؐ۔ جلد ۱۔ ص ۱۸۷

۵۰ھ (۱) ابنِ جوزی: الوفا۔ ص ۱۴۷۔ (۲) ابنِ سعد: طبقات۔ جلد ۱۔ ص ۱۶۱
(۳) ابوالاعلیٰ مودودی: سیرتِ سرورِ عالم۔ جلد ۲۔ ص ۹۹

۵۱ھ (۱) ڈاکٹر حمیداللہ: رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ص ۴۸۔ (۲) قسطلانی: مواہب لدنیہ۔ ص ۹۲

۵۲ھ ابنِ جوزی: الوفا۔ ص ۱۵۴۔ (۲) شیخ محمد رضا: محمد رسول اللہؐ۔ ص ۴۲

۵۳ھ ابنِ ہشام: سیرت النبیؐ۔ جلد ۱۔ ص ۱۸۹۔ (۲) ڈاکٹر حمیداللہ: رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی
ص ۵۰۔ مطبوعہ دارالاشاعت۔ کراچی

۵۴ھ ابوحنیفہ دینوری: الاخبار الطوال۔ ص ۱۱۱۔ ترجمہ مرکزی اُردو بورڈ۔ لاہور

۵۵ھ (۱) عبدالرؤف داناپوری: اصح السیر۔ ص ۴۶۔ (۲) شیخ عبدالحق محدث دہلوی: مدارج النبوت۔ ص ۳۲
(۳) ابنِ جوزی: الوفا۔ ص ۱۵۴

۵۶ھ مناظر احسن گیلانی، النبیُ الخاتم۔ ص ۳۰۔ (۲) ابنِ سعد: طبقات۔ جلد ۱۔ ص ۱۶۸

۵۷ھ ابنِ سعد: طبقات۔ جلد ۱۔ ص ۱۷۷۔ (۲) مناظر احسن گیلانی: النبیُ الخاتم۔ ص ۳۳

۵۸ھ ڈاکٹر حمیداللہ: رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ص ۵۶۔ بحوالہ انساب الاشراف

۵۹ (ابنِ سعد: طبقات۔ جلد ۱۔ ص ۱۶۹۔ (مودودی: سیرت سرورِ عالم۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۱
۶۰ (۱) ابوالاعلیٰ مودودی: سیرت سرورِ عالم۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۴
(۲) مسعود احمد: تاریخ الاسلام والمسلمین۔ ص ۳۔ مطبوعہ جماعت المسلمین۔ کراچی
۶۱ محمد حمید اللہ: رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ص ۵۷
۶۲ ابنِ سعد: طبقات۔ جلد ۱۔ ص ۱۸۲۔ (۲) نصیر احمد ناصر: پیغمبر اعظم و آخر۔ ص ۱۹۵۔ بحوالہ روض الانف۔ مطبوعہ تاج کمپنی۔ دہلی
۶۳ سید محمد رضوان اللہ و انتظام اللہ شہابی: سیرت الرسول۔ ص ۹۱۔ بحوالہ ابوداؤد
۶۴ (۱) سید سلیمان ندوی: رحمتِ عالمؐ۔ ص ۸۔ (۲) ابنِ جوزی: الوفا۔ ص ۱۸۱
۶۵ ڈاکٹر حمید اللہ: رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ص ۶۲
۶۶ ابن سعد: طبقات۔ جلد ۱۔ ص ۱۸۴
۶۷ (۱) ابنِ ہشام: سیرۃ النبیؐ۔ جلد ۱۔ ص ۲۱۲۔ (۲) راجہ محمد شریف: حیاتِ رسالت مآبؐ۔ ص ۸۱
۶۸ نیاز فتح پوری: صحابیات۔ ص ۱۴۔ (۲) سعید انصاری: سیر الصحابیات۔ ص ۹۳، ۱۱۹
(۳) قاضی سلیمان منصور پوری: رحمت العالمین۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۴۔ (۴) شیخ عبدالحق محدث دہلوی: مدارج النبوت۔ ص ۶۸۰۔ شبلی: سیرۃ النبی۔ جلد ۲۔ ص ۵۱۹۔ کتابی ایڈیشن
۶۹ (۱) ابن حزم ظاہری اندلسی: جوامع السیرۃ۔ ص ۳۷۔ ترجمہ محمد سردار احمد
(۲) شبلی نعمانی: سیرۃ النبیؐ۔ جلد ۲۔ ص ۵۲۰۔ (۳) حکیم فیض علی: سادات بنی رقیہ۔ ص ۱۳۶
(۴) محمد نافع: بناتِ اربعہ۔ مطبوعہ مکہ بکس۔ لاہور
۷۰ ابنِ سعد: طبقات۔ جلد ۱۔ ص ۲۰۳۔ (۲) ابن ہشام: سیرت النبیؐ۔ جلد ۱۔ ص ۲۱۶
(۳) ڈاکٹر حمید اللہ: رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ص ۷۰۔ (۴) شیخ عبدالحق محدث: مدارج النبوت۔ ص ۳۷۔ (۵) اردو دائرۂ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱۷۔ ص ۳۲۵
۷۱ سید محمد اسمٰعیل: رسولِ عربی اور عصرِ جدید۔ ص ۵۶۔ مطبوعہ مکتبہ طلوعِ سحر۔ کراچی
۷۲ مسعود احمد: تاریخ الاسلام والمسلمین۔ ص ۸۔ بحوالہ صحیح بخاری
۷۳ شاہ محمد جعفر پھلواری: پیغمبرِ انسانیت۔ ص ۶۰۔ مطبوعہ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ۔ لاہور
۷۴ مفتی محمد صابر: سیرۃ الصدیق۔ ص ۱۷۔ بحوالہ ابن کثیر: اسد الغابہ
۷۵ سعید احمد اکبر آبادی: صدیقِ اکبر۔ ص ۳۰
۷۶ مفتی محمد صابر: سیرۃ الصدیق۔ ص ۲۰۔ مطبوعہ ایجوکیشنل پریس۔ کراچی
۷۷ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ۔ جلد ۱، ص ۲۹۰۔ دانش گاہ پنجاب۔ لاہور
۷۸ نورالدین عبدالرحمٰن جامی: شواہد النبوۃ۔ ص ۸۷ تا ۹۸
۷۹ عبدالوہاب خاں عاصم: رسول اللہ اور شعر۔ نقوش رسول نمبر۔ جلد نمبر ۹۔ ص ۴۲۱
۸۰ اس حصّہ کی تیاری میں عبدالرحمٰن جامی کی "شواہد النبوۃ"۔ عبدالرحمٰن ابن جوزی کی "الوفا" اور

جلال الدین سیوطی کی "الخصائص الکبریٰ" حصہ اول و دوم سے استفادہ کیا گیا۔

۸۱ھ (۱) ابنِ ہشام: جلد ۱۔ ص ۲۶۲۔ (۲) محدث سید جمال حسینی: روضۃ الاحباب۔ ص ۳۹

۸۲ھ ڈاکٹر نصیر الدین ناصر: پیغمبرِ اعظم و آخر۔ ص ۲۵۹

۸۳ھ (۱) سیرۃ ابن اسحٰق: نقوش رسول نمبر۔ جلد ۱۱۔ ص ۱۳۸۔ (۲) سید جمال حسینی: روضۃ الاحباب۔ ص ۳۹

۸۴ھ محمد ادریس کاندھلوی: سیرت المصطفےٰؐ۔ ص ۱۱۴۔ بحوالہ اصابہ و زرقانی و فتح الباری

۸۵ھ سید جمال حسینی: روضہ الاحباب۔ اردو ترجمہ سیرۃِ مبارکہ رسالت مآبؐ۔ ص ۴۰

۸۶ھ (۱) ڈاکٹر محمد حمید اللہ: خطبات بہاول پور۔ ص ۹۔
(۲) محمد ادریس کاندھلوی: سیرت المصطفےٰؐ۔ ص ۱۱۲۔ بحوالہ فتح الباری

۸۷ھ (۱) سیرۃ ابن اسحٰق: نقوش رسول نمبر۔ جلد ۱۱۔ ص ۱۳۴۔ (۲) سیوطی: خصائص الکبریٰ۔ جلد ۱۔ ص ۲۲۳

۸۸ھ محمد بن عبد الوہاب: سیرۃ الرسول۔ ص ۱۰۶۔ مترجم محمد خالد سیف

۸۹ھ (۱) محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی: قصص القرآن۔ جلد ۴۔ ص ۳۵۴
(۲) سید نواب علی: سیرتِ رسول اللہؐ۔ ص ۹۲

۹۰ھ ابوالحسن علی بن حسین المسعودی: التنبیہ والاشراف المسمّٰی تاریخِ مسعودی۔ ص ۱۴۔
مترجم: عبد اللہ العمادی

۹۱ھ عبد العزیز عرفی: جمالِ مصطفےٰؐ۔ جلد ۱۔ ص ۲۲۔ بحوالہ ابن اثیر۔ بخاری و مسلم

۹۲ھ (۱) ابی جعفر محمد بن جریر طبری: تاریخ طبری۔ جلد ۱۔ ص ۸۳
(۲) محمد ادریس کاندھلوی: سیرت المصطفےٰؐ۔ جلد ۱۔ ص ۱۳۸

۹۳ھ کامل ابنِ اثیر: سیرتِ رسول کریمؐ۔ جلد دوم۔ ص ۷۹

۹۴ھ (۱) عبد الرحمٰن بن خلدون: تاریخ ابنِ خلدون۔ جلد ۱۔ ص ۴۲
(۲) کاندھلوی: سیرت المصطفےٰ۔ جلد ۱۔ ص ۱۲۷۔ (۳) ابنِ ہشام۔ جلد ۱۔ ص ۲۷۱

۹۵ھ اِس مضمون کی تیاری میں حسبِ ذیل کتابوں سے مدد لی گئی:
(۱) ابنِ سعد: طبقات۔ (۲) شیخ ولی الدین خطیب عمری تبریزی: اسماء الرجال۔ (۳) ابن قتیبہ: کتاب المعارف: ترجمہ سلام اللہ صدیقی۔ (۴) ابو عبد اللہ شمس الدین ذہبی: تذکرۃ الحفاظ۔ (۵) کامل ابنِ اثیر: سیرتِ رسول کریمؐ۔ (۶) سلیمان منصور پوری: اصحاب بدر۔ (۷) محمد ادریس کاندھلوی: سیرت المصطفےٰؐ۔ (۸) عبد الماجد دریابادی: سیرۃ نبوی قرآنی۔ (۹) عبد الرؤف دانا پوری: اصح السیر۔ (۱۰) شاہ معین ندوی: مہاجرین۔ (۱۱) سعید احمد اکبر آبادی: صدیق اکبر، عثمان ذوالنورین۔ (۱۲) مودودی: سیرت سرورِ عالمؐ۔ (۱۳) مسعود احمد: تاریخ الاسلام والمسلمین۔ (۱۴) شاہ بلیغ الدین: رزم حق و باطل، روشنی، تجلی اور طوبیٰ۔ (۱۵) طالب ہاشمی: تیس پروانے شمع رسالت، چالیس جاں نثار، رحمتِ دارین کے سو شیدائی، پُراسرار بندے۔

۹۶ھ (۱) ابنِ ہشام: سیرت النبیؐ۔ جلد ۱۔ ص ۲۷۹۔ (۲) کامل ابنِ اثیر: سیرت رسول کریمؐ۔ ص ۸۱

٩٧ (۱) محمد ابراہیم میر سیالکوٹی: سیرت المصطفیٰؐ۔ جلد ۱۔ ص ۲۴۹
(۲) رحمٰن علی: اصحابی۔ ص ۲۳۔ (۳) ڈاکٹر حمید اللہ: رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی۔ ص ۸۵
٩٨ محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی: قصص القرآن۔ جلد ۴۔ ص ۳۵۵۔ مطبوعہ ناشران، قرآن لمیٹڈ۔ لاہور
٩٩ سید جمال حسینی: روضۃ الاحباب۔ ص ۴۹۔ (۲) تاریخ طبری۔ جلد ۱۔ ص ۹۹
١٠٠ طنطاوی: عمرؓ بن خطاب
١٠١ (۱) مسعود احمد: تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۳۳۔ (۲) ابن اسحٰق ص ۲۲۶۔ نقوش رسول نمبر۔ جلد ۱۱
(۳) ابن سعد: طبقات۔ جلد ۱۔ ص ۲۷۲۔ (۴) مخدوم محمد ہاشم سندھی: عہد نبوت کے ماہ وسال۔ ص ۱۵
١٠٢ (۱) ابن ہشام: سیرت النبیؐ۔ جلد ۱۔ ص ۳۴۶۔ (۲) محمد ادریس کاندھلوی: سیرت مصطفیٰؐ۔ ص ۱۸۱
(۳) طنطاوی: عمرؓ بن خطاب۔ ص ۱۲۔ ترجمہ عبدالصمد صارم
١٠٣ (۱) سید جمال حسینی: روضۃ الاحباب۔ ترجمہ۔ سیرت مبارکہ رسالت مآبؐ۔ ص ۵۳
(۲) مخدوم محمد ہاشم سندھی: عہدِ نبوت کے ماہ وسال ص ۲۸
(۳) عبدالرؤف دانا پوری: اصح السیر۔ ص ۸۸
١٠٤ ابن اسحاق: نقوش رسول نمبر، جلد ۱۱۔ ص ۱۸۹۔ ادارہ فروغ اُردو۔ لاہور
١٠٥ (۱) حافظ ابنِ قیم: زاد المعاد۔ جلد ۴۔ ص ۲۹۱۔ ترجمہ انیس احمد جعفری
(۲) ابوالقاسم محمد رفیق دلاوری: محسن اعداء۔ ص ۳۰۴
١٠٦ (۱) قسطلانی: مواہب لدنیہ۔ ص ۱۶۱۔ (۲) ابن سعد: طبقات۔ جلد ۱۔ ص ۲۷۶
(۲) سید محمد رضوان اللہ و انتظام اللہ شہابی: سیرت الرسولؐ۔ ص ۱۳۳
١٠٧ (۱) ابوالکلام آزاد: رسولِ رحمتؐ۔ ص ۱۲۴۔ مرتبہ غلام رسول مہر مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز
(۲) محمد اجمل خان: سیرت قرآنیہ سید نا رسولِ عربی ص ۳۳۔ مطبوعہ مکتبہ تصنیف وتالیف۔ دہلی
١٠٨ ابنِ ہشام: سیرت النبیؐ۔ جلد ۱۔ ص ۳۷۴۔ ترجمہ عبدالجلیل صدیقی وغلام رسول مہر۔
١٠٩ حافظ ابنِ قیم: زاد المعاد۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۱۔ ترجمہ رئیس احمد جعفری مطبوعہ نفیس اکیڈمی۔ کراچی
١١٠ (۱) محمد عبدالوہاب: مختصر سیرت الرسولؐ۔ ص ۱۲۱۔ ترجمہ محمد خالد سیف۔ مطبوعہ طارق اکیڈمی۔ فیصل آباد
(۲) نعیم صدیقی: محسنِ انسانیتؐ۔ ص ۱۸۱۔ مطبوعہ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ۔ لاہور
١١١ (۱) شاہ محمد جعفر پھلواری: پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۱۲۳۔ مطبوعہ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ۔ لاہور
(۲) سید محمد اسمٰعیل: رسول عربیؐ اور عصرِ جدید۔ ص ۱۷۱۔ مطبوعہ مکتبہ طلوعِ سحر۔ کراچی
١١٢ (۱) محمد بن اسحاق: سیرت ابن اسحاق۔ نقوش رسول نمبر۔ جلد ۱۱۔ ص ۲۲۸
(۲) سید ابوالحسن علی ندوی: نبیِ رحمت۔ جلد ۱۔ ص ۱۳۵۔ مطبوعہ مجلسِ نشریاتِ اسلام۔ کراچی
١١٣ کامل ابن اثیر: سیرت رسول کریمؐ۔ جلد ۲۔ ص ۱۲۱۔ ترجمہ مقصود علی خیر آبادی مطبوعہ دائرہ معین المعارف۔ کراچی
١١٤ (۱) محمد بن اسحاق: سیرت ابن اسحاق۔ نقوش رسول نمبر۔ جلد ۱۱۔ ص ۲۳۲
(۲) سید ابوالاعلیٰ مودودی: سیرت سرورِ عالمؐ۔ جلد ۲۔ ص ۵۹۳۔ مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن۔ لاہور

۱۱۵ھ ڈاکٹر حمید اللہ: سیاسی وثیقہ جات۔ ص ۴۹۔ مطبوعہ مجلس ترقی ادب۔ لاہور
۱۱۶ھ (۱) ابی جعفر محمد بن جریر الطبری: تاریخ طبری۔ جلد ۱۔ ص ۳۵۴۔ ترجمہ سید محمد ابراہیم ندوی مطبوعہ نفیس اکیڈمی۔ کراچی
(۲) محمد بن اسحاق: سیرت ابنِ اسحاق۔ نقوش رسول نمبر۔ جلد ۱۱۔ ص ۲۳۴
۱۱۷ھ شاہ معین الدین: مہاجرین۔ حصہ دوم۔ ص ۱۱۲۔ مطبوعہ دینی کتب خانہ۔ لاہور
۱۱۸ھ ڈاکٹر حمید اللہ: سیاسی وثیقہ جات۔ ص ۴۶۔ مطبوعہ مجلس ترقی ادب۔ لاہور
۱۱۹ھ (۱) عبدالرؤف قادری داناپوری: اصح السیر فی ہدیٰ خیر البشرؐ۔ ص ۶۴۱۔ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب۔ کراچی
(۲) ابی جعفر محمد بن جریر الطبری: تاریخ طبری۔ جلد ۱۔ ص ۳۵۵۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی۔ کراچی
۱۲۰ھ (۱) محمد ادریس کاندھلوی: سیرتِ المصطفٰیؐ۔ جلد ۱۔ ص ۱۹۴۔ مطبوعہ سبحانی اکادمی۔ لاہور
۹۵ھ عزیز ملک: بلال حبشیؓ۔ ص ۱۸۔ مطبوعاتِ حرمت۔ راولپنڈی
۱۲۱ھ محمد بن اسحاق: سیرت ابن اسحاق۔ ص ۳۳۳
۱۲۲ھ مسعود احمد: تاریخ الاسلام والمسلمین۔ ص ۹۲۶۔ مطبوعہ جماعت المسلمین۔ کراچی
۱۲۳ھ (۱) محمد ادریس کاندھلوی: سیرت المصطفٰیؐ۔ جلد ۱۔ ص ۱۴۲۔ مطبوعہ سبحانی اکادمی۔ لاہور
(۲) شاہ محمد جعفر پھلواری: پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۱۴۴۔ مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ۔ لاہور
۱۲۴ھ (۱) ایضاً۔ ص ۱۳۵۔ (۲) محمد بن اسحاق: سیرت ابن اسحاق۔ ص ۲۱۸
۱۲۵ھ سید ابوالاعلیٰ مودودی: تفہیم القرآن۔ جلد ۶۔ ص ۵۰۰
۱۲۶ھ (۱) ابی جعفر محمد بن جریر الطبری: تاریخ۔ جلد ۱۔ ص ۱۰۳
(۲) محمد ادریس کاندھلوی: سیرت المصطفٰیؐ۔ جلد ۱۔ ص ۱۴۹
۱۲۷ھ (۱) سعید احمد اکبر آبادی: صدیق اکبرؓ۔ ص ۳۳۔ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ۔ کراچی
(۲) مفتی محمد صابر علی: سیرۃ الصدیق۔ ص ۲۹۔ مطبوعہ ایجوکیشنل پریس۔ کراچی
۱۲۸ھ (۱) سید جمال حسینی: روضۃ الاحباب۔ اردو ترجمہ بنام: سیرۃ مبارکہ رسالتمآبؐ۔ مترجم مفتی عزیز الرحمٰن۔ ص ۵۷۔ (۲) شاہ ولی اللہ: ازالۃ الخفا۔ جلد ۲۔ ص ۳۰۸
۱۲۹ھ محمد بن اسحاق: سیرت ابن اسحاق۔ نقوش رسول نمبر۔ جلد ۱۱۔ ص ۱۹۲
۱۳۰ھ جمال الدین ابوالفرج ابن جوزی: سیرۃ عمرؓ۔ ترجمہ شاہ حسن عطا: حیاتِ فاروق اعظمؓ۔ ص ۱۸
۱۳۱ھ محمد ادریس کاندھلوی۔ سیرت المصطفٰیؐ۔ جلد ۱۔ ص ۱۹۵
۱۳۲ھ (۱) ابن جوزی: سیرۃ عمرؓ۔ ترجمہ شاہ حسن عطا: حیاتِ فاروق اعظمؓ۔ ص ۱۲
(۲) سید جمال حسینی: روضۃ الاحباب۔ ترجمہ سیرۃ مبارکہ رسالتمآبؐ۔ ص ۶۰
۱۳۳ھ طنطاوی: عمرؓ بن خطاب۔ ترجمہ عبدالصمد صارم۔ ص ۲۷۔ مطبوعہ البیان۔ لاہور
۱۳۴ھ (۱) ابن جوزی: سیرۃِ عمرؓ۔ ترجمہ حیاتِ فاروقِ اعظمؓ۔ ص ۹
(۲) ابنِ ہشام: سیرت النبیؐ۔ جلد ۱۔ ص ۳۸۱

۱۳۵ نعیم صدیقی: محسنِ انسانیت ؐ۔ ص ۱۶۷

۱۳۶ (۱) عبدالرؤف قادری داناپوری: اصح التیسیر فی ہدیٰ خیر البشر ؐ۔ ص ۸۲
(۲) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری: رحمۃ للعالمین۔ جلد ا ص ۶۲ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ لاہور

۱۳۷ محمد ادریس کاندھلوی: سیرت المصطفےٰ ؐ۔ ص ۱۵۰

۱۳۸ محمد بن عبدالوہاب: مختصر سیرۃ الرسول ؐ۔ ترجمہ محمد خالد سیف۔ ص ۱۲۹

۱۳۹ (۱) محمد بن سعد: طبقات۔ جلد ا۔ ص ۲۷۷۔ (۲) حافظ ابنِ قیم: زاد المعاد۔ جلد ۲۔ ص ۱۰۲
(۳) ابنِ جوزی: الوفا۔ ص ۲۴۷

۱۴۰ (۱) مخدوم محمد ہاشم سندھی: عہدِ نبوت کے ماہ و سال۔ ص ۳۵۔ ترجمہ محمد یوسف لدھیانوی مطبوعہ حسین چودھری ٹرسٹ۔ لاہور۔ (۲) شبلی نعمانی: سیرۃ النبی ؐ۔ جلد ا۔ ص ۲۴۸
(۳) غلام دستگیر نامی: تاریخِ مکہ معظمہ۔ ص ۸۸

۱۴۱ (۱) ڈاکٹر نثار احمد: شعب ابی طالب۔ نقوش رسول نمبر۔ جلد ۹۔ ص ۲۶۰
(۲) جسٹس سید امیر علی: روحِ اسلام۔ ص ۱۱۸۔ مطبوعہ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ لاہور
(۳) محمد عاصم: سفرنامۂ ارض القرآن

۱۴۲ (۱) محمد ادریس کاندھلوی: سیرت المصطفےٰ ؐ۔ ص ۲۰۰۔ بحوالہ اصابہ و روض الانف۔
(۲) ابنِ اسحاق: سیرتِ ابنِ اسحاق۔ نقوش رسول نمبر۔ جلد ۱۱۔ ص ۱۶۶
(۳) جامی: شواہد النبوۃ۔ ص ۱۰۶

۱۴۳ (۱) ابنِ ہشام: سیرت النبی ؐ۔ جلد ا۔ ص ۴۰۸۔ (۲) ابنِ حزم ظاہری: جوامع السیرۃ۔ ص ۹۳ ترجمہ محمد سردار احمد۔ مطبوعہ مکتبہ علمیہ۔ کراچی۔ (۳) سعید احمد اکبر آبادی: صدیق اکبر۔ ص ۳۴
(۴) محمد حبیب الرحمٰن خان شیروانی: سیرۃ الصدیق۔ ص ۱۵

۱۴۴ (۱) مسعود احمد: تاریخ الاسلام والمسلمین۔ ص ۱۳۲۔ بحوالہ صحیح بخاری۔ جلد دوم۔ ص ۲۱۷ کتاب التفسیر سورۂ قمر۔ (۲) جلال الدین سیوطی: الخصائص الکبریٰ۔ جلد ا۔ ص ۲۸۱۔ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی۔ کراچی۔ (۳) محمد عبدالمعبود: تاریخ مکہ مکرمہ۔ ص ۲۵۸

۱۴۵ (۱) محمد ابراہیم سیالکوٹی: سیرتِ المصطفےٰ ؐ۔ ص ۳۸۰۔ مطبوعہ نعمانی کتب خانہ۔ لاہور
(۲) مفتی محمد شفیع: معارف القرآن۔ جلد ۸۔ ص ۲۲۷

۱۴۶ (۱) مخدوم محمد ہاشم سندھی: عہدِ نبوت کے ماہ و سال۔ ص ۳۶۔ ترجمہ محمد یوسف لدھیانوی۔
(۲) سید جمال حسینی: روضۃ الاحباب۔ ترجمہ سیرۃ مبارکہ رسالت مآب ؐ۔ ص ۶۴
(۳) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری: رحمۃ للعالمین۔ جلد نمبر ۳۔ ص ۳۲۴
(۴) سید ابوالاعلیٰ مودودی: سیرتِ سرورِ عالم ؐ۔ جلد ۲۔ ص ۵۹۷

۱۴۷ (۱) ابوالکلام آزاد: رسولِ رحمت۔ بحوالہ البدایہ والنہایہ۔ ص ۱۷۱۔ مرتبہ غلام رسول مہر۔
(۲) عبدالرحمٰن بن خلدون: تاریخ ابنِ خلدون۔ حصہ اوّل۔ ص ۵۵۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی۔ کراچی

۱۴۸ کامل ابنِ اثیر: سیرت رسول کریمؐ۔ جلد ۲۔ ص ۱۴۷۔ مطبوعہ دائرہ معین المعارف۔ کراچی

۱۴۹ (۱) سعید انصاری: سیرت انصار حصہ اول ص ۴۳۔ مطبوعہ دار المصنفین۔ اعظم گڑھ
(۲) مخدوم محمد ہاشم سندھی: عہدِ نبوت کے ماہ و سال ص ۳۷۔ ترجمہ محمد یوسف لدھیانوی

۱۵۰ سیوطی: الخصائص الکبریٰ۔ جلد ۱۔ ص ۳۱۶

۱۵۱ (۱) ابی جعفر محمد بن جریر الطبری: تاریخ طبری۔ جلد ۱۔ ص ۱۰۶
(۲) جلال الدین سیوطی: الخصائص الکبریٰ۔ جلد ۱۔ ص ۳۱۶

۱۵۲ (۱) سید جمال حسینی: روضۃ الاحباب۔ ترجمہ سیرۃ مبارکہ رسالتمآبؐ۔ ص ۶۳
(۲) عبدالرؤف قادری داناپوری: اصح السیر۔ ص ۹۹
(۳) محمد ادریس کاندھلوی: سیرت المصطفیٰؐ۔ جلد ۱۔ ص ۲۰۲

۱۵۳ (۱) جسٹس امیر علی: روح اسلام۔ ص ۱۲۲
(۲) سید محمد رضوان اللہ و انتظام اللہ شہابی: سیرتِ الرسول۔ ص ۱۴۴
(۳) ابوالجلال ندوی: فخرِ موجودات کی مکمل زندگی۔ نقوش رسول نمبر۔ جلد ۲۔ ص ۴۰۷
(۴) عبدالرؤف قادری داناپوری: اصح السیر۔ ص ۹۴

۱۵۴ (۱) ابنِ اسحاق: سیرتِ ابنِ اسحاق۔ نقوش رسول نمبر۔ جلد ۱۱۔ ص ۲۵۴
(۲) ابنِ ہشام: سیرت النبیؐ۔ جلد دوم۔ ص ۶۶۔ (۳) محمد ادریس کاندھلوی: سیرتِ المصطفیٰؐ۔ ص ۲۰۵
(۴) مسعود احمد: تاریخ الاسلام والمسلمین۔ ص ۱۱۷
(۵) محمد ابراہیم میر سیالکوٹی: سیرت المصطفیٰؐ۔ ص ۳۲۱

۱۵۵ (۱) سید سلیمان ندوی: سیرتِ عائشہؓ۔ مطبوعہ معارف اعظم گڑھ
(۲) شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی: دس بڑے مسلمان۔ ص ۱۸۳۔ مطبوعہ مکتبہ میری لائبریری۔ لاہور

۱۵۶ ابنِ جوزی: الوفا۔ ص ۲۵۹۔ (۲) عبدالرؤف قادری داناپوری: اصح السیر۔ ص ۸۹

۱۵۷ (۱) تاریخ طبری۔ ص ۱۰۹۔ (۲) شاہ محمد جعفر پھلواری: پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۱۸۶
(۳) سید ابوالحسن علی ندوی: نبیٔ رحمتؐ ۱۴۴۔ (۴) ابوالکلام آزاد: رسولِ رحمتؐ۔ ص ۱۵۱
(۵) قاضی سلیمان سلمان منصور پوری: رحمۃ للعالمین۔ جلد ۱۔ ص ۶۶
(۶) سیرتِ ابنِ ہشام۔ ص ۶۹۴۔ (۷) مسعود احمد: تاریخ الاسلام والمسلمین ص ۱۱۸۔ بحوالہ کامل ابنِ اثیر
(۸) قسطلانی: مواہب لدنیہ۔ جلد اول۔ اردو ترجمہ سیرتِ محمدیہ۔ مترجم محمد عبدالجبار خان آصفی مطبوعہ تاج پریس۔ حیدر آباد دکن

۱۵۸ (۱) تاریخ طبری۔ ص ۱۱۰۔ (۲) سید جمال حسینی: روضۃ الاحباب۔ اردو ترجمہ سیرت مبارکہ رسالتمآبؐ۔ ص ۱۷
(۳) قسطلانی: مواہب لدنیہ۔ ص ۱۶۶/۱۷۰۔ بحوالہ جامع ترمذی و سُنن نسائی۔
(۴) حافظ ابنِ قیم: زاد المعاد۔ ص ۱۰۳۔ (۵) مخدوم محمد ہاشم سندھی: عہدِ نبوت کے ماہ و سال۔ ص ۴۰
(۶) مسعود احمد: تاریخ الاسلام والمسلمین۔ ص ۵۵۔ بحوالہ صحیح بخاری و مسلم

(۷) سیوطی : الخصائص الکبریٰ۔ جلد ا۔ ص ۳۰۰
۱۵۹ (۱) محمد ادریس کاندھلوی : سیرتِ المصطفےٰ۔ جلد ا۔ ص ۲۱۳
(۲) کامل ابن اثیر: سیرتِ رسول کریم۔ جلد ۲۔ ص ۱۴۳
۱۶۰ (۱) تاریخ طبری۔ جلد ا۔ ص ۱۱۲۔ (۲) ابنِ ہشام جلد ۲۔ ص ۴۷۳۔ (۳) ابنِ جوزی : الوفا۔ ص ۲۶۴
۱۶۱ (۱) ابن ہشام۔ جلد ۲۔ ص ۴۷۴۔ (۲) تاریخ طبری۔ جلد ا۔ ص ۱۱۲۔ (۳) محمد ابراہیم میر سیالکوٹی
سیرت المصطفےٰ۔ جلد ۲۔ ص ۳۴۶۔ بحوالہ البدایہ والنہایہ۔ (۴) ابن سعد : طبقات۔ جلد ا۔ ص ۲۸۴
(۵) شیخ محمد رضا: محمد رسول اللہ۔ مترجم محمد عادل قدوسی۔ مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ
۱۶۲ (۱) عبدالرحمٰن بن خلدون : تاریخ ابن خلدون۔ جلد ا۔ ص ۵۵۔ مترجم حکیم احمد حسین عثمانی
(۲) محمد ابراہیم میر سیالکوٹی : سیرتِ المصطفےٰ۔ ص ۳۴۸۔ بحوالہ البدایہ والنہایہ
۱۶۳ سید ابوالاعلیٰ مودودی: سیرتِ سرور عالم۔ جلد ۲۔ ص ۶۸۶
۱۶۴ ابنِ سعد : طبقات۔ جلد ا۔ ص ۲۸۵۔ (۲) احمد بن یحییٰ بن جابر الشہیر: بالبلاذری فتوح البلدان
ص ۲۸۔ ترجمہ سید ابوالخیر مودودی۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی۔ کراچی
۱۶۵ محمد ادریس کاندھلوی : سیرت المصطفےٰ۔ ص ۲۱۸
(۱) حافظ ابن قیم: زاد المعاد۔ جلد ۲۔ ص ۴۰۱۔ (۲) تاریخ ابنِ خلدون۔ ص ۵۴
(۳) ابنِ حزم ظاہری: جوامع السیرۃ۔ (۴) سید جمال حسینی: روضۃ الاحباب۔ ترجمہ سیرۃ مبارکہ
رسالتمآبؐ۔ ص ۹۱/۸۰۔ (۵) مخدوم محمد ہاشم سندھی: عہدِ نبوت کے ماہ و سال۔ ص ۴۷/۴۴
(۶) سعید کاظمی: معراج النبیؐ۔ ص ۵۵/۷۳۔ بحوالہ ابنِ کثیر۔ (۷) ڈاکٹر اسرار احمد: معراج النبیؐ۔ ص ۲۲
(۸) ابنِ جوزی: الوفا۔ ص ۲۷۴۔ (۹) مسعود احمد: تاریخ الاسلام والمسلمین۔ ص ۱۳۸
(۱۰) قاضی سلیمان سلمان منصور پوری: رحمۃ للعالمین۔ جلد ا۔ ص ۱۵۷
۱۶۶ (۱) محمد ابراہیم میر سیالکوٹی : سیرتِ المصطفےٰ۔ ص ۴۱۶
(۲) سید ابوالاعلیٰ مودودی : سیرتِ سرور عالمؐ۔ جلد ۲۔ ص ۶۹۶
۱۶۷ (۱) مسعود احمد: تاریخ الاسلام والمسلمین۔ ص ۱۵۲۔ بحوالہ صحیح بخاری و مسلم
(۲) محمد ادریس کاندھلوی : سیرتِ المصطفےٰ۔ ص ۲۶۹
۱۶۸ سعید انصاری : سیر انصار۔ جلد اول۔ ص ۴۸۔ بحوالہ اسد الغابہ
۱۶۹ محمد ادریس کاندھلوی : سیرتِ المصطفےٰ۔ جلد ا۔ ص ۲۶۳
۱۷۰ (۱) سعید انصاری: سیر انصار۔ حصہ اول و دوم
(۲) طالب ہاشمی: تیس پروانے شمع نبوت کے۔ (۳) خیر البشرؐ کے چالیس جاں نثار
۱۷۱ ابنِ ہشام: ص ۵۰۱۔ جلد ا۔ (۲) ابنِ سعد: طبقات۔ جلد ا۔ ص ۲۰۸
۱۷۲ شاہ معین الدین: مہاجرین۔ حصہ اول/دوم
۱۷۳ شاہ محمد جعفر پھلواری: پیغمبرِ انسانیتؐ۔ ص ۲۳۸

۱۷۴ھ (۱) محمد ادریس کاندھلوی: سیرتِ المصطفےؐ۔ جلد ۱۔ص ۲۷۲/۲۹۰
(۲) سید ابوالاعلیٰ مودودی: سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد ۲۔ص ۲۴۷۔ بحوالہ جامع ترمذی و مسند احمد
۱۷۵ھ حافظ نذر احمد: دیواریں اور غاریں
۱۷۶ھ (۱) محمد ادریس کاندھلوی: سیرت المصطفےؐ۔ جلد ۱۔ص ۲۷۸
(۲) شیخ محمد عبدالحق: مدارج النبوتؐ۔ص ۸۰
۱۷۷ھ قسطلانی: مواہب لدنیہ۔ص ۱۸۱
۱۷۸ھ ایضاً ص ۱۸۸۔ (۲) محمد ادریس کاندھلوی: سیرتِ المصطفےؐ۔ جلد ۱۔ص ۲۷۹
۱۷۹ھ ابنِ ہشام جلد ۱۔ص ۵۴۰۔(۲) ״ ״ ״ ״ ״ ״ ص ۳۰۱
۱۸۰ھ حافظ ابنِ قیمؒ: زادالمعاد۔ جلد ۲۔ص ۱۱۹/۱۲۱
(۲) ابنِ جوازی: الوفا۔ص ۲۹۳۔(۳) سیوطی: الخصائص الکبریٰ۔ جلد ۱۔ص ۳۶۴
(۴) شاہ محمد جعفر پھلواری: پیغمبرِ انسانیتؐ۔ص ۲۵۶
(۵) سید ابوالاعلیٰ مودودی: سیرتِ سرورِ عالمؐ۔ جلد ۲۔ص ۲۴۷
(۶) نعیم صدیقی: محسنِ انسانیتؐ۔ص ۸۸
۱۸۱ھ (۱) ابنِ جوزی: الوفا۔ص ۲۹۷۔(۲) محمد ادریس کاندھلوی: سیرتِ المصطفےؐ۔ جلد ۱۔ص ۳۰۴
(۳) قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری: رحمۃ للعالمین۔ جلد ۱۔ص ۹۰
۱۸۲ھ ابوالکلام آزاد: رسول رحمتؐ۔ص ۱۹۰۔ مرتبہ غلام رسول مہر
۱۸۳ھ (۱) ایضاً ص ۱۹۲
(۲) قاضی سلیمان سلمان منصور پوری: رحمۃ للعالمین۔ جلد اول ص ۹۱
۱۸۴ھ حافظ ابنِ قیمؒ: زادالمعاد۔ جلد ۲۔ص ۱۲۲

RekhtaDownload.com

نقشہ سفرِ ہجرتِ نبوی ﷺ
مسجد
حمراء
بدر
اجرار کی پہاڑی
ینبع البحر
مستورہ
رابغ
قضیمہ اکاظم
جدہ
حدیبیہ
مکہ معظمہ
خانۃ الکعبہ
المدینۃ المنورہ
قباء
ثنیۃ الوداع
جبل عیر
بطن ریم
العرج کی گھاٹی
العبابید
الفاجہ
وادی ذوسلم
ابجد اجد
مدلجہ مجاج
مدلجہ لقف
لقفا
ثنیۃ المرہ
الخرار
قدید
امج
عسفان
مولد النبی ﷺ
مسفلہ
جبل ثور
عام موجودہ راستہ
راہ ہجرت النبی ﷺ